هَلْ يَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ (سورة الزمر: ۹)

فضیلۃ الشیخ

محمد یحییٰ گوندلوی رحمہ اللہ

حیات و خدمات

از قلم

ملک عبدالرشید عراقی حفظہ اللہ

ناشر
شعبہ تالیف جامعہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سمبڑیال

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ

حیات وخدمات

تألیف

عبدالرشید عراقی

ناشر

عبدالحفیظ مظہر

نام کتاب ---------------------- مولانا محمد یحییٰ گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ (حیات وخدمات)

تالیف - - -------------------- عبدالرشید عراقی

کمپوزنگ- -------------------- ابو یاسر 0321-432-4632

سن طباعت -------------------- ۲۰۱۰ء

ناشر --- - -------------------- عبدالحفیظ مظہر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

جماعت اہلحدیث پاکستان کے نامور عالم دین، مصنف، محقق، مناظر اور داعی دین.......................................

مولانا ابوانس محمد یحییٰ گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ

اپنی حیات میں جن اداروں سے وابستہ رہے۔اس کی تفصیل حسب ذیل ہے

نائب شیخ الحدیث جامعہ محمدیہ حافظ آباد

شیخ الحدیث جامعہ رحمانیہ قلعہ دیدار سنگھ

شیخ الحدیث دار العلوم منڈی فاروق آباد

شیخ الحدیث جامعہ تعلیم القرآن والحدیث ساہوالہ

مدیر اعلیٰ ماہنامہ ترجمان السنۃ/ اشاعۃ السنہ، فاروق آباد

نگران اعلیٰ، ماہنامہ تنویر الہدیٰ، ڈسکہ

سرپرست شعبہ تقابل ادیان، جامعہ اہلحدیث، لاہور

صدر مجلس علمی مناظرہ، جامعہ اہلحدیث، لاہور

سرپرست، جامعہ خاتم النبیین ﷺ، سمبڑیال

رکن مجلس ادارت ماہنامہ النصیحہ، گوجرانوالہ

رکن مجلس ادارت ماہنامہ نداء الاسلام، پشاور

رکن مجلس شوریٰ مرکزی جمعیت اہلحدیث، پاکستان

سرپرست مرکزی جمعیت اہلحدیث، سیالکوٹ

امیر مرکزی جمعیت اہلحدیث، تحصیل سمبڑیال

امیر تحریک ختم نبوت العالمی اہلحدیث، پاکستان

چیئرمین، ادارہ تحفظ ختم نبوت السلفیہ، پاکستان

بانی، دفاع حدیث اکیڈمی، پاکستان

انتساب

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ

کے دیرینہ رفیق

مولانا عبدالحفیظ مظہر

کے نام

عبدالرشید عراقی

فہرست

باب (۳)

باب(٦)

تقریظ

شیخ الحدیث مولانا ابوانس محمد یحییٰ گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ جماعت اہلحدیث کے معروف عالم دین، بلند پایہ محقق، منجھے ہوئے مدرس، حاضر جواب مناظر، لائق مصنف ومترجم اور شارح اور سلجھے ہوئے خطیب تھے۔ انھوں نے درس وتدریس، تصنیف وتالیف، وعظ وتقریر اور مناظروں اور مباحثوں سے دین اسلام کی صحیح تعلیم کو اجاگر کیا اور بے پناہ خدمات سرانجام دیں۔ وہ سادی وضع کے عظیم المرتبت عالم دین تھے۔ حدیث رسول ﷺ کو پڑھنا پڑھانا زندگی بھران کا مقصد حیات رہا۔ ''بعض الناس'' کی طرف سے جب بھی جماعت اہلحدیث کو نشانہ ستم بنایا گیا تو وہ میدان میں آ گئے اور انھوں نے اپنے قلم سے دندان شکن جواب لکھے اور مناظرے کیے۔ وہ نہایت غیور اہلحدیث عالم دین تھے، مسلک اہلحدیث کا دفاع ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ انھوں نے کتب احادیث کے تراجم بھی کیے، شروح بھی لکھیں اور کئی تحقیقی کتب بھی تصنیف کیں۔ ان سے راقم کی پہلی ملاقات ۲۰ / اکتوبر ۱۹۹۴ء کو جامع القدس اہلحدیث چوک دالگراں لاہور میں سلطان المناظرین مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۶ دسمبر ۱۹۹۹ء) کے ہاں انعقاد پذیر نماز ظہر کے بعد مذاکرۂ علمیہ کے اجلاس میں ہوئی تھی، مجھے مناظر اہلحدیث علامہ محمد اشرف سلیم رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۲۷/ مئی ۲۰۰۲ء) اپنے ہمراہ مذاکرہ علمیہ میں لے کر گئے تھے۔ انھوں نے مولانا گوندلوی مرحوم اور دیگر علماء سے میرا تعارف کرایا۔ گوندلوی صاحب نہایت محبت وخلوص سے ملے اور پھر نماز عصر کا وضو کرتے ہوئے ان سے کچھ باتیں کرنے کا موقعہ ملا۔ مجھے یاد ہے کہ مذکورہ مذاکرۂ علمیہ میں لے گئے تھے۔ شروع ہونے سے پہلے گوندلوی صاحب نے اثنائے گفتگو فرمایا کہ جماعت کے فلاں مصنف نے اپنے ایک مضمون میں ''پھوڑی'' پر دعا کے متعلق اپنا واقعہ لکھا ہے۔ حافظ عبدالقادر روپڑی مرحوم اس وقت بقید حیات تھے وہ کہنے لگے: ''یحییٰ صاحب! اس پر فوراً مضمون لکھ کر ہمیں دیں، ہمارا ہفت روزہ تنظیم اہلحدیث ہر ''چھبیویں دن'' چھپ جاتا ہے۔ ان دنوں مولانا یحییٰ صاحب جماعت اہلحدیث کے ہفت روزہ اہلحدیث کے مدیر معاون تھے۔ ان کا اس سلسلے میں تبصرہ اہلحدیث میں شائع ہوا تھا۔ مولانا یحییٰ صاحب کا سراپا ان دنوں کچھ اس طرح تھا۔ گندمی رنگ، کشادہ پیشانی، تراش خراش سے محفوظ داڑھی جس کے چند بال سفید، اکہرہ بدن، شلوار قمیص زیب تن، سر پر کپڑے کی سادہ ٹوپی، سادی وضع، گفتگو میں متانت اور سنجیدگی اور انداز واطوار سے سلف کی تصویر۔ ان سے میری یہ پہلی ملاقات تھی، انہوں نے ہفت روزہ اہلحدیث کے لیے مضامین لکھنے کا بھی کہا اور اچھے الفاظ میں حوصلہ افزائی فرمائی۔ اس کے بعد ایک طویل عرصہ بیت گیا اور ان سے ملاقات نہ ہوسکی۔ جولائی یا اگست ۲۰۰۵ء میں وہ مولانا فاروق الرحمٰن یزدانی مدرس

جامعہ سلفیہ فیصل آباد سے ملنے فیصل آباد تشریف لائے، صبح کوئی دس بجے کا عمل ہوگا اور میں رحمانیہ دارالکتب میں اپنی مفوضہ ذمہ داریوں میں مصروف تھا کہ تین حضرات تشریف لائے اور کتابیں دیکھنے لگے، ایک طالب علم نے بتایا کہ مولانا یحییٰ گوندلوی صاحب تشریف لائے ہیں اور آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں جلدی سے دکان سے باہر آیا، مولانا کی خدمت میں سلام کیا اور معانقہ کیا۔ وہ کچھ دیر بیٹھے، ان کی ٹھنڈے شربت سے تواضع کی، کچھ ان کی اور کچھ اپنی تحریریں و تصنیفی سرگرمیوں سے متعلق باتیں ہوئیں پھر وہ واپس ساہووالہ تشریف لے گئے۔ ان سے تیسری یادگار ملاقات ۲۴ جولائی ۲۰۰۸ء کو نماز مغرب کے بعد ہوئی۔ وہ مولانا عبدالحفیظ مظہر اور حافظ عباد صاحب کے ہمراہ رحمانیہ دارالکتب تشریف لائے، وہی خلوص، محبت، سادگی، پون گھنٹہ کی ان سے مجلس خوب رہی، سنت نبوی ﷺ کا دفاع، فتنہ انکار حدیث کی سرکوبی، ''بعض الناس'' کی اہلحدیث کے خلاف ریشہ دوانیاں اس ملاقات کے خاص موضوع تھے اور اس پر انھوں نے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ دیگر ساتھیوں نے تو راقم کے اصرار پر ٹھنڈا اور میٹھا شربت پیا جبکہ گوندلوی صاحب فرمانے لگے سلفی صاحب! مجھے تو شوگر ہے لہٰذا ان کے لیے شوگر فری بوتل منگوائی گئی۔ جی چاہتا تھا کہ ان سے ملاقات طویل ہو جائے وہ علمی جواہر پارے بیان کرتے رہیں اور میں سنتا رہوں۔ وقت کم تھا، انھوں نے واپس جانا تھا وہ ڈھیروں دعائیں دے کر چلے گئے۔ ان سے میرے گہرے دوستانہ مراسم قائم ہو گئے تھے۔ اب گاہے گاہے ان سے فون پر بھی بات ہو جاتی تھی اور میں مسلسل رابطہ رکھتا تھا۔ کچھ عرصہ بیشتر ان کی بڑی تحقیقی اور عمدہ کتاب جو کہ احناف کی طرف سے شائع کردہ ایک کتاب کے جواب میں تھی مجھے مولانا فاروق الرحمٰن یزدانی صاحب نے عنایت فرمائی۔ کتاب پڑھ کر میں نے ان کو فون کیا۔ سلام دعا کے بعد میں نے کہا: مولانا! یہ کتاب آپ نے اپنے مزاج سے ذرا ہٹ کر لکھی ہے۔ فرمانے لگے ''سلفی صاحب! کبھی مزاج بدلنے بھی پڑتے ہیں۔'' دو اڑھائی ماہ قبل انھوں نے فرمایا کہ میں ان کی کتاب پر کچھ لکھ کر دوں۔ راقم نے ان کے حکم پر تقریظ لکھ کر ان کو بھیج دی۔ اس کی وصولی پر ان کا فون آیا کہ آپ نے بہت اچھا لکھا ہے بلکہ وہ اپنے مخصوص لہجے میں کہنے لگے سلفی صاحب! آپ نے اس تقریظ میں اپنی صحافتی زندگی کا نچوڑ بیان کر دیا ہے۔

وہ میرے بے تکلف مہربان خاص تھے، ان سے دوستی فقط لوجہ اللہ تھی۔ ۲۷ جنوری کی صبح سوا دس بجے میں نے ان کے موبائل پر فون کیا اور بے تکلفی سے کہا ''یحییٰ صاحب نیں'' دوسری طرف سے جواب ملا یحییٰ صاحب تو فوت ہو گئے۔ میں یہ الفاظ سن کر ہکا بکا رہ گیا۔ پوچھا کب؟ جواب ملا کل رات عشاء کے وقت۔ پھر اس کی تفصیل بتائی گئی کہ اچھے بھلے تھے، شوگر ہائی ہوئی ہسپتال داخل کرایا اور رات

وفات پا گئے۔ ہم جنازہ نماز پڑھ چکے ہیں اور میت کو ان کے آبائی گاؤں گوندلاں والا لے کر جا رہے ہیں۔ فون سننے والا ان کا شاگرد تھا جس نے یہ سب کچھ بتایا۔ دل تھا کہ اس خبر کو ماننے کے لیے تیار نہ تھا۔ تھوڑی دیر بعد مولانا فاروق الرحمٰن صاحب اور ملک عبدالرشید عراقی صاحب نے فون پر اطلاع دے کر اس خبر کی تصدیق کر دی، اب سوائے صبر کے کوئی چارہ نہ تھا۔ بہرحال وہ جماعت اہلحدیث کا عظیم سرمایہ اور علمی شخصیت تھے۔ ان کے پائے کے عالم خال خال ہی ہوں گے۔

ملک عبدالرشید عراقی صاحب جماعت اہلحدیث کے معروف قلمکار ہیں۔ اور سوانح نگاری میں ان کو خاص ملکہ حاصل ہے۔ شیخ الحدیث مولانا یحییٰ گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے دیرینہ تعلقات تھے۔ مولانا گوندلوی کو عراقی صاحب نے قریب سے دیکھا تھا۔ اور اس دیرینہ تعلقات کو پیش نظر رکھتے ہوئے عراقی صاحب مولانا گوندلوی کے حالات زندگی اور ان کی دینی، مذہبی اور علمی خدمات پر یہ کتاب مرتب فرمائی۔ جس کے پہلے باب میں مولانا گوندلوی کے حالات زندگی، تعلیم وتدریس، اور ان کے اخلاق وعادات پر روشنی ڈالی ہے۔ دوسرے باب میں مولانا گوندلوی کے آٹھ اساتذہ کرام کے حالات اور ان کی خدمات کا تذکرہ کیا ہے۔ تیسرا باب مولانا گوندلوی کی مطبوعہ تصانیف سے متعلق ہے۔ جن کی تعداد (۲۲) ہے۔ اور عراقی صاحب نے ان تمام تصانیف کا تعارف بڑی تفصیل سے کرایا ہے۔ اور یہ سب سے زیادہ طویل باب ہے۔ چوتھا باب مولانا گوندلوی کے فتاوی سے متعلق ہے مولانا مرحوم کے یہ فتاوی ماہنامہ شمس الہدی ڈسکہ، اور بعد میں ماہنامہ تنویر الھدی ڈسکہ میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ عراقی صاحب نے یہ تمام فتاوی کتاب میں شامل کر دیے ہیں (یہ تمام فتاوی مولانا گوندلوی نے قرآن وحدیث کے حوالہ کے ساتھ تفصیل سے لکھے ہیں۔ حرمت سود پر مولانا گوندلوی کا فتوی بڑا مفصل اور طویل ہے۔ کچھ فتاوی جو مختصر ہیں اور جن کی تعداد (۶۰) ہے۔ مولانا ابوعمر عبدالعزیز سیال سوہدروی نے عراقی صاحب کو مہیا کیے ہیں وہ بھی عراقی صاحب نے شامل کتاب کیے ہیں۔

پانچواں باب مقدمات وتقریظات کے متعلق ہے جو مولانا گوندلوی نے دوسرے مصنفین کی کتابوں پر لکھے۔ ان میں دو کتابیں ''مقام حدیث'' اور ''برہان الحدیث'' تو عراقی صاحب کی تصنیف کردہ ہیں۔ اس باب میں عراقی صاحب نے مولانا گوندلوی کے مقالات کی فہرست بھی درج کی ہے۔ جو مولانا گوندلوی نے جماعتی رسائل وجرائد (تنظیم اہلحدیث۔ اہلحدیث۔ الاعتصام۔ ترجمان الحدیث۔ ضیائے حدیث) میں دفاع حدیث اور دوسرے موضوعات پر لکھے۔

آخری باب کا عنوان ہے ایک کامیاب صدر مناظرہ اس میں مولانا گوندلوی کے صدر مناظرہ

اور معاون مناظرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

عراقی صاحب نے مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ پر یہ کتاب لکھ کر عظیم علمی خدمت انجام دی ہے اور عراقی صاحب نے مولانا گوندلوی سے دوستی کا صحیح حق ادا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ عراقی صاحب کی اس محنت کو قبول فرمائے۔ اور عراقی صاحب کی عمر اور علم میں برکت عطا فرمائے۔ آمین

محمد رمضان یوسف سلفی

رحمانیہ دار الکتب، امین پور بازار۔ فیصل آباد

۲۳ / مارچ ۲۰۰۹ء

تعارف

ہر انسان نے اس دنیا میں اپنا سفر پورا کر کے آخرت کے نہ ختم ہونے والے سفر پر گامزن ہو جانا ہے۔ اگرچہ منزل ایک ہی ہوتی ہے۔ اور اسفار الگ الگ ہوتے ہیں اور جن کے اسفار لازوال اور یادگار ہوتے ہیں وہ خود بھی اپنے اسفار کے ساتھ انمٹ نقوش بن جاتے ہیں۔ انھیں نقوش میں ایک خوبصورت اور دلکش نقش جو کبھی نہ مٹ سکے گا۔ وہ شیخ الحدیث مولانا محمد یحییٰ گوندلوی کا ہے۔ جنھوں نے ۲۶ ر جنوری ۲۰۰۹ء مطابق ۲۸ رمحرم ۱۴۳۰ھ کو اس دنیائے فانی سے دار البقاء کی طرف کوچ کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی اپنے دم سے ایک عہد تھے وہ اپنی ذات میں خود ایک ادارہ اور انجمن تھے۔ گوندلوی صاحب نے اپنی زندگی مسلک اہلحدیث کی اشاعت اور حدیث نبوی ﷺ کی نصرت وحمایت اور مدافعت کے لیے وقف کر دی تھی۔

شیخ گوندلوی ملّت بیضا کی شمع تھے۔ ان کے رخصت ہونے سے ایک روشن چراغ بھی گل ہوا اور اندھیرا بڑھ گیا۔ ان کے دم قدم سے دنیائے علم وادب میں جو رونق تھی وہ سونی پڑ گئی۔ ایک قیمتی متاع تھی جسے موت ساتھ لے گئی، ان کی وفات سے جماعت اہلحدیث پاکستان کا ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے۔

شیخ گوندلوی نے فراغت تعلیم کے بعد اپنی تدریس کا آغاز اپنے آبائی گاؤں گوندلانوالہ سے کیا۔ اس کے بعد حافظ آباد، قلعہ دیدار سنگھ، منڈی فاروق آباد اور ساہووالہ میں تدریس فرماتے ہوئے اس دنیائے فانی کو خیر آباد کہہ گئے۔

شیخ گوندلوی کی شخصیت گوناگوں اوصاف کی حامل تھی۔ ایسی شخصیت کا دنیا سے اٹھ جانا ایک عظیم علمی نقصان ہے اور ایسی ہی شخصیتوں کے بارے میں شاعر مشرق نے فرمایا تھا۔

ہزاروں سال نرگس اپنے بےنوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

شیخ گوندلوی اپنی وضع کے پابند، اخلاق وشرافت کا مجسمہ اور علم وعمل کا پیکر تھے۔ شیخ گوندلوی تحریر وتقریر میں منفرد حیثیت کے مالک تھے۔ زبان وقلم میں بلا کی شگفتگی تھی آپ کی تحریر قرآن وحدیث اور آثار صحابہ واقوال تابعین وائمہ کرام کی روشنی میں باحوالہ ہوتی تھی ٹھوس اور قیمتی مطالعہ ان کا سرمایہ علم تھا۔ حدیث، تاریخ، فقہ المذاہب الاربعہ پر ان کا مطالعہ بہت زیادہ تھا۔ فن اسماء الرجال اور جرح وتعدیل میں ان کو کافی مہارت حاصل تھی۔

علم وفضل کے اعتبار سے شیخ گوندلوی بڑے بلند مرتبہ ومقام کے حامل تھے۔اور یہ حقیقت ہے کہ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے ان کی وفات سے دنیائے علم وادب میں جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پر ہونا مشکل نظر آتا ہے۔

اب نہ آئے گا نظر ایسا کمال علم وفن
گو بہت آئیں گے دنیا میں رجال علم وفن

شیخ گوندلوی کی تحریری خدمات نا قابل فراموش ہیں۔جامع ترمذی،سنن ابن ماجہ،شمائل ترمذی، ضعیف اور موضوع روایات،مقلدین ائمہ کی عدالت میں،داستان حنفیہ اور تخریج معیار الحق ان کی یادگار تصانیف ہیں۔ان کی یہ تصانیف ان شاء اللہ العزیز قیامت تک ان کے لیے صدقہ جاریہ ثابت ہوں گی اور یہ کتابیں ان کا نام روشن رکھیں گی۔

مدت کے بعد ہوتے ہیں پیدا کہیں وہ لوگ
مٹتے نہیں ہیں دہر سے جن کے نشان کبھی

محترم ملک عبدالرشید عراقی صاحب کے شیخ گوندلوی سے دیرینہ مراسم تھے۔عراقی صاحب نے اپنے اس دیرینہ مراسم کو مدنظر رکھتے ہوئے شیخ گوندلوی کے حالات زندگی اور ان کی علمی خدمات یہ کتاب ترتیب دی ہے۔اس کتاب میں شیخ گوندلوی کی تصانیف (مطبوعہ) کا تفصیل سے تعارف کرایا گیا ہے۔ اور علاوہ ازیں شیخ گوندلوی کے فتاوی جو ماہنامہ شمس الہدی اور تنویر الہدی ڈسکہ میں شائع ہوتے رہے ہیں،جمع کر دیے ہیں اور اس کے ساتھ شیخ گوندلوی نے بعض دوسرے مصنفین کی کتابوں پر جو مقدمات وغیرہ لکھے، وہ بھی اس کتاب کی زینت ہیں۔ان میں دو کتابیں (مقام حدیث اور برہان الحدیث) عراقی صاحب کی تصنیف کردہ ہیں اس کتاب میں عراقی صاحب نے ایک اضافہ کیا ہے کہ شیخ گوندلوی کے بعض علمی وتحقیقی مقالات بھی شامل کیے ہیں۔

بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ عراقی صاحب نے شیخ گوندلوی پر یہ کتاب مرتب کر کے ایک عظیم علمی خدمت انجام دی ہے۔اللہ تعالیٰ عراقی صاحب کو اجر عظیم عطا فرمائے کہ انھوں نے شیخ گوندلوی سے اپنی رفاقت کا حق ادا کر دیا ہے۔

ابو عمر عبدالعزیز سیال سوہدروی

۳۰/مارچ ۲۰۰۹ء

حرفِ آغاز

سوانح نگاری یا تذکرہ نویسی ایک ایسا موضوع ہے جس پر صدیوں سے اہل علم واہل قلم اپنے اپنے ذوق کے مطابق کام کررہے ہیں۔اوران شاء اللہ قیامت تک کرتے رہیں گے۔ بے شمار علمائے کرام نے اپنے اساتذہ وشیوخ کے حالات زندگی،ان کی تصانیف اوران کی دینی وعلمی خدمات کواجاگر کیاہے۔سوانح نگاری پر اتنی کتابیں لکھی گئی ہیں کہ جن کا شمارناممکن ہے میں یہاں چند مشہور کتابوں کا تذکرہ کروں گا۔جن کا تعلق مسلک اہلحدیث سے ہے یعنی مصنف بھی مسلک اہلحدیث سے تعلق رکھتا ہےاور جس شخصیت پرقلم اٹھایا گیا ہے وہ بھی اہلحدیث ہے مثلاً

مولانا سید نواب علی حسن خان نے حضرت والا جاہی مولانا سید نواب صدیق حسن خاں کے حالات اوران کی خدمات پر''مآثر صدیقی'' کے نام سے (٦) جلدوں میں کتاب لکھی ہے مولانا قاضی محمد شہری نے عربی میں''نفقد الدراہم'' کے نام ہے کتاب لکھی ہے یہ کتاب علامہ محمد حیات سندھی کے حالات وخدمات پر مشتمل ہے۔

مولانا حالی نے''حیات سعدی،حیات جاوید'' (سرسید احمد کے حالات)اور''یادگار غالب'' لکھیں۔مولانا عبدالسلام مبارک پوری نے امام بخاری کے حالات اوران کی خدمات پر ایک بے نظیر کتاب''سیرۃ البخاری'' قلمبند کی۔مولانا رحیم بخش دہلوی نے شاہ ولی اللہ دہلوی کے حالات میں ''حیات ولی'' لکھی مولانا عطاء اللہ حنیف نے''امام شوکانی''،مولانا عبدالمجید سوہدروی کی''سیرت ثنائی''،مولانا محمد یوسف کوکن کی''امام ابن تیمیہ''،مولانا محمد اسحاق بھٹی کی''تذکرہ صوفی محمد عبداللہ''اور ''تذکرہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری''، پروفیسر ڈاکٹر عبدالغفور راشد کی''مولانا محمد حسین بٹالوی''مولانا محمد رمضان سلفی کی کتاب''اللہ کے چار ولی''اورراقم آثم کی''شاہ ولی اللہ دہلوی،تذکار آزاد،حیات نذیر، تذکرہ محدث روپڑی''اور''تذکرہ محدث وزیرآبادی''سوانح نگاری سے تعلق رکھتی ہیں۔

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی کا شمار ممتاز علمائے اہلحدیث میں ہوتا تھا۔آپ بلند پایہ عالم دین، مناظر،مدرس،مصنف اورواعظ تھے۔حدیث نبوی ﷺ سے ان کووالہانہ شغف تھا۔حدیث کے معاملہ میں معمولی سی مداہنت بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔جب بھی کسی طرف سے اسلام اور پیغمبر اسلام اور حدیث نبوی پرحملہ ہواتواس حملے کوروکنے کے لیے ان کاقلم شمشیر بے نیام ہوجاتا تھا۔اخلاق وعادات کے اعتبار سے مولانا گوندلوی علمائے سلف کانمونہ تھے۔زہد وورع اور تقویٰ وطہارت کا پیکر تھے۔میرا

ان سے ۲۰۔۲۵ سال سے تعلق تھا۔اور میں یہ بات بڑے وثوق سے کہہ سکتا ہوں:

''میں نے علماء میں ایسا شریف، ایسا نیک باطن، ایسا دوراندیش، ایسا فیاض، ایسا سادہ مزاج، اس پر ایسا مستقل مزاج، خوش اخلاق، شریں گفتار، باغ وبہار، ایسا خشک اور ایسا تر آدمی نہیں دیکھا۔ ایسا متقی وپرہیزگار اور ساتھ ہی وسیع المشرب اور وسیع الاخلاق وہ مذہبی تھے اور سخت مذہبی۔''

یہ کتاب (مولانا محمد یحییٰ گوندلوی، حیات خدمات) (٦) ابواب میں منقسم ہے۔ پہلے باب میں ان کے حالات زندگی، تعلیم، تدریس اور ان کے اخلاق وعادات پر روشنی ڈالی گئی ہے، دوسرے باب میں مولانا گوندلوی کے اساتذہ کا تذکرہ ہے۔ تیسرے باب میں ان کی (۲۰) تصانیف کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے چوتھا باب ان کے فتاوی کے متعلق ہے پانچویں باب میں مولانا گوندلوی نے دوسرے مصنفین کی تصانیف پر جو مقدمات وتقریظات اور تعارف لکھا، ان کا ذکر کیا ہے۔ آخری باب میں مولانا گوندلوی کا علم مناظرہ میں جو مقام تھا۔ اس پر روشنی ڈالی ہے اور اس کے ساتھ آپ نے جماعتی رسائل وجرائد میں جو مقالات ومضامین لکھے ان کی جو تفصیل سے مل سکی ہے اس کا ذکر کیا ہے۔

مولانا گوندلوی کی تصانیف کے حصول میں مجھے بہت زیادہ تگ ودو کرنی پڑی ہے اور اس سلسلہ میں جن حضرات نے میری معاونت کی ہے میں ان کا بہت زیادہ شکر گزار ہوں۔ یعنی حافظ عابد الٰہی صاحب (ڈسکہ)، قاری غلام رسول صاحب (نوشہرہ ورکاں) مولانا ابوعمر عبدالعزیز سیال صاحب (سوہدرہ) مولانا عبدالحفیظ مظہر صاحب (ڈسکہ)، مولانا غلام مصطفیٰ فاروق صاحب (ریحان چیمہ) اور مولانا محمد رمضان یوسف سلفی صاحب (فیصل آباد)۔

اگر اس کتاب میں کوئی خوبی ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر اس کا فضل وکرم ہے اگر کوئی خامی ہے اور اس تقصیر کا ذمہ دار یہ خاکسار ہے مولانا عبدالحفیظ مظہر صاحب کا مشکور شاکر ہوں کہ انھوں نے یہ کتاب شائع کر کے اپنے دیرینہ رفیق کی رفاقت کا صحیح حق ادا کیا ہے۔ مولانا محمد رمضان یوسف سلفی صاحب نے تقریظ اور مولانا ابوعمر عبدالعزیز سیال صاحب نے تعارف لکھا ہے راقم ان دونوں کا بے حد مشکور ہے۔

عبدالرشید عراقی

سوہدرہ۔ ضلع گوجرانوالہ

۲۳/مارچ ۲۰۰۹ء ۲۵ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ

باب (۱)

شیخ التفسیر والحدیث مولانا محمد یحییٰ گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ

نقوش زندگی

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

ابھی شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز رحمۃ اللہ علیہ شارح سنن ابن ماجہ و مہتمم جامعہ رحمانیہ (سابقہ ابراہیمیہ) سیالکوٹ کی رحلت کو پورے دو ماہ بھی نہ گزرے تھے کہ جماعت اہلحدیث پاکستان کے نامور عالم دین، بلند پایہ محقق ومؤرخ، مفسر ومحدث، معلم ومتکلم، مدرس ومصنف اور صاحب طرز ادیب، شیخ التفسیر والحدیث مولانا ابوانس محمد یحییٰ گوندلوی ۲۶؍جنوری ۲۰۰۹ء کو بعد نماز مغرب ساہوالہ میں اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی مرحوم سے میرے تعلقات تقریباً (۲۵) سال سے تھے۔ غالباً ۱۹۸۲ء کی بات ہے اور اتوار کا دن تھا بعد نماز ظہر میں کھانا کھا رہا تھا کہ میرے ایک عزیز کا بیٹا جس کی عمر اس وقت تقریباً ۱۲ سال تھی وہ میرے مکان کے اندر آیا۔ اور مجھ سے کہنے لگا۔ ماموں جان باہر ایک مولوی صاحب آئے ہیں اور آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں نے اسے کہا: کہ ان کو اندر بیٹھک میں بٹھاؤ اور میں جلدی جلدی کھانا کھا کر فارغ ہوا۔ اور بیٹھک میں جا کر ملا۔ مولانا صوفہ سے اٹھ کر بغلگیر ہوئے اور مصافحہ کیا اور اپنا تعارف کرایا کہ مجھے یحییٰ گوندلوی کہتے ہیں آپ کے مضامین جماعتی رسائل وجرائد میں پڑھتا ہوں آج اتوار ہے میں نے سوچا کہ آج عراقی صاحب گھر میں ہی ہوں گے۔ ملاقات ہو جائے گی تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ مجھے آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے میں نے جواب میں کہا کہ آپ کی ذرہ نوازی ہے کہ آپ میرے غریب خانہ پر تشریف لائے ہیں۔

اس کے بعد راقم نے مولانا یحییٰ گوندلوی کی خدمت میں عرض کیا آپ سے باتیں تو بہت ہوں گی پہلے کھانا کھالیں۔ اس کے بعد آرام سے آپ کے ساتھ مجلس ہوگی۔ چنانچہ کھانا کھانے کے بعد مولانا مرحوم سے نماز عصر تک مجلس رہی۔ یہ میری ان سے پہلی ملاقات تھی۔

اس کے بعد کافی عرصہ تک ملاقات نہ ہوسکی تو ایک دن راقم مولوی عبدالرحمٰن سلفی صاحب سابق

خطیب جامع مسجد اہلحدیث ککے زئیاں سوہدرہ کے ہمراہ ساہوالہ حاضر ہوا۔تو مولانا گوندلوی اپنے مکان کے باہر ملے۔ بڑے خوش ہوئے۔ چائے پلائی اور فرمایا کہ آپ ایسے وقت آئے ہیں کہ میں لاہور جا رہا ہوں۔مولانا حافظ عبدالقادر صاحب روپڑی نے بلایا ہے۔راقم نے عرض کیا کوئی بات نہیں، ان شاء اللہ پھر کسی دن ملاقات کے لیے آجاؤں گا۔ یہ مرحوم مولانا گوندلوی سے دوسری ملاقات تھی۔اس کے بعد ایسے تعلقات استوار ہوئے کہ ان سے ہر ماہ دو ماہ بعد ملاقات ہو جاتی تھی کبھی راقم ساہوالہ چلا جاتا کبھی مولانا خود سوہدرہ تشریف لے آتے اور کبھی ٹیلیفون پر بھی ان سے رابطہ ہو جاتا تھا۔

یہ ایک رسم سی ہوگئی ہے کہ جب کوئی آدمی اس دنیا سے جاتا ہے تو کہا جاتا ہے وہ بہت نیک، شریف اور بھلا مانس تھا۔ بڑا عقل مند تھا، اچھا کردار رکھتا تھا، کسی سے اس کا لڑائی جھگڑا نہ تھا، ہر ایک سے خندہ پیشانی سے پیش آتا تھا وغیرہ وغیرہ۔مگر دیکھنا یہ ہے کہ کتنے لوگ ہیں جو واقعی شریف، نیک، بھلے مانس اور صاحب کردار ہوتے ہیں۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی مرحوم لکھتے ہیں:

> ''موت سے کسی کو مفر نہیں۔لیکن جو لوگ ملی مقاصد کی تائید وحصول میں تادم آخر کام کرتے رہتے ہیں وہ کتنی ہی طویل عمر کیوں نہ پائیں۔ان کی وفات قبل از وقت اور تکلیف دہ محسوس ہوتی ہے۔''
>
> [گنجہائے گرانمایہ]

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی رحمہ اللہ پر یہ جملہ مکمل طور پر صادق آتا ہے جنھوں نے اپنی زندگی دین اسلام کی نشر واشاعت، کتاب وسنت کی ترقی وترویج، مسلک اہلحدیث کی اشاعت وتائید، حدیث نبوی ﷺ کی نصرت ومدافعت اور شرک وبدعت ومحدثات کی تردید کے لیے وقف کر دی تھی۔

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی رحمہ اللہ اپنے دم سے ایک عہد تھے۔ وہ اپنی ذات سے خود ایک انجمن اور ادارہ تھے۔ مولانا محمد گوندلوی رحمہ اللہ جماعت اہلحدیث کا ایک درخشان ستارہ تھے۔ ان کے رخصت ہونے سے ہر سو اندھیرا چھا گیا۔ان کے دم قدم سے دنیائے علم وادب میں جو رونق تھی وہ سنسان پڑ گئی۔ایک قیمتی متاع تھی جسے موت ساتھ لے گئی۔ جماعت اہلحدیث کا یہ ناقابل تلافی نقصان ہوا جب ان کی سب سے زیادہ ضرورت محسوس ہو رہی تھی تب ہی وہ نہ رہے۔

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی رحمہ اللہ کی ذات اور شخصیت ایسے اوصاف وکمالات کی جامع تھی جن کا فی زمانہ شخص واحد میں جمع ہونا شاذ ونادر ہی ہو سکتا ہے وہ ایک منفرد حیثیت کے مالک تھے۔اور ایسی منفرد شخصیت صدیوں بعد پیدا ہوتی ہے اور ایسی ہی عظیم شخصیات کے بارے میں شاعر مشرق نے فرمایا تھا۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پر روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے اتنے پہلو ہیں کہ ان سبھوں کو اجاگر کرنا مشکل نظر آتا ہے وہ ایک عالم دین، محقق، مؤرخ، مصنف ومدرس، مقرر ومناظر اور صاحب افتاء کی حیثیت سے جماعت اہلحدیث پاکستان میں بڑی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو جتنا زرخیز دماغ، دوراندیشی لکھنے اور پڑھانے کی صلاحیت عطا کی تھی اس میں وہ منفرد حیثیت کے حامل تھے۔ ان میں ایک وصف سب سے نمایاں تھا کہ وہ بہت متواضع تھے۔ بڑی محبت اور شفقت سے ہر ایک کو ملتے ان کی شخصیت کا بڑا کمال یہ تھا کہ ان کے ہاں غیر کوئی نہ تھا۔ سب لوگ ان کے اپنے تھے۔ مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ صحیح معنوں میں امیر مینائی کے اس شعر کی عملی تصویر تھے۔

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

لیکن افسوس! اب یہ مرد درویش گوندلانوالہ کی زمین میں قیامت تک کی نیند سوگیا۔

قضا کس کو نہیں آتی ہے یوں تو سب کو آتی ہے
پر اس مرحوم کی بوئے کفن کچھ اور کہتی ہے

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ پاکستان اور خاص کر جماعت اہلحدیث کے ممتاز صاحب بصیرت اور دردمند عالم دین تھے۔ آج جن کو مرحوم لکھتے ہوئے دل دکھ رہا ہے لیکن درحقیقت موت قدرت کا ایسا اٹل قانون ہے جہاں عقل وخرد، فہم وفراست کی تمام تدبیریں ناکام ہو جاتی ہیں بقول علامہ اقبال۔

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

لیکن بعض شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں جو ہر دور میں اپنے کارناموں کی وجہ سے نظروں سے اوجھل ہونے کے باوجود دل ودماغ اور تاریخ کے صفحات سے کبھی فراموش نہیں ہوتیں۔

مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ نہایت دردمند، مخلص، ہمدرد، شفیق دوست ملنسار اور گہری سوجھ بوجھ کے انسان تھے۔ جتنا انھیں قریب سے دیکھا، خوبیاں ہی خوبیاں ملیں وہ بلاشبہ جماعت اہلحدیث پاکستان کے لیے سرمایہ صد افتخار تھے۔

مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ واقعتا اپنی ذات میں ایک انجمن تھے ان کا اس دنیائے فانی سے رحلت کر جانا جماعت اہلحدیث کے لیے نا قابل تلافی نقصان ہے ۔

مدت کے بعد ہوتے ہیں پیدا کہیں وہ لوگ
مٹتے نہیں ہیں دہر سے جن کے نشان کبھی

کائنات نے اپنی بقاء کے لیے کبھی اشخاص کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلائے مگر یہ حقیقت اپنی جگہ تسلیم ہے کہ اس عالم رنگ وبو میں جو زندگی بھی نظر آتی ہے۔ وہ چند باہمت اشخاص کی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ یہ شخصیتیں اگرچہ دنیا سے اٹھ جاتی ہیں مگر ان کی یاد ہمشہ تازہ رہتی ہے۔ موت ان کے جسموں کو فنا کردینے پر قدرت رکھتی ہے مگر ان کی عظمت اس کی دستبرد سے ہمیشہ محفوظ رہتی ہے۔ یہ لوگ اپنے پیرہن خاکی میں زندہ نہ سہی مگر اپنے اعمال وافعال، خیالات وتصورات میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جیتے ہیں۔ اپنے رفیق اعلیٰ کی قربت انھیں اس دنیا سے دور نہیں کرتی۔ انسانیت کے قافلے ان کے نقش پا کو دیکھ کر فوراً پکار اٹھتے ہیں ۔

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے

شیخ الحدیث مولانا ابوانس محمد یحییٰ گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی انہی چند خوش نصیبوں میں شمار ہوتا ہے وہ ایک فرد نہیں بلکہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ ان کی وفات ایک فرد کی وفات نہیں بلکہ ایک ادارہ کی وفات ہے۔

مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ خداداد ذہانت اور اعلیٰ صلاحیت کے مالک تھے طبیعت میں اعتدال، رائے میں توازن، فکر میں گہرائی، معاملات میں دوراندیشی، آپ کا طرہ امتیاز تھی۔ مولانا گوندلوی اپنی وضع کے پابند، اخلاق وشرافت کا مجسمہ اور علم وحلم کا پیکر تھے۔ جاہ وریاست کے طالب نہ تھے۔ موقع پرستی کی سیاست سے ہمیشہ دور رہے۔ ذیابیطس کے پرانے مریض تھے لیکن عزم وہمت کا پہاڑ تھے اپنے عزم وارادہ کے انتہائی پختہ مرد آہن تھے۔ جب بھی بیماری سے کچھ افاقہ ہوتا تو تصنیف وتالیف میں مشغول ہو جاتے تھے اگر کسی جگہ وعظ وتقریر کی دعوت آجاتی تو فوراً وہاں تشریف لے جاتے تھے۔

مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اس قدر ہمہ گیر اور ہمہ صفت ہے جس کی مثال شاید اس زمانے میں ناپید ہے۔ آپ عالم باعمل تھے، متبع سنت تھے۔ تقریر کا اچھا ملکہ انھیں حاصل تھا اور ان کی تحریر بڑی مدلل اور قرآن وحدیث کے حوالہ جات سے مزین ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو غیر معمولی دینی فہم عطا

کی تھی آپ پاکیزہ اخلاق کے مجسمہ تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ کے کردار میں صحابہ کرام کی تقلید کی پوری جھلک پائی جاتی تھی۔

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی کئی تعلیمی وعلمی اداروں سے وابستہ تھے۔انجمن خاتم النبیین ﷺ کے صدر، ماہنامہ نداء الاسلام پشاور اور ماہنامہ تنویر الہدیٰ ڈسکہ کے نگران اعلیٰ، مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان تحصیل سمبڑیال کے امیر اور مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی رحمہ اللہ کی قائم کردہ مجلس مناظرہ کے صدر تھے۔مرحوم کی وفات سے بہت سے ادارے ایک ہمدرد انسان کی رہنمائی سے محروم ہو گئے ہیں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین اسلام کے اس سچے خادم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور علیین میں مقام عطا کرے۔

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

ولادت ووطن

مولانا محمد یحییٰ بن محمد یعقوب ۱۹۵۶ء مطابق ۵-۱۳ھ ضلع گوجرانوالہ کے قصبہ گوندلانوالہ میں پیدا ہوئے۔گوندلانوالہ گوجرانوالہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے گوندلانوالہ کے بارے میں مولانا محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں:

> ''گوندلانوالہ کے وجہ تسمیہ کا قطعی علم تو نہیں، تاہم اس کے نام سے یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ اس کا بانی جاٹوں کی ''گوندل'' برادری سے تعلق رکھتا ہوگا اور یہ قصبہ جو ابتداء میں چند گھرانوں یا افراد پر مشتمل ہوگا اسی برادری کی نسبت سے ''گوندلانوالہ'' کے نام سے موسوم ہو گیا۔بلاد وامصار اور قصبات ودیہات کی بالعموم وجہ تسمیہ کچھ اسی قسم کی ہوتی ہے۔''
>
> [نقوش عظمت رفتہ ص۱۲۴]

جماعت اہلحدیث کے نامور عالم دین حضرت العلام حافظ محمد محدث گوندلوی رحمہ اللہ بھی گوندلانوالہ کے باسی تھے۔حضرت العلام کی ذات محتاج تعارف نہیں۔آپ ایک بلند پایہ عالم دین، مفسر، محدث، فقیہ، مجتہد، مؤرخ، ادیب، دانشور، مصنف، مدرس، مناظر وفلسفی تھے۔تمام علوم اسلامیہ یعنی تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ وسیر، اسماء الرجال، معانی وادب، لغت، صرف ونحو میں یکساں عبور حاصل تھا۔علوم معقولات ومنقولات اور فلسفہ ومنطق پر بھی انھیں کامل عبور تھا۔حدیث اور متعلقات حدیث پر ان

کو کافی دسترس حاصل تھی۔ ان کی ساری زندگی تفسیر، حدیث اور فقہ کے اسباق پڑھانے میں بسر ہوئی۔ ان کے تلامذہ کا شمار ممکن نہیں۔

حافظ صاحب ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷ء میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۴ر رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ مطابق ۴ر جون ۱۹۸۵ء کو گوجرانوالہ میں رحلت فرمائی۔

مولانا محمد عباس انجم گوندلوی ﷾ کا تعلق بھی گوندلانوالہ سے ہے۔ اس وقت مولانا حافظ محمد الیاس اثری کے مدرسہ گوجرانوالہ میں حدیث پڑھانے پر مامور ہیں۔ علوم اسلامیہ پر ان کی نظر وسیع ہے۔ تدریس کے ساتھ ساتھ اعلیٰ پایہ کے مقرر بھی ہیں۔

دینی مسائل پر ان کی معلومات وسیع ہیں۔ اخلاق وعادات کے اعتبار سے بڑے ملنسار، خلیق اور محبت کرنے والے عالم دین ہیں۔

ابتدائی تعلیم

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی نے ابتدائی عصری تعلیم اپنے قصبہ کے پرائمری سکول میں حاصل کی۔ اس کے بعد ان کے قلب وذہن میں دینی تعلیم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔

جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ میں داخلہ

مولانا گوندلوی دینی تعلیم کے حصول کے لیے جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ میں داخل ہوئے۔ اس مدرسہ میں آپ نے شیخ الحدیث مولانا ابوالبرکات احمد مدراسی (م ۱۹۹۱ء) مولانا قاری محمد یحییٰ بھوجیانی (م ۱۹۹۷ء) اور شیخ الحدیث مولانا محمد اعظم ﷾ سے علوم اسلامیہ میں تعلیم حاصل کر کے ۱۹۷۴ء میں فارغ ہوئے۔

ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد میں داخلہ

جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ سے فارغ ہونے کے بعد مولانا محمد یحییٰ گوندلوی نے فیصل آباد کا رخ کیا۔ اور ادارہ علوم اثریہ منٹگمری بازار میں داخل ہوگئے۔ یہاں آپ نے مولانا محمد عبداللہ فیصل آباد (م ۱۹۸۳ء) سے ''تخصص فی الحدیث'' کا کورس پاس کیا۔ اور مولانا مفتی محمد عبدہ الفلاح (م ۱۹۹۹ء) سے صحیح بخاری کے بعض منتخب ابواب پڑھے۔ فیصل آباد کے قیام میں آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے فاضل عربی کا امتحان امتیازی نمبروں میں پاس کیا۔ اس کے علاوہ وفاق المدارس السلفیہ کا امتحان بھی آپ

نے پاس کیا۔

درس وتدریس

فراغت تعلیم کے بعد مولانا یحییٰ گوندلوی نے درس وتدریس کا آغاز کیا اور تدریس کے آغاز ۱۹۷۸ء میں جامعہ محمدیہ حافظ آباد سے کیا۔ اس مدرسہ میں آپ نے پانچ سال تک تدریسی خدمات انجام دیں اور اس مدرسہ میں نائب شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے۔ اس کے بعد مولانا گوندلوی نے حافظ آباد کو خیر آباد کہا۔ اور جامعہ رحمانیہ قلعہ دیدار سنگھ تشریف لے آئے۔ اس مدرسہ میں آپ کی تقرری بحیثیت صدر مدرس ہوئی جامعہ رحمانیہ قلعہ دیدار سنگھ میں آپ نے کچھ مدت تدریس فرمائی۔ اس کے بعد دار العلوم رحمانیہ فاروق آباد میں آپ تشریف لے گئے۔ اور صدر مدرس کے طور پر تدریسی خدمات انجام دیں منڈی فاروق آباد میں بھی آپ کا قیام زیادہ عرصہ نہ رہا۔ اور آپ جامعہ تعلیم القرآن والحدیث ساہووالہ تشریف لے آئے اور یہاں آپ کا تقرر بحیثیت صدر مدرس ہوا۔ اس مدرسہ میں آپ اپنی وفات (۲۶ رجنوری ۲۰۰۹ء) تک کتاب وسنت کی تعلیم دیتے رہے۔ اور قال اللہ تعالیٰ اور قال رسول اللہ ﷺ کی صدائیں بلند کرتے رہے۔

تلامذہ

مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تدریسی خدمات (۳۰) سال پر محیط ہیں۔ اس عرصہ میں کتنے لوگ آپ سے مستفید ہوئے۔ اس کا شمار ممکن نہیں تاہم آپ کے تلامذہ کی تعداد کافی ہے۔

تبحر علمی

مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ علم وفضل کے اعتبار سے جامع الکمالات تھے۔ آپ کو تمام علوم اسلامیہ پر یکساں قدرت حاصل تھی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، تاریخ وسیر اور اسماء الرجال پر ان کا مطالعہ وسیع تھا۔ ٹھوس اور قیمتی مطالعہ ان کا سرمایہ علم تھا۔ تاریخ پر گہرہ اور تنقیدی نظر رکھتے تھے۔ فقہ المذاہب الاربعہ پر بھی ان کا مطالعہ وسیع تھا۔ فقہ جعفریہ کی کتابیں بھی ان کے مطالعہ پر آئی تھیں۔

مولانا گوندلوی مرحوم ایک کامیاب مناظر تھے۔ فن مناظرہ میں وہ سلطان المناظرین حافظ عبدالقادر روپڑی رحمۃ اللہ علیہ کے تربیت یافتہ تھے۔ حضرت حافظ صاحب کو ان پر بہت زیادہ اعتماد تھا۔ دوسرے الفاظ میں مرحوم حافظ صاحب روپڑی کے معتمد علیہ تھے۔

ہفتہ روزہ تنظیم اہلحدیث لاہور کے مدیر اعلیٰ حافظ عبدالغفار صاحب روپڑی لکھتے ہیں:

''شیخ الحدیث مولانا محمد یحییٰ گوندلوی مرحوم کامیاب مدرس، بہترین مناظر، اچھے مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب وفرق پر گہری نظر رکھنے والی شخصیت تھے۔ موصوف کی علمی حیثیت کے پیش نظر سلطان المناظرین حافظ عبدالقادر روپڑی نے اپنی بیماری کے ایام میں جامعہ اہلحدیث کے شعبہ تقابل ادیان کا سربراہ منتخب کیا۔ موصوف نے اس ذمہ داری کو بڑی خوش اسلوبی اور احسن طریقہ کے ساتھ تاحیات نبھایا۔ اور جامعہ اہلحدیث کی سالانہ تقسیم اسناد کانفرنس میں عملی طور پر منتخب موضوع پر بین المسالک مکالمہ کروا کر عام وخاص علماء اور طلباء سے داد تحسین وصول کرتے رہے مرحوم نے ختم نبوت کے تحفظ کے لیے عالمی تحفظ ختم نبوت موومنٹ کی تشکیل میں بھرپور کردار ادا کیا۔ اور اس کے امیر منتخب ہوئے۔ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ ان کی وفات جماعت اہلحدیث کے لیے عظیم نقصان اور ایسا خلا ہے جو عرصہ دراز تک پورا نہ ہو سکے گا اللہ تعالیٰ مرحوم پر کروڑ کروڑ رحمت فرمائے۔ اعلیٰ علیین میں جگہ عطا کرے۔ اور بشری لغزشوں سے درگزر فرمائے۔''

[تنظیم اہلحدیث لاہور ۵ فروری ۲۰۰۹ء]

مولانا محمد رمضان یوسف سلفی لکھتے ہیں:

''جماعت اہلحدیث کے وہ بلند پایہ مناظر تھے۔ مرزائیوں، حنفیوں دیوبندیوں اور بریلویوں سے انھوں نے کئی کامیاب مناظرے کیے، مناظرے میں وہ مخالف کو آڑے ہاتھوں لیتے۔ اور دلائل وبراہین سے لاجواب کر دیتے۔''

[ترجمان الحدیث، فروری/ ۲۰۰۹ء ص ۳۱]

حافظ احمد شاکر لکھتے ہیں:

''مناظرہ کلاس کے لیے جامعہ قدس دالگراں لاہور میں طلباء کو ٹریننگ دینے کے لیے بھی ان کی خدمات بے مثال ہیں۔''

[ہفت روزہ الاعتصام لاہور، ۵/ فروری ۲۰۰۹ء]

کتاب اللہ اور حدیث نبوی سے شغف

علمائے اہلحدیث نے ہمیشہ کتاب اللہ اور حدیث نبوی ﷺ سے محبت اور ان کی نصرت وحمایت اور ان کا دفاع کیا ہے۔ برصغیر (پاک وہند) میں جب بھی کتاب وسنت کے خلاف پروپیگنڈہ کیا گیا اور خاص کر حدیث نبوی کو نشانہ بنایا گیا تو علمائے اہلحدیث نے اس کا مکمل دفاع کیا اور مخالفین کے اعتراضات کا دلائل سے جواب دیا۔

علمائے اہلحدیث میں شیخ الاسلام مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری، مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی، مولانا حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، حضرت العلام مولانا حافظ عبداللہ روپڑی، شیخ الحدیث مولانا اسماعیل سلفی، حضرت العلام مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی، سلطان المناظرین مولانا عبدالقادر روپڑی، علامہ احسان الٰہی ظہیر، مولانا محمد حنیف ندوی، محقق شہیر مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی وغیرہم نے حدیث نبوی ﷺ کے دفاع اور نصرت میں جو خدمات انجام دیں وہ ہماری تاریخ اہلحدیث کا ایک درخشندہ باب ہے۔ یہ علمائے کرام حدیث نبوی کے معاملہ میں معمولی سی مداہنت برداشت نہیں کرتے تھے۔ جب بھی کسی طرف سے حدیث کے خلاف آواز اٹھائی گئی تو یہ علمائے کرام تحریر وتقریر کے ذریعہ حدیث کا دفاع کرتے تھے اس سلسلہ میں اخبار اہلحدیث امرتسر، اخبار الاعتصام لاہور، ماہنامہ ترجمان الحدیث لاہور، اخبار تنظیم اہلحدیث روپڑ لاہور کے فائل دیکھے جاسکتے ہیں۔

دور حاضر کے علمائے اہلحدیث میں محقق العصر مولانا ارشاد الحق اثری، مولانا حافظ عبدالوہاب روپڑی، مولانا محمد اسحاق بھٹی، مولانا حافظ صلاح الدین یوسف، مولانا حافظ عبدالرحمٰن مدنی اور ان کے صاحبزادہ مولانا حافظ حسن مدنی مولانا حافظ ڈاکٹر عبدالرشید اظہر، مولانا عبدالستار حماد، پروفیسر عبدالجبار شاکر وغیرہم اس وقت دفاع حدیث میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس دوسرے گروہ میں شیخ الحدیث مولانا ابوانس محمد یحییٰ گوندلوی بھی شامل تھے۔ جواب مرحوم ہو چکے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے)

مولانا گوندلوی مرحوم کو حدیث نبوی ﷺ سے بہت محبت تھی اور حدیث نبوی کے معاملہ میں معمولی سی مداہنت بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ جس نے بھی حدیث نبوی کے خلاف زبان کھولی اور قلم اٹھایا۔ اس کے حملے کو روکنے کے لیے ان کا قلم شمشیر بے نیام ہو جاتا تھا (دفاع حدیث کے سلسلہ میں آپ نے جو مقالات لکھے ہیں، ان کا ذکر ان کی تصانیف میں کیا جائے گا)

بارہا گفتگو کے دوران مولانا گوندلوی مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ عراقی صاحب! مجھے اس بات کی سمجھ نہیں آتی کہ جن لوگوں نے حدیث نبوی پر تنقید کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے

انھیں خدا کا خوف نہیں ہے اپنے امام کی تقلید نے انھیں عقل سے کورا کر دیا ہے یہ کل قیامت کے روز اپنے خدا کو کیا جواب دیں گے امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہم اللہ تو فرما گئے ہیں کہ جب کسی مسئلہ میں صحیح حدیث مل جائے تو ہمارے قول کو چھوڑ دو۔لیکن یہ لوگ اپنے امام کے قول کی پرواہ نہیں کرتے اور حدیث کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔(العیاذ باللہ)

میں جب کسی رسالے میں حدیث کے خلاف کوئی مضمون دیکھتا ہوں تو میرا خون کھول جاتا ہے تو فوراً اس کا جواب لکھتا ہوں۔ میں نے اپنے اللہ سے عہد کیا ہے کہ جب تک میں اس دنیا میں رہوں گا۔ان شاء اللہ العزیز اپنے پیارے نبی حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت اور ان کی احادیث کا دفاع کرتا رہوں گا۔میری زندگی کا مقصد صرف اور صرف دفاع حدیث ہے۔

مولانا گوندلوی مرحوم نے حدیث کے بارے میں جو فرمایا۔اس پر آپ پورے اترے اور آپ نے بے شمار مقالات حدیث کی نصرت وحمایت اور دفاع کے سلسلہ میں ہفت روزہ الاعتصام لاہور، ہفت روزہ تنظیم اہلحدیث لاہور، ہفت روزہ اہلحدیث لاہور، ماہنامہ ترجمان الحدیث فیصل آباد، ماہنامہ نداءالاسلام پشاور اور ماہنامہ ضیائے حدیث لاہور میں لکھے۔

اساتذہ سے محبت

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی کو اپنے اساتذہ سے بہت محبت تھی خاص کر مولانا ابوالبرکات احمد اور قاری محمد یحییٰ بھوجیانی سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔جب کبھی ان دونوں بزرگوں میں سے کسی ایک کا ذکر چھڑ جاتا تو والہانہ انداز میں ان کی خوبیاں بیان کرتے۔مولانا ابوالبرکات رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بیان کرتے تھے:

"ان جیسا ٹھوس عالم مجھے اور کوئی نظر نہیں آتا،علوم اسلامیہ کے بحر زخار تھے۔حدیث اور فقہ المذاہب الاربعہ پر ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔اور مسائل کی تحقیق وتدقیق میں بھی ان کو ید طولیٰ حاصل تھا۔وہ میرے شفیق استاد تھے مجھے ان سے بڑی عقیدت اور محبت ہے۔"

مولانا قاری محمد یحییٰ بھوجیانی کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

’’قاری صاحب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ طلباء کو بڑی محنت سے پڑھاتے تھے اور طلباء پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ اخلاق وعادات کے اعتبار سے قاری صاحب بڑے ملنسار اور شریف انسان تھے۔ مجاہدین افغانستان سے انھیں دلی عقیدت تھی اور ان کی امداد واعانت کے سلسلہ میں ہمہ وقت مستعد رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے۔‘‘

معلمانہ شفقت

مولانا گوندلوی کی تدریسی عمر (۳۰) سال کے قریب ہے اور ان کے تلامذہ کی فہرست بھی طویل ہے جب کبھی ان سے تدریسی امور پر گفتگو ہوئی تو فرماتے:

’’عراقی صاحب! میں ہمیشہ طلباء کو نصیحت کرتا ہوں کہ مطالعہ کیا کرو اور بیکار مت بیٹھا کرو اور اونچی کتابوں کا مطالعہ کیا کرو اور کوشش کیا کرو اور عربی کتابیں اپنے مطالعہ میں لاؤ۔ اردو کتابوں کا بھی مطالعہ کرو مگر وہ کتابیں جو نامور مصنفین کی ہوں، زیادہ تفسیر، حدیث اور تاریخ وسیر پر جو کتابیں ہوں ان کا مطالعہ کیا کرو۔‘‘

علماء سے محبت

مولانا گوندلوی مرحوم علمائے اہلحدیث سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے راقم جب ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تین چار گھنٹے کی نشست ہوتی تو کوئی ایک علمائے کرام کا ذکر آجاتا تو مولانا گوندلوی فرماتے:

’’عراقی صاحب! مجھے علمائے اہلحدیث میں ان علمائے کرام سے بہت زیادہ محبت ہے جنھوں نے تدریس اور تصنیف وتالیف میں کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔

علمائے سلف میں شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب دہلوی، مولانا حافظ عبداللہ محدث غازی پوری، مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیرآبادی، مولانا عبدالجبار عمرپوری، مولانا احمداللہ محدث پرتاب گڑھی، مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری، مولانا عبدالسلام مبارکپوری، حضرت الامام مولانا عبدالجبار غزنوی، مولانا حافظ عبداللہ روپڑی، حضرت العلام حافظ محمد محدث گوندلوی، مولانا محمد اسماعیل سلفی، مولانا ابوالبرکات، احمد مدراسی، مولانا مفتی عبدہ الفلاح، شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز، شیخ

الحدیث حافظ عبدالمنان نور پوری، مولانا مفتی عبیداللہ عفیف کی تدریسی خدمات کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔

تصنیف وتالیف میں اور خاص کر خدمت حدیث میں جن علمائے اہلحدیث نے علمی خدمات انجام دی ہیں ان سے بھی مجھے بہت محبت وعقیدت ہے اور اس سلسلہ میں مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری، مولانا شمس الحق عظیم آبادی، مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، مولانا محمد اسماعیل سلفی، مولانا محمد علی جانباز، مولانا حافظ عبدالمنان نور پوری، محقق العصر مولانا ارشاد الحق اثری، مولانا محمد اسحاق بھٹی، میاں محمد جمیل وغیرہ کی خدمات جلیلہ قابل قدر ہیں۔''

راقم نے ایک دن ملاقات کے دوران عرض کیا کہ آپ نے علمائے اہلحدیث کی تدریسی وتصنیفی خدمات کا ذکر پچھلی ملاقات میں کیا تھا۔لیکن مولانا سید نواب صدیق حسن خان کا نام نہیں لیا تھا تو اس کے جواب میں مولانا گوندلوی مرحوم نے فرمایا:

''عراقی صاحب! نواب صاحب کی خدمات کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا آپ محی السنہ تھے ان کی خدمات جلیلہ بہت زیادہ میں آپ نے مختلف موضوعات پر عربی، فارسی اور اردو میں ۲۲۲ کتابیں لکھیں۔تفسیر فتح البیان (عربی) تفسیر ترجمان القرآن (اردو) عون الباری، السراج الوہاج اور بلوغ المرام کے تین شرحیں (دو عربی اور ایک فارسی) ان کا عظیم علمی کارنامہ ہے۔

دور حاضر کے علماء میں شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز جواب مرحوم ہو چکے ہیں) محقق العصر، مولانا ارشاد الحق اثری، مولانا محمد اسحاق بھٹی اور ڈاکٹر فضل الٰہی کی خدمات کے معترف تھے۔

مولانا ارشاد الحق اثری کے بارے میں مولانا گوندلوی فرمایا کرتے تھے کہ ان کی عربی اور اردو تصانیف جماعت اہلحدیث کے لیے سرمایہ صد افتخار ہیں مقلدین احناف نے اپنی کتابوں میں جو گل افشانیاں کی ہیں اور عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے مولانا اثری نے اپنی کتابوں میں ان کا پردہ چاک کیا ہے یہ ان کا عظیم کارنامہ ہے اس کے علاوہ مولانا اثری حفظہ اللہ نے جو تحقیق وتخریج کا کارنامہ انجام دیا ہے مثلاً مسند امام ابویعلی کی

تنقیح وتخریج، ازالۃ الخفاء شاہ ولی اللہ دہلوی میں مندرج احادیث کی تخریج وتحقیق، مولانا شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادکے رسالہ ''اعلام اہل العصر باحکام رکعتی الفجر'' پر ان کی تحقیق وتخریج ان کا عظیم علمی کارنامہ ہے۔''

شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز کے بارے میں مولانا گوندلوی فرمایا کرتے تھے:

''مولانا جانباز کی تدریسی وتصنیفی خدمات قدر کے قابل ہیں ان کا عظیم علمی کارنامہ سنن ابن ماجہ کی شرح (عربی) انجاز الحاجہ ہے جو ۱۲ جلدوں میں طبع ہوئی ہے۔ علاوہ ازیں ان کی اردو تصانیف میں ''اہمیت نماز، توہین رسالت کی شرعی سزا، حرمت متعہ بجواب حلت متعہ، احکام طلاق، احکام عدت اور اسلام میں صلہ رحمی اپنے موضوعات کے اعتبار میں بڑی عمدہ کتابیں ہیں۔''

مولانا اسحاق بھٹی صاحب کے بارے میں مولانا گوندلوی فرمایا کرتے تھے:

''مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب اللہ تعالیٰ ان کی عمر اور علم میں اضافہ فرمائے۔ برصغیر (پاک وہند) کے علمائے اہلحدیث کے حالات زندگی اوران کی علمی خدمات پر کتابیں شائع کر کے بہت بڑی خدمت انجام دے رہے ہیں علاوہ ازیں اس کے مولانا بھٹی صاحب نے اہل علم کو تاریخ اہلحدیث سے روشناس کرایا ہے ان کی ہر ایک کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے بڑی جامع اور علم میں اضافہ کرتی ہے۔ مجھے ان کی کتابیں پڑھ کر بڑا لطف آتا ہے۔ سوانح نگاری میں مولانا بھٹی صاحب کو خاص ملکہ حاصل ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے تاکہ وہ مزید مسلک اہلحدیث کی خدمت کرسکیں۔''

پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی صاحب کی خدمات جلیلہ کے بھی مولانا گوندلوی مرحوم بہت معترف تھے ان کے بارے میں ایک ملاقات میں فرمایا:

''پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید کے چھوٹے بھائی ہیں۔ علم وفضل کے لحاظ سے ان کا مرتبہ ومقام بہت بلند ہے۔ مجھے ان کی کتابیں پڑھ کر لطف آتا ہے ڈاکٹر صاحب نے جو بھی کتاب لکھی ہے وہ قرآن مجید اور حدیث کی روشنی میں ترتیب دی ہے اوران کی تمام کتابیں ڈاکٹر صاحب کے تبحر علمی پر شہادت ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان

کے علم اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔"

صحافت

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ کا صحافت سے بھی تعلق رہا ہے جن دنوں آپ منڈی فاروق آباد میں تدریس فرماتے تھے تو مولانا عبدالرزاق سعیدی کی سرپرستی میں ماہنامہ ترجمان السنہ جاری کیا گیا بعد میں اس رسالہ کا نام "اشاعۃ السنۃ" رکھا گیا مولانا گوندلوی مرحوم اس کے مدیر تھے۔ یہ رسالہ مرحوم کے فاروق آباد چھوڑنے سے بند ہو گیا۔ ماہنامہ تنویر الھدی ڈسکہ کے نگران اعلیٰ تھے۔ اب یہ رسالہ مولانا گوندلوی کی یاد میں شائع ہوتا ہے۔

ذاتی حالات

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی مرحوم نے دو شادیاں کیں۔ پہلی بیوی سے آٹھ بیٹیاں اور تین بیٹے تھے۔ دوسری بیوی سے ایک لڑکی تھی۔ تین بیٹیوں کی شادیاں کر چکے تھے۔ دو کی شادی کے متعلق فکرمند تھے۔ بڑا لڑکا انس ۱۸ سال کا ہے جو حافظ قرآن ہے۔ دوسرا لڑکا اسامہ ہے جو دسویں جماعت کا طالبعلم ہے اور تیسرا بیٹا ثمامہ ہے جو مرفوع القلم ہے۔

سراپا

متوسط جسم، درمیانہ قد، سانولا رنگ، کتابی چہرہ، جس پر ایمانی شرف ووجاہت کی جگمگاتی ہوئیں شعاعیں، خوب صورت ناک، آنکھیں چھوٹی نہ بڑی، کشادہ پیشانی، خوبصورت لمبی داڑھی، چہرے پر ہر وقت مسکراہٹ۔

لباس

سادہ شلوار قمیض، جس کے اوپر کبھی کبھی واسکٹ، کبھی کبھی شلوار کی بجائے تہبند بھی استعمال کرتے تھے۔ سر پر جالی دار ٹوپی یا رومال، پاؤں میں عام چپل اور حالت سفر میں موسم کے مطابق گرگابی یا پشاوری چپل۔

کھانا

کھانے کا کوئی خاص ذوق اور اہتمام نہ تھا۔ جیسا مل جاتا کھا لیتے۔ لیکن مہمانوں کے لیے عمدہ

کھانا پکواتے تھے۔ ذیابیطس کے مریض تھے اس لیے خوراک بہت کم تھی۔ دو چپاتی سے زیادہ نہ کھاتے تھے۔ ناشتہ بہت سادہ ہوتا تھا ایک چائے کی پیالی جس میں چینی نہ استعمال کرتے تھے اور اس کے ساتھ ایک چپاتی یا دو تین نمکین بسکٹ۔

سادگی اور نفاست

طبعًا سادہ مگر ستھری زندگی پسند تھے۔ تکلفات ان کے ذوق کے خلاف تھے۔ سادگی ان کی نمایاں خصوصیات میں شمار کی جاسکتی ہے ان کا مکان بالکل سادہ تھا۔ ان کے کمرہ میں ایک پلنگ تھا جس پر بیٹھ کر پڑھتے بھی تھے اور لکھتے بھی تھے اور کوئی مہمان آجاتا تو وہ بھی وہی پلنگ استعمال کرتا۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ جب تک لباس میں تکلف اور رہائش میں کرّ وفر نہ ہو، مخاطب کو متاثر نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس کے پاس قوت کا اصل منبع یعنی ایمان کا خزانہ موجود ہو اسے ظاہری تکلف اور نمائش کی کیا ضرورت پیش آسکتی ہے۔

فضائل واخلاق

فضائل واخلاق کا پیکر تھے، لینت ونرمی، حلم وعفو، متانت وسنجیدگی، تواضع وانکساری ان کے صحیفہ اخلاق کے جلی عنوانات ہیں۔ طبعًا بڑے خواور متحمل مزاج تھے۔ ناگوار سے ناگوار باتیں سن کر خاموش رہتے تھے۔ غصہ میں ان کا عمل ’’ والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس ‘‘ پر تھا۔ متانت وسنجیدگی ان کی فطرت میں تھی۔ بہت زیادہ شریف اور کریم النفس تھے۔ اپنے پہلو میں ایک دردمند دل رکھتے تھے بہت زیادہ خوددار بھی تھے۔ عفاف واستغناء کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ طبیعت میں قناعت تھی۔ جاہ وریاست کے طالب نہ تھے۔ اپنی قیمت پہنچاتے تھے۔ اور اس کا صحیح اندازہ لگاتے تھے کریمانہ اخلاق اور ستودہ صفات کے حامل تھے۔ ان کے احباب اور عقیدت مندوں کا حلقہ وسیع تھا۔ اور یہ ان کے وسعت اخلاق کی دلیل تھی۔ آج ان کے غم میں سینکڑوں دل زخمی اور بہت سی آنکھیں پرنم ہیں۔

اعتماد وحسن ظن

باہمی محبت، حسن ظن اور اعتماد ان کا اصول زندگی تھا۔ ان کا قول تھا کہ میں ہر شخص کو اچھا سمجھتا ہوں جب تک وہ اپنے کو برا نہ ثابت کردے۔ محبت اور اعتماد میرا دستور ہے۔

دولت دنیا سے استغناء

مولانا گوندلوی علم کی جس بلندی پر تھے وہاں سے دولت دنیا بہت حقیر نظر آتی ہے انھوں نے کبھی بھی دولت کے حصول کی طرف توجہ نہیں کی۔ انھوں نے پوری زندگی سادگی اور قناعت سے بسر کر دی کبھی ان سے موجود مہنگائی پر گفتگو ہوتی فرماتے۔عراقی صاحب!

''زندگی میں آسودگی روپیہ کی زیادتی میں نہیں بلکہ مصارف کی کمی میں ہے۔''

اخلاص ومحبت

مولانا گوندلوی کی محبت میں اخلاص کی چاشنی اور شفقت کی مٹھاس تھی۔دوستوں اور ساتھیوں سے کبھی ظاہرداری اور بناوٹی خوش مزاجی سے پیش نہیں آتے تھے بلکہ تعلقات وروابط میں ظاہر باطن کا پرتو ہوتا تھا جو دل میں ہوتا، وہ زبان پر آجاتا۔

ذوق مطالعہ

مولانا گوندلوی کو کتب بینی اور مطالعہ کا بہت ذوق تھا ٹھوس اور قیمتی مطالعہ ان کا سرمایہ علم تھا۔ جب بھی ان سے ساہوالہ میں ملاقات ہوتی تو کوئی نہ کوئی کتاب ان کے ہاتھ میں ہوتی۔سفر میں بھی کوئی نہ کوئی کتاب اپنے ساتھ رکھتے اور ریل میں ہوتے یا بس میں ہوتے مطالعہ میں مشغول نظر آتے تھے۔

نادر کتابوں کی تلاش

نادر کتابوں کی تلاش انہیں ہمیشہ رہتی تھی۔ جہاں کہیں بھی جاتے وہاں کتب خانوں کو دیکھتے۔اپنے اساتذہ اور ہم درس علماء یا دوسرے علمائے کرام سے ملنے جاتے تو ان کے کتب خانے ضرور دیکھتے۔خود بھی ہر ماہ ضرور دو چار کتابیں خریدتے تھے۔

مطالعہ کی کثرت اور نادر کتابوں کی تلاش وجستجو نے ان کے دماغ کو مستقل کتب خانہ اور تنوع علمی معلومات کا خزانہ بنا دیا تھا ان کی کوئی گفتگو علمی معلومات سے خالی نہ ہوتی تھی ان کی صحبت سے جو قیمتی معلومات حاصل ہو جاتے تھے وہ بہت سی کتابوں کے مطالعہ سے حاصل نہیں ہو سکتے اور ہر مسئلہ کے متعلق خواہ علمی، مذہبی یا سیاسی ومعاشرتی امور کے متعلق ہوتا۔ بڑے آسان اور سہل الفاظ میں بیان کرتے تھے۔

درس وتدریس کا ذوق

مولانا گوندلوی نے فراغت تعلیم کے بعد درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا تھا اور یہ ذوق ان کی زندگی کے آخری ایام تک جاری رہا۔فرمایا کرتے تھے مجھے تدریس میں بڑا مزہ آتا ہے طلباء کو پڑھانے سے میری طبیعت ہشاش بشاش رہتی ہے۔

تواضع

مولانا گوندلوی مرحوم کا علمی لحاظ سے جو مقام ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔لیکن اس کے باوجود مزاج میں تواضع اور انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ میری ان سے ہر ماہ دو ماہ بعد ملاقات ہوتی تھی اور گھنٹوں مجلس ہوتی تھی اور کئی بار ایسا ہوتا کہ ان کی زبان سے کسی عالم دین یا کسی اور شخص کے بارے میں نازیبا الفاظ ادا ہو جاتے تو راقم ان سے عرض کرتا کہ آپ کو ایسے الفاظ استعمال نہیں کرنا چاہیے تھے تو مولانا گوندلوی فوراً اپنی غلطی کا اعتراف کرتے اور فرماتے: مجھے ایسا الفاظ استعمال نہیں کرنے چاہیے تھے۔اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے۔

تواضع اور انکساری کا یہ جوہر عام طور پر نامور اہل علم میں بہت ہی کم نظر آتا ہے ایک عام اور صاحب فن کی خوبی یہ ہے کہ اس کا ذہن کبر اور خود پسندی سے آلودہ نہ ہونے پائے۔

معمولات

مولانا گوندلوی کے معمولات یہ تھے نماز فجر کے بعد کلام مجید کی تلاوت کرتے اس کے بعد کچھ دیر آرام فرماتے۔ ناشتہ کے بعد جامعہ میں تشریف لے جاتے اور گیارہ بجے تک طلباء کو پڑھاتے۔اس کے بعد کتب خانہ میں آجاتے اور تصنیف وتالیف میں مصروف ہو جاتے۔ کام کے اوقات میں کوئی ملنے آجاتا تو بڑی خندہ پیشانی سے ملتے۔ چہرے پر ناگواری کے آثار نمایاں نہ ہوتے۔تدریس کے دوران اگر کوئی ملنے آجاتا تو صرف سلام کا جواب دیتے تھے۔اس کے بعد تدریس جاری رکھتے تھے تدریس سے فارغ ہو کر ملتے تھے۔

معاصرین اور احباب

مولانا گوندلوی مرحوم کا حلقہ احباب بہت وسیع تھا یہاں صرف ان علماء کا تذکرہ کیا جائے گا جن

سے ان کے تعلقات بہت زیادہ تھے علماء میں مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، مولانا محمد الیاس اثری، مولانا ارشاد الحق اثری، مولانا حافظ فاروق الرحمٰن یزدانی، مولانا محمد رمضان یوسف سلفی، مولانا عبداللہ گورداسپوری، مولانا عبدالحفیظ مظہر، مولانا قاری غلام رسول نوشہرہ ورکاں، مولانا قاری عبدالرشید آف جہلم، مولانا محمد علی جانباز، مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی، مولانا حافظ عبدالغفار روپڑی، مولانا عطاء الرحمٰن اشرف، مولانا حافظ عبدالوہاب روپڑی، علامہ پروفیسر ساجد میر، مولانا حافظ مطیع الرحمٰن، مولانا محمد اعظم، مولانا حافظ عبدالمنان نورپوری، مولانا عبدالسلام بھٹوی، پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی، مولانا فاروق احمد راشدی، مولانا محمد داود ارشد، مولانا برق التوحیدی، مولانا مقصود احمد سلفی، مولانا پروفیسر حافظ عبدالستار حامد، مولانا عبدالغفور طاہر، مولانا غلام فاروق، مولانا حافظ عابد الٰہی، مولانا محمد طیب محمدی، مولانا محمد اسحاق بھٹی، مولانا حافظ احمد شاکر، حکیم محمد ادریس فاروقی اور مولانا ابوعمر عبدالعزیز سیال سوہدروی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مولانا گوندلوی مرحوم میں ایک خاص وصف یہ تھا کہ اپنے اساتذہ، ہم درس علماء اور جن علمائے کرام سے ان کے تعلقات تھے ان کی خدمات کا برملا اعتراف کرتے تھے۔ دوسرے لفظوں میں بڑے وسیع القلب تھے۔

بلاتبصرہ

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی نامور عالم دین تھے وہ ۳۰ سال تک قرآن وحدیث کی تدریس فرماتے رہے۔ وہ مرکزی جمیعت اہلحدیث سے وابستہ تھے اور مجلس شوریٰ کے رکن تھے لیکن مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی اور حافظ روپڑی کی وفات کے بعد حافظ عبدالغفار روپڑی اور حافظ عبدالوہاب روپڑی سے اچھے تعلقات تھے۔ ان کی مجلس علمی (مناظرہ کلاس) کے صدر تھے اسی طرح حافظ ابتسام الٰہی سے بھی ان کے دیرینہ تعلقات تھے۔ علامہ پروفیسر ساجد میر بھی ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ مولانا گوندلوی بڑے پختہ اور باحمیّت عالم دین تھے اسلام پر ہونے والے ہر حملہ کے دفاع میں پیش پیش رہتے تھے۔ ذاتی اعتبار سے مولانا گوندلوی بڑے مجمع صفات تھے۔ بڑے ذی ہوش، دوراندیش، بااخلاق، منکسر المزاج، علمی نخوت اور عالمانہ طمطراق سے بالکل مبرا، ملنے جلنے میں بڑے پرتپاک، حد درجہ مہمان نواز اور محبت کرنے والے انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے۔

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستان ہو ترا

وفات

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی کافی عرصہ سے ذیابیطس کے مریض تھے۔ علاج معالجہ جاری تھا کبھی افاقہ ہو جاتا تھا لیکن مولانا مرحوم اپنے کام میں مصروف رہتے تھے۔ جنوری کے تیسرے ہفتہ میں بیماری نے پھر حملہ کیا جس سے کمزوری بہت زیادہ ہوگئی۔ ۲۵ جنوری کو انھیں سیالکوٹ ہسپتال میں داخل کرا دیا۔ مگر طبیعت سنبھلی نہیں آخر اس مرد درویش نے ۲۶ جنوری ۲۰۰۹ء کو مغرب وعشاء کے درمیان داعی اجل لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

۲۷ رجنوری ۲۰۰۹ء صبح دس بجے ساہوالہ میں ان کی پہلی نماز جنازہ ہوئی مولانا حافظ عبدالغفار صاحب روپڑی امیر جماعت اہلحدیث پاکستان نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جنازہ میں علمائے کرام کی ایک کثیر تعداد شامل تھی۔

ساہوالہ میں مولانا مفتی عبیداللہ، مولانا حافظ عبدالوہاب روپڑی، مولانا عبدالغفور طاہر، پروفیسر حافظ عبدالستار حامد، پروفیسر حافظ مطیع الرحمٰن، مولانا عبدالغفور اثری، مولانا غلام فاروق آف ریحان چیمہ، مولانا صابر حسین مدرس جامعہ اہلحدیث لاہور، مولانا عابد سلیمان روپڑی، مولانا عبدالحلیم جانباز، حافظ عبدالرحمٰن مدرس جامعہ رحمانیہ سیالکوٹ، مولانا عبدالحفیظ مظہر، مولانا ابوعمر عبدالعزیز سیال سوہدروی، مولانا عبدالغفار آف بمبانوالہ، مولانا عبدالرحمٰن سلفی آف تلواڑہ اور کئی دوسرے علمائے کرام نے شرکت کی۔

اس کے بعد مولانا گوندلوی کی میت ان کے آبائی گاؤں گوندلانوالہ بھیجی گئی وہاں نماز جنازہ شیخ الحدیث مولانا حافظ عبدالمنان نور پوری ﷾ نے پڑھائی۔ یہاں بھی علمائے کرام کی ایک کثیر تعداد نے شرکت کی جن میں مولانا محمد اعظم، مولانا فاروق احمد راشدی، مولانا عبداللہ نثار، مولانا محمد حنیف ربانی، مولانا عطاء الرحمٰن شیخوپوری، مولانا ارشاد الحق اثری، مولانا حافظ فاروق الرحمٰن یزدانی، مولانا ابرار احمد ظہیر، مولانا حافظ محمد الیاس اثری، مولانا عبدالباسط شیخوپوری، مولانا محمد صادق عتیق، مولانا محمد نواز چیمہ، مولانا محمد اسحاق بھٹی، مولانا حافظ احمد شاکر مدیر الاعتصام، مولانا محمد عباس انجم گوندلوی، مولانا بشیر انصاری، مدیر اعلیٰ اہلحدیث، مولانا ابوعبدالرحمٰن محمد یاسر بن محمد یعقوب، حافظ عبدالسلام بھٹوی، مولانا مبشر احمد ربانی اور کئی دوسرے علماء کرام نے شرکت کی۔

باب(۲)

اساتذہ

مولانا گوندلوی نے جن اساتذہ کرام سے علوم دینیہ میں استفادہ کیا ان کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔مولانا محمد یعقوب سیالکوٹی

۲۔مولانا ابوالبرکات احمد مدراسی رحمۃ اللہ علیہ

۳۔مولانا قاری محمد یحییٰ بھوجیانی رحمۃ اللہ علیہ

۴۔مولانا محمد اعظم

۵۔مولانا محمد عبداللہ فیصل آبادی رحمۃ اللہ علیہ

۶۔مولانا محمد عبدہ الفلاح رحمۃ اللہ علیہ

۷۔مولانا ارشاد الحق اثری

۸۔مولانا حافظ محمد الیاس اثری

مولانا محمد یعقوب سیالکوٹی

مولانا گوندلوی کے پہلے استاد ان سے ناظرہ قرآن مجید پڑھا۔

مولانا محمد یعقوب بن محمد نواب الدین ۱۹۴۷ء میں موضع بہلولہ من مضافات سیالکوٹ پید اہوئے۔ ابتدائی عصری تعلیم ہائی سکول رسول پور بلیاں سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ بعد ازاں منشی فاضل کا امتحان پاس کر کے پنجاب یونیورسٹی سے پرائیویٹ بی۔اے کیا۔

دینی تعلیم کی تحصیل کے لیے جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ میں داخل ہوئے اور علوم اسلامیہ کی مکمل تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۶۵ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ آپ نے جن اساتذہ کرام سے اکتساب فیض کیا۔ ان کے نام یہ ہیں۔

۱۔ مولانا ابوالبرکات احمد مدراسی

۲۔ شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی

۳۔ مولانا محمد نذیر احمد

۴۔ حضرت العلام حافظ محمد محدث گوندلوی

جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ میں زیر تعلیم زمانہ میں آپ جامع مسجد ٹھیکہ داراں گوندلانوالہ میں بچوں کو ناظرہ قرآن مجید اور خطبہ جمعہ دینے پر مامور ہوئے۔ (اس دوران مولانا گوندلوی نے آپ سے ناظرہ قرآن مجید پڑھا) فراغت تعلیم کے بعد مولانا محمد یعقوب نے تدریس کا آغاز مسجد مبارک حافظ آباد سے کیا۔ اس مسجد میں آپ خطبہ جمعہ بھی ارشاد فرماتے تھے۔ اور طلباء کو درس نظامی کی کتابیں بھی پڑھاتے تھے مگر آپ کا اس مسجد میں قیام صرف ۶ ماہ رہا۔

حافظ آباد سے فارغ ہونے کے بعد مولانا محمد یعقوب اپنے آبائی وطن موضع بہلولہ چلے گئے۔ وہاں آپ نے اپنی آبائی مسجد میں خطبہ جمعہ پانچ وقت نمازوں کی امامت اور درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔

۱۹۶۹ء میں آپ لاہور تشریف لے گئے اور علامہ احسان الٰہی ظہیر کی سفارش پر مسجد چینیانوالی میں تدریس پر مامور ہوئے اس کے ساتھ ساتھ آپ علامہ شہید کے ساتھ اخبار الاعتصام (ان دونوں علامہ صاحب الاعتصام کے ایڈیٹر تھے) بعد میں اہلحدیث اور ماہنامہ ترجمان الحدیث میں معاون رہے۔

مولانا محمد یعقوب نے کچھ عرصہ فوج میں بھی گزارا ہے فوج میں ان کی ملازمت ساڑھے تین سال ہے۔سقوط ڈھاکہ کے بعد فوج سے واپس آ گئے۔

۱۹۷۶ء مین نظام آباد متصل وزیرآباد میں جامع مسجد اہلحدیث خانصاب میں ان کا تقرر بطور خطیب اور مدرس ہوا۔اور آپ ۲۰ تک (۱۹۹۶ء) اس مسجد سے وابستہ رہے۔۱۹۹۶ء کے آخر میں مسجد کی انتظامیہ سے کچھ معاملات میں اختلاف پیدا ہوا۔تو آپ نے ملازمت سے استعفی دے دیا اور اپنا علیحدہ جامعہ فاروقیہ کے نام سے نظام آباد میں مدرسہ قائم کیا یہاں آپ صبح کے وقت بچوں کو ناظرہ قرآن مجید پڑھاتے ہیں اور شام کو مغرب کی نماز کے بعد ترجمہ قرآن مجید پڑھاتے ہیں۔خطبہ جمعہ بھی ارشاد فرماتے ہیں پانچوں وقت نمازوں کی امامت بھی کراتے ہیں اور صبح کے وقت درس قرآن بھی دیتے ہیں۔

تلامذہ

مولانا محمد یعقوب کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے لیکن مشہور طلبہ یہ ہیں۔

۱۔مولانا محمد یحییٰ گوندلوی

۲۔مولانا قاری محمد سعید

۳۔مولانا قاری مقصود احمد

۴۔مولانا حافظ محمد شریف

۵۔مولانا محمد جاوید احمد

ہم درس طلباء

مولانا محمد یعقوب جن دنوں جامعہ اسلامیہ میں زیر تعلیم تھے۔ان کے ساتھ شیخ الحدیث مولانا محمد اعظم،مولانا شمشاد احمد سلفی اور مولانا محمد بشیر سیالکوٹی ان کے ہم درس تھے۔

علم وفضل

علم وفضل کے اعتبار سے مولانا محمد یعقوب بڑے عمدہ واعظ اور مقرر ہیں۔مسائل دینیہ پر ان کی نظر وسیع ہے۔مطالعہ کا بڑا عمدہ ذوق رکھتے ہیں۔حدیث اور تاریخ پر ان کا مطالعہ وسیع ہے حدیث کے معاملہ میں معمولی سے مداہنت بھی برداشت نہیں کرتے۔

فن مناظرہ میں بھی آپ کو دسترس حاصل ہے۔ آپ نے اپنی زندگی میں دو مناظرے کیے اور ان دونوں مناظروں میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامیابی وکامرانی سے ہمکنار کیا۔

پہلا مناظرہ آپ کا بریلوی عالم مولوی عنائت اللہ (سانگلہ ہل) سے ہوا۔ مناظرہ کا موضوع لفظ ''نبی'' کی تشریح اور مسئلہ علم غیب کا تھا۔

دوسرا مناظرہ مولوی ضیاء اللہ قادری بریلوی سے ہوا۔ اس میں مناظرہ کا عنوان ''نور وبشر'' اور ''علم غیب'' تھا۔ (ان دونوں مناظروں میں بریلوی علماء نے راہِ فرار اختیار کیا) اور بری طرح شکست سے دوچار ہوئے۔

مولانا محمد یعقوب تصنیف وتالیف کا بھی ذوق رکھتے ہیں اب تک ان کے تین پمفلٹ شائع ہو چکے ہیں۔

۱۔ فیوض الرحمان

۲۔ قیام ورمضان ورکعاتہ

اس پمفلٹ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''رمضان المبارک کے تیسرے جمعۃ المبارک کے روز نظام آباد میں ایک پمفلٹ تقسیم کیا گیا جس میں قلمکار نے جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے لکھا:

''ساڑھے بارہ سو سال تک تمام مسلمان بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔''

ہمیں یہ پمفلٹ جمعۃ الوداع سے ایک روز قبل ملا۔

صرف یہ بتانے کے لیے کہ مذکورہ بالا جملہ کی زد میں کون کون بزرگ آتے ہیں یہ تحریر حاضر ہے۔

۳۔ تکبیرات عیدین وایام تشریق

۴۔ تفسیر سورۃ اخلاص (غیر مطبوع)

اخلاق وعادات

اخلاق وعادات کے اعتبار سے مولانا محمد یعقوب بڑے شریف النفس، ملنسار، مہمان نواز اور محبت کرنے والے انسان ہی۔ اپنے مسلک (اہلحدیث) میں بڑے متشدد ہیں جب بھی ملتے ہیں بڑی محبت سے ملتے ہیں۔ اور دعائیں دیتے ہیں۔

مرکزی جمیعۃ اہلحدیث پاکستان سے وابستہ ہیں ابتداء ہی سے مجلس شوریٰ کے رکن چلے آرہے ہیں کچھ عرصہ اہلحدیث تحصیل وزیرآباد کے امیر بھی رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ خوش رکھے۔

مولانا ابوالبرکات احمد مدراسی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا ابوالبرکات احمد بن محمد اسماعیل کا تعلق جنوبی ہند کے صوبہ مدراس سے تھا۔ آپ صوبہ مدراس کے شہر ''چمناڑ'' میں ۱۹۲۶ء مطابق ۱۳۴۵ھ میں پیدا ہوئے۔ مولانا ابوالبرکات نے ابتدائی تعلیم اپنی والدہ محترمہ سے حاصل کی۔ معمول یہ تھا کہ وہ گھر میں اپنی والدہ سے قرآن مجید پڑھتے اور سکول میں سرکاری نصاب کے مطابق حصول علم کرتے شروع ہی سے بہت زیادہ محنتی اور ذہین تھے۔

اس کے بعد مولانا محمد عباس کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔ اور ان سے صرف نحو کی تعلیم حاصل کی۔ مولانا محمد عباس شافعی المسلک تھے لیکن مولانا ابوالبرکات احمد نے ان سے فقہ شافعی میں استفادہ نہیں کیا۔ مولانا محمد عباس سے دوسال استفادہ کرنے کے بعد مولانا ابوالبرکات نے علامہ محمد کانتگاڈی کے درس میں داخلہ لیا۔ ان کا تعلق بھی شافعی مسلک سے تھا مگر تقلید کے خلاف تھے کتب حدیث اور شروح حدیث سے خاصی دلچسپی رکھتے تھے۔ ان سے مولانا ابوالبرکات نے حدیث میں استفادہ کیا علامہ محمد نے مولانا ابوالبرکات کو مطالعہ اور مسائل میں تحقیق وتدقیق کا ذوق پیدا کیا۔ چنانچہ مولانا ابوالبرکات نے تفاسیر قرآن میں تفسیر جلالین، خازن، کشاف، ابن کثیر، معالم التنزیل، المنار اور تفسیر فتح البیان کا گہری نظر سے مطالعہ کیا۔

اس کے بعد مولانا ابوالبرکات نے ایک تیسرے شافعی عالم علامہ الجادیری سے فقہ، اصول فقہ، فلسفہ ومنطق میں استفادہ کیا۔ اس کے بعد مولانا ابوالبرکات مدرسہ العالیہ میں داخل ہوئے۔ اس مدرسہ میں آپ نے معانی، بیان، فلسفہ، منطق اور ریاضی وغیرہ فنون کی تکمیل کی۔ انگریزی بھی پڑھی اسی دوران آپ نے ایک حنفی عالم دین سے فقہ حنفی اور اصول فقہ کی کتابیں پڑھیں اور اس طرح آپ نے تین مکاتب فکر شافعی، حنفی اور اہلحدیث علماء سے کسب فیض کیا۔ مروجہ علوم کی تحصیل کے علاوہ عربی میں تحریر وتقریر میں بھی مہارت پیدا کرلی۔

اس کے بعد مولانا ابوالبرکات نے جامع الازہر مصر جانے کا پروگرام بنایا اور والدین نے آپ کو مصر جانے کی اجازت بھی دے دی۔ لیکن مصری سفارت خانے سے مصر جانے کی اجازت نہ مل سکی۔

مولانا ابوالبرکات کو مصر جانے کی اجازت نہ مل سکی جس کا انھیں بہت افسوس ہوا۔ چنانچہ آپ نے ہندوستان کے مطالعاتی دورہ کا پروگرام بنایا۔ اور آپ اپنے ایک ساتھی محمد موسیٰ کے ساتھ سفر پر روانہ ہوئے۔ چنانچہ آپ نے حیدر آباد دکن متحدہ بنگال، یوپی، سی پی اور بہار وغیرہ صوبجات کی سیر کر کے دہلی میں قیام کیا اور مولانا عبدالوہاب صدری دہلوی (م ۱۳۵۱ھ) کے مدرسہ دار الکتاب والسنۃ (صدر بازار دہلی) میں داخلہ لے لیا۔ وہاں آپ نے مولانا عبدالستار صدری دہلوی سے صحیح بخاری و مسلم کا درس لیا۔ اس مدرسہ میں اردو میں بول چال ہوتی تھی۔ چنانچہ مولانا ابوالبرکات نے اردو زبان میں کافی مہارت پیدا کر لی۔ اور اس کے ساتھ آپ نے مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا شبلی نعمانی اور دیگر مصنفین کی اردو کتابوں کا مطالعہ کیا۔ جن کی وجہ سے اردو زبان پر انھیں کافی عبور حاصل ہو گیا۔

مولانا ابوالبرکات مدرسہ دار الکتب والسنۃ میں زیر تعلیم تھے کہ ملک تقسیم ہو گیا دہلی اور دوسرے شہروں میں ہندو مسلم فسادات شروع ہو گئے۔ ان کا اپنے وطن مدراس جانا مشکل ہو گیا اور آپ کسی نہ کسی طرح لاہور پہنچ گئے۔ لاہور میں کچھ عرصہ قیام کیا اس کے بعد آپ صوفی محمد عبداللہ وزیر آبادی کے مدرسہ تعلیم الاسلام اوڈانوالہ چلے گئے۔ آپ عربی نصاب تو پہلے ہی مکمل پڑھ چکے تھے۔ تاہم آپ نے مدرسہ میں موجود اساتذہ مولانا حافظ عبداللہ بڈھیمالوی۔ مولانا محمد محمد اسحاق چیمہ اور مولانا محمد یعقوب ملہوی سے کچھ استفادہ کیا اور سند لی۔ اس کے بعد مولانا ابوالبرکات نے حضرت العلام شیخ العرب والعجم حافظ محمد گوندلوی سے گوجرانوالہ رابطہ کیا۔ حضرت العلام نے انھیں گوجرانوالہ آنے کی جازت دے دی۔ اور آپ گوجرانوالہ تشریف لے آئے حضرت حافظ صاحب سے مولانا ابوالبرکات نے صحیح بخاری کا درس لیا۔ اور بعض دوسرے فنون کی انتہا کی کتابیں پڑھیں۔ مولانا ابوالبرکات متواتر دو سال تک محدث گوندلوی سے مستفید ہوتے رہے۔

۱۹۵۱ء میں حضرت العلام محدث گوندلوی کے حکم سے جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اور متواتر چالیس سال اس مدرسہ میں تدریس فرمائی آپ کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے یہاں چند مشہور تلامذہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

مولانا محمد علی جانباز (م ۲۰۰۸ء)

علامہ احسان الٰہی ظہیر (ش، ۱۹۸۷ء)

مولانا محمود احمد میر پوری (م ۱۹۸۸ء)

شیخ الحدیث حافظ عبدالسلام بھٹوی

شیخ الحدیث مولانا محمد اعظم

مولانا قاری محمد عاصم

حافظ احمد شاکر بن مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی

پروفیسر عبدالستار حامد وزیر آبادی

مولانا حافظ محمد اسلم شاہدروی

مولانا حافظ عبدالصمد ریالوی

مولانا حافظ محمد الیاس اثری

محقق العصر علامہ ارشاد الحق اثری

مولانا حفیظ الرحمٰن لکھوی

مولانا حافظ عبدالشکور مدنی

مولانا محمد بشیر سیالکوٹی

مولانا محمد شمشاد سلفی

فتوی نویسی میں بھی مولانا ابوالبرکات کو خاص ملکہ حاصل تھا۔ان کے فتاوی ''فتاوی برکاتیہ'' کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔مولانا ابوالبرکات بہت زیادہ زاہد، عابد، شب زندہ دار اور متبع سنت تھے۔آپ نے ۱۶ر محرم الحرام ۱۴۱۲ھ مطابق ۲۹ر جولائی ۱۹۹۱ء کو گوجرانوالہ میں وفات پائی۔اللھم اغفرلہ وارحمہ

[تذکرہ علمائے حدیث، پروفیسر میاں محمد یوسف سجاد۔دبستان حدیث، مولانا محمد اسحاق بھٹی]

مولانا قاری محمد یحییٰ خاں بھوجیانی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا قاری محمد یحییٰ خاں مولانا محمد عبداللہ شہید بھوجیانی کے تیسرے صاحبزادے تھے۔مولانا محمد عبداللہ بھوجیانی کا شمار علمائے فحول میں ہوتا تھا۔مدتوں مدرسہ غزنویہ امرتسر میں مدرس رہے۔آپ نے استاذ پنجاب مولانا عطاء اللہ لکھوی سے تعلیم حاصل کی تھی۔ ۱۹۴۷ء میں سکھوں نے آپ کو شہید کر دیا۔انا للہ وانا الیہ راجعون.

مولانا قاری محمد یحییٰ خاں ۱۹۳۵ء میں موضع پنجوڑ ضلع امرتسر میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم

پرائمری تک ضلع امرتسر کے ایک قصبہ جھبال میں حاصل کی۔ تقسیم ملک کے بعد کئی سال نقل مکانی اور پریشانی میں گزرے۔ اس لیے سلسلہ تعلیم منقطع رہا۔ ۱۹۵۴ء میں موضع بھوئے آصل ضلع قصور میں اپنے خاندان کے ساتھ قیام رہا۔ پھر اپنی والدہ محترمہ اور بڑے بھائی کے ساتھ گوجرانوالہ آ گئے۔

گوجرانوالہ میں آپ نے دینی تعلیم کا آغاز حفظ قرآن مجید سے کیا۔ حفظ قرآن مجید آپ کے اساتذہ قاری فضل کریم اور حافظ محمد یحییٰ عزیز میر محمدی تھے۔ آپ نے حفظ قرآن کے ساتھ تجوید کی تعلیم بھی قاری فضل کریم سے حاصل کی تھی۔

۱۹۵۷ء دینی تعلیم کے حصول کے لیے دار العلوم تقویۃ الاسلام شیش محل روڈ لاہور میں داخل ہوئے وہاں آپ نے ابتدائی کتابیں مولانا حافظ عبد الرشید گوہڑوی اور مولانا عبد الرشید نومسلم مجاہد آبادی سے پڑھیں۔ اس کے بعد واپس گوجرانوالہ آ گئے۔ اور جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ میں داخل ہو گئے اور علوم اسلامیہ کی تحصیل شیخ الحدیث مولانا ابو البرکات احمد مدراسی اور شیخ العرب والعجم حضرت العلام مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی سے کی۔

فراغت تعلیم کے بعد ۱۹۶۶ء میں اسی مدرسہ میں تدریس پر مامور ہوئے اور اپنی وفات (۳ر نومبر ۱۹۹۷ء) تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔

اخلاق وعادات کے اعتبار سے مولانا قاری محمد یحییٰ خاں بڑے نیک سیرت اور شریف الطبع انسان تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ دینی، ملی اور رفاہی کاموں میں بھرپور حصہ لیتے تھے۔ خصوصاً افغان مجاہدین کی امداد واعانت میں آپ نے گرانقدر خدمات انجام دیں۔ قاری صاحب نے ۳ر نومبر ۱۹۹۷ء کو گوجرانوالہ میں وفات پائی۔

مولانا محمد اعظم

شیخ الحدیث مولانا محمد اعظم ﷾ کی ذات محتاج تعارف نہیں۔ آپ کا شمار علمائے فحول میں ہوتا ہے۔ آپ بلند پایہ خطیب ومقرر اور نامور مدرس ہیں۔ ان کا شمار حضرت محدث گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ میں ہوتا ہے۔ ایک کامیاب مدرس ہونے کے ساتھ آپ ایک اچھے مصنف بھی ہیں ان کے قلم سے اب تقریباً دس کے قریب رسائل مختلف موضوعات پر نکل چکے ہیں۔ ان کی مشہور کتاب ''مقام حدیث'' ہے۔ جو اپنے موضوع کے لحاظ سے بڑی جامع علمی اور تحقیقی کتاب ہے۔

مولانا محمد اعظم کا سن ولادت ۱۹۴۴ء ہے۔ ان کا تعلق ضلع سیالکوٹ تحصیل پسرور کے قصبہ ''باسو

پنوں'' سے ہے۔ عصری تعلیم مڈل ہے علوم اسلامیہ کی تحصیل جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ سے کی۔ ان کے اساتذہ میں حضرت حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ کے علاوہ مولانا ابوالبرکات احمد اور مولانا فاروق احمد راشدی بھی شامل ہیں۔

فراغت تعلیم کے بعد جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ ہی میں تدریس پر مامور ہوئے۔ اور ابھی تک جامعہ اسلامیہ ہی میں قرآن وحدیث کی تعلیم دے رہے ہیں۔ مولانا محمد اعظم کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ پروفیسر حافظ عبدالستار حامد حفظہ اللہ ان کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔

مولانا محمد اعظم مرکزی جمیعت اہلحدیث پاکستان سے منسلک ہیں۔ اس کے ساتھ وفاق المدارس السّلفیہ پاکستان کے ناظم بھی ہیں۔

اخلاق وعادات کے لحاظ سے مولانا محمد اعظم بڑے خوش مزاج، ملنسار، مہمان نواز اور محبت کرنے والے عالم دین ہیں۔ تقریر وخطابت اور درس قرآن کا طبعی ذوق رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو تقریر اور خطابت کا عمدہ ملکہ عطا کیا ہوا ہے۔ حق گوئی اور بیباکی آپ کا خاص وصف ہے۔ اظہار حق اور ابطال باطل میں بڑے جری واقع ہوئے ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ان کے علم اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔

[تذکرہ علمائے اہلحدیث پروفیسر محمد یوسف سجاد]

مولانا محمد عبداللہ فیصل آبادی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا محمد عبداللہ بن حاجی عنائت اللہ ۱۹۱۴ء میں ضلع فیصل آباد کی تحصیل سمندری کے موضع نشارن میں پیدا ہوئے۔ ان کی ولادت کے کچھ عرصہ بعد ان کا خاندان چک نمبر ۴۵۱ گ ب منتقل ہو گیا۔ وہیں مولانا عبداللہ کی تعلیم کا آغاز ہوا آپ نے ابتدائی کتابیں وہیں کے بعض اہل علم سے پڑھیں۔ اس کے بعد مزید تعلیم کے حصول کے لیے مولانا عبداللہ نے دہلی کا رخ کیا۔ اور مدرسہ دار الکتاب والسنہ صدر بازار میں داخل ہوئے۔ وہاں آپ نے مولانا عبدالوہاب صدری دہلوی اور ان کے فرزند اکبر مولانا عبدالستار صدری دہلوی سے تفسیر، حدیث اور فقہ میں تعلیم حاصل کی باقی فنون درسیہ بھی اسی عہد کے ممتاز علمائے کرام سے پڑھے۔

فراغت تعلیم کے بعد دہلی سے واپس آ کر اوکاڑہ کے قریب ایک قصبہ چک نمبر ۱۲ رینالہ خورد میں اقامت گزین ہو گئے۔ اور وہاں خطابت، امامت اور درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ کافی عرصہ وہاں یہ خدمت انجام دیتے رہے۔

مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم ایک جید عالم اور عربی کے نامور ادیب تھے۔عربی زبان پر ان کو قدرت حاصل تھی۔مولانا سید مودودی کی کئی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا تھا۔مولانا عبداللہ نے ان کے زمانہ قیام گوجرانوالہ میں جدید عربی کے سلسلہ میں استفادہ کیا۔گوجرانوالہ کے قیام میں وہ حضرت العلام حافظ محمد گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں بھی شریک ہوتے رہے۔

۱۹۶۰ء میں مولانا عبداللہ نے فیصل آباد میں رہائش اختیار کر لی اور ستیانہ روڈ پر محلہ جیلانی پورہ کی گلی نمبر ۱ میں مسجد کریمیہ میں خطابت اور امامت کے فرائض دینے لگے تھے۔مسجد کے قریب ہی انھوں نے اپنا ذاتی مکان خرید لیا تھا۔

مولانا عبداللہ کو مطالعہ کا بہت زیادہ شوق تھا ٹھوس اور قیمتی مطالعہ ان کا سرمایہ علم تھا۔مطالعہ کے شوق نے ان میں جمع کتب کا ذوق پیدا کیا۔ان کے کتب خانہ میں نادر و نایاب کتب کا کافی ذخیرہ جمع تھا۔اور تمام علوم اسلامیہ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، تاریخ و سیر، اسماء الرجال، معانی و ادب، لغت، فلسفہ و منطق اور صرف و نحو کی کتابیں موجود تھیں۔مولانا محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں:

''مولانا محمد حنیف ندوی کو علم نحو کی مشہور کتاب ''سیبویہ'' کی ضرورت پڑی۔اور یہ کتاب انھیں لاہور میں کسی سے نہ ملی مولانا ندوی نے اس کا ذکر مولانا عبداللہ سے کیا۔ تو کہا میرے پاس موجود ہے پیش کر دوں گا۔چنانچہ چند دن بعد خود فیصل آباد سے لاہور آئے۔اور مولانا ندوی کو کتاب پیش کی۔

اسی طرح مجھے سمعانی کی کتاب ''الانساب'' کی ضرورت پڑی۔اور میں نے لاہور کی تمام عوامی اور انفرادی لائبریریوں میں کتاب تلاش کی۔مگر نہیں ملی۔اتفاق سے مولانا عبداللہ سے ملاقات ہوئی۔تو ان سے عرض کیا۔فرمایا: ''الانساب'' میرے کتاب خانہ میں موجود ہے بھجوا دوں گا۔چنانچہ کچھ دن بعد ایک دوست کے ہاتھ کتاب بھجوا دی۔کئی مہینے میرے پاس رہی اور میں نے اس سے استفادہ کیا۔جب میں کتاب واپس کرنے فیصل آباد گیا تو فرمایا: اتنی تکلیف اٹھانے کی کیا ضرورت تھی۔کسی آنے جانے والے کے ہاتھ بھیج دیتے یا میں خود لاہور جاتا تو لے آتا۔''

مولانا عبداللہ کا مولانا سید مودودی سے بھی خاص تعلق تھا۔اور مولانا مودودی بھی آپ سے کتابیں منگوایا کرتے تھے اور بعض مسائل میں مولانا سید مودودی ان سے باقاعدہ استفادہ کرتے تھے۔

چنانچہ ایک دفعہ مولانا مودودی کو امام خطابی کی شرح سنن ابی داود (معالم السنن) اور مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی تفسیر عزیزی اور تحفہ اثنا عشریہ کی ضرورت پڑی تو یہ کتابیں مولانا عبداللہ کے کتب خانہ سے منگوائیں۔

مولانا عبداللہ علم وفضل میں یگانہ روزگار ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے عابد، زاہد اور متقی وپرہیزگار تھے۔ نماز بڑے خشوع وخضوع سے ادا فرماتے۔ مقتدی حضرات ان کی اقتداء میں خاص قلبی کیفیت محسوس کرتے تھے۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں:

"غالباً ۱۹۵۳ء کی بات ہے وہ دارالعلوم تقویۃ الاسلام (شیش محل روڈ لاہور) میں تشریف لائے نماز مغرب کا وقت ہوا تو کسی نے ان کو نماز پڑھانے کے لیے کہا جماعت کھڑی ہو چکی تھی کہ مولانا محمد داود غزنوی تشریف لائے اور شامل جماعت ہوئے اس وقت مولانا غزنوی ان سے متعارف نہ تھے۔ نماز کے بعد مولانا وظیفے اور دعا سے فارغ ہوئے تو کسی سے پوچھا یہ کون صاحب ہیں۔ بہت نیک آدمی ہیں۔ انھیں مولانا غزنوی سے ملا دیا گیا اور ان کا تعارف کرایا گیا مولانا نے ان کو دعا دی اور فرمایا:

آپ کی اقتداء میں نماز پڑھ کر مجھے سرور حاصل ہوا۔"

مولانا عبداللہ وسیع النظر عالم تھے۔ مشکل سے مشکل مسائل بھی بڑی آسانی سے حل فرماتے عادات واطوار کے اعتبار سے درویش آدمی تھی۔

۱۹۶۸ء میں فیصل آباد ادارہ علوم اثریہ قائم کیا ان کے ساتھ اس کے قیام میں مولانا محمد اسحاق چیمہ، مولانا محمد حنیف ندوی اور مولانا محمد اسحاق بھٹی نے تعاون کیا مولانا محمد اسحاق چیمہ کو اس کا ناظم بنایا گیا۔ اس ادارہ کے قیام کا مقصد یہ تھا:

"دینی مدارس کے فارغ التحصیل حضرات کو اس میں مزید تعلیم سے روشناس کرایا جائے گا۔"

چنانچہ یہ ادارہ جاری وساری ہے۔ مولانا محمد حنیف ندوی مرحوم ہفتہ میں ایک بار لاہور سے فیصل آباد طلباء کو پڑھانے کے لیے تشریف لے جاتے۔ مولانا عبداللہ شیخ الحدیث تھے۔ انھوں نے اپنا کتب خانہ ادارہ علوم اثریہ کو دے دیا تھا۔ مولانا عبداللہ نے اس ادارہ کے لیے بہت محنت کی اس ادارہ کی

طرف سے عربی زبان میں تحقیق کا سلسلہ جاری ہے۔اس ادارہ نے عربی اور اردو میں کئی کتابیں شائع کی ہیں۔اب یہ ادارہ جماعت اہلحدیث کے نامور عالم محقق العصر علامہ ارشاد الحق اثری ﷾ کی نگرانی میں علمی خدمات انجام دے رہا ہے۔

مولانا عبداللہ نے ۱۳رشوال ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۶رجولائی ۱۹۸۳ء جدہ (سعودی عرب) میں انتقال کیا۔اور جنت المعلی مکہ معظمہ میں دفن ہوئے۔عمر ۶۹ برس تھی۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ

[کاروان سلف مولانا محمد اسحاق بھٹی]

مولانا محمد عبدہ الفلاح رحمۃ اللہ علیہ

مولانا محمد عبدہ الفلاح ۱۶رمضان المبارک ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۱۷ء مشرقی پنجاب کے ضلع فیروز پور کی تحصیل مکستر کے گاؤں ''وٹو'' میں پیدا ہوئے۔ان کا تعلق بھی وٹو برادری سے تھا۔ان کی عصری تعلیم پرائمری تھی۔جوانھوں نے اپنے گاؤں کے سکول میں حاصل کی۔اس کے بعد دینی تعلیم کا آغاز ترجمہ قرآن مجید سے کیا اور ترجمہ قرآن میں آپ کے استاد مولانا محمد رمضان تھے۔جو ان کے گاؤں ہی کے رہنے والے تھے۔ان کے گاؤں کے قریب ایک قصبہ ''بڈھیمال'' تھا۔یہ گاؤں اہل علم کا مسکن تھا۔مولانا حافظ عبداللہ بڈھیمالوی، مولانا احمد اللہ بڈھیمالوی اور مولانا قاضی محمد اسلم فیروز پوری کا مسکن تھا۔ بڈھیمال میں ایک دینی مدرسہ تھا جو وہاں کے ایک عالم دین مولانا عبدالرحمٰن نے قائم کیا ہوا تھا۔ اور مولانا عبدالرحمٰن مرحوم مولانا عبدالوہاب صدری دہلوی کے شاگرد تھے۔مولانا محمد عبدہ نے اس مدرسہ میں داخلہ لیا اور وہاں کے اساتذہ سے علوم دینیہ میں استفادہ کیا۔

مدرسہ رحمانیہ بڈھیمال میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد مولانا محمد عبدہ قریب ہی ایک گاؤں ''کھپیانوالی'' میں تشریف لے گئے وہاں ایک دینی مدرسہ تھا۔جو ایک بزرگ عالم دین مولانا عبداللہ مرحوم نے قائم کیا ہوا تھا۔مولانا عبداللہ استاد پنجاب مولانا عبدالمنان محدث وزیر آبادی کے فیض یافتہ تھے۔اور بڑے صاحب تقوی بزرگ تھے۔مولانا محمد عبدہ نے مولانا عبداللہ مرحوم سے بھی استفادہ کیا۔ اس کے بعد مولانا محمد عبدہ نے دہلی کا رخ کیا اور مدرسہ عالیہ فتح پوری میں داخل ہو گئے اور اس مدرسہ میں تین سال تک تعلیم حاصل کر کے نصاب کی تکمیل کی۔

دہلی میں تکمیل تعلیم کے بعد مولانا محمد عبدہ گوجرانوالہ تشریف لائے۔اور شیخ العرب والعجم حضرت العلام استاد العلماء، مجتہد العصر مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی سے صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث

پڑھیں۔ مولانا محمد اسماعیل سلفی مرحوم سے بھی استفادہ کیا۔

فراغت تعلیم کے بعد اپنے گاؤں ''وٹو'' میں تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ کچھ عرصہ بعد شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی نے انھیں اپنے پاس گوجرانوالہ بلالیا۔ اور جامعہ محمدیہ میں تدریس فرمانے لگے۔ کچھ عرصہ بعد صوفی محمد عبداللہ مرحوم نے اپنے مدرسہ تعلیم الاسلام اوڈانوالہ ضلع لائل پور (فیصل آباد) نے ان کی خدمات حاصل کیں اور آپ وہاں درس وتدریس فرمانے لگے۔ اوڈانوالہ میں کچھ مدت تدریس فرمائی۔ پھر وہاں سے دارالحدیث رحمانیہ دہلی چلے گئے۔

تقسیم ملک کے بعد مولانا محمد عبدہ دارالعلوم تقویۃ الاسلام لاہور، جامعہ محمدیہ اوکاڑہ، جامعہ سلفیہ فیصل آباد، ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد، دارالحدیث ملتان، جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن میں تدریسی خدمات انجام دیں۔

علم وفضل کے لحاظ سے مولانا محمد عبدہ ایک جید عالم دین تھے علوم اسلامیہ پر ان کی گہری نظر تھی۔ حدیث اور متعلقات حدیث پر ان کو عبور کامل تھا۔ عربی ادب سے بھی ان کو خاص لگاؤ تھا۔ تصنیف وتالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ ان کے علمی مقالات الاعتصام لاہور، ماہنامہ محدث لاہور اور دوسرے رسائل وجرائد میں شائع ہوتے رہتے تھے۔ عربی سے اردو میں ترجمہ کرنے کا خاص ملکہ تھا۔ امام راغب اصفہانی (۱۱۰۹ء) کی کتاب ''المفردات فی غریب القرآن'' مشہور کتاب ہے۔ مولانا محمد عبدہ نے اس کا اردو ترجمہ کیا۔ جو ۱۲سو زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے بارے میں مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> ''اس سے جہاں مصنف امام راغب اصفہانی کے علم وفضل کی فراوانی کا پتہ چلتا ہے وہاں حضرات مترجم کی قابلیت، عمق فکر اور عربی ادب میں وسعت نظر کی بھی شہادت ملتی ہے۔''

مولانا محمد عبدہ کا عظیم کارنامہ قرآن مجید کے حواشی ہیں۔ جو اشرف الحواشی کے نام سے لاہور کے مشہور تاجر کتب شیخ محمد اشرف مرحوم نے شائع کیا۔ اس قرآن میں دو ترجمہ شامل کیے گئے ہیں ایک مولانا شاہ رفیع الدین محدث دہلوی اور دوسرا مولانا نواب وحید الزمان حیدرآبادی کا ہے۔

اخلاق وعادات کے لحاظ سے مولانا محمد عبدہٗ شریف الطبع انسان تھے اور بہت زیادہ بھلے مانس تھے۔ آپ نے ۳۰ رجون ۱۹۹۹ء کو فیصل آباد میں رحلت فرمائی۔

[برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن از مولانا محمد اسحاق بھٹی ص ۵۹۲]

تلامذہ

مولانا محمد عبدہ الفلاح کی تدریسی زندگی نصف صدی پر محیط ہے اس لیے آپ کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے مشہور تلامذہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ مولانا محمد صادق خلیل رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ مولانا قدرت اللہ فوق رحمۃ اللہ علیہ

۳۔ مولانا علی محمد حنیف سلفی رحمۃ اللہ علیہ

۴۔ مولانا عزیز الرحمٰن لکھوی رحمۃ اللہ علیہ

۵۔ مولانا قاضی محمد اسلم سیف فیروز پوری رحمۃ اللہ علیہ

۶۔ مولانا حافظ عبدالعزیز علوی شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ فیصل آبادی

۷۔ مولانا محمد علی جانباز رحمۃ اللہ علیہ

۸۔ مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

۹۔ پروفیسر محمد یسین ظفر پرنسپل جامعہ سلفیہ فیصل آباد

۱۰۔ مولانا محمد یونس بٹ

۱۱۔ مولانا عبدالحی انصاری

۱۲۔ مولانا ہدایت اللہ ندوی رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۔ مولانا پیر محمد یعقوب قریشی رحمۃ اللہ علیہ

۱۴۔ مولانا مفتی عبدالحنان زاہد

۱۵۔ مولانا ابواسعد محمد صدیق

۱۶۔ مولانا محمد زبیر ناصر

۱۷۔ مولانا عبدالقادر ندوی جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن

۱۸۔ مولانا ندیم شہباز

تصانیف

مولانا محمد عبدہ مرحوم نے مختلف عنوانات پر کتابیں لکھیں ان کی فہرست درج ذیل ہے۔

۱۔قرآن مجید کے حواشی بنام اشرف الحواشی

۲۔تفسیر ترجمان القرآن مولانا ابوالکلام آزاد (تیسری جلد)

۳۔مفردات القرآن (ترجمہ)

۴۔قرآن فہمی کے بنیادی اصول

۵۔الارشاد الی مہمات الاسناد (عربی)

۶۔الصحیحین (امام بخاری وامام مسلم کے حالات زندگی اور صحیح بخاری ومسلم پر جامع تبصرہ)

۷۔امام مالک اوران کی موطا

۸۔سیرت ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ

۹۔تحریک اہلحدیث کے چند اوراق

۱۰۔تاریخ اہلحدیث (۲ جلد)

۱۱۔ماثر الکلام (فارسی) ازمولانا آزاد بلگرامی (تنقیح وتخریج وحواشی مولانا محمد عبدہ)

۱۲۔مراسیل امام ابوداود (عربی)

۱۳۔تعلیقات مقدمہ صحیح مسلم (عربی)

۱۴۔اجتہاد (مسئلہ اجتہاد پرایک جامع رسالہ)

۱۵۔اختصار احکام الجنائز ازعلامہ البانی

۱۶۔الصرف (علم الصرف پر ابن حاجب کی توضیحات)

۱۷۔ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ از امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

۱۸۔سنن اربعہ (امام ابوداود، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ کے حالات اوران کی کتب حدیث کا تعارف اور تبصرہ

۱۹۔اسلام میں نظام طلاق (شیخ احمد شاکر مصری کی کتاب ''نظام الطلاق فی الاسلام'' کا ترجمہ

۲۰۔المسح علی الجوربین (عربی سے ترجمہ)

۲۱۔تاریخ قرآن

مولانا محمد داود ارشد صاحب نے اپنے مضمون ''میرے مربی ومحسن مولانا محمد یحیٰی گوندلوی'' مجریہ ہفت روزہ الاعتصام لاہور (۲۰رفروری ۲۰۰۹ء جلد ۶۱، شمارہ ۸) میں مولانا گوندلوی کے اساتذہ

میں محقق العصر مولانا ارشاد الحق اثری ﷾ اور استاد العلماء مولانا محمد الیاس اثری ﷾ کو بھی شامل کیا ہے۔ اس لیے ان دونوں علمائے کرام کے بھی مختصر حالات درج ہیں۔

مولانا ارشاد الحق اثری

محقق العصر مولانا ارشاد الحق اثری ﷾ کا شمار جماعت اہلحدیث پاکستان کے علمائے محققین میں ہوتا ہے۔ آپ کو علوم اسلامیہ یعنی تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، تاریخ وسیر، اسماء الرجال، لغت وادب ومعانی اور فلسفہ ومنطق پر عبور کامل حاصل ہے تفسیر، حدیث، تاریخ، اسماء الرجال اور فقہ مذاہب الاربعہ پر ان کا مطالعہ بہت زیادہ وسیع ہے۔ تدریس اور تقریر میں بھی ان کو خاص ملکہ حاصل ہے۔

آپ کا سن ولادت ۱۹۴۹ء مطابق ۱۳۶۸ھ ہے اور جائے سکونت چک ۲۴ منڈی لیاقت پور ضلع رحیم یار خاں ہے۔ عصری تعلیم مڈل ہے ابتدائی کتابیں مولانا بشیر احمد اور مولانا محمد حیات سے پڑھیں (یہ دونوں اساتذہ دیوبندی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے) متوسط کتب مولانا مفتی عبدالرحمٰن مرحوم سابق مدرسہ فتح پوری دہلی سے پڑھیں۔

۱۹۶۴ء میں الجامعۃ السلفیہ فیصل آباد میں داخل ہوئے۔ ان دنوں مولانا شریف اللہ خاں سواتی بھی معقولات کا درس دیتے تھے۔ مولانا ارشاد الحق دیوبندی مکتب فکر سے وابستہ تھے لیکن عون المعبود (شرح ابوداود) اور تحفۃ الاحوذی (شرح جامع ترمذی) کے مطالعہ سے پہلے حنفی فکر کی بنیادیں متزلزل ہو گئیں مولانا ارشاد الحق کے حنفی احباب نے جب دیکھا کہ وہ حنفیت سے بیزار ہوتے نظر آرہے ہیں تو انھوں نے مولانا شوق نیموی کی کتاب آثار السنن کے مطالعہ کا مشورہ دیا۔ چنانچہ مولانا اثری نے اس کتاب کا مطالعہ کیا جب جامعہ سلفیہ کے ناظم مولانا ابوحفص عثمانی مرحوم کو معلوم ہوا تو انھوں نے مولانا اثری صاحب سے کہا کہ آپ نے آثار السنن کا مطالعہ کر لیا ہے۔ اب اس کے جواب میں لکھی گئی کتاب صاحب تحفۃ الاحوذی مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری کی کتاب ''ابکار السنن فی تنقید آثار السنن'' کا بھی مطالعہ کریں۔ چنانچہ مولانا اثری صاحب نے ''ابکار السنن'' بڑے شوق سے پڑھی۔ اور اس کے پڑھنے کے بعد حنفیت سے برگشتہ ہو گئے اور آپ نے مسلک اہلحدیث اختیار کر لیا۔

جامعہ سلفیہ میں آپ نے تین سال تک تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۶۷ء میں تاندلیانوالہ میں مولانا حافظ بنیا بین سے صحیح مسلم اور سنن ابی داود کا درس لیا۔ ۱۹۶۸ء میں جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ تشریف لائے۔ اور یہاں حضرت العلام استاد العلماء مجتہد العصر مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی اور نائب شیخ

الحدیث مولانا ابوالبرکات احمد مدراسی سے علوم دینیہ میں استفادہ کیا۔ جامعہ اسلامیہ میں آپ نے دو سال تک تعلیم حاصل کی۔

۱۹۶۹ء میں مولانا محمد عبداللہ فیصل آبادی اور مولانا محمد عبدہ الفلاح نے منٹگمری بازار فیصل آباد میں ادارہ علوم الاثریہ کی بنیاد رکھی اور تحقیق وتصنیف کے لیے دونوں علمائے کرام نے مولانا اثری کی خدمات حاصل کیں۔ چنانچہ ۱۹۶۹ء سے مولانا اثری صاحب ادارہ علوم الاثریہ سے وابستہ چلے آ رہے ہیں۔

مولانا اثری عربی اردو کے بلند پایہ مصنف ہیں۔ ان کی کتابوں کے مطالعہ سے ان کے ذوق مطالعہ، اور وسعت معلومات کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کا عظیم کارنامہ مسند ابویعلی کی تحقیق، تنقیح اور تخریج ہے۔ یہ کتاب جدہ (سعودی عرب) سے شائع ہو چکی ہے علاوہ ازیں اس کے آپ کی اور بھی عربی کتابیں تحقیق وتخریج سے ادارہ علوم اثریہ نے شائع کی ہیں اردو میں مولانا اثری کی تصانیف اپنے موضوع کے اعتبار سے بڑی جامع اور تحقیقی کتابیں ہیں۔ ان کے مطالعہ سے مولانا اثری کے علمی تبحر، ذوق مطالعہ اور وسعت معلومات کا اندازہ ہوتا ہے۔ مولانا اثری کے علمی وتحقیقی مضامین ہفت روزہ الاعتصام لاہور میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ آپ الاعتصام کی مجلس ادارت میں بھی شامل ہیں۔

اخلاق وعادات کے اعتبار سے مولانا اثری بہت خوش اخلاق، ملنسار، مخلص اور بہت زیادہ محبت کرنے والے عالم دین ہیں۔ اور راقم سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کے علم وعمر میں برکت عطا فرمائے۔ اور دین اسلام اور کتاب وسنت کی مزید خدمت کرنے کی توفیق اور ہمت دے۔

مولانا محمد الیاس اثری

مولانا محمد الیاس اثری ۱۹۴۷ء میں موضع سیدھانوالہ نزد نارنگ منڈی ضلع شیخوپورہ میں پیدا ہوئے۔ عصری تعلیم پرائمری ہے۔ ابتدائی دینی تعلیم نارنگ منڈی کے مدرسہ سلفیہ میں حاصل کی۔ اس کے بعد آپ جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ تشریف لے آئے۔ یہاں آپ نے علوم اسلامیہ کی تحصیل مولانا ابوالبرکات احمد مدراسی اور شیخ العرب والعجم استاد العلماء مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی رحمہم اللہ اجمعین سے کی۔ اسی دوران آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے فاضل عربی کا امتحان پاس کیا۔

جامعہ اسلامیہ سے فراغت کے بعد اس کی انتظامیہ نے آپ کو جامعہ اسلامیہ میں تدریس پر مامور کر دیا۔ اور اس مدرسہ میں آپ نے ۲۰۔۲۲ سال تک تدریسی فرمائی۔ اس کے بعد آپ نے علیحدہ

ایک مدرسہ کی اعوان چوک گوجرانوالہ میں بنیاد رکھی۔ یہاں آپ نے کئی سالوں سے تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

اخلاق وعادات کے لحاظ سے مولانا اثری صاحب بڑے شریف الطبع، ملنسار، زہد وورع کے پیکر، خوش اخلاق اور محبت کرنے والے انسان ہیں۔ جب بھی ان سے ملاقات ہوتی ہے۔ بڑے اچھے اخلاق، خندہ پیشانی اور محبت سے ملتے ہیں۔ مہمان نوازی میں بہت آگے ہیں۔

تصنیف وتالیف کا بھی شوق رکھتے ہیں ان کے کچھ رسال شائع ہو چکے ہیں۔

❁ ❁ ❁

باب (۴)

تصانیف

مولانا محمد گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ کی جیسی جامع کمالات شخصیتیں کہیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں وہ اپنے کمالات میں ائمہ سلف کی یادگار تھے۔ علوم اسلامیہ پر ان کی نظر بہت گہری اور وسیع تھی۔ تفسیر، حدیث، فقہ المذاہب الاربعہ اور تاریخ و سیر اور اسماء الرجال میں یگانہ روزگار تھے۔ ان علوم پر ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔

مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک بلند پایہ مصنف تھے۔ جس موضوع پر قلم اٹھاتے تھے۔ معلومات کی وسعت اور تحقیق و تنقید کا پورا حق ادا کرتے اور اس کا کوئی گوشہ تشنہ نہ چھوڑے مذہبی مباحث سے قطع نظر جو ان کا خاص دائرہ تھا۔ خالص علمی و تاریخ موضوع پر انھوں نے جو لکھ دیا ہے وہ ان کے علمی تبحر، ذوق مطالعہ اور وسعت معلومات کا آئینہ دار ہے۔

مولانا گوندلوی مرحوم نے اپنے زمانہ طالب علمی ہی میں مضامین لکھنے کا سلسلہ شروع کر دیا تھا اور ہفت روزہ الاسلام لاہور میں ان کے مضامین شائع ہونے لگے۔ ان کے بعض مضامین بہت طویل ہوتے تھے جو کئی قسطوں میں ہوتے تھے ان کے اکثر مضامین بعد میں کتابی شکل میں شائع ہوئے۔ ان مضامین میں مختلف علمی موضوعات پر ہفت روزہ الاسلام، الاعتصام، تنظیم اہلحدیث، ترجمان الحدیث، اہلحدیث نداء الاسلام اور ضیائے حدیث میں چھپتے رہے۔ مولانا مرحوم زود نویس تھے۔ مقلدین احناف (دیوبندی، بریلوی) شیعہ، قادیانی، عیسائی اور منکرین حدیث کے خلاف ان کے مضامین شائع ہوتے تھے۔ ان کا آخری مضمون طاہر القادری کے درس مسلم کے نقد پر وفات کے بعد تنظیم اہلحدیث لاہور کے دفتر میں پہنچا (جو تنظیم اہلحدیث کے شمارہ نمبر ۳، ۴ مجریہ ۶ رفروری اور ۱۳ رفروری ۲۰۰۹ء میں شائع ہوا ہے۔)

مولانا گوندلوی مرحوم کے مقالات ادارہ تحقیقات سلفیہ گوجرانوالہ کے مدیر مولانا محمد طیب شائع کرنے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ کچھ مقالات کمپوز ہو چکے ہیں اللہ کرے یہ مقالات جلد شائع ہو جائیں۔

مجموعہ تصانیف

مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تصانیف کی فہرست درج ذیل ہے۔

مطبوعہ

۱۔ ترجمہ وشرح صحیح سنن ترمذی علامہ البانی
۲۔ تخریج معیار الحق
۳۔ خصائل محمدی ترجمہ وشرح شمائل ترمذی
۴۔ عقیدہ مسلم (عقیدہ اہلحدیث)
۵۔ ضعیف اور موضوع روایات
۶۔ مطرقۃ الحدید بر فتوی مولوی رشید
۷۔ مسنون دعائیں
۸۔ ضرب شدید علی اہل التقلید
۹۔ خیر البرائین فی الجہر بالتامین
۱۰۔ فتوی حرمت سود
۱۱۔ دین تصوف
۱۲۔ بائیبل اور توہین انبیاء علیہم السلام
۱۳۔ غیر اللہ کو پکارنا
۱۴۔ طلاق اور شریعت محمدیہ
۱۵۔ طلاق شریعت محمدی (ایک اشتہار پر نظر)
۱۶۔ تحقیق تین طلاق پر تعلیق
۱۷۔ مقلدین ائمہ کی عدالت میں
۱۸۔ موضوع روایات (تاریخ واسباب)
۱۹۔ داستان حنفیہ
۲۰۔ شادی کی دوسری دس راتیں

۲۱۔ ہدایہ احناف کی نظر میں

۲۲۔ جرابوں پر مسح

غیر مطبوع

درج ذیل تصانیف غیر مطبوع ہیں۔ ان میں بعض مسودات کی صورت میں ہیں اور بعض کتابوں کے مسودات ناشرین کی لاپرواہی سے ضائع ہو چکے ہیں۔ تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ ترجمہ وشرح جامع ترمذی

۲۔ ترجمہ وشرح سنن ابن ماجہ

۳۔ تخریج تحقیق الکلام از امام حدیث مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری

۴۔ تخریج وتعلیق فتاوی مولانا سید نواب صدیق حسن خان رحمۃ اللہ علیہ

۵۔ ترجمہ اردو کتاب ''الشیعہ والقرآن'' (علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید رحمۃ اللہ علیہ)

۶۔ ترجمہ کتاب ''صحیفہ مذہب اہل المدینہ'' (امام ابن تیمیہ)

۷۔ ترجمہ کتاب ''حقیقت وحدت الوجود'' (امام ابن تیمیہ)

۸۔ تفسیر قرآن مجید (سورۃ المائدہ تک

۹۔ قرآن فہمی (ڈیڑھ گھنٹے کی (۹۰) کیسٹوں میں مکمل متن کے ساتھ محفوظ ہے۔)

۱۰۔ اہل حدیث کون

۱۱۔ مرزائیت اور مولانا بٹالوی

۱۲۔ کوفہ سے دیوبند تک

۱۳۔ تاریخ انکار حدیث

۱۴۔ تکملہ ابکار السنن (عربی) از امام حدیث مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری

۱۵۔ تعلیق علی کتاب الاعتبار (عربی)

۱۶۔ رفیع الیدین

۱۷۔ فاتحہ خلف الامام

۱۸۔ ترجمہ وشرح شرح السنہ امام بغوی (نامکمل)

مولانا گوندلوی مرحوم کی دینی خدمات کا دائرہ نہایت وسیع ہے مگر ان سب کی غرض وغایت تقریبا

ایک ہے یعنی اسلامی احکام وتعلیمات کی صحیح اور دلنشین تعبیر وترجمانی کی جائے یہاں مولانا گوندلوی مرحوم کی کی تصانیف پر تفصیل سے تبصرہ پیش خدمت ہے۔

صحیح سنن ترمذی (ترجمہ وشرح)

جامع ترمذی امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی (م ۲۷۹ھ) کی تصنیف ہے حدیث کی جس کتاب میں آٹھ قسم کے مضامین بیان کیے جائیں اس کو جامع کے لقب سے یاد کرتے ہیں وہ آٹھ قسم کے مضامین جامع یہ ہیں۔

(۱) سیر (۲) آداب (۳) تفسیر (۴) عقائد (۵) فتن (۶) احکام (۷) اشراط (۸) مناقب

جامع ترمذی اپنی نوعیت کی منفرد کتاب ہے محدثین کرام نے اس کے درج ذیل محاسن بیان کئے ہیں۔

۱۔اس میں حسن ترتیب اور عدم تکرار ہے۔

۲۔فقہاء کے مذاہب کا ذکر ہے نیز ہر مذہب والوں کے وجوہ استدلال بھی ہیں۔

۳۔حدیث کے انواع صحیح، حسن، ضعیف، غریب، معلل وغیرہ بھی بیان کئے ہیں۔

۴۔اسی طرح راویوں کے اسماء والقاب اوران کی کنیتیں نیز دیگر فوائد جو علم رجال کے متعلق ہیں اس پر خاصی گفتگو ہے۔

[بستان المحدثین ص۱۹۲۔۱۹۳]

حافظ شمس الدین ذہبی اپنی کتاب تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں کہ امام ترمذی فرماتے ہیں:

''اس کتاب کو لکھ کر میں نے علماء حجاز کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے اس کو بہت پسند فرمایا اور علماء خراسان کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے بھی داد تحسین دی۔ پس جس گھر میں یہ کتاب موجود ہو اس میں نبی کریم ﷺ گفتگو فرما رہے ہیں۔''

[تذکرۃ الحفاظ ۲/ ۲۰۸]

شیخ محمد ناصر الدین الالبانی (ولادت ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۴ء وفات ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۹۹۹ء) عالم اسلام کے جلیل القدر عالم دین اور محدث تھے۔

شیخ کے نزدیک مذہبی خرابیوں اور برائیوں کی وجہ سے عوام میں پھیلی ہوئی موضوع اور ضعیف روایات میں امت کی اصلاح اس وقت تک ممکن نہیں جب تک لوگ کتاب وسنت کے صافی چشمہ سے

سیراب نہ ہوں چنانچہ انھوں نے صحیح احادیث سے ضعیف اور موضوع روایات کو الگ کرنے کا بیڑہ اٹھایا اوراس کے لیے ہر ممکن کاوش کی ان کی اس کاوش کا ثمرہ اہل علم کے سامنے ہے اور انھوں نے ایک سو کے قریب کتابیں تالیف فرمائیں جن میں چند یہ ہیں۔

۱۔صحیح سنن ابی داود

۲۔صحیح سنن ترمذی

۳۔صحیح سنن نسائی

۴۔صحیح سنن ابن ماجہ

۵۔ضعیف سنن ابی داود

۶۔ضعیف سنن ترمذی

۷۔ضعیف سنن نسائی

۸۔ضعیف سنن ابن ماجہ

۹۔سلسلہ الاحادیث الصحیحۃ

۱۰۔سلسلہ الاحادیث الضعیفۃ

صحیح سنن ترمذی کا ترجمہ وشرح شیخ الحدیث مولانا ابوانس محمد یحییٰ گوندلوی نے کی ہے اس ترجمہ وشرح کے بارے میں مولانا گوندلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''راقم الحروف نے اپنی استعداد اور استطاعت کے مطابق صحیح سنن ترمذی کا ترجمہ اردو زبان میں کیا ہے اوراس میں مندرجہ ذیل باتوں کو مدنظر رکھا ہے۔

۱۔کوشش کی ہے کہ ترجمہ سلیس اور شگفتہ ہو اور عام فہم ہو۔

۲۔امام ترمذی نے فقہاء کے اقوال ومذاہب ذکر فرمائے ہیں اور عموماً وجہ استدلال بھی ذکر فرمادیئے ہیں ہم نے ان اقوال اور مذاہب میں جو سنت کے موافق ہے اس کو ''ف'' کے تحت راجح قرار دیا ہے اور راجح ہونے کی دلیل بھی ذکر کی ہے۔

۳۔مرجوح مذاہب کی عموماً وجوہ ذکر کی ہیں تاکہ راجح اور مرجوح دونوں کو تعصب کے بجائے دلیل کی روشنی میں رکھا جائے۔

۴۔جن ابواب کی احادیث صرف ضعیف ہیں اور امام ترمذی نے ان میں صرف

ائمہ کے مذاہب ذکر کیے ہیں شیخ البانی وہاں احادیث نہیں لائے بلکہ صرف مذاہب کا ذکر کرتے ہیں جس سے عام قاری کو پتہ نہیں چلاتا کہ یہ مذہب کس حدیث کے ضمن میں ذکر ہوئے ہیں تو ہم نے ان ضعیف روایات کو ''ف'' کے تحت ذکر کیا ہے اوران کے ضعیف ہونے کی وجوہ بھی ذکر کی ہیں تاکہ عام قاری پس منظر سے آگاہ ہو اور تشویش سے بچ جائے۔

۵۔کئی مقامات پر شیخ البانی نے متقدمین محدثین کی تحقیق کے برعکس فیصلہ دیا ہے وہاں ہم نے ''ف'' کے تحت اس کی وضاحت کی ہے اور جو ہماری تحقیق میں صحیح موقف ہے اس کو بیان کیا ہے۔

۶۔ہر صحیح حدیث کی مختصر تخریج کی ہے گر حدیث صحیحین یا دونوں میں سے کسی ایک میں موجود ہے تو صرف اسی پر اکتفا کیا ہے ہاں مگر یہ کوئی مزید فائدہ معلوم ہوتا ہو تو پھر اور کتابوں کا حوالہ بھی دیا ہے اگر حدیث صحیحین میں سے نہیں تو پھر عموما سنن ثلاثہ (ابوداود،نسائی،ابن ماجہ)اور مسند احمد سے تخریج کی ہے بسااوقات کسی فائدہ کی بنا پر دیگر کتابوں کا حوالہ بھی دیا ہے۔

۷۔تخریج میں جس کتاب کا حوالہ دیا ہے ضروری نہیں کہ وہاں حدیث بعینیہ اسی طرح موجود ہو جیسا کہ ترمذی کی روایت ہے۔بسا اوقات روایات میں اختصار یا طوالت یا الفاظ کا فرق ہو جاتا ہے تو عموما اس اختلاف کی طرف بھی مختصرا یا مطولا یا سمنعاہ کے الفاظ سے اشارہ کیا ہے۔

۸۔ترجمہ میں زیادہ تر اعتماد تحفۃ الاحوذی پر کیا ہے۔اس لیے کہ سنن ترمذی کی گو بہت سے شروحات ہیں مگر ترمذی کی اس جیسی عمدہ اور نفیس شرح تا حال دیکھنے میں نہیں آئی۔

۹۔رواۃ حدیث کا مختصر اور فنی تعارف کرایا ہے۔

۱۰۔ترمذی کے مختلف نسخوں میں تقابل کیا ہے اور جہاں فرق ہے وہاں اسے واضح کیا ہے۔

نوٹ:نسخوں کے تقابل میں ''ت'' سے مراد تحفۃ الاحوذی اور ''ش'' سے مراد ترمذی

مع شرح احمد شاکر ہے۔

[صحیح سنن ترمذی مترجم ص ۳۲]

صحیح سنن ترمذی (مترجم) مولانا گوندلوی مرحوم نے رمضان المبارک (۱۴۲۱ھ مطابق ۱۹۹۹ء) میں جامعہ تعلیم القرآن والحدیث ساہوالہ ضلع سیالکوٹ کے زیر اہتمام شائع کی صفحات کی مجموعی تعداد ۲۳۲۶ ہے۔

معیار الحق (تخریج)

یہ کتاب حضرت شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی کی تصنیف کردہ ہے اور اس کا موضوع تردید تقلید ہے۔اس کتاب کی تالیف کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید نے ایک کتاب بنام ''تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین'' (عربی) میں تالیف فرمائی جس میں نماز مین رفع الیدین کرنے کے علاوہ سینے پر ہاتھ باندھنے کے متعلق احادیث جمع کیں۔اور اس کے علاوہ قراءۃ فاتحہ خلف الامام اور آمین بالجہر کی طرف اشارات کیئے گئے ہیں اور آخری باب میں تقلید شخصی کی تردید کی گئی ہے۔

مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کتاب حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور مولانا شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کی نظر سے گزری تو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے فرمایا:

''اللہ تعالی کا شکر ہے کہ یہ گھر محققین علم حدیث سے خالی نہیں ہے۔''

جب یہ کتاب شائع ہوئی تو مقلدین احناف میں کھلبلی مچ گئی اور ان کی نیندیں حرام ہوگئیں تو اس کتاب کا جواب ایک غالی مقلد محمد شاہ پاک پٹنی (حدیث میں حضرت شیخ الکل مرحوم کے شاگرد تھے) ''تنویر الحق'' کے نام سے جواب شائع کیا۔

''تنویر الحق'' کے جواب میں حضرت شیخ الکل نے ''معیار الحق'' شائع کی جس میں صاحب تنویر الحق کے طرف سے کیئے گئے اعتراضات کا جواب دلائل وبراہین سے دیا گیا۔اور مقلدین احناف یہ کتاب دیکھ کر سراسیمہ ہو گئے اور ان کے ایوانوں میں زنزلہ آ گیا۔اور تقلیدی علماء بوکھلائے پھرتے تھے۔

''معیار الحق'' کے جواب میں ایک غالی مقلد مولوی ارشاد حسین رام پوری نے ''انتصار الحق'' تالیف کی اور دعوی کیا کہ میری اس کتاب کا کوئی غیر مقلد عالم جواب نہیں دے سکے گا۔

مولانا ابوالکلام آزاد کے مطالعہ میں دونوں کتابیں (معیار الحق اور انتصار الحق) آئیں تو آپ نے فرمایا:

''مجھ پر معیار الحق کی سنجیدہ اور وزنی بحث کا اثر پڑا اور صاحب ارشاد الحق (انتصار الحق) کا علمی ضعف صاف نظر آ گیا۔''

[آزاد کی کہانی آزاد کی زبانی ص ۳۶۶]

انتصار الحق کے جواب میں حضرت شیخ الکل محدث دہلوی کے چار تلامذہ نے جواب لکھے اور آج تک کسی تقلیدی عالم کو یہ جرأت نہیں ہوئی کہ ان میں سے کسی ایک کتاب کا جواب الجواب لکھ سکے۔ اوران شاء اللہ العزیز کوئی تقلیدی عالم قیامت تک جرأت نہیں کر سکے گا کہ وہ جواب الجواب لکھ سکے۔

انتصار الحق کا پہلا جواب مولانا سید امیر حسن سہسوانی نے ''براہین اثنا عشر'' کے نام سے ایک دن میں لکھا۔ اور اس کی نقل مولانا ابوالحسنات عبدالحی لکھنوی حنفی کو ارسال کی۔ مولانا عبدالحی نے اس کتاب کی رسید میں مولانا سید امیر حسن سہسوانی کو لکھا:

''از محمد عبدالحی مولوی صاحب مکرم معظم مجمع البحرین المنقول المعقول منبع نہرین جامع الفروع الاصول مولوی سید امیر حسن صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنائت نامہ لطف شامہ مورخہ ۲۰/ ماہ رواہ بورود نور ممتاز ساختہ و براہین اثنا عشر رسیدہ اغلاط اسامی کتب ومولفین در انتصار لاتعد ہستند شاید بنظر اختصار بر چند کفایت شد۔''

[الحیاہ بعد المماۃ ص ۲۹۵ تا ۲۹۶]

دوسرا جواب مولانا سید احمد حسن دہلوی صاحب تفسیر احسن التفاسیر نے ''تلخیص الانظار فیما بنی علیہ الانتصار'' کے نام سے لکھا۔

تیسرا جواب مولانا شہود الحق عظیم آبادی ''البحر الذخار لازہاق صاحب انتصار'' کے نام سے شائع کیا۔

چوتھا جواب مولانا احتشام الدین مراد آبادی صاحب نصیحۃ الشیعہ نے اختیار الحق کے نام سے لکھا اور شائع کیا۔

یہ چاروں کتابیں استاد پنجاب حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی کے کتب خانہ میں موجود تھیں اور راقم کی نظر سے گزری تھیں۔ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان چاروں کتابوں کے فوٹوسٹیٹ

حاصل کئے تھے۔مگراب یہ چاروں کتابیں کتب خانہ سے غائب ہیں۔

معیارالحق سب سے پہلے مطبع انصاری دہلی سے شائع ہوئی تھی۔دوسری بار ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۹ء مطبع رحمانی دہلی سے شائع ہوئی، پاکستان میں مولانا محمد حنیف یزدانی مرحوم نے شائع کیا تھااس کی تخریج مولانا مفتی محمد عبدہ الفلاح نے کی تھی اور مقدمہ شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی نے لکھا تھا جو مولانا محمد عبدہ الفلاح کی ذات علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں آپ اعلیٰ پایہ کے مدرس تھے۔کئی اسلامی مدارس میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے آپ نے معیارالحق کی تخریج کی تھی تو اس وقت مراجع کا بڑا مسئلہ درپیش تھا۔اس بنا پر تخریج ناقص رہ گئی تھی۔

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی مرحوم نے معیارالحق کی ازسرنو تخریج کی ہے چنانچہ کتاب کے آغاز میں لکھتے ہیں:

❶ حتی الامکان ہر حوالہ کی تخریج ہم نے اصل ماخذ سے کی ہے۔

❷ معیارالحق کی اکثر عبارات اصل مراجع سے ملائی گئی ہیں۔

❸ یہاں معیارالحق میں مندرج عبارات اور اصل ماخذ کی عبارات واضح اختلاف نظر آیا ہے۔اس لیے میاں صاحب کے دور میں مشینی طباعت عام نہ تھی زیادہ تر عبارات مخطوطات سے لی جاتی تھیں۔اور یہ تو بدیہی امر ہے کہ ایک کتاب کے مختلف مخطوطات میں اختلاف ہوتا ہے ہوسکتا ہے جو کتاب ہمارے سامنے ہے وہ کسی ایسے مخطوطہ سے طبع ہوئی ہو جو میاں صاحب کے پاس نہ تھا بلکہ اس کتاب کا کوئی اور نسخہ تھا۔

❹ تخریج میں موجودہ دور کے اسلوب کو سامنے رکھا ہے کہ عبارت کسی باب کی ہے اگر حدیث ہے تو حدیث نمبر کیا ہے تاکہ مراجعت کے وقت دقت پیش نہ آئے۔

❺ وہ کتب جن کے صفحات ایک طبع سے متداول ہے وہاں صرف کتاب کا صفحہ لکھنے پر اکتفا کیا ہے۔

❻ بعض جگہ حضرت الشیخ کی تخریج وفوائد سے بھی استفادہ کیا ہے تو وہاں حوالہ کے آخر میں (ع) لکھ دیا ہے۔

❼ قارئین حضرات کی آسانی کی خاطر متن میں قوسین کے درمیان عنوانات قائم کیے ہیں۔

مولانا گوندلوی مرحوم مراجع ومصادر کے عنوان سے کتابوں کی جو فہرست دی ہے ان کی تعداد ۱۳۷ ہے۔

مولانا گوندلوی نے یہ کتاب مئی ۲۰۰۷ء میں جامعہ تعلیم القرآن والحدیث ساہوالہ ضلع سیالکوٹ کے زیر اہتمام شائع کی ہے۔ صفحات کی تعداد ۳۹۲ ہے آخر کتاب میں حضرت شیخ الکل مرحوم کے مختصر سوانح حالات بھی ذکر کیے گئے ہیں۔ کتاب کے آغاز میں شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی کا مقدمہ بھی شامل ہے۔ اور راقم آثم کی تقریظ بھی اس کتاب کی زینت ہے۔ جو دو صفحات پر محیط ہے۔ مولانا گوندلوی مرحوم کا یہ عظیم کارنامہ ہے جو انھوں نے اہل علم کی خدمت میں پیش کیا ہے۔

خصائل محمدی ترجمہ شمائل ترمذی

شمائل ترمذی بھی امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی کی تصنیف ہے۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ کے ارشادات گرامی مسلمانوں کے لیے واجب العمل ہیں اسی طرح آپ ﷺ کے اخلاق مبارک، اعمال، طور طریقے طبعی امور آپ ﷺ کی زندگی کا ہر پہلو اسوہ حسنہ کی حیثیت رکھتا ہے اس کے حالات جستہ جستہ حدیث کی کتابوں میں ملتے ہیں لیکن امام ترمذی سے پہلے خاص اس موضوع پر کوئی مستقل کتاب نہ تھی۔ یہ سعادت سب سے پہلے امام ترمذی کے حصہ میں آئی۔ اور رسول اللہ ﷺ کے حلیہ مبارک، لباس، ساز وسامان، عادات وخصائل، رفتار وگفتار، نشت وبرخاست، اخلاق اور معمولات کے متعلق جتنی روایتیں امام ترمذی کو پہنچیں انھوں نے ان کو شمائل میں جمع کر دیا ہے گو یہ کتاب مختصر ہے لیکن ایسی جامع ہے کہ اس میں اخلاق نبوی کا پورا مرقع نظر آ جاتا ہے۔

شمائل ترمذی کو بھی جامع ترمذی کی طرح بہت مقبولیت حاصل ہوئی علمائے اسلام نے اس کی شرحیں اور حواشی لکھے ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا محمد یحییٰ گوندلوی مرحوم نے اردو میں اس کا ترجمہ اور شرح کی ہے یہ شرح بہت سی خصوصیات کی حامل ہے مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

1. کوشش کی ہے کہ ترجمہ سلیس، شگفتہ اور عام فہم ہو
2. ہر حدیث کی تخریج کی ہے اگر حدیث بخاری ومسلم یا دونوں میں سے کسی ایک میں موجود ہے تو صرف اسی پر اکتفا کیا گیا ہے کیونکہ ان کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کتاب کی تخریج کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ مگر یہ کہ کوئی مزید فائدہ معلوم ہوتا ہو تو پھر

دوسری کتابوں سے بھی تخریج کی ہے۔

❸ اگر حدیث صحیحین میں نہیں تو پھر حدیث کی دوسری معروف کتابوں سے تخریج کی ہے جس میں سنن اربعہ کو اہمیت دی ہے۔

❹ حسب ضرورت شواہد اور متابعات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔

❺ ضعیف روایت کے ضعف کو واضح کیا ہے اور راویوں پر مختصر جرح کی ہے جو عموماً تقریب التہذیب، تہذیب التہذیب اور میزان الاعتدال سے اخذ کی گئی ہے۔

❻ رواۃ حدیث صحابہ کرام اور تابعین عظام کا فنی تعارف کرایا ہے اور کئی دیگر امور ہیں جو قارئین کرام کے مطالعہ کے وقت حسب ذوق اخذ کریں گے۔

الغرض اردو میں شمائل ترمذی پر اپنی نوعیت کا منفرد کام ہے جو اس سے پہلے اردو میں نہیں ہوا۔

[خصائل محمدی ص ۱۲]

یہ اللہ کریم کا بڑا احسان ہے کہ اس نے مجھ ناچیز کو حبیب کبریا ﷺ کے فضائل اور عادات کی ترجمانی واشاعت کی توفیق بخشی ہے۔

''اب ایک حدیث کا ترجمہ اور اس کی شرح مطالعہ فرمائیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اس شخص کو اچھی طرح جانتا ہوں جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا اور اس شخص کو بھی جانتا ہوں جو سب سے آخر میں جہنم سے نکلے گا۔ قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا اور کہا جائے گا اس پر اس کے صغیرہ گناہ پیش کرو اور اس کے کبیرہ گناہ کو چھپا دیا جائے گا اس سے کہا جائے گا تو نے فلاں دن یہ کام کیا اور فلاں دن یہ کام کیا۔ وہ ان کا اقرار کرے گا۔ انکار نہیں کرے گا وہ اپنے بڑے گناہوں سے خوف کھا رہا ہوگا اس کو کہا جائے گا اس کے ہر گناہ کے بدلے جو اس نے کیا ہے اس کو ایک نیکی دے دو' وہ کہے گا میرے کچھ اور بھی گناہ ہیں جنھیں میں یہاں نہیں دیکھ رہا۔

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ مسکرائے حتی کہ آپ کی داڑھیں مبارک ظاہر ہوگئیں۔ (یہ حدیث مسلم بھی ہے)

مولانا گوندلوی مرحوم اس حدیث کی شرح میں یہ لکھتے ہیں:

''اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ اصحاب الکبار الاخر جہنم سے باہر آ جائیں گے ایک دوسری حدیث میں ہے جہنم میں صرف وہی شخص باقی رہ جائے گا جس کو قرآن باقی رکھے گا مترجم کہتا ہے اس سے مراد شرک ہے جو جہنم سے کبھی باہر نہیں نکلے گا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾.

بلاشبہ اللہ تعالیٰ مشرک کو معاف نہیں کرے گا اور اس کے علاوہ باقی گناہوں کو جس کے لیے چاہے گا معاف کر دے گا اس کے بارے میں بہت سی آیات اور صحیح احادیث موجود ہیں۔

[خصائل محمدی ص ۲۲۷ تا ۲۲۸]

عقیدہ مسلم (عقیدہ اہلحدیث)

اُخروی کامیابی کے لیے عقیدہ اور عمل کی اصلاح ایک لازمی امر ہے رسول اللہ ﷺ نے اپنے ۱۳ سالہ مکی دور میں عقائد کی اصلاح میں سرتوڑ کوشش فرمائی۔ آپ ﷺ نے جب اس دنیائے فانی سے رحلت فرمائی تو امت کو ایسے دین پر چھوڑ گئے جس کی راتیں بھی دن کی طرح روشن تھیں یعنی دین اسلام اپنی اصلی شکل میں موجود تھا جس میں کسی قسم کی آمیزش یا ملاوٹ نہ تھی بلکہ بالکل صاف ستھرا تھا۔ مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ لوگوں کے عقائد میں تبدیلی آنے لگی اور بہت سی بدعات ومحدثات امت محمدیہ میں داخل ہوگئیں مگر ہر دور میں محدثین کرام اور علمائے عظام نے ''الدین النصیحۃ'' پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اصلاح عقائد کی بھرپور کوششیں فرمائیں۔

اعمال صالحہ کی قبولیت کے لیے عقیدے کی اصلاح بہت ضروری ہے۔ جب تک انسان کا عقیدہ توحید ورسالت، آخرت، ملائکہ اور تمام آسمانی کتابوں کے متعلق کتاب وسنت کے مطابق نہیں تو اس کا کوئی عمل بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قابل قبول نہیں ہوگا۔ اسلامی عقیدہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ صرف قرآن اور احادیث صحیحہ کے نصوص ودلائل سے مدلل ہو۔ جو تاویل اور احتمال کو قبول نہ کریں۔

یہ کتاب ایک ابتدائیہ اور ۹ ابواب پر مشتمل ہے۔ مولانا گوندلوی رحمہ اللہ نے ابتدائیہ میں قدامت اہلحدیث، وجہ تسمیہ اہلحدیث اور تحریک اہلحدیث پر روشنی ڈالی ہے اس کے بعد کتاب میں مبادیات عقیدہ توحید کے مسائل، شرکیہ عقائد کی توضیح وتشریح اور فرشتوں پر ایمان، انبیائے کرام پر ایمان، معجزات،

عصمت انبیاء، ختم نبوت، صحابہ کرام کے فضائل ومناقب، مشاجرات صحابہ، منصب خلافت، عورت کی حکمرانی، تقدیر اور ایمان بالآخرۃ اور اس کے متعلقہ مسائل پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

مولانا گوندلوی نے کتاب میں وسیلہ کے بارے میں جو بحث کی ہے وہ بڑی عمدہ اور لائق مطالعہ ہے مولانا مرحوم لکھتے ہیں:

''اہلحدیث اہل بدعت کے مروجہ وسیلہ کو بھی غلط سمجھتے ہیں کیونکہ اس میں بھی غیر اللہ کو ایسا اختیار دیا جاتا ہے جس کا وہ اختیار نہیں رکھتا، اہل بدعت کے وسیلہ سے مراد یہ ہے کہ کسی فوت شدہ کا درمیان میں واسطہ لا کر دعا کی قبولیت کا عقیدہ رکھنا جیسا کہ دعا میں کہنا، اے اللہ! میری یہ دعا فلاں کے وسیلہ یا فلاں کے صدقے یا بحق فلاں اور بحق جاہ فلاں قبول کر۔ اہل بدعت اپنی دعاؤں میں فوت شدگان شخصیات کی ذات کو وسیلہ بناتے ہیں جبکہ اسلام میں کسی بھی فوت شدہ کی ذات وسیلہ نہیں بنائی جاسکتی کیونکہ وسیلہ اعمال کا ہے ذات کا نہیں۔''

مشہور تابعی حضرت قتادہ فرماتے ہیں:

''تقربوا اليه بطاعته و العمل بما يرضيه''

''تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے پسندیدہ عمل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرو۔

امام ابن کثیر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''قتادہ نے جو معنی بیان کیا ہے اس میں مفسرین کا کوئی اختلاف نہیں اور وسیلہ یہ ہے کہ جو تحصیل مقصود تک پہنچائے۔

[تفسیر ابن کثیر ۵۲/۲]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [المائدة:۳۵]

''اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ طلب کرو اور اس کے راستے میں جہاد کرو تا کہ تم فلاح اور کامیابی پا جاؤ۔''

''اس آیت میں وسیلہ عمل کے ساتھ ملحق ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ تقوی کا اور بعد میں جہاد فی سبیل اللہ کا حکم دیا۔ تقوی اور جہاد دونوں ہی بہت اہم عمل ہیں اوران کے درمیان وسیلہ کا ذکر کیا جس سے واضح ہوا کہ وسیلہ کا تعلق تقوی اور جہاد سے ہے اور یہ دونوں ہی عمل ہیں کسی ایک کی ذات نہیں ہے۔ بلا شبہ اہلحدیث اعمال کے قائل وفاعل ہیں مگر اہل بدعت کا جو وسیلہ ہے کہ فوت شدگان اور غائبین کا وسیلہ پکڑا جائے۔ تو اس کو ہم تسلیم نہیں کرتے کیونکہ ایسا وسیلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں کسی کو معلوم ہی نہیں تھا۔ اور نہ کوئی صحابی فوت شدگان کی ذات کے وسیلہ کا قائل تھا۔ خواہ وہ نبی کا وسیلہ ہی ہو جس طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اوران کے ساتھ موجود دیگر صحابہ کرام نے اس عقیدہ باطل کی دھجیاں بکھیر دی تھیں کہ مدینہ منورہ میں موجود ہوتے ہوئے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو وسیلہ نہیں بنایا بلکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو اس وقت بقید حیات تھے سے دعا کرائی تھی بلا شبہ صحابہ نے اپنے اس عمل سے ذات کے وسیلہ کی نفی کر دی تھی۔''

[عقیدہ مسلم ص ۱۲۵، ۱۲۶]

یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے بڑی جامع عمدہ اور نفیس ہے اور اپنے اسلوب فہم انداز اور تسلسل کے لحاظ سے بالکل منفرد حیثیت کی حامل ہے عقائد کی اصلاح کے بارے میں اردو زبان میں ایسی عمدہ کتاب اس سے پہلے نہیں لکھی گئی کتاب کے آغاز میں مقدمہ راقم کا ہے اور افتتاحیہ مولانا عبدالحمید ثاقب آف بھوپال والا نے لکھا ہے۔

یہ کتاب مولانا محمد طیب محمدی صاحب نوشہرہ روڈ گوجرانوالہ کے اہتمام سے شائع ہوئی ہے صفحات کی تعداد ۴۱۵ ہے۔

ضعیف اور موضوع روایات

ضعیف حدیث وہ ہے جس کا راوی عادل اور ضابط اور متقن نہ ہو بلکہ اس کے حافظہ میں کمی اور نقص ہو، یا عقیدہ اور مروت کے لحاظ سے مجروح ہو ضعیف دو طرح سے ہوتا ہے۔

۱۔ راوی کی وجہ سے ۲۔ سند کی وجہ سے

موضوع حدیث کی تعریف یہ ہے:

''کذاب راوی نے اپنی بات یا کسی غیر کی بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا ہو۔''

مولانا گوندلوی مرحوم نے کتاب کے آغاز میں ایک جامع وعلمی مقدمہ سپرد قلم فرمایا ہے جس میں درج عنوانات کے تحت بڑی عمدہ بحث فرمائی ہے مولانا مرحوم ابتداء میں لکھتے ہیں:

''اس کتاب کے لکھنے کا بنیادی مقصد عوام میں پھیلی ہوئی ضعیف اور موضوع روایات کو صحیح احادیث سے الگ کرنا ہے تاکہ جو رسول اللہ ﷺ کا قول یا عمل نہیں وہ آپ ﷺ کی طرف منسوب نہ ہو اور لوگ اسے حدیث رسول اللہ ﷺ سمجھ کر اس پر عمل نہ کریں کیونکہ صحیح حدیث دین ہے اور اس پر عمل کرنا واجب ہے جبکہ موضوع روایات نہ دین ہے نہ کلام رسول۔ بنابریں ان پر عمل کرنا حرام ہے اسی طرح ضعیف روایت اصل کے اعتبار سے مشکوک ہوتی ہے اور دین کی بنیاد یقین پر ہے شک پر نہیں جس سے اجتناب ضروری ہے۔

ہمارے ماحول میں مذہبی جماعت کا غلبہ ہے اور عوام کی اکثریت میں صحیح اور غیر صحیح تمیز کی صلاحیت نہیں ہے وہ تو بلاتحقیق ہر روایت جو جناب رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہو اسے حدیث سمجھتے ہیں گو نفس امر میں وہ فرمان رسول اللہ ﷺ نہ بھی ہو۔ برصغیر کے مسلمانوں کی اکثریت فقہ حنفی کی پیروکار ہے ان کے نزدیک حنفیت ہی دین ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اس مذہب کی تائید میں صحیح احادیث کم ہیں اور زیادہ تر دارومدار ضعیف روایات پر ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ برصغیر میں بدعات صوفیہ حضرات کی طرف سے پھیلی ہیں جن میں اکثریت ظاہراً حنفی مذہب کی پیروکار تھی اور کچھ صوفیہ کا تعلق شیعیت سے تھا چونکہ لوگ انھیں کے پیروکار ہیں جس کی وجہ سے کتاب وسنت کے مقابلہ میں صوفی ازم زیادہ مقبول ہے۔''

[صفحہ ۱۷]

برصغیر میں علم حدیث کی نشرواشاعت میں علمائے اہلحدیث کی تدریسی وتصنیفی خدمات قدر کے قابل ہیں شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی میں نصف صدی سے زیادہ حدیث کی تدریس فرمائی اور محی السنہ مولانا سید نواب صدیق حسن خاں نے تصنیف وتالیف کے ذریعہ علم حدیث کی اشاعت کو عام کیا۔ اور ان کے مقابلہ میں علمائے تقلید اپنے مدارس میں حدیث صرف دورہ کی شکل میں پڑھاتے ہیں اور اپنی کتابوں میں بھی حدیث پر تنقید کرتے ہیں اور تقلید کے ہتھیار کو استعمال کرتے نظر آتے ہیں اور یہ نعرہ لگاتے ہیں:

نحن مقلدون یجب علینا تقلید امامنا ابی حنیفة .

[تقریر ترمذی ص ۳۷]

صحیح احادیث پر تنقید یا پھر ان کی تاویل اوراس کے ساتھ ضعیف اور موضوع روایات کی اشاعت مقلدین کا وطیرہ ہے اور یہ حضرات ایک منصوبہ کے تحت ضعیف اور موضوع روایات کو عوام میں پھیلا رہے ہیں مولانا گوندلوی لکھتے ہیں:

''اہل بدعت اور حنفی مقلدین پوری ڈھٹائی سے ضعیف اور من گھڑت روایات کی اشاعت پر کمربستہ ہیں جس کا خاکہ ان حضرات کی کتابوں سے نظر آجاتا ہے اگر ان کی کتابوں کو عمومی نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں ضعیف اور موضوع روایات کا ایک سمندر امنڈ آیا ہے اور پھر یہی بس نہیں بلکہ صحیح احادیث کو نہایت دیدہ دلیری اور بے شرمی سے رد کیا جارہا ہے۔ حتی کہ متفق علیہ احادیث جن کی صحت پر پوری امت کا اجماع ہے ان کو بھی ناقابل عمل بنانے کی سعی نامشکور کی جارہی ہے اور ضعیف اور من گھڑت روایات کو عوام میں اسلام کے نام پر ہی پیش کیا جارہا ہے۔''

[صفحہ ۱۹]

مولانا گوندلوی نے مقدمہ میں جن عنوانات کے تحت اپنی اس کتاب کی تائید میں بحث کی ہے ان کی ایک اجمالی فہرست درج ذیل ہے۔

موضوع روایات تاریخ واسباب دین میں جھوٹ بولنا، شدید وعید کیوں، تاریخ افتراء اسلام میں وضع حدیث کی ابتداء، عہود خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم، خطرناک چال، خلاف علی و معاویہ رضی اللہ عنہم، توقف صحابہ رضی اللہ عنہم، تحقیق حدیث کا اہتمام، جھوٹ سے نفرت، روایت حدیث میں احتیاط، مراکز وضع، موضوع حدیث کے مختلف دور، واضعین حدیث کا تعارف روافض (شیعہ)، وضع کا خطرناک انداز، تعداد وضع، بعض نام نہاد اہل سنت، زنادقہ، سیاسی گروہ، واعظین وخطباء، مقلدین حضرات، صوفیا حضرات، صالحین کی جماعت، بدعتی اور قبوری حضرات، اسباب وضع، حفاظت حدیث، محدثین کی ثمر آور کاوشیں، موضوع روایات کی شناخت، موضوع روایات کا اجمالی خاکہ، ضعیف روایات پر عمل۔

مولانا گوندلوی نے اپنے مقدمہ میں ایک عنوان قائم کیا ہے ''اسباب وضع'' اس کے تحت لکھتے ہیں:

''وضع حدیث کے اسباب مختلف ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض واعظین حضرات کے

اعتقادات اور نظریات اور پروگرام ایک دوسرے سے مختلف تھے جس بناپر ان کے وضع اسباب میں بھی اختلاف ہونا بدیہی امر تھا۔ان اسباب کی اجمالی تفصیل یہ ہے۔
❶ سیاسی مقاسد کا اصول ❷ تقلید اور تعصب اور فقہی مذاہب کی تائید ❸ ارباب اقتدار کی خوشنودی ❹ اسلام دشمنی ❺ ترغیب وترہیب کے لیے ❻ اپنے اپنے علاقوں کی برتری ثابت کرنا ❼ عزت وعلمی جاہ اور مناظرہ وغیرہ ❽ خوش اعتقادی ❾ اپنے ائمہ اور مقتدا کی مدح سرائی ❿ ثواب کی خاطر ⓫ قصہ گوئی اور واعظ وتقریر کی دلنشینی اور جاذبیت ⓬ قوم کی محبت ⓭ غفلت ⓮ بدعات کی ترویج ⓯ علم حدیث سے جہالت کے باوجود شوق تحدیث کا غالب ہونا۔''

[صفحہ ۵۶۰]

مقدمہ کے آخر میں مولانا گوندلوی بعنوان ''ضعیف روایات پر عمل'' کے تحت لکھتے ہیں:
''موضوع روایت پر عمل تمام محدثین کے نزدیک حرام ہے البتہ ضعیف روایات پر عمل میں معمولی سا اختلاف ہے اکثر محدثین کا بھی خیال ہے کہ ضعیف روایات بھی قابل عمل نہیں ہیں۔البتہ بعض ائمہ نے صرف ترغیب وترہیب اور فضائل اعمال میں عمل کو جائز قرار دیا ہے مگر یہ رائے درست نہیں ہے کیونکہ حدیث خواہ کسی بھی باب سے تعلق رکھتی ہو وہ دین ہے اس لیے کہ فرمودہ رسول ہے اور وہ بھی ﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى. اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴾ میں شامل ہے اور اس آیت کریمہ کی روشنی میں احکام وفضائل میں تفریق نہیں ہے بلکہ تمام کا ایک ہی جیسا درجہ ہے لہذا جتنا ثبوت احکام کے لیے درکار ہے اتنا ہی ثبوت فضائل کے لیے بھی چاہیے۔محدثین کرام اور ائمہ عظام ہر قسم کی حدیث کو دین سمجھتے تے جیسا کہ امام ابن سیرین فرماتے ہیں:

ان هذا العلم دين فانظروا عمن تاخذون دينكم.

(کہ یہ علم دین ہے تو دیکھو کس شخص سے تم دین حاصل کرتے ہو (یعنی ہر شخص کا اس میں اعتبار نہ کرو جو سچا اور دیندار اور معتبر ہو)اسی سے علم دین حاصل کرنا ضروری ہے۔)

[صحیح مسلم ص ۱۱]

اور امام انس بن سیرین فرماتے ہیں:

اتقوا یا معشر الشباب فانظروا عمن تأخذون هذه الاحادیث فانها دینكم.

"اے نوجوانو! تم احتیاط کرو اور جس سے یہ حدیثیں حاصل کرتے ہو اسے دیکھو (کہ یہ اس لائق بھی ہے یا نہیں) کیونکہ یہ احادیث تمھارا دین ہے۔"

[التمہید شرح مؤطا ۱/ ۱۷]

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"حدیث کا علم دین ہے تم دیکھو کس سے حاصل کرتے ہو میں نے (۷۰) ایسے لوگ پائے ہیں جو مسجد نبوی میں بیٹھ کر کہتے تھے مجھ سے فلاں نے روایت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مگر میں نے ان کی روایات قبول نہیں کیں۔"

[التمہید شرح مؤطا ۱/ ۱۷]

ان آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ متقدمین ہر قسم کی روایات میں تحقیق کرتے تھے اور وہ صرف ثقہ راویوں کی روایات قبول کرتے تھے جیسا کہ امام سعید بن ابراہیم فرماتے ہیں:

لایحدث عن رسول الله ﷺ الا الثقات.

"صرف ثقہ راویوں سے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم لی جائے۔"

[سنن دارمی ۱/ ۹۳]

امام مسلم فرماتے ہیں:

"محدثین نے خود ہر راویوں کے عیوب ظاہر کرنے کو لازم کر رکھا ہے اس لیے کہ اس میں بہت سا خطرہ ہے کیونکہ دین کے بارہ میں جو خبریں (حدیثیں) ہیں وہ حلال، حرام، امر و نہی اور ترغیب و ترہیب کو بیان کرتی ہیں۔ ایسا راوی جو صدق و امانت کا خوگر نہیں۔ اس کا لوگوں پر عیب ظاہر نہ کرنے والا شخص مسلمان عوام کو دھوکا دیتا ہے۔"

[صحیح مسلم: ۱/ ۲۰]

یہی وجہ ہے کہ ائمہ نقاد بلا تفریق فضائل و دیگر معاملات میں ضعیف روایت کو قابل عمل نہیں سمجھتے تھے۔ جن میں امام یحییٰ بن معین، امام بخاری، امام مسلم، امام ابن حزم اور ابوبکر العربی اور احمد شاکر مصری رحمہم اللہ اجمعین ہیں۔

[قواعد التحدیث للقاسمی ص ۱۱۳۔ الباعث الحثیث ص ۷۶]

ان ائمہ کا موقف ہی درست ہے کیونکہ روایت کے ضعیف ہونے سے اس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف مشکوک ہو جاتی ہے اوراس کی قبولیت میں تردد پیدا ہو جاتا ہے۔اگر ضعیف روایت کو قابل عمل سمجھا جائے تو اس سے محدثین کرام کی اس بارہ میں شب وروز کی محنتیں بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں اور صحت حدیث کے درجات کا کوئی معنی باقی نہیں رہتا۔

پھر الحمدللہ صحیح احادیث مکمل دین ہیں جن پر عمل کرنے سے ضعیف روایت کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔"

[صفحہ ۶۳-۶۴]

مولانا گوندلوی مرحوم نے اپنی اس کتاب میں جن موضوعات پر ضعیف اور موضوع روایات جمع کی ہیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔کتاب الایمان

۲۔کتاب التوحید، نداء و پکار

۳۔کتاب العلم

۴۔کتاب الاعتصام

۵۔کتاب البدعات

۶۔کتاب الطہارۃ، نواقض وضو، تیمم، حیض ونفاس

۷۔کتاب الصلاۃ، اوقات نماز

۸۔کتاب الاذان، باب الاقامۃ

۹۔کتاب المساجد، باب القبلۃ

۱۰۔کتاب صفۃ الصلوۃ، باب آمین، باب الرکوع، باب السجود، باب التشہد (تشہد اول، آخری تشہد)

۱۱۔کتاب النوافل

۱۲۔کتاب الامامہ والجماعۃ۔اوصاف امام، صف بندی، تکبیر اولی، نماز مین لباس، باب السترہ، نماز میں ممنوع اعمال، باب السہو، نماز میں قصر، نمازوں کا جمع کرنا۔

۱۳۔کتاب قیام اللیل، باب الوتر، صلوۃ التراویح

۱۴۔کتاب الجمعۃ

۱۵۔کتاب العیدین، نماز تسبیح، ہفتہ بھر کی نمازیں

۱۶۔کتاب الجنائز، دفن

مولانا گوندلوی مرحوم نے کتاب میں جو ضعیف اور موضوع احادیث درج کی ہیں اس کی تفصیل کس طرح بیان کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث: کلامی لاینسخ کلام الله و کلام الله ینسخ کلامی (جابر رضی اللہ عنہ)

''میرا کلام اللہ کے کلام کو منسوخ نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ میرے کلام کو منسوخ کر دیتا ہے۔''

من گھڑت ہے راوی جبرون بن واقد افریقی متہم ہے اور یہ روایت من گھڑت ہے۔[میزان الاعتدال ۱/۱۸۸]

[صفحہ: ۱۱۹]

اس کتاب میں کل (۱۵۶۲) احادیث درج ہیں۔ صفحات کی تعداد (۵۱۹) ہے۔ مولانا گوندلوی مرحوم نے اس کتاب کی تالیف میں (۱۶۸) امہات الکتب سے استفادہ کیا ہے جن کی فہرست کتاب کے آخر میں درج ہے۔

یہ کتاب مولانا گوندلوی نے جامعہ تعلیم القرآن والحدیث ساہووالہ کے زیر اہتمام شائع کی سن اشاعت ستمبر ۲۰۰۶ء ہے۔ محل فروحت مکتبہ اسلامیہ غزنی سٹریٹ اردو بازار۔ لاہور

مطرقۃ الحدید بر فتوی مولوی رشید

اس کتاب میں مولانا گوندلوی مرحوم نے علمائے دیوبند کی خیانتوں اور مرزا غلام احمد قادیانی کے حنفی ہونے پر مسکت اور مدلل گفتگو کی ہے۔

یہ کتاب ایک دیوبندی مولوی عبدالحق خان بشیر بن مولانا سرفراز خاں صفدر کے رسالہ ''فتوی امام ربانی بر مرزا قادیانی'' کے جواب میں ہے۔

مولوی عبدالحق خاں بشیر نے اپنی روایتی انداز میں (جیسا کہ علمائے دیوبند کا شیوہ ہے) علمائے اہلحدیث اور مسلک اہلحدیث پر تنقید اور بدنام کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔

یہ حقیقت ہے کہ قادیانی فتنہ کا تدارک سب سے پہلے علمائے اہلحدیث نے کیا سرخیل اہلحدیث حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی کے تلمیذ رشید مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی نے قادیانیوں کی

تکفیر پر فتوی شائع کیا اس فتوی پر برصغیر کے دوسو علمائے کرام نے دستخط کیے۔ مولانا بٹالوی کے بعد قادیانی فتنہ کی سرکوبی کے لیے شیخ الاسلام مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے مرزا قادیانی کو اتنا زچ کیا کہ آخر اس نے تنگ آ کر مولانا امرتسری کے نام ایک اشتہار شائع کیا جس کا عنوان تھا۔

مولوی ثناء اللہ سے آخری فیصلہ

اس اشتہار میں مرزا قادیانی نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی تھی کہ سچے کی زندگی جھوٹا کسی وبائی بیماری سے ہلاک ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے مرزا قادیانی کی دعا قبول فرمائی۔ مرزا قادیانی نے ۲۵ مئی ۱۹۰۸ء کو لاہور میں ہیضہ سے اپنے میزبان کے بیت الخلاء میں دم توڑا۔ اور شیخ الاسلام مولانا امرتسری نے چالیس سال بعد ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء کو سرگودھا میں رحلت فرمائی۔

اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے اور مرزا قادیانی کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے اور مرزا کی کتابیں اس بات کی شہادت دیں گی کہ مرزا کو رسوا اور ذلیل کرنے والے علمائے اہلحدیث تھے۔ دیوبندی علماء کو تقلید شخصی نے بدحواس کر دیا ہوا ہے۔ اس لیے وہ تعصب کی عینک لگا کر اصل حقائق کو بیان نہیں کرتے۔ اور خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں۔

فتوی امام زبانی کے مصنف نے اپنے رسالہ میں یہ ثابت کرنے کی جسارت کی ہے کہ مرزا اہلحدیث تھے حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے مرزا حنفی تھے۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے (مولانا عبدالغفور اثری صاحب آف سیالکوٹ نے ''حنفیت اور مرزائیت کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں انھوں نے مرزا کی کتابوں سے بتایا ہے کہ مرزا قادیانی حنفی تھے اور حضرت امام ابوحنیفہ کے مقلد تھے)

مولانا گوندلوی مرحوم کتاب کے آغاز میں لکھتے ہیں۔

''علماء دیوبند کی خیانتیں

علماء دیوبند نے فقہ حنفی کی کتاب وسنت سے ہم آہنگ کرنے کے لیے فقہ کی نوک جھوک تک کو درست کرنا گوارا نہیں کیا۔ بلکہ قرآن وحدیث میں لفظی ومعنوی تحریف اور خیانت کرنے سے کوئی گریز نہیں کیا۔ کتاب اللہ میں تحریف یہودیوں کا فعل تھا ان کے بعد عیسائی اس فعل کے مرتکب ہوئے اور جب اسلام میں مختلف فقہیوں کو شریعت کا درجہ دیا جانے لگا تو ہر ایک فریق نے اپنی فقہ کو سچا ثابت کرنے کے لیے تحریف وخیانت

سے کام لیا۔''

[صفحہ:۹]

بقول مولوی عبدالحق خان بشیر اگر مرزا قادیانی اہلحدیث مسلک سے تعلق رکھتا تھا تو اس کو علمائے اہلحدیث کو گالیاں دینے کی کیا ضرورت تھی۔ مرزا نے اپنی کتابوں (حقیقۃ الوحی، سراج منیر، انجام آتھم، ملفوظات مرزا) میں علمائے اہلحدیث پر گالیوں کی بوچھاڑ کی ہے مولوی عبدالحق خاں بشیر صاحب تعصب کی عینک اتار کر مرزا صاحب کی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ تو انھیں صاف معلوم ہو جائے گا۔ کہ مرزا اہلحدیث مسلک سے تعلق نہیں رکھتے تھے بلکہ حنفی مقلد تھے اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پیروکار تھے۔

مولانا گوندلوی مرحوم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''مرزا قادیانی حنفی کسی دور میں بھی اہلحدیث نہ تھا اور نہ ہی اس نے کبھی خود کو اہلحدیث کہلایا، اور نہ ہی اس کے قلم نے کبھی اہلحدیث کی مدح سرائی میں کوئی لفظ رقم کیا بلکہ وہ ہمیشہ سے ہی غالی حنفیوں کی طرح اہلحدیث کا بہت بڑا دشمن تھا۔ اور جب کبھی موقع آیا وہ اہلحدیث کے متعلق بیہودہ قسم کے الفاظ استعمال کرتا اس کے نزدیک اہلحدیث یہودی، نصرانی اور آریہ کے ہم مثل ہیں۔ وہ اپنی تصانیف میں ہی جی بھر کر اکابر دیوبند کی طرح اہلحدیث کے متعلق غلط زبان استعمال کرتا ہے اور الزام لگانے میں ذرا بھر جھجک اور شرم محسوس نہیں کرتا اس کے ہی یہ الفاظ ہیں:

جن حضرات نے حضرت عیسیٰ پر کفر کا فتوی لگایا تھا وہ بیت المقدس کے صدہا عالم فاضل جو اکثر اہلحدیث تھے اور یہی معاملہ مجھ سے ہوا۔ [کشتی نوح ص ۵۱]''

[مطرقۃ الحدید ص ۳۶۔۳۷]

مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ مرحوم نے اپنی اس کتاب میں ایک عنوان قائم کیا ہے:

مرزا حنفی تھا۔

اس کے تحت مولانا مرحوم لکھتے ہیں:

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم یوں فریاد کرتے
نہ کھلتے راز سربستہ نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

ہم اب اصل مدعی کی طرف لوٹتے ہیں ہمارے موصوف نے مرزا کو اہلحدیث ثابت کرنے کے لیے ایسے تلبیسانہ طریقہ سے کام لیا کہ شیطان بھی خود کو اس کے مقابلہ میں ہیچ سمجھے اور پکار اٹھے: الامان

الغرض خان صاحب سے جتنا جھوٹ بولنا ممکن تھا وہ اس سے بڑھ کر اپنی مکارانہ صلاحیت کو بروئے کار لائے اور جو انھوں نے اس سلسلہ میں حوالے سپرد قلم کیے ہیں کسی ایک سے بھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مرزا اہلحدیث تھا ہاں وہ حوالے ایسے ہیں جن میں خان صاحب نے جی بھر کر خیانت سے کام لیا ہے اور انھیں ناحق اپنے مطلب کا بنانے کی کوشش کی ہے۔

قارئین کرام کی ضیافت طبع کے لیے صرف ایک حوالہ سپرد قلم کرتے ہیں جس سے موصوف کی دیانتداری اور علمی لیاقت کھل کر سامنے آجائے گی۔

موصوف بقول مرزا لکھتے ہیں:

''میری پیدائش ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں ہوئی جب میں ۶ سال کا تھا ایک فارسی خواں معلم میرے لیے نوکر رکھا گیا۔''

اس پر خان صاحب ریمارکس کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مرزا صاحب اپنے استاد کو نوکر قرار دینا خالص ترک تقلید کا اثر تھا۔''

اس پر گوندلوی مرحوم لکھتے ہیں:

''یہ ان کی سب سے بڑی دلیل ہے جو انھوں نے مرزا کے اہلحدیث ہونے پر سب سے بیان فرمائی۔ ظاہر ہے جو دلیل سب سے پہلے ذکر کی جائے اس کا پیش کرنے والے کے نزدیک وزن ہوتا ہے لہٰذا ان کے نزدیک مرزا کے اہلحدیث ہونے کی یہی دلیل سب سے قوی ہے اس لیے تو انھوں نے اس کو سب سے پہلے ذکر کیا ہے لیکن بنظر انصاف دیکھیے۔ صرف استاد کو نوکر کہنا اہلحدیث ہونے کے لیے کافی ہے اور کیا یہ ترک تقلید کا ہی ثمرہ ہے۔''

سنیے۔ امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد رحمہم اللہ اجمعین یہ سبھی تقلید کے منکر اعظم تھے صاحبین (امام ابو یوسف، امام محمد) نے تو تقلید کے پرزے اڑا دیے ہیں۔ تو پھر تمھارے مفروضہ کے مطابق یہ ائمہ احناف گستاخ تھے ترک تقلید کی بنا پر اگر کسی پر فتوی لگانا ہے تو پہلے ائمہ احناف پر لگا دو۔

آپ کے مورخ مولوی محمد رفیق دلاوری تو فرماتے ہیں کہ مرزا کی تعلیم کے لیے استاد نوکر رکھنا ایک افسانہ یعنی بالکل بے بنیاد ہے (رئیس قادیاں ۲۰/۱)۔

میں اس مقام پر تجھ کو تلاش کرتا ہوں
حقیقتوں کا یہاں تصرف مجازی ہے

بقول آپ کے مورخ کے مرزا نے جھوٹ بولا ہے اسی طرح آپ نے اس کے جھوٹ پر مکھی پر مکھی مارنے پر اکتفا کیا ہے ۔

مجھے تو منظور ہے مجنوں کو لیلیٰ
نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی

[صفحہ: ۵۷۔۵۸]

مرزا کے حنفی ہونے کی شہادت مرزا کے صاحبزادے مرزا بشیر احمد لکھتے ہیں:

''مرزا نے کسی دور میں بھی اہلحدیث ہونے کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ آخر تک اپنے خاندانی مسلک یعنی فقہ حنفی پر قائم رہا۔''

[سیرت المہدی ۲/ ۴۹]

مولوی محمد علی لاہوری امیر جماعت احمدیہ لاہوری گروپ لکھتا ہے:

''حضرت مرزا ابتداء سے آخر زندگی تک علی الاعلان حنفی المذہب رہے۔''

[تحریک احمدیت ۱/۱۱] [مطرقۃ الحدید ص ۶۲]

یہ کتاب ۱۹۸۷ء میں جامعہ رحمانیہ اہلحدیث قلعہ دیدار سنگھ نے شائع کی صفحات کی تعداد (۷۲) ہے۔

مسنون دعائیں

یہ پاکٹ سائز کتاب (۱۱۵) مسنون دعاؤں کا مجموعہ ہے۔ مولانا محمد یحییٰ گوندلوی ابتداء میں ایک مختصر مقدمہ ہے۔ مولانا گوندلوی مرحوم لکھتے ہیں:

﴿وقال ربکم ادعونی استجب لکم﴾.

''تمھارے رب نے فرمایا: تم مجھے پکارو میں تمھاری پکار قبول کرتا ہوں۔''

اسلام نے خالق کے ساتھ ایمان داروں کا اس طریقہ سے رابطہ استوار کیا ہے کہ وہ زندگی کے ہر شعبہ میں اپنے اللہ سے غافل نہ رہیں۔ اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ زندگی کے مختلف اوقات کے ساتھ تعلق رکھنے والے اذکار اور دعاؤں کی تعلیم دی ہے جنھیں عمل میں لا کر انسان اپنے خالق سے کسی وقت بھی دور نہیں ہو سکتا۔

زیر نظر مجموعہ ''مسنون دعائیں'' قرآن وحدیث سے منتخب دعاؤں کا مجموعہ ہے۔ جس میں زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق آسان ترتیب کے ساتھ مسنون دعائیں جمع کر دی گئی ہیں۔

[صفحہ: ۱۵]

اس کتابچہ میں جن عنوانات کے تحت جمع کی گئی ہیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ متعلقات طہارت	۲۳
۲۔ متعلقات امراض وجنازہ	۷
۳۔ جنازہ کی دعائیں	۶
۴۔ متعلقات زکوۃ	۷
۵۔ متعلقات رمضان	۳
۶۔ متعلقات حج	۷
۷۔ متعلقات نکاح	۶
۸۔ متعلقات طعام ولباس	۷
۹۔ جہاد کی دعائیں	۷
۱۰۔ متعلقات بارش	۵
۱۱۔ مختلف اوقات کی دعائیں	۳۷
میزان:	۱۱۵

مولانا گوندلوی نے ہر دعا قرآن وحدیث کے حوالہ سے درج کی ہے یہ مختصر کتابچہ جامعہ تعلیم القرآن والحدیث ساہووالہ کے زیر اہتمام شائع ہوا۔ صفحات کی تعداد (۱۱۲) ہے۔ سن اشاعت ندارد

ضرب شدید علی اہل التقلید

مقلدین احناف (دیوبندی، وبریلوی) تقلید شخصی کے اتنے رسیا ہیں کہ دین اور دنیا کے ہر معاملہ میں انھوں نے تقلید شخصی کو ہی اپنے سامنے رکھا ہے کوئی بھی معاملہ ہو ان سے اس معاملہ میں گفتگو کی جائے تو فوراً پکار اٹھیں گے کہ ہمارے امام صاحب نے اس بارے میں یوں فرمایا ہے حالانکہ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ تقلید سراسر جہالت ہے شریعت محمدیہ کے صرف دو ہی ماخذ ہیں

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث

تیسرا کوئی ماخذ نہیں ہے آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری سنت۔''

[الحدیث]

تقلید کے بارے میں علمائے اسلام نے کیا فرمایا ہے ملاحظہ فرمائیں:

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اجمع الناس علی ان المقلد لیس معدود من اهل العلم لمعرفة الحق بدلیله.

''تمام لوگوں کا اس پر اجماع ہے کہ مقلد اہل علم سے شمار نہیں کیا جائے تا کیونکہ دلیل کو جاننے والا ہی عالم ہوتا ہے۔''

[اعلام الموقعین ۱/ ۷]

تقلید سراسر جہالت ہے اس کا علم سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے تقلید اور علم آپس میں متضاد ہیں

حافظ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں امام عبداللہ بن معتمر کا یہ قول نقل کیا ہے:

لا فرق بین بهیمة تقاد و انسان یقلد.

''جانور اور مقلد میں کوئی فرق نہیں کہ جانور بھی عقل سے کام نہیں لیتا اور نہ مقلد دلیل ہے۔''

[اعلام الموقعین ۱/ ۷]

تقلید ایک بڑا نقص ہے اس سے ایک کامل مسلمان کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتا اس سے اجتناب کرنا بہت ضروری ہے۔ امام شعرانی فرماتے ہیں:

ان الولی الکامل لا یکون مقلدا و انما یاخذ علمه من العین التی اخذ منها المجتهدون مذاهبهم.

''اللہ تعالیٰ کا ولی کبھی مقلد نہیں ہوتا۔ اس کی نظر براہ راست اس چشمہ صافی (کتاب وسنت) پر ہوتی ہے جہاں سے اہل علم مسائل اخذ کرتے ہیں۔''

[میزان الکبریٰ ۱/۲۴]

تقلید جہاں جہالت، بے عقلی، بے بصیرتی، کور بینی اور کوتاہ اندیشی ہے وہاں دین وایمان کے

لیے بھی ضرر رساں ہے تقلید کی موجودگی میں انسان کامل بھی نہیں بن سکتا۔ یقیناً تقلید دنیا و آخرت میں موجب حرماں نصیبی اور سیاہ بختی ہے۔

تقلید میں شیعہ اور حنفی دونوں ایک جیسے ہیں اور ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید دہلوی فرماتے ہیں:

''لوگوں نے تقلید میں غلو کیا ہے اور تقلید شخصی میں انتہائی تعصب کا مظاہرہ کیا ہے چنانچہ اجتہاد کا دروازہ بند کر کے ایک امام دوسرے امام کی تقلید کو ممنوع قرار دے دیا ہے یہ وہ بدترین ہلاکت آفرین اور آفت دین مرض ہے جس نے شیعوں کو تو تباہ و برباد کر ڈالا ہے پس اب (حنفی) مقلدین بھی قطعاً تباہی و بربادی کے گھاٹ اتر چکے ہیں۔ انھوں نے (شیعہ سے) تو اپنے اماموں کے اقوال سے نصوص (کتاب وسنت) کو مسترد کرنا جائز قرار دے لیا ہے۔ اور حنفیوں نے مشہور احادیث کی غلط تاویلات اور رکیک تعبیرات کے ذریعے اپنے امام کے تابع بنانے کی مذموم کوششیں کی ہیں۔''

[تنویر العینین]

حضرت شاہ اسماعیل شہید دہلوی کی مندرجہ بالا تحریر سے یہ ظاہر ہوتا ہے:

۱۔ شیعہ اور احناف کی تقلیدی ذہنیت ایک سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے۔

۲۔ نصوص یعنی کتاب وسنت کو جس طرح شیعوں نے پس پشت ڈال رکھا ہے اسی طرح احناف نے بھی شیعوں کی پیروی کی ہے اور کتاب وسنت کو دیس نکالا دے دیا ہے۔

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی تقلید شخصی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اسلام میں سب سے بڑا فتنہ جو مسلمانوں کو پیش آیا وہ کتاب وسنت سے اعراض اور تقلیدی فتنہ معدوم تھا یونہی عجمی اثر ورسوخ کا سلام میں نفوذ شروع ہوا۔ تو نئے سے نئے فتنوں نے سر اٹھایا شروع کیا تقلید بھی ایک فتنہ تھا۔ جس کی وجہ سے اس فتنہ نے بھی پاؤں مضبوط کر لیے۔ جس سے شارع علیہ السلام نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ اِتَّخَذُوٓا اَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا کے تردد میں جواب دیا تھا کہ یہود ونصاری نے اپنے علماء کی تقلید کر کے ان کو رب کا مقام دے دیا تھا۔''

[ضرب شدید ص۱۲]

مولانا گوندلوی مرحوم رحمہ اللہ اپنی اس کتاب (ضرب شدید علی اہل التقلید) کا وجہ تالیف کے

بارے میں لکھتے ہیں:

''مقلدین دیوبند نے اپنی روش کے مطابق ایک کتاب شائع کی ہے جس کا نام ہے ''دو کتابوں پر ایک نظر'' اور مولف کا نام ہے۔ حافظ محمد اسحاق حنیف اس کتاب میں مؤلف نے جی بھر کر اہلحدیث کو گالیاں سنائی ہیں۔ انصاف کے دامن کو چاک کرتے ہوئے اہلحدیث پر وہ الزام لگائے ہیں جو اہلحدیث کے وہم خیال میں بھی نہیں ہیں۔ اصل میں یہ کتاب (دو کتابوں پر ایک نظر) مولانا قاری عظمت اللہ ظہیر ناظم جامعہ رحمانیہ قلعہ دیدار سنگھ کے رسالہ ''نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا سنت ہے'' کا جواب ہے۔

لیکن جواب لکھنے کی آڑ میں اپنے مافی الضمیر کا اظہار کیا ہے جو اپنے مقلدین دیوبند سے وراثت حاصل کرتے چلے آرہے ہیں ان حالات میں راقم نے محسوس کیا کہ اصل حقائق سے پردہ اٹھانا چاہیے۔ اور ان کی غلط بیانی کو طشت از بام کرنا چاہیے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے تمام الزامات کی قلعی کھولی گئی ہے۔ اور مقلدین دیوبند کے چہرے کو ان کی تحریروں کے آئینہ کے سامنے لا کھڑا کیا ہے۔

راقم نے اس کاوش کا نام (ضرب شدید علی اہل التقلید) تجویز کیا ہے اور کتاب میں جس قدر حوالے دیے گئے ہیں اصل کتابوں سے دیے گئے ہیں۔''

[ضرب شدید ص۱۴]

اس وقت پاکستان میں مقلدین احناف نے فروعی مسائل میں اختلاف کی جو فضا پیدا کی ہوئی ہے وہ آج سے کئی سال قبل اہلحدیث اور احناف میں نہیں تھی احناف میں بعض نامور علمائے کرام موجود تھے۔ جو اہلحدیث علماء کا تہہ دل سے احترام کرتے تھے اور اہلحدیث علماء بھی علمائے احناف کی قدر ومنزلت اور عزت واحترام کی نگاہ دیکھتے تھے اور دونوں مسلک کے علمائے کرام ایک دوسرے کے پیچھے نماز کی اقتداء درست اور جائز سمجھتے تھے اور ایک دوسرے کی علمی ودینی خدمات کا اعتراف کرتے تھے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی اور مولانا مفتی عزیز الرحمٰن اور مولانا احمد علی لاہوری رحمہم اللہ اجمعین نے اہلحدیث عقائد کو درست قرار دیا ہے اور علمائے اہلحدیث کی اقتداء میں نماز پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے۔

مولانا احمد علی لاہوری کا علمائے دیوبند میں بہت مرتبہ ومقام ہے ان کا نام سنتے ہی احباب

دیوبند کی نظریں عقیدت سے جھک جاتی ہیں مولانا عبدالواحد غزنوی علمائے اہلحدیث میں بڑے عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ مسجد چینیانوالی میں خطبہ جمعہ اور روزانہ نماز فجر کے بعد درس قرآن دیا کرتے تھے ان کے درس قرآن میں اندرون لاہور کے بے شمار لوگ حاضر ہوتے تھے۔ مولانا احمد علی مرحوم بھی آپ کے درس قرآن میں شریک ہوتے تھے اور فجر کی نماز مولانا عبدالواحد غزنوی کی اقتداء میں ادا کرتے تھے اس کے علاوہ مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ جب تک حیات رہے۔ عید کی نماز مولانا سید محمد داود غزنوی کی اقتداء میں یادگار پاکستان (منٹو پارک) میں ادا کیا کرتے تھے۔ پھر یہی نہیں بلکہ مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی دختر نیک کا نکاح مشہور اہلحدیث عالم مولانا عبدالمجید سوہدروی سے کیا تھا۔

مولانا مفتی محمد حسن امرتسری بانی جامعہ اشرفیہ لاہور علمائے دیوبند میں اعلیٰ مرتبہ ومقام کے حامل تھے حضرت الامام مولانا سید عبدالجبار غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے مولانا سید محمد داود غزنوی حضرت الامام مولانا سید عبدالجبار غزنوی کے بڑے صاحبزادے تھے، ان کے مولانا مفتی محمد حسن امرتسری رحمۃ اللہ علیہ سے دیرینہ تعلقات تھے اور یہ تعلقات للّٰہیت اور روحانیت کی اساس قائم تھے۔

مولانا حافظ عبدالرحمٰن جو حضرت مفتی محمد حسن امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے ہیں مفتی صاحب اور مولانا غزنوی کے تعلقات کے بارے میں فرماتے ہیں:

> ''مولانا داود غزنوی جب میرے والد مرحوم کے پاس تشریف لاتے تو عام طور پر ان دونوں بزرگوں میں گفتگو علمی ہی ہوا کرتی تھی۔
>
> مفتی محمد حسن مرحوم ایسی محفلوں کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ مولانا داود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ جب بھی تشریف لاتے ہیں تو میرا جی چاہتا ہے کہ ہم دونوں کے درمیان علمی گفتگو ہوتی رہے مفتی صاحب نے ایک موقع پر یہ بھی فرمایا:
>
> اللہ تعالیٰ نے مولانا داود غزنوی کو وہ فہم اور بصیرت عطا فرمائی ہے کہ ان کی گفتگو سے میری علمی پیاس بجھتی ہے۔

حضرت مفتی محمد حسن فرمایا کرتے تھے:

> ''مولانا داود غزنوی ایک بہت بڑے ولی کے صاحبزادے ہیں اور خود بھی ولی ہیں گویا ولی بن ولی ہیں۔''

مولانا داود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی محمد شفیع دیوبندی کے درمیان گہرے روابط تھے۔ مفتی محمد شفیع

صاحب نے مولانا مفتی محمد حسن اور مولانا داود غزنوی دونوں کی وفات کے بعد ایک محفل میں فرمایا:

''اب میرا کراچی سے لاہور آنے کو جی نہیں چاہتا کیونکہ مجھے مولانا داود غزنوی اور مفتی محمد حسن نظر نہیں آتے اور میں ان دونوں کی علمی گفتگوؤں سے محظوظ نہیں ہوسکتا۔''

[مولانا سید محمد داود غزنوی ص ۱۸۹۔۱۹۰]

ایک موقع پر مفتی محمد حسن نے فرمایا:

''مولانا داود غزنوی علم میں بے نظیر، عمل میں بے نظیر، تواضع میں بے نظیر''

[مولانا سید محمد داود غزنوی ص ۲۰۰]

لیکن آج کے دور میں کیا ہو رہا ہے اور دیوبندی علماء اہلحدیث علماء کے متعلق کیسی زبان استعمال کر رہے ہیں کذب بیانی سے اپنا اعمالنامہ سیاہ کر رہے ہیں حافظ اسحاق صاحب اپنی کتاب میں علمائے اہلحدیث اور مسلک اہلحدیث کے خلاف جو کچھ لکھا ہے بطور نمونہ ذیل میں چند عبارتیں نقل کی جاتی ہیں اور ان کا جواب مولانا گوندلوی مرحوم نے جو دیا ہے وہ بھی نقل کیا جاتا ہے۔

حافظ اسحاق صاحب لکھتے ہیں:

''تحقیقی نگاہ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان (اہلحدیث علماء) کو سنت صحیحہ سے تعلق نہیں اور نہ ہی ان کو احادیث نبویہ کے سمجھنے کی لیاقت ہے۔''

[صفحہ:۲]

جواب مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ

''ہمیں موصوف کی تحقیقی نگاہ کا تو علم نہیں کہ ان کی تحقیق پکی روٹی ہے یا مالا بد منہ ہاں البتہ اہلحدیث مسلک خالص کتاب وسنت کا نام ہے اور ہم دعوی سے کہتے ہیں کہ مسلک اہلحدیث کا ایک ایک مسئلہ خواہ وہ اعتقادی ہو یا معاملاتی یا احکام کے ساتھ تعلق رکھتا ہو سبھی بحمد اللہ کتاب وسنت کے موافق ہیں کسی میں مخالفت نہیں۔''

[صفحہ ۱۷]

حافظ اسحاق صاحب لکھتے ہیں:

''(اہلحدیث فرقے) یہ وہی خمیر ہے جس سے مختلف فرقوں نے جنم لیا مثلاً روپڑی، لکھوی، ثنائی، غزنوی، ستاری، فیضی، عنائتی، اور غرباء اہلحدیث وغیر مسلم''

[صفحہ۳]

جواب مولانا گوندلوی

''اہلحدیث مسلک میں تو کبھی کسی نے ان فرقوں کے وجود کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ یہ فرقے آج تک وجود میں آئے ہیں خدارا جھوٹ بولنا چھوڑ دو، کاذب پر خدا کی لعنت ہوتی ہے۔لعنۃ اللہ علی الکاذبین

کیا کسی ایک اہلحدیث عالم کا نام لے سکتے ہیں جن کی نسبت ان مذکورہ فرقوں کی طرف ہو۔

غرباء اہلحدیث ایک فرقہ نہیں بلکہ ایک تنظیم ہے۔''

[صفحہ ۱۹-۲۰]

حافظ اسحاق صاحب لکھتے ہیں:

''یہ وہی خمیر ہے جس سے تمام اسلام دشمن فرقوں نے جنم لیا۔ یعنی مرزائیت، چکڑالویت، اور نیچیریت وغیرہ۔''

[صفحہ:۳]

جواب مولانا گوندلوی

''موصوف (حافظ اسحاق صاحب) کی یہ کم علمی ہے کہ ان فرقوں کو یہ اہلحدیث کا نام دیتے ہیں حالانکہ یہ سبھی حنفی تھے اور آج جوان میں باقی ہیں وہ احکام میں فقہ حنفی کے پیرو ہیں۔''

[صفحہ:۲۰]

علمائے دیوبند نے مرزا قادیانی پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا۔ کیوں نہیں لگایا کہ مرزا حنفی مقلد تھے

خلیفہ اول حکیم نورالدین مرزا کے مذہب کے بارے میں لکھتا ہے:

''حضرت مرزا صاحب اہل سنت والجماعت خاص کر حنفی المذہب تھے۔اس لیے طائفہ ظاہرین علی الحق میں سے تھے۔''

[ملفوظات نور ص ۵۴]

مرزا قادیانی کا صاحبزادہ مرزا بشیر احمد قادیانی لکھتا ہے:

''میرے والد نے کبھی بھی اہلحدیث ہونے کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ وہ آخر تک حنفی تھے۔''

[سیرت المہدی ۲/۴۹]

حضرت مرزا قادیانی کو کبھی رفع الیدین کرتے یا آمین بالجہر کہتے نہیں سنا اور نہ ہی بسم اللہ بالجہر پڑھتے سنا۔

[سیرت المہدی ۲/۱۴۲]

مولوی محمد علی امیر جماعت احمدیہ (لاہوری گروپ) لکھتا ہے:

''حضرت مرزا صاحب ابتداء سے آخر زندگی تک علی الاعلان حنفی المذہب رہے۔''

[تحریک احمدیت ۱/۱۱]

مولانا گوندلوی لکھتے ہیں:

''مرزائیت حقیقت میں حنفیت کی کوکھ سے پیدا ہوئی چکڑالوی، نیچیری سبھی پہلے حنفی تھے بعد میں چند مسائل میں اختلاف کی وجہ سے دیوبندیوں سے الگ ہو کر مختلف ناموں سے موسوم ہو گئے۔''

[ضرب شدید ص ۲۱]

حافظ اسحاق صاحب لکھتے ہیں:

''غیر مقلد کی ضد کی ایک مثال بحوالہ ملاحظہ ہو مولانا محمد یوسف جے پوری غیر مقلد اپنی کتاب حقیقۃ الفقہ صفحہ ۱۲۷ پر تحریر کرتے ہیں۔ ''جب قرآن وحدیث میں تعارض ہو تو حدیث کو مقدم کرنا واجب ہے۔''

[صفحہ: ۳۰]

اس کا جواب مولانا گوندلوی سے سنیے، مولانا مرحوم لکھتے ہیں:

''موصوف (حافظ اسحاق صاحب) نے یہ عبارت اہلحدیث کی طرف منسوب کی ہے حالانکہ یہ مولانا جے پوری کی عبارت نہیں بلکہ تفسیر باب التاویل فی معانی التنزیل مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۱۲۷ کی عبارت کا ترجمہ ہے اور اس تفسیر کے مؤلف مقلد تھے۔ اگر حافظ صاحب میں ذرا بھی دیانت کا مادہ ہوتا تو یہ عبارت اہلحدیث کی طرف منسوب نہ کرتے بلکہ جس کی عبارت ہے اس کی طرف ہی اس کی نسبت فرماتے لیکن ستیاناس ہو تقلید کا جس نے مقلد کو اندھا کر دیا ہے۔

پھر یہی بس نہیں، موصوف نے اس عبارت کو پورا کرنے کے بعد پورا زور لگا دیا ہے کہ اہلحدیث جہنم اور دوزخ والے ہیں۔ اگر موصوف کو علم سے لگاؤ ہوتا تو یہ بات نہ

کہتے اگر ایسی جماعت پر ہی فتوی لگانا ہے کہ مقلدین میں امام شعرانی بھی تقریباً اسی فیصلہ کے قائل ہیں اٹھایئے میزان شعرانی اور ملاحظہ فرمایئے۔ فرماتے ہیں: ان السنة قاضية على الكتاب.''

[۱۳۱/۱].

اصل مسئلہ

اہلحدیث کے نزدیک کسی صحیح حدیث اور قرآن میں تعارض ہو ہی نہیں سکتا اگرچہ موجودہ علماء دیوبند اس کی رٹ لگائے چلے جا رہے ہیں لیکن ہم دعوی سے کہتے ہیں کہ قرآن اور سنت صحیحہ میں کہیں بھی تعارض نہیں۔ اگر بظاہر کہیں تعارض معلوم ہو۔ تو وہ حقیقت میں تعارض نہیں ہوگا بلکہ قرآن کے مفہوم کی صحیح توضیح وتشریح ہوگی۔ جو رسول اللہ ﷺ کی زبان اقدس سے مشرع ہوگی۔ اس لیے کہ جو قرآن کا مفہوم حضرت رسول کریم ﷺ سمجھے ہیں وہ کوئی اور نہیں سمجھ سکتا۔ اور یہ تو ممکن ہی نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی قرآن کی مخالفت کی ہو اگر تمھارے نزدیک ایسا ہو سکتا ہے تو پھر تمھیں تقلیدی پاداش اس پر مجبور کرتی ہے۔

سنیے!

مشہور تابعی حضرت سعید بن جبیر نے ایک دن حدیث بیان فرمائی تو ایک آدمی کہنے لگا اللہ کی کتاب اس کے مخالف ہے تو آپ فرمانے لگے کیا تو مجھے دیکھتا نہیں کہ میں تو رسول اللہ ﷺ سے بیان کر رہا ہوں اور تو کہتا ہے کہ اس میں کتاب اللہ کی مخالفت ہے:

وتعرض فيه بكتاب الله كان رسول الله ﷺ اعلم بكتاب الله منك.

[دارمی: ۱/ ۱۱۸]

''اور تو اس حدیث کو کتاب اللہ پر پیش کرتا ہے یاد رکھو اللہ کے رسول ﷺ تم سے زیادہ کتاب اللہ کو جانتے تھے بس یہی اہلحدیث کا عقیدہ ہے آپ چاہیں ہمیں گالیاں دیں جہنمی کہہ دیں یا تمھاری لغات میں جو برے سے برا لفظ ہے وہ اہلحدیث پر چسپاں کر دیں ہمیں اس پر کوئی غصہ اور افسوس نہیں کیونکہ جھوٹے کے پاس سوائے لعن طعن کے رکھا بھی کیا ہوتا ہے۔''

[ضرب شدید ص ۷۷ تا ۷۹]

ضرب شدید علی التقلید ۱۹۸۶ء میں جامعہ رحمانیہ قلعہ دیدار سنگھ نے شائع کی صفحات کی تعداد (۱۲۰) ہے۔

خیر البراہین فی الجہر بالتأمین

آمین کا لفظ عبرانی اور عربی میں استعمال ہوتا ہے اس کے معنی یہ ہیں اے اللہ (ہماری دعاؤں کو) سن اور قبول فرما یا یا (اس کے معنی یہ ہیں) ایسا ہی ہو۔

آمین کا رواج مسلمانوں سے پہلی دوسری امتوں میں بھی پایا جاتا تھا چنانچہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِیْمَا وَلَا تَتَّبِعَآنِّ سَبِیْلَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾. [یونس:۸۹]

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول کر لی گی اب تم استقلال رکھو اور بے علموں کی راہ کے پیچھے ہرگز نہ لگو۔''

اس آیت کی تفسیر امام بن کثیر فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں بھائیوں کی یہ دعا قبول فرمائی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا کرتے جاتے تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہتے جاتے تھے اسی وقت وحی آئی کہ تمھاری یہ دعا قبول ہوگئی'' سے دلیل پکڑی گئی ہے کہ آمین کا کہنا بمنزلہ دعا کرنے کے ہے کیونکہ کرنے والے صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے آمین کہنے والے حضرت ہارون علیہ السلام تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے دعا کی نسبت دونوں کی طرف کی پس مقتدی کے آمین کہہ لینے سے گویا فاتحہ کا پڑھ لینے والا ہے۔۔ پس اب تم دونوں بھائی میرے حکم پر مضبوطی سے جم جاؤ، جو میں کہوں بجالاؤ۔''

[تفسیر ابن کثیر (اردو) ۲/۵۵۹ مطبوعہ نعمانی]

حدیث نبوی ہے:

'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہا کرو۔ جس شخص کی آمین فرشتوں کی آمین کے مطابق ہو جائے گی اس کے پہلے گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا۔ [بخاری ومسلم]

صحیح بخاری میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں جب امام کہے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین، تو تم آمین کہا کرو کیونکہ جس کی آواز ملائکہ کی آواز سے ہم آہنگ ہوگئی اس کے پہلے گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے (یہ الفاظ صحیح بخاری کے ہیں) اور امام مسلم نے اپنی کتاب میں ایسے ہی الفاظ ذکر کیے ہیں۔صحیح بخاری کی دوسری روایت میں ہے آپ ﷺ کے یہ الفاظ بھی پائے جاتے ہیں کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ فرشتے بھی آمین کہتے ہیں جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے ساتھ ہم آہنگ ہوگئی اس کے پہلے گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔''

[فہم الحدیث ۱/ ۱۸۰۔۱۸۱]

اس حدیث کی شرح میں میاں محمد جمیل ﷾ لکھتے ہیں:

''آپ ﷺ کے ان ارشادات میں آمین کی اہمیت اور فضیلت بیان ہو رہی ہے اور آپ ﷺ کا فرمان ہے جب امام کہے تو تمھیں بھی آمین کہنی چاہیے اس سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ جب امام بلند آواز سے سورۃ الفاتحہ پڑھ رہا ہوا سے بھی بلند آواز سے آمین کہنی چاہیے۔مستند روایات سے یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ کی آمین سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اتنی بلند سے آمین کہتے تھے جس سے مسجد میں گونج پیدا ہو جاتی امام کی ولا الضالین سن کر اونچی آواز سے آمین نہ کہنا۔رسول اللہ ﷺ کی سنت کی خلاف ورزی ہے لیکن اس آواز میں اخلاص اور سوز و گداز ہونا لازم ہے چیخ کے انداز میں آمین کہنا نماز کے وقار وآداب کے برخلاف ہے اللہ اس امت کو افراط وتفریط سے بچنے کی توفیق نصیب فرمائے۔''

[فہم الحدیث ۱/ ۱۸۱۔۱۸۲]

آمین قراءت کے تابع ہے یعنی اگر سورۃ فاتحہ آہستہ پڑھی جائے تو آمین بھی آہستہ کہیں اگر سورۃ فاتحہ بلند آواز سے پڑھی جائے تو آمین بھی بلند آواز سے کہیں۔

[زاد المعاد ۱/ ۲۰۷]

آمین اونچی آواز سے کہنا اہلحدیث کے امتیازی مسائل میں ہے شیخ الاسلام مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''اہلحدیث کا مذہب'' اور حضرت العلام مجتہد العصر مفتی اہلحدیث مولانا حافظ عبد اللہ روپڑی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''اہلحدیث کے امتیازی مسائل'' میں دلائل سے کتاب وسنت کی

روشنی میں واضح کیا ہے:

''آمین بالجہر کہنا سنت نبوی ہے۔''

برصغیر (پاک وہند) کے علمائے احناف میں بعض علماء نے آمین بالجہر کہنے کو سنت نبوی کہا ہے:

مولانا عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں:

والانصاف فی الجهر قوی من حيث الدليل.

''انصاف کی بات تو یہ ہے کہ دلیل کی رو سے آمین بالجہر قوی ہے۔''

[التعلیق الممجد ص ۱۰۵]

مولانا سراج احمد حنفی لکھتے ہیں:

احاديث الجهر بالتأمين أكثر و اضح.

''بلند آواز سے آمین کہنے کی احادیث زیادہ بھی ہیں اور صحیح بھی۔''

[شرح ترمذی ۱/۲۷۳]

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''سورہ فاتحہ کے اختتام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آمین کہتے تھے جہری نماز میں جہری اور سری نماز میں آہستہ سے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت میں مقتدی بھی آمین کہتے تھے۔ جہر نماز میں بلند آواز سے آمین کہنے کے متعلق کئی ایک احادیث (مروی) ہیں۔''

[مدارج النبوۃ ۱/۴۰]

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''قرأت اور آمین اونچی آواز سے کہنی چاہیے۔''

[غنیۃ الطالبین ۱/۲۳]

آمین بالجہر پر علمائے اہلحدیث کی کتابیں

علمائے تقلید کو تقلید شخصی نے اس قدر حواس باختہ کر دیا ہے کہ صحیح احادیث کے مقابلہ میں اپنے امام کے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ خاص کر حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پیروکار کہ انھیں اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں رہا کہ صحیح احادیث کے مقابلہ میں اپنے امام کے قول پر عمل پیرا ہوتے ہیں حالانکہ حضرت امام

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول ہے:

''صحیح حدیث میرا مذہب ہے۔''

اور دوسرا قول ہے:

''جب رسول اللہ ﷺ کی حدیث مل جائے تو میرے قول کو چھوڑ دو۔''

لیکن علمائے احناف اپنے امام صاحب کے اقوال کی بالکل پرواہ نہیں کرتے۔

کئی ایک علمائے احناف نے آمین سے متعلق کتابیں لکھی ہیں کہ آمین آہستہ کہنی چاہیے اور علمائے اہلحدیث نے ان کے جواب دیے ہیں کہ آمین بلند آواز سے کہنا سنت نبوی ہے ذیل میں پہلے ان کتابوں کی فہرست درج ہے جو علمائے احناف کی کتابوں کے جواب میں علمائے اہلحدیث نے لکھیں۔

1. التأمین لاهل التأمین (صفحات ۴۸ طبع بنارس، ۱۳۰۲ھ)

مولانا سید جمیل احمد سہسوانی رحمۃ اللہ علیہ

یہ کتاب مولوی محمد شاہ حنفی پاک پٹنی کے رسالہ ''بلاغ المبین فی اخفاء التامین'' کے جواب میں ہے مولانا شمس الحق نے بھی اس رسالہ کا جواب ''فتح المبین'' کے نام سے دیا ہے۔

2. القول المبین فی الجهر بالتأمین والرد علی القول المتین (صفحات ۴۴ طبع دہلی ۱۳۰۲ھ)

مولانا شمس الحق عظیم آبادی

یہ کتاب حنفی عالم مولوی وکیل محمد مرزاپوری کے رسالہ ''القول المتین فی اخفاء التامین'' کے جواب میں ہے۔

3. تذکار الوحید لاصحاب التقلید (صفحات ۴۶ طبع پٹنہ سن اشاعت ندارد)

مولانا عبدالغفور داناپوری

یہ کتاب مولوی امانت اللہ غازی پوری (حنفی) کے ایک مضمون کا جواب ہے جس میں انھوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ آمین بالجہر اور رفع الیدین نہ بخاری مسلم میں ہے اور نہ خاندان شاہ ولی اللہ دہلوی کے کسی فرد سے ثابت ہے۔

4. الجهر بالتامین بالرد علی القول المتین (صفحات ۱۴۹ طبع بنارس، ۱۳۰۲ھ)

مولانا محمد سعید محدث بنارسی

یہ کتاب مولوی وکیل محمد مرزاپوری کی کتاب ''القول المتین'' کے جواب میں ہے۔

5. **السکین لقطع حبل المتین** (صفحات ۱۴۰ طبع بنارس ۱۳۱۲ھ)
مولانا محمد سعید محدث بنارسی
یہ کتاب مولوی ظہیر احسن شوق نیموی کی کتاب ''حبل المتین'' کا جواب ہے۔

6. **سیف الموحدین علی عنق رد السکین** (صفحات ۲۰ طبع بنارس ۱۳۱۲ھ)
مولانا محمد سعید محدث بنارسی
یہ رسالہ مولوی ظہیر احسن شوق نیموی کے رسالہ ''رد السکین لقطع حبل المتین'' کے جواب میں ہے۔

7. **الرد لرد الرد مع ابداء العرة لمؤلف القرة** (صفحات ۱۶ طبع بنارس ۱۳۱۵ھ)
مولانا محمد سعید محدث بنارسی
یہ رسالہ مولوی ظہیر احسن شوق نیموی کے رسالہ ''رد الرد والعرۃ فی رد القرۃ'' کے جواب میں ہے۔

8. **فرحة الاخیار بجواب الاشتهار** (صفحات: ۲۰ طبع بنارس سن اشاعت ندارد)
مولانا محمد سعید محدث بنارسی
یہ رسالہ مولوی غلام جیلانی حنفی کے اشتہار کے جواب میں ہے۔

9. **اصلاح الجرح المتین فی تثلیث والتامین** (صفحات ۱۶ طبع دہلی ۱۹۱۷ء)
مولانا عبدالجلیل سامرودی
یہ رسالہ ''الجرح المتین'' مصنفہ مولانا شرف الدین کے جواب میں ہے۔

10. **لطائف حدیثیه برد تحائف حنفیه** (صفحات ۲۹ طبع بمبئی سن اشاعت ندارد)
یہ رسالہ مولوی اجمل خان کے رسالہ ''تحائف حنفیہ'' کی تردید میں ہے۔

11. **الکلام الرزین فی الرد علی القول المتین**
مولانا محمد اسماعیل علی گڑھی
یہ کتاب مولوی وکیل محمد مرزاپوری کی کتاب اخفاء التامین کا جواب ہے۔

12. **دفع الفساد من بین العباد** (صفحات ۱۶ طبع لاہور ۱۳۰۶ھ)
مولانا عبدالرحیم رحیم بخش

اس رسالہ میں بعض علمائے احناف کی تحریروں متعلقہ (اخفاء التامین) کا جواب دیا گیا ہے۔

⑬ **الحق الیقین بجواب تحفہ آمین**

مولانا ابو محمد شفیع الحسن سکندر آبادی

یہ کتاب حنفی عالم مولوی محمد امین کے رسالہ ''تحفہ آمین'' کا جواب ہے۔

[جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات ص ۲۰۰ تا ۲۰۶]

آمین بالجہر پر کتابیں

۱	تحفۃ المسلمین فی بیان التامین وبر حاشیہ عمدۃ البراہین فی مسئلۃ التامین	مولانا قاضی محمد مچھلی شیری رحمۃ اللہ علیہ
۲	تحفۃ المتقین	مولانا عبید اللہ نو مسلم صاحب تحفۃ الہند رحمۃ اللہ علیہ
۳	مفید الاحناف	مولانا عبدالغفور رمضان پوری رحمۃ اللہ علیہ
۴	القول المتین فی بیان التامین	مولانا احمد اللہ محدث پرتاب گڑھی رحمۃ اللہ علیہ
۵	آمین ورفع الیدین	مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ
۶	القول المتین فی حدیث الجہر والاخفاء بالتامین	مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ
۷	اثبات الجہر بالتامین عن الاحناف المحققین	مولانا محمد اسماعیل علی گڑھی رحمۃ اللہ علیہ
۸	اثبات آمین	مولانا محمد یوسف شمس فیض آبادی رحمۃ اللہ علیہ
۹	براہین شمسیہ	مولانا محمد یوسف شمس فیض آبادی رحمۃ اللہ علیہ
۱۰	آمین بالجہر	مولانا نور حسین گھرجاکھی رحمۃ اللہ علیہ
۱۱	الدر الثمین فی الجہر بالتامین	مولانا عبدالستار صدری دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
۱۲	اظہار حق	مولانا منظور الحق جھومکاوی رحمۃ اللہ علیہ
۱۳	اثبات آمین وجواب شجرۃ التامین	مولانا عبدالمجید بازید پوری رحمۃ اللہ علیہ
۱۴	ہدایۃ السائل الی احادیث وائل	مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی رحمۃ اللہ علیہ

خیر البراہین فی الجہر بالتامین (مولانا محمد یحییٰ گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ)

دو کتابوں کے جواب میں ہے۔

۱۔اظہار تحسین مولوی حبیب اللہ ڈیروی صاحب (دیوبندی)

۲۔تحقیق مسئلہ آمین مولوی محمد امین اوکاڑی صاحب (دیوبندی)

مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ مولوی حبیب اللہ ڈیروی اوران کی کتاب ''اظہار تحسین'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہمارے سامنے اس مسئلہ (آمین) میں احناف مصنفین کی متعدد کتابیں موجود ہیں لیکن ان میں مفصل اظہار تحسین ڈیروی صاحب کی ہے جس میں انھوں نے اپنے مزعومہ مذہب کی خاطر اصول شکنی کے تمام ریکارڈ توڑ دیے ہیں حق کو باطل کے ساتھ مدغم کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔تاویلات اورتحریفات سے دل کھول کر کام لیا ہے ثقہ راویوں کی تضعیف اورضعیف راویوں کی توثیق کا کارنامہ سرانجام دیا ہےاور کچھ موضوع سے ہٹ کر بھی لعن وطعن کے مشن کی آبیاری کی ہےاور بے موقع الزام تراشی سے بھی دریغ نہیں کیا۔مثلاً مقدمہ میں فرماتے ہیں: کہ دارالعلوم دیوبند کی بنیاد اخلاص پر تھی جب کہ جامعہ رحمانیہ دہلی کی بنیاد اخلاص پر نہ تھی۔جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تقسیم کے بعد جامعہ رحمانیہ ختم ہو گیااور مدرسہ دیوبند ابھی تک قائم ہے ظاہر ہے کہ جامعہ رحمانیہ کا چلتے رہنا یا بند ہونے کا آمین کے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں تھا پھر جامعہ رحمانیہ کے بند ہونے کی وجہ موصوف کی سمجھ میں تو نہ آسکی البتہ ہم اس کی وجہ ذکر کیئے دیتے ہیں وہ یہ کہ اہلحدیث انگریز اور ہندوؤں کی نظر میں باغی اوران کے دشمن تھے۔جس کی وجہ سے اہلحدیث کو بہت نقصان اٹھانے پڑے۔اور صدمات برداشت کرنا پڑے جب کہ علمائے دیوبند ہندوؤں اور انگریزوں کے وظیفہ خوار ملازم اورمحبوب نظر تھے اس لیے دیوبند مدرسہ کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔یہاں معاملہ اخلاص اورعدم اخلاص کا نہ تھا بلکہ مقہور اورمحبوب کا تھا اہلحدیث مقہور تھے۔جب کہ علماء دیوبند انگریز اور ہندوؤں کی نظر میں محبوب تھے۔بھلا محبوب کو کون نقصان پہنچاتا ہےاور دشمن کو کون چھوڑتا ہے اسی طرح فرماتے ہیں: ان کے علماء نے مولانا ثناء اللہ امرتسری کو کافر کہا تھا۔ہمیں افسوس ہوتا ہے کہ کیا شیخ الاسلام کو کسی نے معاصرانہ چشمک کی وجہ سے کافر کہہ دیا ہےتو اس سے آمین آہستہ کہنے کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے اگر موصوف کے ہاں معاصرانہ چشمک کی کوئی حیثیت

ہے۔تو پھر اس بارہ میں بھی فتوی دیتے جایئے کہ آج کے دیوبندیوں جن کا مشغلہ ہی دوسروں کو ہی نہیں بلکہ خود حنفیوں کو بھی کافر قرار دینا ہے کیا درست ہے حیاتی مماتیوں کو سرعام کافر کہتے ہیں۔اور مماتی حیاتیوں کو سرعام مسلمان نہیں سمجھتے تو کیا تم مسلمان رہو گے یا اپنے ہم مشرب بھائیوں کے تیر وتفنگ سے کافر قرار پاؤ گے۔اگر معاصرانہ چشمک کا تمھارے ہاں کچھ وزن ہے تو پھر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر ائمہ امام سفیان ثوری، امام شریک، امام مالک رحمہم اللہ اور دیگر بے شمار ائمہ نے جو امام صاحب کے متعلق کہا ہے جن کی اسناد بھی درست ہیں اگر اعتبار نہیں تو ''کتاب السنۃ'' امام عبداللہ بن احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مطالعہ کیجیے۔پھر معاصرانہ چشمک کے درست ہونے کا اعلان کیجیے ہم تمھاری اس حق گوئی اور اخلاقی جرأت پر تمھیں ضرور مبارکباد دیں گے۔''

[خیر البراہین فی الجہر بالتامین ص ۷۔۸]

اس کے بعد مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ مولوی محمد امین اوکاڑوی کے رسالہ ''تحقیق مسئلہ آمین'' کے بارے میں لکھتے ہیں:

''دوسرا رسالہ ''تحقیق مسئلہ آمین'' ہے جس کو اوکاڑوی صاحب نے رقم کیا ہے اس رسالہ میں مؤلف کی تو شاید کوئی محنت اور تحقیق نہ ہو بلکہ کچھ جاء الحق سے چرا لیا ہے اور کچھ اظہار تحسین سے۔البتہ اہلحدیث پر لعن طعن اور انھیں کافر قرار دینے کا اور محدثین کرام مورد الزام ٹھہرانے کا کارنامہ انجام دیا ہے اور جہاں ممکن ہو سکا ہے تحریف سے بھی کام لیا ہے۔

ہم نے ان تمام کتابوں کو ایک مجموعی شکل میں لیا ہے اور ان کا علمی اور تحقیقی جائزہ لیا ہے اسی طرح انھوں نے اپنے حق میں جو دلائل پیش کیے ہیں ان کو بھی اصول کے ترازو میں تولا ہے جو تمام بے وزن ثابت ہوئے ہیں پھر ان کو قارئین کرام کے سامنے پیش کر دیا ہے تاکہ وہ خود فیصلہ کر لیں۔

ہم نے پوری کوشش کی ہے کہ دلائل کو تعصب سے بالاتر ہو کر پرکھا جائے اور جو حق ہے اسے حق سمجھ کر تسلیم کیا جائے اور جو باطل ہے اس کی تردید کی جائے۔ان حضرات کی ان خیانتوں کو ظاہر کیا ہے جو انھوں نے صرف ایک مسئلہ میں کی ہیں اور ان تحریفوں کو واضح کیا ہے جس سے انھوں نے عوام کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے۔

ہم نے اس کتاب کو دوابواب میں منقسم کیا ہے پہلے باب میں آمین بالجہر کے دلائل پر روشنی ڈالی ہے اوران پر جتنے ان کے علمی یا قیاسی اعتراضات اورشکوک وشبہات تھے۔ان کوتحقیق کی روشنی میں زائل کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ آمین بالجہر پر ان کے جتنے اعتراضات تھے وہ سب تعصب،عناد اورتقلیدی جمود کا نتیجہ ہیں جن کی دلائل کی روشنی میں کوئی حیثیت نہیں۔

دوسرے باب میں احناف کے دلائل کا تجزیہ پیش کیا ہے اوران کی علمی حیثیت کو واضح کیا ہے۔اوراس کاوش کا نام خیرالبراہین فی الجہر بالتامین تجویز کیا ہے۔

[خیرالبراہین فی الجہر بالتامین ص۸۔۹]

باب اول کا عنوان ہے''آمین بالجہر کے دلائل''اس میں مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آمین بالجہر کی تائید میں (۲۸) احادیث نقل کی ہیں اوراس کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ،حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے آثار بھی درج کیے ہیں اور مقلدین احناف نے مذکورہ احادیث اور آثار صحابہ کرام پر جو اعتراضات یا ان کی تاویلات وغیرہ کی ہیں۔مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا دلائل سے جواب دیا ہے یہاں بطور نمونہ حدیث وائل بن حجر پر بحث نقل کی جاتی ہے۔

عن وائل بن حجر قال كان رسول الله ﷺ اذا قرأ ولا الضالين قال: آمين ورفع بها صوته.

''حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب (سورۃ فاتحہ کے آخر میں) ولا الضآلّین کہتے تو آمین کہتے اوراس کے ساتھ اپنی آواز کو بلند کرتے۔''

[سنن ابی داود مترجم دارالسلام حدیث نمبر۹۳۲۔۱/۶۱۸]

اس حدیث کو امام ترمذی،امام ابن ماجہ،امام احمد بن حنبل،امام دارمی،امام دارقطنی اور امام بیہقی رحمہم اللہ اجمعین نے بھی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں وائل بن حجر کی حدیث حسن ہے بہت سے اہل علم صحابہ کرام،تابعین اوران کے بعد والے یہی فرماتے ہیں کہ آدمی آمین بلند آواز سے کہے یہی شافعی،احمد اور اسحاق کا مذہب ہے۔

[صحیح سنن ترمذی علامہ البانی ترجمہ مولانا محمد یحیٰی گوندلوی،حدیث نمبر:۲۰۵۔۲۴۸۔جلد ص ۱۸۵]

اس حدیث کو امام بخاری، امام دارقطنی، حافظ ابن حجر، شاہ عبدالحق دہلوی، مولانا عبدالحی لکھنوی، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری، مولانا عبیداللہ رحمانی، علامہ ناصرالدین البانی نے صحیح کہا ہے اور دور حاضر کے متعصب مرجعیہ دیوبندی علماء مولوی حبیب اللہ ڈیروی اور ماسٹر امین اوکاڑی نے بھی اس حدیث کے صحیح ہونے کا اعتراف کیا ہے۔

[خیر البراہین فی الجہر بالتامین ص ۱۶]

مولانا گوندلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کے حیات مبارکہ کے آخری عہد میں مشرف بہ اسلام ہوئے تھے یہ ایک دفعہ یمن سے صرف رسول اللہ ﷺ کی نماز کے طریق کی تحقیق کرنے کے لیے مدینہ منورہ تشریف لائے۔ پھر پورے اہتمام سے آپ کی نماز کو ملاحظہ کیا۔ پھر اس طریقے کو دوسرے لوگوں سے بیان کیا جس میں انھوں نے یہ بھی بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع جاتے اور رکوع سر سے اٹھاتے تو رفع الیدین کرتے اور اسی طرح جب وہ دو رکعت پڑھ کر تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہوتے تو رفع الیدین کرتے اسی طرح جب انھوں نے آمین کا مسئلہ بیان فرمایا۔ تو یہ واضح کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۃ فاتحہ کی قرائت مکمل کی تو بلند آواز سے آمین کہی۔''

[صفحہ: ۱۵]

اس کے بعد مولانا گوندلوی حدیث وائل بن حجر کے بارے میں لکھتے ہیں:

''حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بلاشبہ صحیح ہے ہمارے علم میں نہیں ہے کہ کسی عالم اور معروف محدث نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے بلکہ جس محدث نے بھی اس حدیث کی تحقیق کی ہے تو اس نے ہی اس کے صحیح ہونے کا فیصلہ فرمایا ہے۔''

[صفحہ: ۱۵]

اس کے بعد مولانا گوندلوی مرحوم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ حدیث اپنے معنی ومفہوم میں منطوق اور نص صریح ہے مقلدین حضرات بھی اس حدیث کی صحت کو تسلیم کرتے ہیں مگر اس حدیث کے صحیح معنی کو جو کہ کتاب وسنت اور لغت کے عین مطابق ہے کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں وہ اس لیے نہیں کہ ان

حضرات کو ان الفاظ کے صحیح معنی کا علم نہیں بلکہ اس کے تسلیم کر لینے سے تقلیدی مذہب قائم نہیں رہتا۔''

[صفحہ: ۱۷]

باب اول صفحہ ۱۰ تا ۱۲۲ تک ہے۔

باب دوم صفحہ ۱۲۳ سے شروع ہوتا ہے اور اس کا عنوان ہے۔

احناف کے دلائل اور ان کا علمی تجزیہ

مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ اس بات کا آغاز اس طرح کرتے ہیں:

''واضح رہے کہ احناف کے پاس آمین دل میں آہستہ کہنے کی ایک بھی روایت موجود نہیں ہے اس مسئلہ میں جس روایت کو اپنے مذہب کی بنیاد بناتے ہیں وہ ضعیف ہونے کے علاوہ اس مفہوم کے بھی مخالف ہے جو طریقہ ان کے ہاں معمول ہے اور کچھ اِدھر اُدھر سے پکڑ کر اپنی تائید میں آثار کو پیش کرتے ہیں جو تمام ضعیف اور نا قابل احتجاج ہیں پھر نص مسئلہ سے ہٹ کر خارجی قرائن سے کام لیتے ہیں جن کی بنیاد ایک مفروضہ پر استوار ہے۔ جو اصل شریعت سے مطابقت نہیں رکھتا اس مسئلہ میں ان کے پاس کل یہی پونجی ہے۔''

[صفحہ ۱۲۳]

آہستہ آمین کہنے کے سلسلہ میں مقلدین جو روایت پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے

حضرت وائل فرماتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی جب آپ نے ولا الضالین کی قرأت کی تو آمین کہی اور آواز کو پست کیا۔

یہی روایت اخفی بہا صوتہ کے الفاظ سے مروی ہے۔

مولانا گوندلوی مرحوم لکھتے ہیں:

''یہ وہی بنیادی روایت ہے اس مسئلہ میں جس پر احناف کا دارومدار ہے ہم نے اس روایت پر دو طرح سے بحث کی ہے اولاً سند پر اور ثانیاً روایت کے معنی پر۔

اس حدیث کے جتنے طرق اسناد اور مختلف فیہ الفاظ ہیں تمام کا انحصار اور دارومدار صرف امام شعبہ پر ہے۔

(حالانکہ امام شعبہ سے بلند آواز سے آمین کہنے کی بھی حدیث مروی ہے:
حضرت وائل بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب آپ نے ولا الضالین پڑھا تو آمین کہی۔
[صحیح ابن حبان ۴/۱۴۶]

اس حدیث کی شرح میں مولانا گوندلوی فرماتے ہیں:
اس حدیث کے صحیح ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں اس کے تمام راوی ثقہ اور بلند پایہ امام تھے۔ محل استدلال یہاں لفظ قال ہے یعنی جیسا کہ حضرت وائل نے آپ کی فاتحہ کی قرأت سنی تھی ایسے ہی آمین بھی سنی تھی۔ [ص:۴۶]
اس روایت کو امام بیہقی نے بھی اپنی سنن میں لائے ہیں۔
[۲/۵۸]

محدثین کرام نے حدیث شعبہ کے مقابلہ میں امام سفیان ثوری کی حدیث کو مقدم رکھا ہے مولانا گوندلوی نے امام بیہقی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:
''امام بیہقی نے تو اس فیصلہ کو مزید واضح کر دیا ہے کہ امام بخاری اور دیگر حفاظ حدیث کا اجماع ہے کہ شعبہ نے اس حدیث میں غلطی کی ہے حضرت سلمہ سے یہی روایت ہے جس کے یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے آواز کو بلند رکھا۔''
[ص:۱۲۴]

اس کے بعد مولانا گوندلوی نے حافظ ابن حجر کا فیصلہ نقل کیا ہے:
''سفیان کی حدیث (آواز بلند کی) کو دو متابع کی وجہ سے شعبہ کی روایت پر ترجیح ہے (کیونکہ ان کا کوئی متابع موجود نہیں) یہی وجہ ہے کہ ناقدین ائمہ حدیث نے بڑا مضبوط فیصلہ دیا ہے کہ سفیان کی حدیث بہت زیادہ صحیح ہے۔''
[تلخیص الحبیر ۱/۲۳۸] [ص۱۲۵]

امام بیہقی اور حافظ ابن حجر رحمہم اللہ کے فیصلے نقل کرنے کے بعد مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:
''امام بخاری، امام زرعہ، امام دارقطنی، امام بیہقی، ابن حجر، علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہم اللہ یہ وہ حضرات ہیں جو اساطین علم حدیث ہیں ان تمام عظام کی تحقیق یہی ہے کہ امام ثوری کی حدیث امام شعبہ کی روایت سے زیادہ صحیح ہے پھر واضح رہے کہ ان محدثین

عظام کے مقابلہ میں کسی دوسرے محدث کی رائے ہمارے علم میں نہیں ہے انھوں نے آواز بلند کرنے والی امام سفیان کی حدیث پر آواز پست کرنے والی امام شعبہ کی روایت کو ترجیح دی بلکہ اس مسئلہ پر حنفی مصنفین کی جتنی کتب ہمارے سامنے ہیں ان میں سے کسی ایک کتاب میں بھی اس بحث کو نہیں اٹھایا گیا۔ وہ اس لیے کہ ان محدثین کے محققانہ فیصلے کا ان کے پاس کوئی جواب ہی نہیں۔ اس لیے یہ حضرات اس اصولی بحث سے کنی کترا کر دوسری طرف چلے گئے ہیں جیسا کہ یہ اصول بحث ان کے ہاں موجود ہی نہیں۔''

[ص: ۱۲۵]

امام سفیان ثوری کے حفظ وضبط، عدالت وثقاہت، امانت ودیانت، ذکاوت وفطانت اور وثوق علم کا محدثین کرام نے اعتراف کیا ہے۔ امام حدیث عبدالرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں:

ما رأیت صاحب الحدیث احفظ من سفیان الثوری.

میں نے سفیان ثوری سے زیادہ حدیثیں یاد رکھنے والا نہیں دیکھا۔

[تبع تابعین ۱/۴۱۱]

امام ابوحنیفہ امام سفیان ثوری کے بارے میں فرماتے ہیں:

اگر سفیان ثوری تابعی ہوتے تو تابعین میں بھی ان کا بڑا مقام ہوتا اگر علقمہ اور اسود (شاگردان ابن مسعود رضی اللہ عنہ) بھی سفیان کے پاس حاضر ہوتے تو وہ بھی سفیان (کے علم کی طرف) محتاج ہوتے۔ حمانی فرماتے ہیں: میں نے ابوسعد کو سنا وہ ابوحنیفہ سے سفیان کے بارہ میں سوال کر رہے تھے تو امام صاحب نے فرمایا: سفیان سے حدیث لکھا کرو۔ کیونکہ یہ ثقہ ہیں۔ ہاں جب ابواسحاق سے حارث کی اور جابر جعفی سے بیان کریں تو نہ لکھا کرو۔''

[دلائل النبوۃ بیہقی ۱/۵۴] [خیر البراہین ص ۱۲۸]

اس کے بعد مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

راقم کہتا ہے حارث اعور اور جابر جعفی دونوں رافضی اور کذاب تھے واضح رہے کہ حضرت سفیان کی آمین بلند آواز سے کہنے کی روایت نہ حارث سے ہے اور نہ ہی جابر جعفی سے۔ لہٰذا احناف کو امام سفیان کی مذکورہ حدیث پر عمل کرنا چاہیے۔ ورنہ اپنے امام کے حکم کی عدولی اور مخالفت لازم آئے گی جو مقلدین کے اصول اور مذہب کی روشنی میں

جائز نہیں۔"

اس کے بعد مولانا گوندلوی فرماتے ہیں:

ہمارے علم میں نہیں ہے کہ کسی بھی محدث ناقد نے امام سفیان کی بلند آواز والی حدیث پر امام شعبہ کی پست آواز والی روایت کو ترجیح دی ہو، حق اور انصاف یہی ہے کہ ائمہ محدثین کے محققہ فیصلے کے سامنے سرِ خم تسلیم کر لیا جائے اور صحیح حدیث پر عمل کر کے آخرت کے لیے اچھا سرمایہ جمع کیا جائے۔"

[ص ۱۲۹]

کتاب کے آخر میں مولانا محمد یحییٰ گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ آمین بالجہر اور علماء احناف کے عنوان سے لکھتے ہیں:

مسئلہ آمین کے جہر اور اخفاء پر فریقین کے جس قدر ہمیں دلائل میسر آئے ان کو اصول اور تحقیق کی روشنی میں حوالہ قارئین کر دیا ہے احناف کے آمین بالجہر پر جتنے شکوک وشبہات تھے تمام کا ازالہ کیا ہے اور جو ان کے آمین بالجہر کی صحیح احادیث کو رد کرنے کے حیلے بہانے تھے ہم نے ان کا تار و پور بکھیر کر رکھا دیا ہے اور ان کے جتنے اعتراضات تھے سب کو محدثین کرام کے مسلمہ اصولوں اور دلائل کی روشنی میں غلط ثابت کیا ہے اور واضح کیا ہے کہ آمین بالجہر پر ان کے جتنے شکوک وشبہات پیدا کیے ہوئے ہیں وہ سب تعصب، عناد، تقلیدی جمود یا پھر اصول سے ناواقفی کا نتیجہ ہیں۔ اسی طرح عدم جہر پر ان کے پاس جتنا ذخیرہ تھا اس کی حقیقت بھی ہدیہ قارئین کر دی گئی ہے اور اس سلسلہ میں ان حضرات نے جو اصول شکنی اور تحریفات سے کام لیا ہے ان کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے جس سے ہر صاحب فراست وفہم بآسانی یہ نتیجہ نکال لینے میں کامیاب ہو جاتا ہے کہ آمین دل میں کہنے کے بارہ میں احناف کے پاس ایک بھی صحیح غیر مجروح جو ان کے مذہب کے موافق دلیل بنتی ہو موجود نہیں ہے جب کہ آمین بلند کہنے کی متعدد اور واضح دلائل موجود ہیں جو اس مسئلہ میں نص قطعی کا حکم رکھتے ہیں۔"

[ص ۱۷۲۔۱۷۳]

اس کے بعد مولانا گوندلوی مرحوم مقلدین احناف کے نامور عالم دین مولانا رشید احمد گنگوہی کی ایک تحریر نقل کی ہے اور اس تحریر کا جو جواب مشہور اہلحدیث عالم مولانا عبدالجبار محدث کھنڈیلوی نے دیا

ہے وہ نقل کیا ہے اس کے بعد مولانا شاہ اسماعیل شہید دہلوی کی ایک عبارت ان کی کتاب ''تنویر العینین'' سے نقل کی ہے اور آخر میں اپنے الفاظ میں آمین بالجہر اور آمین اخفاء کی روایات پر مختصرا تبصرہ فرمایا ہے۔

مولانا رشید گنگوہی فرماتے ہیں:

آمین کے باب میں دونوں طرف حدیث صحیح موجود ہے اس میں بھی دو فریق ہیں ایک جہر کو اولی کہتے ہیں دوسرے خفیہ کو اولی کہتے ہیں اور اصل آمین کہنے کی سنت ہونے میں اتفاق ہے پس مجتہدین نے کسی ایک قول کو مرجح بنا کر اپنا معمول بنایا ہے اور جانب کو اولی قرار دیا ہے لہٰذا دونوں قول صحیح ہیں کہ دونوں تقریر فخر عالم ﷺ سے اور عمل صحابہ سے ثابت ہیں۔''

[سبیل الرشاد ص ۲۹ باختصار یسیر]

مولانا گنگوہی کی مندرجہ بالا تحریر کے جواب میں مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مولانا موصوف کے کلام سے صریحا ثابت ہوتا ہے کہ آمین بالجہر حدیث صحیح سے ثابت ہے صرف الویّت میں تنازع فریقین ہے۔ اور عمل صحابہ بھی آمین بالجہر پر رہا ہے۔ ذلک ما کنا نبغ (یہی ثابت کرنا ہمارا مقصود تھا) رہا آمین بالسر کی احادیث کو مولانا کا صحیح کہنا سو یہ صرف مولانا کی اپنی رائے ہے ورنہ بر طریق محدثین اور ائمہ جرح وتعدیل آمین بالسر کی کوئی روایت صحیح نہیں۔ محققین علماء احناف وغیرہم نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے۔''

[خاتمہ اختلاف ص ۴۴]

مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید دہلوی فرماتے ہیں:

وکذا یظهر بعد التحقق فی الروایات والتحقیق ان الجهر بالتأمین اولی من خفضه لان روایة جهره اکثر واضح من خفضه.

''بعد غور وفکر وتحقیق کے یہ بات ثابت ہوئی کہ جہر آمین اولی ہے آمین بالسر سے کیونکہ روایتیں جہر کی بہت ہیں اور روایات آمین بالسر سے زیادہ واضح ہیں۔''

مولانا گوندلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ان علماء احناف کی تحقیق سے واضح ہو جاتا ہے کہ آمین بالجہر کی روایات صحیح بھی ہیں اور

زیادہ بھی ہیں اوراپنے معنی ومفہوم میں واضح بھی ہیں جب کہ اس کے برعکس دیکھا جائے تو آمین پوشیدہ کی روایات صحیح بھی نہیں ہیں زیادہ بھی نہیں ہیں اوراپنے معنی ومفہوم میں واضح بھی نہیں ہیں۔اس لیے صحیح ،زیادہ اورواضح روایات پرعمل کرنا چاہیے اورآمین پوشیدہ کی غیرواضح اورغیرصحیح روایات کوترک کردینا چاہیے اللہ تعالیٰ ہمیں حق سمجھنے کی توفیق عطافرمائے۔"

[خیرالبراہین فی الجہر بالتامین ص ۱۷۵]

خیرالبراہین فی الجہر بالتامین ،مارچ ۱۹۹۲ء مطابق رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ میں مکتبہ دارالعلوم رحمانیہ منڈی فاروق آباد نے شائع کی صفحات کی تعداد (۱۷۸) ہے۔

فتویٰ حرمتِ سود

سوال

آج کل ہمارے علاقے سمبڑیال اوراس کے گردونواح اوروزیرآباد میں کچھ لوگوں نے یہ کام شروع کررکھا ہے کہ لوگوں سے رقم اس شرط پر لیتے ہیں کہ عرصہ دو ماہ دس دن بعد رقم دگنی واپس کردیتے ہیں یعنی اگرکوئی شخص انھیں ایک لاکھ روپے جمع کرواتا ہے تو عرصہ دو ماہ دس دن بعد جمع کروانے والے شخص کو دولاکھ واپس دیے جاتے ہیں اگر کوئی پانچ لاکھ جمع کروائے تو مقررہ مدت کے بعد اسے دس لاکھ کی رقم واپس ملتی ہے الغرض جتنی کوئی رقم جمع کرواتا ہے اس سے دوگنی اسے مل جاتی ہے اس کام میں معاشرے کے اکثرلوگ رقم دوگنی لینے کے لالچ میں ملوث ہو چکے ہیں اور بہت سے لوگ ملوث ہورہے ہیں اوران میں سے اکثرلوگ تو سود کی حرمت کے بارے میں صحیح طور پر معلومات نہیں رکھتے۔صرف پیسے لینے والوں کے کہنے پر ہی مطمئن ہوکراپنی رقم جمع کروادیتے ہیں کہ ہمارا دوبئی میں سٹاک مارکیٹ میں حصص کے خرید وفروخت کا کاروبار ہے جہاں پرروزانہ کی بنیاد پر بہت زیادہ منافع ہوتا ہے اوراس منافع میں سے کچھ رقم خودرکھ لیتے ہیں کچھ جس نے پیسے جمع کروائے ہوں ان کو دے دیتے ہیں اور کچھ علاقے کے غرباءاورمساکین میں خیرات کرتے ہیں۔

جب رقم لینے والوں سے پوچھا جاتا ہے کہ آپ سود کا کاروبار کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں ہم لوگوں سے رقم اکٹھی کرکے کاروبار کرتے ہیں جس پرمنافع دیتے ہیں لہذا یہ سودنہیں دوسرا وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ کاروبار ہمارا غربت کے خلاف جہاد ہے سود ہرگزنہیں ہے لیکن کاروبار تو رقم لینے والے کرتے ہوں گے

رقم دینے والے تو کاروبار نہیں کرتے آپ مہربانی فرما کر قرآن وحدیث کی روشنی میں مکمل وضاحت فرمائیں۔ کہ کیا یہ کاروبار یا ایسا کرنا جائز ہے یا سود ہے یا کہ دونوں کے لیے سودی کاروبار ہے یا رقم دے کر ڈبل والے کے لیے۔ اور اگر سود ہے تو سود کی سزا جو قرآن وحدیث میں بیان فرمائی ہے اس کی بھی تفصیلا وضاحت فرمائیں تاکہ لوگ ایک بہت بڑی برائی سے بچ سکیں اور اگر جائز ہے تو لوگ اس سے فائدہ حاصل کرسکیں۔ (۲۰۰۷-۰۲-۰۱)

سائلین: ❶ ڈاکٹر محمد انور آف کوروال ❷ محمد سلیم آف سمبڑیال ❸ جمیل احمد رسولپورہ سمبڑیال

الجواب بعون الوہاب

نحمده و نصلی علی رسوله الكريم اما بعد!

صورت مسئولہ سے تین باتیں ظاہر ہوتی ہیں اوّلا: رقم نقد روپوں میں ادا کر کے اسے دو ماہ دس دن مقررہ مدت پر دوگنا لینا۔ ثانیًا: اس رقم کو سود کے بجائے کاروبار کا نام دینا۔ ثالثًا: اس رقم سے حاصل ہونے والے منافع میں سے کچھ حصہ غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کرنا۔

سوال سے واضح ہے کہ ایک شخص ایک لاکھ روپے جمع کروا کے ستر (۷۰) دنوں کے بعد اسے دو لاکھ یعنی اصل رقم سے ڈبل کی صورت میں وصول کرتا ہے یہ صورت عین اور اصل سود کی ہے کچھ احباب نے زبانی کوائف بھی بیان کیے ہیں جن سے جوئے کا بھی شائبہ پڑتا ہے سود اور جوا دونوں اسلام میں حرام ہیں تاہم صورت مسئولہ کے مطابق ہم سود کے مسئلہ پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہیں:

سود کی تعریف

ائمہ اسلام نے سود کی یہ تعریف کی ہے:

الزيادة على رأس المال قلت او كثرت.

[فقہ السنہ ص ۲۸]

''اصل رقم سے زیادہ وصول کرنا خواہ رقم کم ہو یا زیادہ سود کہلاتا ہے۔''

جاہلیت میں سود کی کئی صورتیں تھیں جن میں ایک صورت یہ تھی کہ ایک شخص کسی دوسرے کو مثلاً دس دینار دیتا ہے اور جب واپس لیتا تو اپنی رقم کے ساتھ پانچ دینار اضافی لیتا۔

[منہاج المسلم ص ۳۲۱]

اللہ تعالیٰ نے سود کی جملہ صورتوں کو حرام قرار دیا ہے چنانچہ فرماتا ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً﴾.

[آل عمران: ۱۳۰]

''اے ایمان والو! تم سود کو بڑھا چڑھا کر نہ کھاؤ۔''

اور فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾. [البقرة: ۲۷۸]

''اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرو اور جو باقی سود ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایماندار ہو اگر تم نے نہیں چھوڑا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کا اعلان ہے اور تم توبہ کرو تو تمھارے لیے تمھارے اصل مال ہیں نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔''

امام ابن کثیر اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

لا تظلمون اى بأخذ الزيادة لا تظلمون أى بوضع رؤوس الاموال ايضا بل لكم ما بذلتم من غير زيادة عليه ولا نقص.

[تفسیر ابن کثیر ۱/۴۹۵]

''تم ظلم نہ کرو کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اصل مال سے زیادہ مال وصول نہ کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے گا معنی یہ ہے کہ تمھارا اصل مال واپس نہ ہو بلکہ تمھارے لیے وہی مال ہے جو تم نے خرچ کیا بغیر کسی اضافے اور بغیر کسی کمی کے۔''

اس آیت کریمہ سے واضح ہے کہ قرض کی واپسی کے وقت اپنی رقم سے زیادہ نہیں لینا چاہیے حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبہ مبارک میں فرمایا:

ألا أن كل ربا كان فى الجاهلية موضوع عنكم كله لكم رؤوس اموالكم لا تظلمون ولا تظلمون.

[تفسیر ابن ابی حاتم ۲/۵۵۱]

''خبردار جاہلیت کا تمام سود تم سے معاف ہے تمھارے لیے اصل مال ہیں نہ تم ظلم کرو

اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔"

بلاشبہ اس حدیث مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ نے سود کی جو بھی جاہلیت میں صورت تھی اس کو حرام قرار دیا ہے اور اصل رقم سے زائد وصول کرنے کو سود قرار دیا ہے امام قتادہ جو معروف تابعی اور مفسر قرآن ہیں وہ مذکورہ آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اما الربح والفضل فليس لهم لا ينبغي ان يأخذوا منه شيئا.

[تفسیر ابن ابی حاتم ۲/۵۵۱]

"اصل رقم سے زائد منافع لینا ان کے لیے درست نہیں اور نہ ان کے لائق ہے کہ وہ منافع لیں۔"

سید سابق مصری فرماتے ہیں:

ان الله لم يبح الا رد رؤوس الاموال دون الزيادة عليها وهذا ما نزل في هذا الامر.

[فقہ السنہ ۳/۲۸۳]

"اللہ تعالیٰ نے صرف اس کا حکم دیا ہے کہ وہ اپنے اصل مال وصول کریں اور اصل مال سے زیادہ وصول نہ کریں یہ اللہ تعالیٰ کا آخری حکم ہے جو اس بارہ میں نازل ہوا ہے۔"

قرآن وحدیث کے دلائل سے لہذا اس کے بارہ میں جتنی تاویلیں کی جائیں سب باطل ہیں واضح ہو کہ قرض میں اپنی اصل رقم سے زائد وصول کرنا یہ بھی سود ہے اور ظلم ہے۔

موقف صحابہ رضی اللہ عنہم

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی موقف تھا کہ وہ ہر قرض جس سے نفع حاصل ہو وہ منع ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ انھوں نے اس قرض سے منع فرمایا جس سے فائدہ حاصل ہوتا ہو۔

[ارواء الغلیل ۵/۲۳۴]

اسی طرح عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ جس شخص نے دوسرے شخص سے قرضہ لینا ہو تو مقروض کوئی چیز اسے تحفہ میں بھی دے تو وہ بھی سود ہے ان کے الفاظ یہ ہیں:

فاذا كان لك على عجل دين فأهدى لك حبلة من علف او شعير او

حبلة من تين فلا تقبلهما فان ذلك من الربا.

[السنن الکبری للبیہقی ۵/۳۴۹]

اس تمام بحث کا مطلب یہ ہے کہ سوالنامہ میں جس طرح رقم دینے اور پھر اسے دوگنا کر کے وصول کرنے کا ذکر ہے یہ قرآن وحدیث اور آثار صحابہ کی رو سے خالص سود ہے اور یہ جاہلیت کے سود کی وہی صورت ہے جسے ہم منہاج المسلم کے حوالہ سے ذکر کرآئے ہیں۔

سود لینے اور دینے کا جرم

اسلام فطری دین ہے وہ قطعا ایسی چیز سے منع نہیں کرتا جس سے اہل ایمان کو فائدہ حاصل ہوتا ہو بظاہر انسانوں کی نظر میں سود سے فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ صرف رقم دینے پر محنت اور جہد ومشقت کے بغیر منافع حاصل ہوتا ہے لیکن یہ منافع نہیں بلکہ خسارہ ہے اس لیے کہ بلاشبہ سود پوری انسانیت کے لیے نقصان دہ ہے اسی لیے تمام ادیان سماوی (یہودیت، عیسائیت اور اسلام) میں متفقہ طور پر حرام ہے اسلام دوسرے ادیان کے مقابلہ میں مفصل نصوص کا حامل ہے اس لیے اس میں احکام کو بہت مضبوطی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن وحدیث میں سود کی حرمت کے واضح نصوص اور دلائل موجود ہیں قرآن کریم کی آیات تو آپ نے ملاحظہ فرمالیں ہیں اب چند ایک احادیث بھی پیش خدمت ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اجتنبوا السبع الموبقات قيل يا رسول الله ! ماهى ؟ قال : الشرك بالله والسحر وقتل النفس التى حرم الله الا بالحق واكل الربا واكل مال اليتيم والتولى يوم الزحف وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات)).

[البخاری]

"سات چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں لوگوں نے کہا یا رسول اللہ وہ کونسی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو، کسی جان کا ناحق قتل کرنا جس کا اللہ تعالیٰ نے قتل حرام کیا ہے، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جنگ سے پیٹھ پھیر کا بھاگ جانا اور پاک دامن ایماندار غافل عورتوں پر تہمت لگانا۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الربا تسعة وتسعون بابا ادناها كان يؤتى الرجل بأمه)) [فقه السنة

[۲۸۳/۳]

''سود کے ننانوے دروازے ہیں ان میں سب سے چھوٹا دروازہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کرے۔''

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((درهم ربا یا کلمه الرجل وهو لیلم اشد من سنة وثلاثین زنیة)).

[مسند احمد واسنادہ صحیح]

''سود کا ایک درہم جسے آدمی کھاتا ہے اور اسے اس کا علم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک گناہ میں چھتیس زناؤں سے زیادہ سخت ہے۔''

صحابی رسول جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اکل الربا ومؤکله وکاتبه وشاهدیه وقال هم سواء)).

[مسلم]

''رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے اور کھلانے والے پر اور اس کی تحریر لکھنے والے پر اور اس کے گواہوں پر لعنت بھیجی ہے اور فرمایا یہ سب گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔''

مضاربت

سوال کی دوسری شق یہ ہے کہ یہ کاروبار میں مشارکت ہے جس کو مضاربت بھی کہا جاتا ہے تو واضح رہے کہ مضاربت بلاشبہ جائز ہے لیکن سوالنامہ میں جو تفصیل دی گئی ہے اس کے مطابق اسے مضاربت یا مشارکت شرعی کا نام نہیں دیا جاسکتا مضاربت میں روپیہ ایک کا ہوتا ہے اور محنت دوسرے کی ہوتی ہے اس میں منافع پر حصے مقرر ہوتے ہیں کہ کل منافع سے رقم آدھ منافع لے گا یا تیسرا حصہ اور پھر مضاربت میں کوئی مدت طے نہیں ہوتی فریقین جب چاہیں مضاربت ختم کر لیں پھر مضاربت میں نہ منافع کی شرح متعین ہوتی ہے کہ ایک لاکھ روپے کے ساتھ زائد ایک لاکھ منافع ملے گا نہ وقت تعین ہوتا ہے کہ منافع دو ماہ بعد ہوگا یا تین ماہ کے بعد بلکہ وہ کاروبار پر منحصر ہوتا ہے کہ مشارکت کے وقت جو منافع کا حصہ مقرر کیا ہے اس کے مطابق منافع ملے گا خواہ کسی وقت منافع کم آئے یا زیادہ۔ اس میں منافع فکس نہیں ہوتا بلکہ حصہ فکس ہوتا ہے جس میں کمی بیشی لازمی ہوتی ہے جبکہ زیر بحث مسئلہ میں منافع فکس ہے جتنے کوئی روپے جمع کرائے گا مقررہ مدت پر وہ دوگنا لے گا پھر مضاربت میں نقصان بھی ہوسکتا ہے تو ایسی

صورت میں مالی نقصان تو رقم والے کا ہوگا اور عامل یعنی کاروبار کرنے والے کی محنت اور وقت ضائع ہوگا گویا کہ مضاربت میں عامل ایک اجیر اور مزدور کی حیثیت رکھتا ہے جاہلیت کے لوگ بھی اسے بیع کہتے تھے جس کی اللہ تعالیٰ نے تردید کی ہے جیسا کہ فرمایا:

﴿ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوْا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾. [البقرة:٢٧٥]

''وہ کہتے ہیں کہ تجارت بھی سود کی قسم ہے اور اللہ تعالیٰ نے تجارت حلال کی ہے اور سود حرام کیا ہے۔''

جیسا کہ اس وقت کے مشرکین سود اور تجارت میں کچھ فرق نہیں سمجھتے تھے آج کل بھی تجدد پسند طبقہ سود کو ایک کاروبار سمجھتا ہے۔

سوال کی تیسری شق یہ ہے کہ اس رقم سے حاصل شدہ منافع میں سے کچھ غریبوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے تو یاد رہے کہ سود سے حاصل ہونے والا مال حرام ہے حرام مال غریبوں میں تقسیم کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ اِلَّا طَيِّبًا)). [مسلم]

''اللہ تعالیٰ صرف پاک مال کو ہی قبول کرتا ہے۔''

اگر کاروبار والے یہ سمجھتے ہیں کہ اس حرام مال سے کچھ غریبوں کو دے دیں تو ہمارا مال پاک ہو جائیگا یہ خام خیالی ہے وہ حرام ہی رہے گا اس میں سے صدقہ کرنے سے پاک نہیں ہوگا۔

غربت کے خلاف جہاد

سودی کاروبار کرنے والے کہتے ہیں ہم غربت کے خلاف جہاد کر رہے ہیں۔

اولاً: تو یہ بات سرے سے ہی غلط ہے کہ سود سے غربت کا خاتمہ ہو۔ اگر سود سے غربت کا خاتمہ ہو سکتا تو اسلام اسے حرام قرار نہ دیتا۔

ثانیاً: اس سود سے مالی فائدہ تو اس نے ہی اٹھانا ہے جس کے پاس ضرورت سے زائد اتنے روپے ہیں کہ وہ سودیوں کو ہزاروں روپے دے کر بھی اپنے گھر کا نظام چلا سکتا ہو ظاہر ہے کوئی غریب تو اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ یہ فائدہ تو امیر لوگوں کو ہی پہنچے گا گویا کہ غربت کے خلاف جہاد نہیں ہے بلکہ

امیر لوگوں کو ہی مضبوط کرنے کا ایک اور ذریعہ ہے۔

آخری گزارش

ہم نے دلائل سے واضح کر دیا ہے کہ سوال میں مندرجہ ذیل صورت اسی قسم کے سود کی ہے جو جاہلیت میں بھی رائج تھا اور قرآن وحدیث نے اسے حرام قرار دیا اور اس کے انجام (بدلے) سے بھی ڈرایا اسی طرح قیامت میں سود لینے والے جس حالت میں ہوں گے وہ کچھ اس طرح بیان کی ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ﴾. [البقرة: ۲۷۵]

''جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ اپنی قبروں سے حشر کے دن اس طرح سے اٹھیں گے جیسے وہ شخص اٹھتا ہے جس کو آسیب نے لپیٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو۔''

لہٰذا جو شخص اس سودی کاروبار میں شامل ہو چکے ہیں ان کو چاہیے کہ وہ فوراً توبہ کر کے اپنی اصلی رقم واپس لے لیں اور سودی سلسلہ میں تعاون کرنے کے بجائے اس کو ختم کرنے میں عملی ثبوت مہیا کریں۔

ورنہ وہ سمجھ لیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جنگ کر رہے ہیں۔

هذا ما عندی و الله اعلم بالصواب

دینِ تصوّف

مولانا گوندلوی مرحوم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب کا نام رکھا ہے ''دین تصوف'' اس لیے ضروری ہے کہ پہلے ان دونوں الفاظ کی شرعی تشریح کی جائے۔

قرآن مجید میں دین کا لفظ کئی بار استعمال ہوا ہے لیکن تصوف کا لفظ ان معتقدات کے معنی میں کسی ایک جگہ بھی استعمال نہیں ہوا۔ جن سے صوفیا حضرات کے نظریات کی تائید ہوتی ہو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾. [المائدة: ۳]

''آج میں تمھارے لیے تمھارا دین پورا کر چکا اور تم پر اپنی نعمت مکمل کر چکا اور تمھارے لیے دین اسلام سے راضی ہو گیا۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

”دین اسلام سے مراد ہے حق تعالیٰ نے اپنے محبوب اور ایمان والوں کو بتایا کہ میں نے ان کو ایک مکمل دین دے دیا ہے اس میں قیامت تک کمی بیشی کی ضرورت نہ ہوگی جس دن کو اللہ تعالیٰ نے مکمل کیا ہو اس میں کمی کا امکان ہی نہیں اور جس دین سے اللہ راضی ہو اس میں اس کی ناراضگی کی گنجائش نہیں“

[تفسیر سراج المنیر ۱/۴۱۱]

عربی لغت میں مذہب نام ہے رسومات چند عبادات اور طریقے کا جب کہ دین عبادات، احکامات، اخلاقیات گویا کہ دنیا و آخرت کے تمام امور دین میں شامل ہیں لفظ مذہب عربی زبان کا لفظ ہونے کے باوجود قرآن و حدیث کے وسیع ترین علمی ذخیرہ میں دین کے لیے استعمال نہیں ہوا جب کہ دین قرآن مجید اور عربی ادب میں تمام معنوں میں استعمال ہوا ہے اور تمام معانی اور مفاہیم کو لفظ ”دین اسلام“ نے احاطہ کر لیا ہے اسلام کا مرکزی اور جامع معنی سلامتی اور سپردگی کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء گرامی میں ایک اسم مبارک ”سلام“ ہے اسم پاک ہونے کی وجہ سے اس کا معنی سلامتی والا اور سلامتی عطا فرمانے والا ہے۔ اسلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لیے امن و سلامتی کا پیغام اور اپنے ماننے والوں کو سلامتی کی ضمانت فراہم کرتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ قائم و دائم اور ہمیشہ سے سلامتی والا ہے اور رہے گا اسی طرح دین اسلام ہمیشہ قائم اور تسلیم و رضا اختیار کرنے والوں دنیا و آخرت کی سلامتی فراہم کرنے کی ضمانت دیتا ہے اور دیتا رہے گا دین اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ آدمی دل کی گہرائیوں اور عمل کی تمام اکائیوں کے ساتھ اس کے حلقہ اثر میں شامل ہو جائے۔

[فہم القرآن ۱/۸۰]

دین سے مراد شریعت کے تمام اصول اور جزئی احکام و ہدایات ہیں اور ان احکام پر عمل پیرا ہونے کا وہ طریقہ اور نمونہ بھی جو رسول اللہ ﷺ نے تمام مسلمانوں کے سامنے پیش فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد مسلمانوں کو زندگی کے کسی بھی پہلو میں خواہ وہ معاشرتی ہو یا سیاسی ہو باہر سے کوئی بھی اصول اسلام میں درآمد کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس لحاظ سے اسلام میں موجودہ مغربی جمہوریت، اشتراکیت، کمیونزم، شوشلزم، اور کسی ازم کو داخل کرنے کی گنجائش نہیں رہتی یہی صورت حال بدعات کی ہے۔

[تیسیر القرآن از کیلانی ۱/۴۸۱]

تصوف

علامہ ابن خلدون اپنے مقدمہ میں تصوف کی تعریف درج ذیل الفاظ میں فرماتے ہیں:

''تصوف کا معنی ہے عبادات پر ہمیشہ پابندی کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہونا، دنیا کی زیب وزینت کی طرف سے روگردانی کرنا، لذت، مال اور جاہ جس کی طرف عام لوگ متوجہ ہیں اس سے کنارہ کش ہونا یہ طریقہ صحابہ کرام اور سلف صالحین میں عام مروج تھا۔''

[بحوالہ مقالات پیر کرم شاہ الازہری ص ۳۵۱]

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کو تصوف سے لگاؤ تھا ان کے والد اور چچا اہل طریقت تھے شاہ صاحب نے تصوف پر کئی کتابیں لکھیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔القول الجمیل (عربی)

۲۔فیوض الحرمین (عربی)

۳۔الخیر الکثیر (عربی)

۴۔البدور البازغہ (عربی)

۵۔التفہیمات الالہیہ (مع مکتوب مدنی (فارسی وعربی)

۶۔جوامع شرح حزب البحر (فارسی)

۷۔کشف الغین عن شرح للر باعتین (فارسی)

۸۔شفاء القلوب (فارسی)

۹۔الطاف القدس (فارسی)

۱۰۔سطعات (فارسی)

۱۱۔ہمعات (فارسی)

۱۲۔لمحات (فارسی)

۱۳۔لمعات (فارسی)

۱۴۔الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ واسانید وارثی رسول اللہ (فارسی)

(اس کتاب کے دو حصے ہیں پہلے حصہ میں تصوف کے مشہور طریق کے سلسلے ہیں اور دوسرے

میں کتب حدیث وفقہ کی اسانید اورحدیث وفقہ کے متعلق فوائد ہیں) شاہ صاحب کی یہ تمام کتابیں مطبوع ہیں۔

دین تصوف

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کتاب ایک مقدمہ،ایک ابتدائیہ اور (۹)ابواب پر مشتمل ہے ابواب کی تفصیل یہ ہے۔

(ا) تصوف کیا ہے (۲) حقیقت یا طریقیت (۳) نظام تصوف (۴) عقائد (۵) تصرفات (٦) عبادات صوفیہ (۷) حرام وفواحش کا استباح (۸) قوالی (۹) نکاح سے اعراض

ابتدائیہ میں مولانا گوندلوی سے مسئلہ توحید پر بحث فرمائی ہے۔

فرماتے ہیں:

"اسلام سے قبل کائنات جہالت میں ڈوبی ہوئی تھی توحید کے قائل بھی توحید سے اعراض کر چکے تھے شرک کو توحید کا نام دے کر ہر توحید شکن حربہ کو جائز تصور کرلیا گیا تا آنکہ اللہ کریم نے ہادی کامل، رہبر اکمل، امام الموحدین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو ہدایت کامل دے کر مبعوث فرمایا۔ اسلام کا تصور توحید اگر چہ سابقہ امتوں سے مختلف نہیں لیکن یہ بات ضرور ہے کہ جس پیرایہ میں اسلام نے توحید کو بیان کیا وہ سابقہ امتوں سے قدرے مفصل اور وضاحت کے ساتھ ہے اس میں تو شک نہیں کہ توحید تمام انبیاء کا مساوی مسئلہ رہا ہے اور تمام انبیائے کرام نے توحید کو ہی سب سے پہلے پیش کیا اکثر وبیشتر قوموں نے توحید ہی سے اعراض کیا یہود ونصاری نے توحید کو تو قبول کیا لیکن اس میں شرک کو کافی اپنے طور پر داخل کر دیا جس کی تعلیم نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دی اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے۔

یہود ونصاری نے صالحین کے نام پر قبر پرستی کو جائز قرار دیا۔ اوران کے مزاروں اور قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

لعن الله اليهود و النصارى اتخذوا قبور انبيائهم وصالحيهم مساجد.

"اللہ تعالیٰ یہود ونصاری پر لعنت کرے کہ انھوں نے اپنے انبیاء اور صالحین کی قبروں کو

سجدہ گاہ بنالیا۔''

اور یہی ان کا فعل شرک پرستی کا بہت بڑا سبب بن گیا۔

شارع علیہ السلام نے اپنی امت کو اس شرکیہ فعل سے بہت دفعہ منع فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کی:

((اللهم لا تجعل قبري وثنا يعبد)).

اور امت کے لیے فرمایا:

((لا تتخذوا قبري عيدا)).

''لوگوں میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنانا۔''

آخر میں مولانا گوندلوی مرحوم لکھتے ہیں:

اس کتاب کے لکھنے کا بنیادی مقصد مسئلہ توحید کے بارے میں شکوک وشبہات کو واضح کرنا ہے اور یہ بتانا مقصود ہے کہ بعض لوگ جس کو توحید سمجھ بیٹھے ہیں کہیں وہ اصل شرک تو نہیں۔''

[ص: ۱۴، ۱۵، ۱۷]

تصوف کیا ہے؟

مولانا گوندلوی فرماتے ہیں:

''قرآن وحدیث میں تصوف کا لفظ ان معتقدات کے معانی میں کسی ایک جگہ بھی استعمال نہیں ہوا جس سے صوفیا حضرات کے نظریات کی تائید ہوتی ہو بلکہ یہ لفظ اپنے موجودہ اور مخصوص مفہوم میں آٹھویں صدی عیسوی یعنی دوسری صدی ہجری میں بعض بدعتی اور دین سے دور لوگوں نے مبہم انداز میں استعمال کیا۔ اسلام نے غالباً اس لفظ کے موجودہ مفہوم کا موجد جابر بن حیان ہے جو علوم اسلامیہ کے بجائے کیمیا اور فلسفہ میں شغف رکھتا تھا۔''

[ص ۱۸]

تصوف عربی لفظ نہیں

مولانا مرحوم لکھتے ہیں:

''اگر علم صرف کے اصولوں سے دیکھا جائے تو تصوف عربی لفظ ہی نہیں بلکہ عجمی لفظ تھا جس کو عربیت کا جامہ پہنا دیا گیا۔ کیونکہ یہ تفعل کے باب سے لایا گیا ہے اور تفعل کے

لیے ضروری ہے کہ وہ لازم سے مشتق ہو بعض نے تو یہ بھی قید لگائی ہے کہ اس کا مادہ علم شجع سے ہو لیکن لفظ تصوف میں یہ سبھی شرطیں مفقود ہیں۔''

[ص:۲۳]

صوفیہ کی ابتداء تیسری صدی ہجری کے آخر میں ہوئی

شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں:

''صوفیا جو اول زمانہ کے تھے ان کا ارتباط صحبت اور تعلیم وتہذیب نفس کے آداب سیکھنے کا تھا اس وقت خرقہ اور بیعت نہ تھی خرقہ کی ابتداء سید الطائفہ جنید بغدادی کے وقت سے ہوئی۔''

[الانتباہ ص۴]

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

''جاننا چاہیے کہ جو طریقہ آج کے دن تک محفوظ ہے اس کا بانی جنید ہے اور خرقہ بھی وہی محفوظ ہے جو جنید کے واسطہ سے ہے۔''

[الانتباہ ص۱۲]

مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''اس سے معلوم ہوا کہ صوفیا کی ابتداء تیسری صدی کے آخر دہے میں ہوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن بصری دونوں سے خرقہ کا کوئی ثبوت نہیں۔''

[ص:۳۰]

حقیقت یا طریقت

مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''اکثر صوفیا کے نزدیک قرآن وحدیث کا اصل وظاہر قابل قبول نہیں بلکہ وہ اسے اپنے معتقدات کے لیے بہت بڑا خطرہ تصور کرتے ہیں قرآن وحدیث پر چلنے والوں اور علم حاصل کرنے والوں کو مختلف ناموں سے (جو ان کے ہاں طعنہ زنی ہے) ذکر کرتے ہیں۔''

۱۔ علماء ظاہر یعنی باطنیت سے ناآشنا

۲۔علماء رسوم یعنی چند شعار کے پابند

۳۔اہل نظر یعنی عامی نظر سے قرآن وحدیث پر عمل کرنے والے اوران کے پوشیدہ بھیدوں سے لاتعلق۔

تصوف اسی زمین کی پیدوار ہے کہ صوفی خرد کو اہل اللہ العارفین باللہ اہل کشف سمجھتے ہیں ان القاب سے تصوف کو اجاگر کرنا مقصد ہے کیونکہ ان کے نزدیک قرآن وحدیث کا علم رکھنے والے بصیرت سے محروم رہتے ہیں اللہ ان کے لیے خاص علم ودیعت کرتا ہے جو دوسروں کو حاصل نہیں ہوتا اسی بنا پر وہ خود کو باطنی کہتے ہیں تاکہ قرآن وحدیث کے اصل مفہوم کو بگاڑ کر اپنے خیالات فاسدہ کو تسکین پہنچا سکیں۔کبھی یہ خود کو علماء غیب بھی کہتے ہیں یوں تو تقریباً تمام صوفیہ ہی غیب دانی کا دعوی رکھتے ہیں بعض تو یہاں تک بھی پہنچ جاتے ہیں کہ نطفہ کا محل اور قرار بھی ان کے سامنے ہوتا ہے اوران پر کائنات کی کوئی چیز بھی مخفی نہیں رہ جاتی۔

[ص:۳۵]

علم اور تصوف دو مختلف چیزیں ہیں

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی لکھتے ہیں:

شیخ بغدادی سے کسی نے پوچھا: آپ نے تصوف کہاں سے حاصل کیا تو جواب میں فرماتے ہیں:

بجلوسی تحت شجره ثلاثين سنة.

ایک درخت کے نیچے تیس سال بیٹھ کر۔

یعنی اپنی عمر کا کثیر حصہ اسی بیٹھک میں گزار دیا۔واضح رہے کہ شیخ بغدادی کے بعض اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علم تصوف کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔ہوسکتا ہے وہ ان کے اقوال ایسے صوفی کے لیے ہوں جو تصوف کی منزلیں طے کر چکا ہو ورنہ مبتدی کے لیے انھوں نے محسوس کرلیا کہ علم اور تصوف دو مختلف چیزیں ہیں اور یہ دونوں کبھی اکٹھے نہیں مل سکتے۔

مشہور صوفی ابوسلیمان درانی فرماتے ہیں:

اذا طلب الرجل الحديث او سائر فی طلب المعاش أو تزوج فقد ركن الى الدنيا.

”جب آدمی علم حدیث حاصل کرتا ہے یا معاش کی طلب میں سفر کرتا ہے یا شادی کرتا

ہے تو وہ دنیا کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔"

[تلبیس ابلیس ص ۳۳۰]

ان اکابر صوفیہ کی نگاہ میں علم حدیث حاصل کرنا، روزی کمانا یا شادی کرنا دنیاداروں کا کام ہے۔

مولانا گوندلوی مرحوم لکھتے ہیں:

اس اقتباس سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ تصوف اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک ظاہری علم سے کنارہ نہ کی جائے کیونکہ ان کے نزدیک کتاب وسنت کا علم غفلت کا ذریعہ ہے۔"

[ص: ۳۸۔۳۹]

علم باطن کے نقصانات

اس کے متعلق مولانا گوندلوی فرماتے ہیں:

علم باطن کی صدا بلند کر کے وجودیوں نے ہر قسم کے فواحش کا جائز سمجھا، حرام کو حلال جانا، کبائر کو مباح تصور کیا۔ مخالفین پر طرح طرح کے حملے کیے۔ مسلمانوں کو قرآن وحدیث سے موڑ کر اپنے قلبی خیالات کی طرف لے جانا چاہا۔ حقیقت میں ظاہر و باطن کی تقسیم سے ایمان باللہ، اطاعت رسول، حقوق العباد سے پھیرنے کی کوشش کی گئی۔

دین اسلام میں ایسی تفریق کا نہ ہی جواز ہے اور نہ تصور۔ سب سے پہلے اس نظریہ کی داغ بیل صحابہ رضی اللہ عنہم پر قدغن لگانے کے لیے روافض اور شیعہ نے ڈالی یہ بدنظریہ ان سے منتقل ہو کر صوفیا حضرات تک پہنچا اور انھوں نے اس نظریے کی خوب آبیاری کی اور اس کو چار چاند لگائے۔"

[ص: ۴۴]

نظام تصوف

صوفیا حضرات نے اپنا ایک علیحدہ نظام بنایا ہوا ہے جو کہ از روئے شریعت محمدیہ صریحاً قرآن وحدیث کے بتائے ہوئے اصولوں کے منافی ہے مولانا گوندلوی مرحوم صوفیا کے نظام کے بارے میں فرماتے ہیں:

"صوفیا حضرات کا ایک ایسا خیالی نظام ہے جس سے وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ساری کائنات کا نظام

چلاتے ہیں اس نظام کے تحت انھوں نے مختلف عہدے اور مناصب تقسیم کیے ہوئے ہیں ان سے سب سے بڑا خود کو ایسے مقام پر تصور کرتا ہے جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لائق ہے اس کے بعد درجہ بدرجہ ڈیوٹیاں سپرد کی ہوئی ہیں اور اس کے لیے چار ہزار افراد ہیں جو مشترکہ طور پر اس نظام کو چلاتے ہیں جس کی تفصیل شیخ علی ہجویری بیان کرتے ہیں:

فرماتے ہیں:

اس قسم کے اولیاء چار ہزار کی تعداد میں لوگوں میں مکتوم ومخفی ہیں اور ایسے مخفی ہیں کہ ایک دوسرے کو نہیں پہچانتے اور خود اپنے جمال حال سے بے خبر ہیں اور اپنے تمام احوال میں اپنے سے اور مخلوق سے مستور ہیں۔'' [کشف المحجوب، ص۳۹۲]

[ص:۴۵]

صوفیا حضرات کے نزدیک کائنات کا نظام قطب یا غوث چلاتے ہیں حالانکہ تمام نظام کا چلانے والا اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ صوفیا حضرات کا کہنا ہے کہ دنیا کا سارا نظام قطب یا غوث کی ہدایت کے مطابق چلتا ہے۔

یہ قطب، غوث، ابدال کون لوگ ہیں ان کے بارے میں مولانا گوندلوی مرحوم نے اس باب میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے عنوان ملاحظہ فرمائیں:

''قطب یا غوث، اقسام قطب، قطب ہر ملک کے لیے، قطب کیسے بنتا ہے، تعداد قطب، تقریب منصب، ابدال، ترتیب ابدال سبعہ، ابدال کیسے بنتا ہے، اوتاد، ولی، صوفی کب بنتا ہے۔ افسانہ یا حقیقت، خضر علیہ السلام، واقعہ خضر کا بانی، خضر سے ملاقات، ملاقات کی نشانی، خضر قبر ابی حنیفہ سے علم سیکھتا ہے۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں خضر کا کردار، خضر کی اصلیت۔''

خضر ابی حنیفہ سے علم سیکھتا ہے

مولانا نوری لکھتے ہیں:

شریعت محمدی کا علم سیکھنے کے لیے حضرت خضر پر ہر روز صبح کے وقت امام ابوحنیفہ کی مجلس میں آیا کرتے تھے جب آپ کا وصال ہوگیا تو حضرت خضر نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ امام کی روح کو ان کے جسم میں لوٹا دیا جائے تاکہ میں علم فقہ ان سے

حاصل کر سکوں۔ چنانچہ حضرت خضر علیہ السلام اپنی عادت کے مطابق ہر روز صبح کے وقت امام ابوحنیفہ کی قبر پر آ کر ان سے فقہ وشریعت کے مسائل سنا کرتے تھے۔"

[بارہ تقریریں ص ۱۱۷]

مولانا نوری کی مذکورہ بالا تحریر پر مولانا گوندلوی مرحوم تبصرہ فرماتے ہیں:

حضرت امام کی وفات جیل میں ہوئی اور آپ کی میت مبارک جیل سے نکلی تو کیا حضرت خضر ان کی زندگی میں جیل میں جا کر فقہ پڑھا کرتے تھے اگر ایسا ہی تھا تو کیا جیل کے حکام اس سے بے خبر تھے۔ بقول صوفیا اگر خضر رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں بھی موجود تھا تو اس نے آپ سے علم کیوں نہ حاصل کیا۔ یا ابوحنیفہ کسی نئی فقہ کی تعلیم دیتے تھے جن کی تعلیم رسول اکرم ﷺ سے خضر کو ناممکن معلوم ہوتی تھی اور ڈیڑھ صدی بعد اس نے فقہ کی تکمیل ابوحنیفہ سے کی۔

ذرا پلٹ کر دیکھ تیرا دھیان کدھر ہے۔

[ص:٦٨]

عقائد

صوفیا حضرات کے عقائد کیا ہیں اور خاص کر مسئلہ توحید کے متعلق یہ حضرات کیا عقیدہ رکھتے ہیں مولانا گوندلوی نے صوفیا کے عقیدہ توحید پر روشنی ڈالنے سے پہلے اہل سنت کے عقیدہ توحید کو بیان کیا ہے۔اس کے بعد صوفیا حضرات کے عقیدہ پر روشنی ڈالی ہے مولانا گوندلوی فرماتے ہیں:

توحید

اسلام وشرائع ماقبل (پہلی شریعتیں) میں توحید کا مقام سب سے اعلیٰ وارفع ہے تمام انبیاء کی یہی دعوت ہے یہی وہ دعوت ہے جس سے کفر پر ہر دور میں لرزا آتا رہا ہے اور کفرستان میں اسی دعوت سے زلزلے آتے رہیں گے یہی وہ دعوت تھی جس سے انبیاء اور اصحاب انبیاء کو مصائب اور تکلیفوں سے دوچار ہونا پڑا۔توحید ہی وہ عظیم دعوت تھی کہ اس کے حاملین وطن مالوف کو ترک کر کے بے خانماں ہوتے رہے۔ یہی وہ دعوت ہے جس سے کفر واسلام ،حق وباطل میں فرق ظاہر ہوتا ہے اسی دعوت کا بنیادی مقصد عابد اور معبود (ساجد اور مسجود، خالق اور مخلوق) میں فرق وامتیاز کرنا تھا کہ عابد معبود کے سامنے جھک جائے ساجد مسجود کے سامنے سجدہ ریز ہو،مخلوق خالق کا محتاج ہو۔

لیکن صوفیا نے صحیح توحید کو چھوڑ کر نئی توحید کی داغ بیل ڈالی خالق اور مخلوق کے فرق کو ختم کر دیا عابد اور معبود کے رشتے کو توڑ دیا۔ ساجد اور مسجود کے درمیان فرق مٹا دیا ان کی نظر میں نہ کوئی عابد ہے، نہ کوئی معبود، نہ ساجد نہ مسجود، وہی حقیقت میں معبود جو ساجد ہے وہی حقیقت میں مسجود یہ تمام جہاں جو نظر آتا ہے ایک بے حقیقت عکس اور پرتو ہے حقیقت میں سبھی ایک ہے اس لیے تو بعض کہتے ہیں جب ساجد اور مسجود ایک ہے۔ تو پھر سجدہ کس کو، بلکہ بعض نے تو الہ ہونے کا علی الاعلان دعوی کیا۔ بعض نے اس میں خفاء سے کام لیا۔ اور بعض نے مہمل راستہ اختیار کیا اور بعض نے ایسا طریقہ اپنایا کہ لوگ ان کے نظریات سے مطلع نہ ہو سکیں۔ اور بعض تو ایسے حد سے بڑھے کہ انھوں نے حیوانات کو بھی الہ تسلیم کر لیا۔

[ص: ۷۱-۷۲]

صوفیا کی توحید

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی لکھتے ہیں:

صوفیا کی توحید کی ابتداء تاریخ کا علم تو نہیں ہو سکا کہ یہ کب کی ہے اور کیسے شروع ہوئی۔ اس کے اسباب کیا تھے اور اصل بانی کون تھا ہاں البتہ اس کا اصل یونانی فلسفہ اور قدیمی ہندی ودانت سے ملتا ہے ہندومت میں ہر میں، ہر فارسی میں ''ہم اوست''، عربی میں ہو'' الکل'' اور اردو میں ''تمام وہی'' کے نام سے موسوم ہے صوفیا کی اصطلاح میں اسے توحید وجودی کہتے ہیں اور ہمارے مطمع نظر میں اسی پر بحث ہے۔

اسلام میں اس نظریہ کی ابتداء محمد بن واسع سے ہوئی (دوسری صدی ہجری میں) لیکن اس کے نظریہ میں اخفا تھا۔ اور تاویل کی گنجائش تھی۔ شیخ علی ہجویری لکھتے ہیں: محمد بن واسع اپنے زمانہ میں اپنی نظیر آپ تھے اور آپ کو بہت سے تابعین کی صحبت کا شرف ملا آپ ہی سے مروی ہے:

مارأيت شيئا الا ورأيت الله فيه.

''میں نے جو چیز بھی دیکھی اس میں اللہ کو دیکھا''

[کشف المحجوب ص ۲۱۱]

لیکن اس نظریہ کی اشاعت اس وقت نہ ہو سکی اور نہ ہی ایسے حالات تھے کہ یہ نظریہ پھیلتا پھولتا لیکن تابعی راسخ فی العلم والایمان تھے ہاں البتہ اس نظریہ کے جراثیم ضرور وجود

میں آ گئے تھے جو بعد میں ایک مستقل عقیدہ کی صورت اختیار کر گئے۔ متقدمین کے کلام میں جو تاویل کی گنجائش باقی تھی۔ متاخرین نے اس کو ختم کر دیا۔ حلاج نے اس نظریہ کی اشاعت کا بیڑہ اٹھایا لیکن وہ حلولیت میں پہنچ کر رسوا وبدنام ہو گیا۔ ہاں ان کے دست راست ابوبکر شبلی نے وجودیت کے نظریہ کو نہایت دانش مندی سے پھیلانا شروع کیا چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں:

انا والحلاج فی شیء واحد مخلصی جنونی وأهلكه عقله.

میں اور حلاج دونوں ایک ہی نظریہ کے حامل تھے مجھ کو میرے جنون نے بچالیا اور اس کو اس کی عقل نے ہلاک کر دیا۔'' [کشف المحجوب ص ۳۶۰]

[ص:۷۳،۷۴]

اس کے بعد مولانا گوندلوی مرحوم نے اس باب میں جن عنوانات کے تحت صوفیا کے عقائد پر روشنی ڈالی ہے ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

وجودیت کا فروغ، اقوال صوفیا، قول شبلی، علمائے دیوبند کا نظریہ وحدت الوجود، وجودیت کی مختلف صورتیں، دنبہ کا مقام الوہیت، کتے کی تقدیس، ہاتھی خدائی بہروپ میں، وحدۃ الوجود کی چوتھی صورت، موسیٰ اور ابلیس کا مکالمہ، فرعون اور ابلیس اور حلاج کا مکالمہ، صوفیا کی توحید گمراہی کا دوسرا نام، گمراہی کی وجہ۔

مولانا گوندلوی اس باب کے آخری عنوان (گمراہی کی وجہ) کے تحت فرماتے ہیں:

صوفیا جس توحید کے داعی ہیں یقیناً وہ گمراہی کا سبب بنے لوگوں کے سمجھنے یا نہ سمجھنے کی بات نہیں۔ لوگ تو پہلے ہی بت پرست، شخصیت پرست، حجر وشجر پرست تھے ایسی توحید قبول کرنے میں کونسی چیز مانع اور رکاوٹ بن سکتی تھی لوگ تو پہلے ہی اس قسم کے شرک میں مبتلا تھے جس کو صوفیا نے توحید کا نام دیا ہے۔

یہی کافی ہے کہ اس خود ساختہ توحید کے ذریعے خالق اور مخلوق کا فرق ختم ہو گیا ہے جو خالق ہے وہی مخلوق ہے جو مخلوق ہے ان کے نزدیک وہی خالق، جو عابد ہے وہی معبود، جو معبود ہے وہی عابد، جو ساجد ہے وہی مسجود، جو مسجود ہے وہی ساجد، گویا ہر شے ایک ہے لیکن قرآن حکیم نے جس توحید کی تعلیم دی ہے وہی خالق اور مخلوق کے درمیان فرق اور ساجد

کا مسجود حقیقی کے سامنے جھک جانے کا نام ہے۔''

﴿اَلَا فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ﴾.

''خبردار تم صرف اللہ کو سجدہ کرو۔''

صوفیا کی توحید کا ماخذ قرآن وحدیث کے بجائے مولانا جلال الدین رومی کی مثنوی ہے جو اصل شرک کا منبع ہے علماء دیوبند میں بھی بعض مثنوی کے دلدادہ رہے ہیں انھوں نے اپنے مدارس کے نصاب میں مثنوی کو شامل کیا ہے تاکہ وجودیت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹ جائے۔ چنانچہ بحر العلوم کے متعلق ہے کہ ان پر ایسی توحید غالب ہوگئی تھی کہ مدارس میں بجائے قرآن کے مثنوی شروع کر دی تھی۔''

[امداد المشاق از مولانا اشرف علی تھانوی ص ۱۰۶]

یہ ہے علماء دیوبند کی توحید اور یہ ہے ان کا دعوی و کردار کہ ان کو توحید قرآن سے نہیں ملی۔ ہاں اگر ملی ہے تو مثنوی رومی سے۔''

[ص: ۹۴، ۹۵]

تصرفات

جہاں صوفیا حضرات نے توحید خالص کے مفہوم کو بگاڑا ہے وہاں انھوں نے ایسے دعوے بھی کئے ہیں جن سے ان امور پر تصرف حاصل کرنا مقصد تھا۔ جو صرف اللہ تعالیٰ کے لائق تھے، شیخ عبد الحق دہلوی اپنی کتاب ''اخبار الاخیار ص ۵۶۵ پر لکھتے ہیں:

کہتے ہیں کہ آپ نے احمد آباد میں ایک مردے کو زندہ کیا تھا۔

مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قرآن مجید نے تو یہ دعوی کیا ہے کہ موت وحیات کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيَاةً وَّلَا نُشُوْرًا﴾. [الفرقان: ۳]

''یہ تو اپنی جان کے نقصان، نفع کا بھی اختیار نہیں رکھتے، اور نہ موت وحیات کے اور نہ دوبارہ جی اٹھنے کے وہ مالک ہیں۔''

﴿رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ﴾. [البقرة: ۲۵۸]

''میرا رب تو وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے۔''

اس لیے یاد رکھئے کہ موت اور زندگی کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے جو بھی کسی کو مار کر زندہ کرنے یا مردوں کو زندہ کرنے کی حکایات مشہور ہیں وہ سو فیصد جھوٹ اور باطل ہیں۔''

[ص: ۹۷]

اس کے بعد صوفیا حضرات کے تصرف کے سلسلہ میں دل پر تصرف، پانی پر تصرف، سورج پر تصرف، ولی کے اختیارات، اولیا کے متعلق حاجت روائی کا عقیدہ، ولی یا رسول، فضیلت ولی، پیر جیلانی وغیرہ عنوانات کے صوفیا حضرات نے جو گل کھلائے ہیں ان پر روشنی ڈالی ہے۔

''فضیلت ولی'' کے تحت مولانا گوندلوی لکھتے ہیں:

نبی افضل ہوتا ہے یا ولی، اس ضمن میں ان کے مختلف اقوال ہیں بعض کے نزدیک تو نبی کا مقام ولی کے مقام سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔ لیکن بعض ایسے بھی ہیں جن کے نزدیک ولایت کا مقام رسالت سے بلند اور افضل ہے اس دوسرے گروہ کے مطابق جو منزلیں ولی طے کرتے ہیں وہ نبیوں کو حاصل نہیں۔''

چنانچہ بسطامی لکھتے ہیں:

خضعا بحرا ووقف الانبياء بساحله.

''کہ ہم سمندر میں غوطہ زن ہوئے ہیں اور انبیاء اس کے کنارے پر کھڑے رہے ہیں۔''

اس قسم کے خیالات کے حاملین کے متعلق شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

یہ ملحد دعویٰ کرتے ہیں کہ ولایت نبوت سے افضل ہے لوگوں پر طرح طرح کے التباس کرتے (وہم ڈالتے) ہوئے کہتے ہیں حضرت رسول اللہ ﷺ کی ولایت ان کی نبوت سے افضل تھی۔ اور پھر یہ شعر بطور دلیل پڑھتے ہیں:

مقام النبوة في برزخ

فويق الرسول ودون الولي

''عالم برزخ میں نبوت کا مقام رسول سے ذرا اوپر اور ولی سے کم ہے۔''

اور یہ کہتے ہیں:

ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ولایت میں شریک ہوئے جو رسالت سے بہت بڑی ہے۔"

[الفرقان بین اولیاء الرحمٰن ص ۱٦۰]

اس کے بعد مولانا گوندلوی فرماتے ہیں:

اس بارے میں ذرہ برابر اخفاء نہیں رہ جاتا کہ بعض صوفی حضرات انبیاء کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہیں اور خود کو وہ کیا تصور کرتے ہیں:

امت مسلمہ کا عقیدہ ہے کہ عالم کائنات کے اتقیاء وصلحاء جمع ہو کر بھی ایک نبی کے مقام کو نہیں پہنچ سکتے لیکن دین صوفی میں امت مسلمہ کے اس اجتماعی اور متفق علیہ عقیدہ عقیدے کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ اگر وہ اس عقیدہ کو تسلیم کر لیتے تو تصوف کو کوئی جواز باقی نہ رہتا۔"

[ص: ۱۰۷_۱۰۸]

عبادات صوفیاء

انسان صرف عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾. [الذاریات: ٥٦]

"میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔"

اسلام نے توحید قبول کر لینے کے بعد سب سے زیادہ زور عبادت پر ہی دیا ہے اور صحابہ کرام فرماتے تھے۔

"جو ہم میں سے نماز نہ پڑھتا ہم اسے مسلمان نہیں سمجھتے تھے۔"

صوفی عبادت گزار ہونے کے اعتبار سے دو قسم میں منقسم ہیں ایک تو وہ گروہ ہے جو نماز روزہ وغیرہ کا سرے سے ہی قائل نہیں ایسے لوگ بہت کم ہیں اس صوفی کی نگاہ میں نہ علم کی قدر ہے نہ زہد کی وسعت، وہ وصول ہی کے قائل ہیں خود کو اہل حقیقت کہہ کر تکلفات شرعیہ سے جان چھڑاتے ہیں۔

مگر قرآن مجید بھی ملاحظہ ہو:

﴿مَا سَلَکَکُمْ فِیْ سَقَرَ. قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ﴾. [المدثر: ۴۲،۴۳]

''تمھیں دوزخ میں کسی چیز نے ڈالا وہ جواب دیں گے ہم نمازی نہ تھے۔''

رسول اللہ ﷺ بھی فرماتے ہیں:

''بے نماز قیامت کو فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوں گے۔''

صوفیا کا دوسرا گروہ اگر وہ نماز روزہ کا سخت پابند ہے لیکن ان کی عبادات کے طریقے صریحاً سنت کے خلاف ہیں جن میں انتہائی درجے کا غیر شرعی تکلف پایا جاتا ہے اور عبادات میں بہت سی چیزیں اپنی طرف سے زیادہ کرلی ہیں جن کا قرآن وسنت میں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیں:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

شیخ سراج سوختہ جب تک کعبہ کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ نہیں کر لیتے تھے اس وقت تک تکبیر تحریمہ نہیں کہتے تھے۔''

[اخبار الاخیار ص ۳۵۳]

مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ایسے سمجھئے کہ صوفی کے لیے ہندوستان سے لے کر مکہ مکرمہ تک کے تمام پردے دور کردیے جاتے ہیں اور وہ بیت اللہ کو سامنے رکھ کر نماز پڑھتے ذرا گہرائی میں اتریئے تو معلوم ہوگا کہ حقیقت میں یہ ایک افسانہ ہے ایسا دعویٰ نہ ہی کبھی رسول محترم نہ کیا اور نہ ہی صحابہ کرام سے اس کا ثبوت ہے صحابہ سے بڑھ کر کون ولی کون ہوسکتا ہے معراج سے واپسی پر جب مشرکین نے رسول اللہ ﷺ سے بیت المقدس کا نقشہ دریافت کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے سامنے بطور معجزہ بیت المقدس کو سامنے کردیا آپ نے ان کے تمام سوالوں کے جواب دیے یہ ۶۳ سالہ زندگی میں ایک ہی واقعہ ایسا پیش آیا لیکن اس صوفی کے لیے پانچوں وقت بیت اللہ سامنے آجاتا ہے۔''

[ص: ۱۱۲]

احرام وفواحش کا استباح

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ حلال اور حرام کو واضح کردیا ہے کہ کونسی چیز حلال ہے اور کونسی حرام لیکن صوفیا حضرات نے اپنا ہی ایک فارمولا ترتیب دیا ہوا ہے کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں حرام

ان کے نزدیک اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بلائے ہوئے قانون کوئی وقعت نہیں رکھتے۔ مولانا گوندلوی لکھتے ہیں:

''تصوف کے ذریعے بعض ایسی چیزوں کا استعمال ہونا شروع ہو گیا جو شرعی طور پر حرام تھیں یا حرام کے ضمن میں آتی ہیں خاص طور پر حشیش (بھنگ) جس کے دور اکثر مزاروں اور صوفیوں کی جھونپڑیوں میں چلتے نظر آتے ہیں جہاں تک راقم کا خیال ہے کہ حشیش کو صوفیا ہی نے دریافت کیا۔ اگر دیکھا جائے تو وجودیوں کے نزدیک حلال اور حرام دونوں میں برابر ہیں۔''

[ص ۱۱۶]

قوالی

صوفیا کے مذہب میں سماع (قوالی) کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے سوائے چند صوفیا کے باقی سب سماع کے قائل ہیں بلکہ اس پر جو نتائج مرتب ہوتے ہیں جیسا کہ حال پڑنا، وجد میں آنا، اور بے خود ہو جانا، ان کے نزدیک کشف کا ذریعہ ہے۔

صوفیا پر سماع کے وقت وجد کی جو کیفیت طاری ہوتی ہے یہ سب شیطانی حرکتیں ہیں اور ان کی یہ سب عبادتیں شیطانوں والی ہیں۔ ظاہر ہے کہ شیطان ایسے ہی قبیح اور شنیع افعال سے خوش ہوتا ہے بعض صوفی حضرات سماع کے دوران رقص بھی کرتے ہیں اور رقص کرتے کرتے ان کی حالت غیر ہو جاتی ہے یہ سب شیطانی ہتھکنڈے ہیں۔

صوفیا کے نزدیک وجد اور حال خدا تعالیٰ کے بھید اور اسرار ہیں جو ان کے گمان میں سماع کے وقت وجد کی حالت میں لکھتے ہیں عمرو بن عثمان مکی جو مشہور صوفی ہے کہتا ہے۔

وجد کی حالت الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی اس لیے کہ وجد کامل ایمان والوں کے نزدیک خدا تعالیٰ کا بھید ہے۔''

مولانا گوندلوی مرحوم فرماتے ہیں:

''غالباً یہی وجہ ہے کہ صوفیا ایسی کیفیت کو خدا کا چھپا ہوا بھید کہتے ہیں عبث اور بے فائدہ تصور نہیں کرتے بلکہ وہ اسے ذریعہ نجات تصور کرتے ہیں۔''

[ص: ۱۲۳]

اسلام اور قوالی

اسلام میں صوفیا کی قوالی اور سماع کا مباح ہونا تو دور کی بات ہے بلکہ اس کا تصور تک بھی موجود نہیں اور وہ تمام روایات جو سماع کے جواز کے لیے پیش کی جاتی ہیں وہ موضوع اور من گھڑت ہیں۔

[ص: ۱۲۵]

قوالی کا عقائد پر اثر

سماع، غنا اور قوالی سے ایمان کی قوت برباد ہو جاتی ہے جس سے خالص عقائد اور توحید کو شعوری حالت میں ختم کرنے کی پوری سعی وکوشش کی جاتی ہے پاکستان میں ریڈیو اور ٹی وی پر گائی جانے والی اکثر قوالیاں ایسی ہیں جن سے شرک کی صاف جھلک نظر آتی ہے بلکہ بعض قوالیوں میں تو بذات خود اللہ تعالیٰ (جو وحدہ لاشریک ہے) کی ذات کو تمسخر اور استہزاء کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو (معاذ اللہ) ایک گورکھ دھندا تصور کیا جاتا ہے۔ [ص: ۱۲۶]

قوالی کے درست ہونے کا اسلام میں کوئی تصور نہیں اسلام نے اس کو ''لہوالحدیث'' میں شمار کیا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾. [لقمان: ٦]

''اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو لغو باتوں کو مول لیتے ہیں کہ بے علمی کے ساتھ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہکائیں اور اسے ہنسی بنائیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔''

امام حسن بصری، علامہ ابن جریر، اور امام قرطبی رحمہم اللہ فرماتے ہیں:

''لہوالحدیث سے مراد گانا بجانا اور موسیقی ہے۔''

مولانا گوندلوی فرماتے ہیں:

یہ بات تو واضح ہوگئی کہ لہوالحدیث سے مراد گانا بجانا اور موسیقی کے آلات ہیں۔ جس کے استعمال پر اللہ تعالیٰ نے رسوا کن عذاب کی وعید سنائی ہے۔ موسیقی قوالی کا جزو ہے۔ کوئی ایسی قوالی نہیں جو بغیر موسیقی کے گائی جائے۔ اور یہی اس کے حرام ہونے کے لئے کافی ہے۔

[صفحہ: ۱۲۸]

نکاح سے اعراض

نکاح انبیاء کرام کی سنت ہے۔رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''نکاح کرنا میری سنت ہے جو نکاح سے اعراض کرتا ہے وہ ہم میں سے نہیں''

لیکن صوفیا میں بعض ایسے فرقے بھی پائے جاتے ہیں جو نکاح سے بیزار نظر آتے ہیں نکاح کی ان کی نگاہ میں کوئی حیثیت نہیں وہ اسے ایک آفت تصور کرتے ہیں۔اور یہ نظریہ رکھتے ہیں جس نے نکاح کیا اس نے اپنے ایمان میں کمی کردی شیخ عبدالحق دہلوی اپنی کتاب ''اخبار الاخیار'' میں لکھتے ہیں:

''شیخ عبداللہ بیابانی صوفی اپنے وقت کے بہت بڑے متقی بزرگ تھے تمام عمر تجرد میں بسر کی اگرچہ آپ نے جوانی میں شادی کی تھی لیکن جب دیکھا اس سے خدا کی عبادت میں فرق آتا ہے تو ہنسی خوشی بیوی سے الگ ہو گئے۔''

[اخبار الاخیار ص ۴۴۹]

اسلام کی رو سے نکاح کرنا بذات خود ایک عبادت ہے۔رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

النكاح نصف الایمان.

نکاح آدھا ایمان ہے۔

لیکن صوفیا کا ایک گروہ اس نصف ایمان کو عبادت کے منافی قرار دیتا ہے۔

نکاح سے اعراض کی وجہ

صوفیا نے نکاح سے اعراض کیوں کیا۔اس کے متعلق مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اہل تصوف نے اس سنت انبیاء سے کیوں نفرت کی اس کے مختلف اسباب ہیں۔ تصوف ہندومت اور عیسائیت کے خیالات فاسدہ کا ملغوبہ ہے۔اور ان دونوں مذہب والوں کے نزدیک تقرب الٰہی حاصل کرنے کے لیے دنیاوی نعمتوں سے بیزاری اور تجرد کی زندگی بہت ضروری ہے بلکہ رہبانیت کی بنیاد ہی عدم ازدواج کے فلسفہ پر رکھی گئی ہے کیونکہ وہ سمجھتے تھے انسان جب معاشرتی ازدواجی زندگی میں داخل ہوتا ہے تو روحانی زندگی سے محروم ہوتا چلا جاتا ہے ان کے اس فلسفہ کے مطابق گرجوں اور عبادت گاہوں کی خدمت کے لیے اکثر ایسے لوگوں کا انتخاب عمل میں لایا جاتا ہے۔جو تجرد کی زندگی

بسر کرنے کی نذر مان چکے ہوں اور آج تک یہ سلسلہ کارفرما ہے۔ آپ کو قلیل ہی بھی ایسے پادری نظر آئیں گے جو شادی کی نعمت سے بہرہ ور ہوں۔ اسی طرح حضرت مریم کے کنوار پن کو دلیل بناتے ہوئے عورتوں میں بھی اس نظریہ کی اشاعت ہونے لگی۔ اور بہت سی نوجوان عورتیں خود کو گرجوں کی نذر کر کے تجرد کی زندگی بسر کرنے لگیں۔ اسی طرح ہندوؤں میں بھی قدیم سے یہی رواج چلا آرہا ہے کہ جو تصوف کی منازل طے کرتا ہے وہ آبادیوں سے دور، جنگلوں کو اپنا مسکن بنا لیتا ہے۔ اور تمام زندگی ریاضتوں اور مشقتوں میں بسر کر دیتا ہے ہر وہ عورت جس میں نکاح کی مخالفت ہو یا نکاح کے فطرتی طریقہ پر قدغن لگانے کی کوشش کی جائے وہ سلام کی دعوت نہیں ہو سکتی۔ بلکہ نصرانیت ورہبانیت کی دعوت ہے اسلام نے نکاح کو رحمت اور مودت کا ذریعہ قرار دیا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اللہ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمھارے نفسوں ہی سے تمھاری بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کر سکو۔ اور تمھارے درمیان رحمت ومحبت پیدا ہو بلاشبہ اس میں غور وفکر کرنے والی قوم کے لیے نشانیاں ہیں۔''

[الروم:۲۱]

''عورتیں تمھارے لیے اور تم ان کے لیے۔''

[البقرہ: ۱۸۷]

اگر ترک نکاح کے نظریہ کو اپنایا جائے تو نسل ختم ہو جائے گی کیونکہ نسل نکاح کے ذریعے سے بڑھ سکتی ہے خود نکاح کے جو مخالف ہیں وہ تو اسی کی وساطت سے معرض وجود میں آئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

''دنیا تمام سامان ہے کیونکہ بہترین سامان نیک عورت ہے۔''

[مسلم]

مسلمانوں کو حکم دیا کہ زیادہ بچے پیدا کرنے والے خاندان کی عورت سے شادی کی جائے کیونکہ یہ بقائے نسل اور قوت اسلام کا ذریعہ ہے۔ ہر مذہب کو افراد کی ضرورت ہوتی ہے جس سے اس مذہب کا دفاع ہوتا ہے اسلام کو بھی ایسے نوجوانوں کی ہر دور میں ضرورت رہی ہے اور رہے گی جو تن من دھن قربان کرنا جانتے ہوں اور کرتے رہے ہوں معلوم ہوتا ہے کہ شادی بند تحریک کا مقصد اسلام کی قوت کو

مضمحل اورکمزور کرنا ہے نکاح نہ کرنے سے بہت سے مفاسد پیدا ہو سکتے ہیں وہ یہ کہ غلیان شہوت نوجوانوں کے لیے فطرتی امر ہے اسلام بلکہ دنیا کی تمام قوموں نے اس کا مداوا اورعلاج نکاح کے ذریعے کیا ہے لیکن جب ترک نکاح کے نظریہ کے مطابق اپنامداوا جائز محل میں نہ پاسکیں گے تو ظاہر ہے کہ وہ فطرتی رستہ چھوڑ کر غیر فطرتی رستہ پر چلیں گے جو روحانیت کے بجائے قوم کی ہلاکت اور بربادی کا باعث ہوگا ہاں یہ یادرکھیے جو بھی حدیث نکاح کی مذمت میں پیش کی جائے گی یقیناً وہ موضوع ہوگی۔ یاعکس المفہوم۔''

[ص ۱۳۴۔۱۳۵]

خاتمۃ البحث

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''تصوف کی بنیاد جھوٹی حکایات وروایات پر مبنی ہے ان لوگوں نے دل کھول کر رسول اللہ ﷺ کی طرف جھوٹی روایات منسوب کیں محدثین کرام نے ان کے اس جھوٹ کی وجہ سے ان سے بیزاری کا اظہار کیا ہے ان کی مشہور کتب موضوع روایات سے بھری ہوئی ہیں یہاں تک کہ انھوں نے اپنی عبادات مخصوصہ کے لیے بے شمار روایات جمع کیں۔ صلوۃ الرغائب، ہفتہ بھر کی مخصوص نمازیں، ہر ماہ کے شروع، وسط اور آخر میں خاص کیفیت والی نمازیں، نماز توبہ، گھر میں داخل ہونے کی نماز، نماز اشراق، پندرھویں شعبان کی مخصوص طریقہ کی نماز، ان کے خاص روزے، خاص عبادات، سب کی سب موضوع روایات کی بنا پر قائم کی گئی ہیں پھر یہاں ہی بس نہیں بلکہ انھوں نے صحابہ کرام کے مقابلہ میں چند افراد کو صحابیت کو درجہ دینے کی کوشش کی جو اپنے کذب وفجور میں لاثانی تھے۔

آپ اندازہ کیجیے جو لوگ خدا اور رسول پر جھوٹ باندھنے میں گریز نہیں کرتے۔ وہ لوگوں سے کیسے حق وصداقت کے ساتھ پیش آسکتے ہیں جن کی بنیاد جھوٹ پر ہو ان سے خیر وبرکت کی امید کیسے رکھی جاسکتی ہے حقیقت یہ ہے تصوف دین اسلام کے مقابلہ میں ایک الگ دین ہے جس کے عقائد اسلام کے عقائد سے مختلف ہیں۔''

[ص: ۱۳۵]

کتاب کا خاتمہ مولانا گوندلوی حضرت امام احمد بن حنبل کے اس قول سے کرتے ہیں:

''تصوف نہ صحابہ سے ملتا ہے نہ تابعین سے تم صوفیوں کی مجلس سے بچو۔''

یہ کتاب ۱۹۸٦ء میں جامعہ تعلیم القرآن والحدیث ساہووالہ ضلع سیالکوٹ نے شائع کی۔ صفحات کی تعداد (۱۳۷) ہے۔

بائبل اور توہین انبیاء علیہم السلام

۲۰۰۵ء کے آخری عشرہ میں یورپ کے بعض ممالک نے جس غلط انداز میں امام المرسلین، خاتم النبیین ﷺ کے خاکے شائع کیے ہیں۔ اس پر پورا عالم اسلام سراپا احتجاج ہے۔ ناموس رسالت ﷺ کے تقدس واحترام کی خاطر اٹھنے والی اس ولولہ انگیز تحریک میں کئی مسلم جوان اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر چکے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ ان کی قربانیوں کو قبول فرمائے۔ آمین) لیکن عالم نصرانیت عموماً اور خاکے شائع کرنے والے حضرات خصوصاً بڑی ڈھٹائی اور بے شرمی کے ساتھ اپنے فعل شنیع پر اڑے ہوئے ہیں۔

بلکہ اس کے جواز کے لیے آزادی رائے کو بہانہ بنایا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ اہل یورپ کے نزدیک توہین رسالت ﷺ کا کوئی قانون نہ ہو۔ کیونکہ وہاں تو بے مادر و پدر آزادی کی لہر پورے جوبن میں انگڑائی لے رہی ہے۔ جس میں انسانی اقدار کو اخلاقی باختگی کی بھینٹ چڑھا دیا گیا ہے تو ایسے بے لگام معاشرہ سے خیر کی توقع رکھنا عبث اور بے کار ہے۔

اہل کتاب کے متعلق اسلام کا میانہ رویہ اور ان کا اسلام کے بارہ میں معاندانہ رویہ بالکل ظاہر اور باہر ہے۔ جس میں کسی لمبی چوڑی تحقیق اور ریسرچ کی ضرورت نہیں۔ اسلام کو تو وہ اپنے نظریات پر تیشہ زنی سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اسلام نے ہی ان کی دین میں تحریفات اور اخلاقی باختگی کو عیاں کیا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ یہ لوگ حقائق کے سامنے سرخم تسلیم کر لیتے۔ اور اسلام کی سچی اور بااقتدار اور اخلاق کی حامل اعلیٰ تعلیم کو قبول کرتے ہوئے اپنے باطل نظریات اور بداعمال سے تائب ہو جاتے۔ لیکن انھوں نے معاملہ اس کے برعکس کیا۔ اور کائنات کی سب سے مقدس ہستی کے بارہ میں نہایت سوقیانہ انداز اپنایا۔ جو دو تہذیبوں کے درمیان تصادم کا پیش خیمہ ثابت ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی توہین

جناب رسول اللہ ﷺ کے بارہ میں توہین آمیز خاکے دراصل ان کی ذہنی عکاسی کی علامات

ہیں۔اس لیے کہ تاریخ میں جتنے بھی نامور یا مقدس اشخاص رسول اور انبیاء ہوئے ہیں۔انھوں نے کسی نہ کسی طرح ان تمام مقدس ہستیوں کی توہین کی ہے۔ بلکہ اسے اپنے مذہب کا حصہ قرار دیا ہے۔ان کی مذہبی کتاب بائبل (عہد نامہ قدیم، عہد نامہ جدید) نے کھل کر مقدس ہستیوں پر دست گیر کی ہے اورانہیں (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) کبائر کا مرتکب ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

ہر قوم اپنے معبود کو ہر قسم کے عیوب سے مبرا اور پاک سمجھتی ہے لیکن ان کا اپنے معبود کے بارہ میں نظریہ یہ ہے کہ جس معبود کا تصور اور خاکہ ہے وہ تھک بھی جاتا ہے۔عاجز اور درماندہ بھی ہے۔طاقتور کے مقابلہ میں ناکام اور اپنے محبوبان کو دھوکہ بھی دیتا ہے۔اوراس میں جہالت اور بے وقوفی جیسے عیوب بھی موجود ہیں۔اللہ تعالیٰ آرام کا محتاج ہے۔

پروفیسر علامہ ساجد میر حفظہ اللہ بائبل کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''کتاب پیدائش کے مطابق خدا نے زمین آسمان وغیرہ کی پیدائش کے کام کو ساتویں دن ختم کیا اور پھر ساتویں دن آرام کیا۔''

[پیدائش، باب ۲، فقرہ ۲]

موجودہ تحریف کر کے ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے:

''اور خدا نے اپنے کام کو جسے وہ کرنا تھا ساتویں دن ختم کیا۔اور اپنے سارے کام سے جسے وہ کر رہا تھا ساتویں دن فارغ ہوا۔درست ترجمہ وہی ہے جو بائبل کے قدیم نسخوں میں کیا گیا ہے اور جو کیتھولک بائبل انگریزی واردو میں اب بھی بحال رکھا گیا ہے۔''

[کیتھولک اردو بائبل، ص ۲، انگریزی بائبل، آر۔ایس۔وی ص ۲]

یہ ترجمہ خدا کے بارے میں تھک جانے اور آرام کی ضرورت کا محتاج ہونے کا تصور پیش کرتا ہے۔

[عیسائیت ص ۴۷۵]

تھکاوٹ کے بعد آرام اور پھر اس کے لیے نشاط ایک طبعی امر ہے اس لیے اس آرام کو مزید اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ آدم اور حوا نے خداوند خدا کی آواز جو ٹھنڈے وقت باغ میں ہوتا تھا سنی۔

[پیدائش، باب ۳۔فقرہ ۸]

معلوم یہ ہوا کہ بائبل کے نزدیک خداند کریم سیر بھی کرتا ہے اسے بھی ضرورت ہے کہ وہ ٹھنڈے وقت باغ میں چہل قدمی کرے۔

زور آزمائی

بائبل نے اللہ تعالیٰ کو جناب یعقوب علیہ السلام سے کشتی کرتے بھی دکھایا ہے:

''یعقوب (ندی کے پار) اکیلا رہ گیا اور پو پھٹنے کے وقت تک ایک شخص وہاں اس سے کشتی لڑتا رہا۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ اس پر غالب نہیں ہوتا تو اس کی ران کو اندر کی طرف سے چھوا اور یعقوب کی ران کی نس اس کے ساتھ کشتی کرنے میں چڑھ گئی اور اس نے کہا مجھے جانے دے کیونکہ پو پھٹ چلی۔''

[پیدائش، باب ۳۲، فقرہ ۲۴ تا ۲۶]

بلکہ بائبل کے شارح نے اسرائیل کا معنی خدا سے زور آزمائی کرنے والا ہے (خدا نے یعقوب سے فرمایا) تیرا نام آگے کو یعقوب نہیں بلکہ اسرائیل ہوگا۔ کیونکہ تو نے خدا اور آدمیوں کے درمیان زور آزمائی کی اور غالب ہوا۔

[پیدائش، باب ۳۲، فقرہ ۲۸]

بائبل کے اس اقتباس سے اللہ تعالیٰ کے بارہ میں ذہن میں جو تصور اجاگر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے ہی بعض کے ساتھ کشتی لڑی ہے اور پھر ساری رات یہ کشتی ہوتی رہی۔ لیکن غلبہ کی کوئی صورت سامنے نہ آئی۔ بالآخر پو پھٹنے کا بہانہ بنا کر اس کشتی کو ختم کیا۔ کیا خالق اور کسی مخلوق۔ اور پھر کس قدر خالق کی تکریم وتحریم۔

عاجز خدا

بائبل نے اللہ تعالیٰ کی عاجزی کا جو خاکہ پیش کیا ہے اس کی ایک جھلک تو آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ وہ تھک کر آرام بھی کرتا ہے پھر سیر بھی کرتا ہے اور رات بھر کشتی لڑنے کے باوجود غلبہ نہیں پاتا تو اس سے ایک بڑی بات یہ بھی ملاحظہ فرمایئے:

''اور خداوند یہوداہ کے ساتھ تھا سو اس نے کوہستانیوں کو نکال دیا پر وادی کے باشندوں کو نہ نکال سکا۔ کیونکہ اس کے پاس لوہے کے رتھ (لوہے کی دیسی گاڑیاں) تھے۔''

[قضاۃ، باب ا، فقرہ ۱۹]

اس اقتباس سے واضح ہے کہ طاقتور دشمن کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی مددگار ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ دشمن اپنے مشن میں کامیاب رہتا ہے کیا یہی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور طاقت کا خاکہ ہے۔

حکمت اور بے وقوفی

قرآن کریم کی رو سے اللہ کریم قادر مطلق ذات ہے جس کے جمیع امور حکمت پر مبنی ہیں۔قرآن کریم بار بار اعلان کرتا ہے۔علیم،حکیم،لطیف بالعباد،بائبل نے بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت اور دانائی کا تذکرہ کیا ہے لیکن ان الفاظ سے کہ جن کے سننے اور پڑھنے سے رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

موجودہ مسیحیت کا بانی پولس اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''خدا کی بے وقوفی آدمیوں کی حکمت سے زیادہ حکمت والی ہے اور خدا کی کمزوری آدمیوں کے زور سے زیادہ زورآور ہے۔''

[کرنتھیوں کے نام پولس کا پہلا خط باب ۱،فقرہ ۲۵ عہد نامہ جدید]

پولس کے اس قول پر غور کریں تو واضح ہو گا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف بے وقوفی اور کمزوری کو منسوب کیا ہے:

﴿فَتَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا﴾.

بائبل میں اللہ تعالیٰ کے بارہ میں اس قسم کی گستاخیاں متعدد مقامات پر مرقوم ہیں۔ہمارا مقصد ان کا بالاستیعاب ذکر کرنا نہیں ہے بلکہ آئینہ دکھانا ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے بارہ میں کس قسم کے نظریات رکھتے ہیں۔اور ان کی مذہبی کتاب کیسے ان کی رہنمائی کرتی ہے کہ رب قدیر کو عاجز اور اللہ حکیم وخبیر کو بے وقوف وجاہل اور طاقتور کے مقابلہ میں ایک کمزور معبود کا تصور پیش کرتی ہے۔نزول قرآن کے وقت بھی یہ لوگ بسا اوقات اس طرح کی مذبوحی حرکات کا ارتکاب کرتے تھے۔ان کی ایک ایسی حرکت کا قرآن کریم نے ان الفاظ میں تذکرہ کیا ہے۔

﴿لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ﴾.

[آل عمران:۱۸۱]

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بات سن لی جنھوں نے کہا اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں۔''

یہ آیت یہود کے بارہ میں نازل ہوئی کہ فنحاص نامی شخص جو اس وقت یہودیوں کا بہت بڑا عالم تھا۔اور اپنے مدرسہ میں تقریر کر رہا تھا کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کے منہ پر تھپڑ رسید کیا۔فنحاص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس نے بہت بڑی

بات کہی ہے یہ کہتا ہے اللہ فقیر اور ہم مالدار ہیں۔تو اس پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔اس کے قریب قریب اس آیت کا شان نزول ابن عباس سے بھی مروی ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا:

افتقر ربك يسأل عبده.

[اسباب نزول سیوطی]

''تیرا رب محتاج ہو گیا ہے اپنے بندوں سے مانگتا ہے۔''

تو اس لیے اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل کی اور فرمایا:

﴿سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ﴾. [آل عمران:۱۸۱]

''اور جو انہوں نے بلاوجہ انبیاء کا قتل کیا ہے اسے بھی جلد کھوالیں گے اور ہم کہیں گے تم جلا دینے والا عذاب چکھو۔''

توہین انبیاء علیہم السلام

ظاہر ہے جس قوم نے اللہ تعالیٰ کی توہین کی ہے۔انبیاء کرام کی توہین تو ان کے اعتقادات میں قدرے آسان ہوگا۔بائبل ان مقدس ہستیوں کے باروں میں بڑا توہین آمیز نظریہ رکھتی ہے اور بسا اوقات تو ان کو عام انسانوں کی سطح سے بھی گرا ہوا ثابت کرتی ہے۔ان کو عقل وشعور سے خالی گردانتی ہے۔اور ان کی طرف اکبر الکبائر کے ارتکاب کا انتساب کرتی ہے۔

اول تو اللہ تعالیٰ کے جو منتخب اور مقرب بندے ہیں ان کے بارہ میں یہ مؤقف پیش کرتی ہے:

''خداوند تعالیٰ نے دنیا کے بے وقوفوں کو چن لیا کہ حکیموں کو شرمندہ کرے۔''

[کرنتھیوں، باب ا، فقرہ ۲۷]

اگر جواب میں کہا جائے کہ یہاں تو صراحۃً انبیاء کو ذکر نہیں تو اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ اپنی ہدایت اور حکمت کے لیے انبیاء کا ہی انتخاب کرتا ہے لہٰذا اگر اس فقرے کو عام رکھنا ہے تو بلاشبہ اس میں انبیاء علیہم السلام بالاولی شامل ہیں۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا اصل انتخاب تو انبیاء کرام ہی ہوتے ہیں۔

سیدنا نوح علیہ السلام پر الزام

موجودہ بائبل کہتی ہے:

”نوح کاشتکاری کرنے لگا اور اس نے ایک انگور کا باغ لگایا اور اس نے اس کی مے (شراب) پی اور اسے نشہ آیا اور وہ اپنے ڈیرے میں برہنہ (ننگا) ہو گیا اس کے بیٹے خام نے اپنے باپ کو برہنہ دیکھا۔“

[پیدائش۔ باب ۸، فقرہ ۲۰ تا ۲۲]

سیدنا نوح علیہ السلام پہلے اولوالعزم رسول ہیں ان کے بارہ میں ایسا تصور محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ راست باز بندہ اس قسم کی مے کا روسیاہ ہو جس سے عقل اور شعور ختم ہو جائے۔ اور وہ نشہ کی طغیانیوں میں بہہ کر اپنی ہی اولاد کے سامنے برہنہ ہو گئے ہوں۔ معاذ اللہ من ذلک

سیدنا لوط علیہ السلام پر زنا کا الزام

بائبل نے بعض انبیاء کرام جن میں سیدنا لوط اور سیدنا داود علیہما السلام ہیں۔ ہر حالت شعوری یا غیر شعوری میں زنا کا ارتکاب کا الزام لگایا ہے۔ سیدنا لوط علیہ السلام جو سیدنا ابراہیم کے بھتیجے تھے اور ایک قوم سدوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ جب ان کی قوم ایمان نہ لائی اور لواطت کی خباثت جس میں وہ من حیث القوم مستغرق تھے سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل کیا۔

جس سے پوری قوم تباہ ہو گئی۔ صرف چند ایماندار جو نزول عذاب سے پہلے جناب لوط علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کر گئے تھے محفوظ رہے۔ ان میں ان کی دو بیٹیاں بھی تھیں جنھوں نے اپنے باپ کے ساتھ ہجرت کی۔ اس ہجرت کے بعد کے واقعہ کو بائبل نے بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے:

”جناب لوط علیہ السلام اپنی ان بیٹیوں کے ساتھ ایک غار میں رہنے لگے۔ ان دونوں بہنوں نے ایک پروگرام بنا کر کہ ہم اپنے باپ کو شراب پلا کر اس کے ساتھ ہم آغوش ہوں تا کہ ہمارے باپ کی نسل ختم نہ ہو جائے۔ چنانچہ ان دونوں نے اپنے باپ کو شراب پلائی اور ان میں جو بڑی تھی وہ اپنے باپ کے ساتھ ہم آغوش ہوئی اور دوسرے دن پھر شراب پلائی تو دوسری بھی ہم آغوش ہوئی اور لوط کی یہ دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے

حاملہ ہوئیں۔اور پھران دونوں میں سے بڑی کے بطن سے بیٹا اور چھوٹی کے بطن سے بیٹی پیدا ہوئی جن کی آج تک نسل باقی ہے۔''

[پیدائش، باب ۱۹، فقرہ ۳۰ تا ۳۸]

گواس داستان میں یہ تاثر دیا گیا ہے کہ جناب لوط علیہ السلام سے یہ کام غیر شعوری حالت میں ہوا لیکن ان کی بیٹیوں کوتو پورا شعور تھا جنھوں نے اس پروگرام کی پلاننگ اور منصوبہ بندی کی تھی۔

اس طرح کا ایک حالت غیر شعوری کی آڑ میں یہوداہ کے بارہ میں بائبل واقعہ نقل کرتی ہے:

''تمر نامی عورت جو یہوداہ کی بہو تھی اس کے ساتھ مباشرت کی اور وہ اس سے حاملہ ہو گئی۔''

[پیدائش، باب ۳۸، فقرہ ۱۸]

گو یہوداہ نبی نہ تھے لیکن بنی اسرائیل کے ایک قبیلہ کے وہ جد امجد ہیں اوران کے ہاں نہایت معزز اور قابل تکریم ہیں۔ان کے بارہ میں ایسا سوقیانہ واقعہ منسوب کرنا یقیناً ان کے ذہن کی عکاسی ہے کہ یہ اپنے معززین کے بارہ میں کس قسم کے خیالات رکھتے ہیں۔

بائبل اور سیدنا داود علیہ السلام

سیدنا داود علیہ السلام عظیم رسول تھے جن کے بنی اسرائیل پر بہت احسانات ہیں۔جس قدر اسرائیل کو جناب داود علیہ السلام کے عہد میں شان وشوکت ملی تھی اس سے پہلے نہیں تھی۔ان حضرات نے اپنے اس عظیم محسن کے بارہ میں جو رویہ اپنایا ہے اوران کے متعلق جو یاوہ گوئی کی ہے بلکہ اسے اپنے تاریخ کا حصہ بنایا ہے۔اسے احسان فراموشی کی بدترین مثال قرار دیا جاسکتا ہے۔بائبل کہتی ہے:

''ساؤل کی بیٹی میکل داود کے استقبال کو نکلی اور کہنے لگی اسرائیل کا بادشاہ آج کیسا شاندار معلوم ہوتا تھا۔جس نے آج کے دن اپنے ملازموں کی لونڈیوں کے سامنے اپنے کو برہنہ کیا جیسے کوئی بانکا بے حیائی سے برہنہ ہوجاتا ہے۔''

[سموئیل، باب ۶، فقرہ ۲۱]

اس فقرے میں تو سیدنا داود علیہ السلام کو عام عورتوں کے سامنے برہنہ دکھایا گیا ہے آگے چل کر بائبل ان کی طرف سے بڑے جرم کو منسوب کرتے ہوئے کہتی ہے:

''اوریاہ نامی ایک شخص کی بیوی کو داود علیہ السلام نے اپنے محل کی چھت کے اوپر سے دیکھا جو

نہار رہی تھی اور وہ عورت نہایت خوبصورت تھی بس پھر کیا تھا داود علیہ السلام نے اسے اپنے شاہی محل میں بلا کر اس سے صحبت (زنا) کی جس سے وہ حاملہ ہوگئی۔ پھر جب داود علیہ السلام کو اس کے حمل کی خبر ہوئی تو دھوکے اور فریب سے اس کے خاوند کو ایک گھمسان کی جنگ میں سب سے آگے بھیج کر قتل کروا دیا۔ اور پھر اس عورت کو بیوی بنا کر مستقل اپنے پاس رکھ لیا۔ اس سے پھر ایک لڑکا پیدا ہوا۔''

[سموئیل نمبر۲، باب ۱۱، فقرہ ۲]

''اور جو بیٹا پیدا ہوا وہ جناب سلیمان علیہ السلام تھے۔''

[سموئیل، باب ۱۲، فقرہ ۲۴]

کسی ڈھٹائی کے ساتھ ایک مقدس ہستی پر اجنبی عورت کا ورغلانے اور اس سے پھر زنا کا ارتکاب کرنے اور پھر اس کے بطن سے نبی سلیمان کا پیدا ہونے کا الزام عائد کرتی ہے۔

سموئیل اور سلاطین کے مطالعہ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ بدکاری کی یہ خرابی صرف جناب داود علیہ السلام تک محدود نہ تھی بلکہ ان کی اولاد میں سے بھی بعض اس کے مرتکب تھے۔

''ان کے ایک بیٹے امنون نے اپنی ہی بہن سے زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ جس کی خبر داود علیہ السلام کو ہوئی تو انھوں نے صرف غصے کا اظہار کیا تھا۔''

[سموئیل۲، باب ۱۳، ملاحظہ ہو]

ہارون علیہ السلام پر شرک کا الزام

بائبل نے ان مقدس ہستیوں پر محض اخلاق باختگی کے الزام نہیں لگائے۔ بلکہ انبیاء کا اصل مشن توحید ہے اس پر بھی قدغن لگانے میں کوئی کمی نہیں کی۔ حضرت ہارون علیہ السلام پر بچھڑا بنانے اور اس کی عبادت کرنے کا الزام عائد کیا ہے:

''ہارون نے بچھڑا بنا کر کہا: اے اسرائیل یہی تیرا دیوتا ہے جو تجھ کو ملک مصر سے نکال کر لایا۔ یہ دیکھ کر ہارون نے اس کے آگے ایک قربان گاہ بنائی اور اس نے اعلان کر دیا کہ کل خداوند کے لیے عید ہوگی۔''

[خروج، باب ۳۲، فقرہ ۲ تا ۶]

قرآن کریم نے مختلف مقامات پر بچھڑے کے اس واقعہ کو بیان کیا اور اس کے بنانے کا انتساب

سامری کی طرف کیا ہے اور جناب ہارون علیہ السلام کی برأت کی ہے۔[سورۃ طہٰ:۹۰تا۹۶]

اور یہ حق ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جلیل القدر رسول اس الزام سے قطعی بری ہے کسی رسول نے کبھی شرک کا ارتکاب نہیں کیا۔

سلیمان علیہ السلام کا شرک کرنا

جناب سلیمان علیہ السلام اسرائیل کے عظیم محسن تھے جن کے عہد میں اسرائیل کی شان وشوکت افلاک کی بلندیوں کو چھور ہی تھی لیکن یہودیوں نے ان کو جادوگر کے رنگ میں پیش کیا ہے کہ وہ جادو کے ذریعے حکومت کرتا تھا اور پھر اس پر ہی بس نہیں بلکہ اس جلیل القدر رسول کو مشرک بھی قرار دیا ہے۔

چنانچہ بائبل کہتی ہے:

''سلیمان فرعون کی بیٹی کے علاوہ بہت سی اجنبی عورتوں سے یعنی موآبی، عمونی، ادومی، صیدانی اور حتّی عورتوں سے محبت کرنے لگا۔ سلیمان ان کے ہی عشق کا دم بھرنے لگا اور اس کے پاس سات سو شہزادیاں اس کی بیویاں اور تین سو حرمیں تھیں اور اس کی بیویوں نے اس کے دل کو پھیر دیا کیونکہ جب سلیمان بوڑھا ہو گیا تو اس کی بیویوں نے اس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کر دیا۔ اور اس کا دل خداوند اپنے خدا کے ساتھ کامل نہ رہا۔''

[سلاطین، باب ۱۱، فقرہ ۱ تا ۵]

کس قدر واضح حکم لگا دیا کہ جناب سلیمان علیہ السلام معاذ اللہ آخری عمر میں مشرک ہو گئے تھے بائبل میں ان کی طرف منسوب کتاب ''غزل الغزلات'' پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب سلیمان علیہ السلام عشق کے مریض حسین عورتوں کے دلدادہ تھے اور وہ ان کے ہی حسن کے اوصاف ہی گنواتے رہے۔

مسیح علیہ السلام اور اخلاق حسنہ

اہل اسلام اس پر متفق ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام اخلاق وکردار کا اعلیٰ نمونہ ہوتے ہیں ان کا اخلاق اور کردار اقوام کی اعلی تہذیب کے بنانے میں بنیادی رول ادا کرتا ہے۔ مگر عہد نامہ جدید ایک طرف تو جناب مسیح علیہ السلام کی اخلاق کے بارہ میں عمدہ تعلیم کا دعوی کرتا ہے تو دوسری جناب مسیح علیہ السلام کے قول وعمل کو ذکر کرنے کی باری آتی ہے تو ان کے اخلاق کو نہایت سطحی اور سفلی الفاظ سے بیان کرتا ہے۔

اس دور کے فقہاء کو جناب مسیح علیہ السلام نے کہا اے ریا کارو! اے احمقو اور اندھو! اور کبھی ان کو اے سانپو! اسے ارفعی کے بچوں سے اور کبھی سور اور کتوں کے الفاظ سے مخاطب کیا ہے۔ دیکھیے متی باب ۲۱ باب ۲۳ تک۔

یہ تو وہ فقہاء تھے جو ان کی اپنی قوم بنی اسرائیل کے تھے۔ اور تورات کے عالم اور فاضل تھے ایک غیر خاندان کی کنعانی عورت علاج کی غرض سے جناب مسیح علیہ السلام کے پاس آتی ہے تو اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

''لڑکوں کی روٹی کتوں کو ڈال دینی اچھی نہیں۔''

[متی باب ۲۵، فقرہ ۲۶]

یہ اور قسم کے متعدد فقرات جن سے واضح ہوتا ہے کہ انجیل مقدس (عہد نامہ جدید) مسیح علیہ السلام کو عمدہ اخلاق کا حامل قرار نہیں دیتی بلکہ اخلاق میں ایک عام آدمی سے بھی بہت پست پیش کرتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق رویہ

مذکورہ بالا بحث سے یہ تو واضح ہو گیا ہے کہ اہل کتاب کے ہاں مقدس ہستیوں کا کوئی تقدس نہیں ہے۔ ان کے اسلاف نے اپنے ہر بزرگ پر الا ماشاء اللہ کوئی نا کوئی اخلاقی الزام عائد کیا ہے حالانکہ وہ ان کو اپنا سمجھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ان کے لیے صرف بیگانہ تھے۔ لیکن ان کی نظروں میں وہ ان کے مذہب کو ختم کرنے کا عندیہ رکھتے تھے۔ اس لیے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عداوت اور دشمنی میں تمام حدود پھلانگ دیں اور ساری مخلوق میں سے مقدس ترین ہستی سے استہزاء اور توہین کے مشغلہ کو اپنایا۔ کبھی چرواہا کہتے، اور کبھی چار آنکھوں والا اور کبھی اس سے بھی سنگین اور فحش مذاق کرتے حتیٰ کہ موقع پا کر آپ کو زہر سے قتل کرنے کی سازش کی۔

اللہ تعالیٰ نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اَذًى كَثِيْرًا﴾. [آل عمران: ۱۸۶]

''بلاشبہ تم یہود ونصاریٰ اور مشرکوں سے بہت سی تکلیف دہ باتوں کو سنو گے۔''

ان کی اسی قسم کی تکلف دہ باتوں پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا

يُنصَرُونَ﴾. [آل عمران:١١١]

’’تم کو ان کی ایسی سازشیں تکلیف تو دیتی ہوں گی اگر وہ تم سے قتال کریں یا پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر ان کی مدد نہ کی جائے گی۔‘‘

توہین کے اسباب

ان کے اس توہین آمیز رویے کا اصل مقصد لوگوں کو دین حق سے پھیرنا ہے آغاز اسلام سے لے کر آج تک ان کی یہی کوشش ہے کہ لوگ اسلام کو ترک کر دیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی عداوت کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم﴾. [البقرة: ١٠٩]

’’بہت سے اہل کتاب یہی چاہتے ہیں کہ تم کو تمھارے ایمان سے پھیر کر کافر بنا دیں اپنے نفسوں میں حسد کرتے ہوئے۔‘‘

اسی پروگرام کے تحت لوگوں کو اسلام سے متنفر کرتے رہتے ہیں ہر دور میں اسلام کے متعلق شگوفے چھوڑتے رہتے ہیں جیسا کہ آج کے دور میں دہشت گردی کا راگ آلاپا جاتا ہے۔ دراصل یہ بھی اسلام سے متنفر کرنے کا ایک بہانہ ہے۔ ورنہ یہی تو آج دہشت گردی کے نام پر مسلمانوں کا بے محابا خون بہا رہے ہیں سب سے بڑے دہشت گرد ہیں۔

ترک موالات

اس حساس دور میں جب مسلمان اپنے کمزور حکمرانوں کی بے بسی کی وجہ سے ہر سو خطرات میں گھرے ہوئے ہیں آج بھی ہمارے لیے قرآن کریم کی تعلیم مشعل راہ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ وَ اتَّقُوا اللَّهَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾. [المائدة:٥٧]

’’اے ایمان والو! تم اہل کتاب اور کافروں میں سے ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جنھوں نے تمھارے دین کو مذاق پکڑا۔ اس لیے کہ یہ کبھی مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے۔

بظاہر یہ دوستی کا جو دم بھرتے ہیں وہ محض اپنے مفاد کی خاطر ورنہ ان کا دل کبھی اسلام اور مسلمانوں پر راضی نہیں ہوسکتا۔''

﴿هَاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ﴾. [آل عمران:۱۱۹]

''تم ان سے جتنی چاہو محبت کرو ان کے ساتھ دوستی کے دم بھرو پھر بھی ان کا غصہ تمہارے بارہ میں کبھی ٹھنڈا نہیں ہوتا۔''

﴿وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ﴾. []

''جب وہ تنہائی میں ہوتے ہیں تو تم پر غصے کی وجہ سے اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں۔''

ان کی وہ کیفیت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے تفصیل سے بیان کر دیا ہے لہٰذا امت مسلمہ کی بہتری یہی ہے کہ یہود و نصاریٰ کو اپنا دشمن سمجھتے ہوئے ان سے ترک موالات کریں۔

غیر اللہ کو پکارنا

مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''اسلام کی اولین اصل ''عقیدہ توحید'' ہے۔ اس عقیدہ کے اندر مسلمانوں کی تمام روح حیات مضمر تھی۔ اور اسی روح نے ان کو دائمی زندگی کی خوشخبری سنائی تھی لیکن مسلمانوں نے سب سے زیادہ اسی عقیدہ سے انحراف کیا حتی کہ آج اس سے بڑھ کر اور کسی اعتقاد میں وہ تجدید دعوت کے محتاج نہیں ہیں جس طرح عقیدہ توحید کے معنی یہ نہ تھے کہ مشرکین مکہ کی طرح زبان سے ایک صانع کل کا اقرار کر دیا جائے (لیقولن اللہ) لیکن اپنی عملی زندگی پر صدہا غیر الٰہی عبودیتوں کی لعنت بھی طاری کر لی جائے۔ اسی طرح توحید کی حقیقت کے ساتھ یہ ضلالت بھی جمع نہیں ہوسکتی تھی کہ ایک فاطر السموات والارض کی زندگی کا دعوی کر کے بہت سے خداؤں کے ماننے والوں کی طرح بہت سی جماعتوں اور شکلوں میں متفرق ہو جائیں۔ اعتقاد توحید کا اولین مطالبہ یہ تھا کہ تمام کرہ ارضی کی سعادت وہدایت کے لیے ایک ایسی امت عادلہ تیار ہو۔ جو تمام پچھلی قوموں کے برخلاف اپنے تمام عقائد و اعمال کے اندر جلوہ توحید رکھے۔ اس کا خدا ایک ہو، اس کا مبدہ حکم وسلطانی ایک ہو، اس کا مصدر امر و نہی ایک ہو، اس کا قبلہ ایک ہو، اس کا نام

ایک ہو، اس کے خصائص واعمال ایک ہوں یعنی جس طرح اس کا خدا وحدہ لاشریک ہو اسی طرح اس کا قرآن بھی اپنی ہدایت میں اس کا رسول بھی اپنی تعلیم کتاب وحکمت میں وراس کی امت بھی اپنے خصائص ومحامد ووحدت ویگانگت میں وحدہ لاشریک ہو ﴿ ان هذه امتكم امة واحده وانا ربكم فاتقون ﴾.

[ارکان اسلام ص ۱۸]

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ نزدیک ہے وہ محض اپنے فضل وکرم سے بغیر کسی وسیلہ، واسطہ اور ذریعہ کے سب کی پکار سنتا ہے۔ سب کا نگہبان ہے ہر جگہ ہر حال میں حاضر وناظر رہنا اور ہر چیز کی خواہ وہ دور ہو یا نزدیک، چھپی ہو یا کھلی، اندھیرے میں ہو یا اجالے میں، آسمانوں میں ہو یا زمینوں میں، پہاڑوں میں کی چوٹی پر، سمندر کی تہہ میں خبر رکھنا اسی کی شان ہے اگر کوئی کسی نبی، ولی، پیر یا شہید کے ساتھ ایسا عقیدہ رکھے۔ اٹھتے، بیٹھتے ہر دم اس کا نام جپے نزدیک یا دور سے اس کو پکارے۔ مصیبت کے وقت اس کی دہائی دے۔ دشمن پر اس کا نام لے کر حملہ کرے اس کے نام کا ختم پڑھے۔ اس کی صورت کا تصور باندھے۔ اس کو واقف راز خفی وجلی جانے وہ شخص مشرک ہو جاتا ہے یہ شرک فی العلم ہے۔

مالک حقیقی کا حال تو یہ ہے کہ وہ انسان سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾. [ق:١٦]

''ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے دل میں جو خیالات اٹھتے ہیں ان سے ہم واقف ہیں اور ہم اس کی رگ وجان سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔''

تمام نبی آدم ہیں افضل البشر، حضرات انبیاء کرام ہیں۔ اور تمام انبیاء میں افضل واکمل خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں اس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں ہے وہ اکیلا اور یکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتا ہے۔

﴿قُلْ اِنِّىْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا. قُلْ اِنِّىْ لَنْ يُّجِيْرَنِىْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا﴾. [الجن:٢١-٢٢]

''کہہ دیجیے! مجھے تمھارے کسی نفع ونقصان کا اختیار نہیں، کہہ دیجیے! کہ مجھے ہرگز کوئی اللہ سے بچا نہیں سکتا اور ہرگز اس کے سوا کوئی جائے پناہ بھی نہیں دے سکتا۔''

اس خدائی فیصلے کے مطابق جبکہ خود رسول اللہ ﷺ کو نفع ونقصان پہنچانے کی قدرت نہ ہوتو خود بخود ہے اور نہ قرآن کی بخشی ہوئی تو پھر کسی اور نبی، ولی، پیر، شہید، غوث وقطب کو کیا اختیار۔ جو کسی کی کوئی مشکل کشائی وحاجت روائی کر سکیں۔ ایمان دار کو سر تسلیم خم کرنے کے لیے تو یہ اٹل فیصلہ ہے۔

مذکورہ بالا آیات صاف الفاظ میں اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے (جو قادر و قیوم ہے) کسی اور کو نفع ونقصان پہنچانے کی قدرت نہیں ہے۔

مندرجہ ذیل آیات قرآن ہمیں یہ حکم دیتی ہے کہ جو چیزیں نفع ونقصان پر قادر نہیں ہیں ان کو کسی مقصد کسی کام کے لیے ہرگز مت پکارو۔ یہ شرک ہے۔

﴿وَ لَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَ لَا يَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾. [یونس:١٠٦]

''اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت مت کرنا جو تجھ کو نہ کوئی نفع پہنچا سکے اور نہ کوئی ضرر پہنچا سکے پھر اگر ایسا کیا تو تم اس حالت میں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔''

یعنی اگر اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبودوں کو آپ پکاریں گے۔ جو کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے پر قادر نہیں ہیں تو یہ ظلم کا ارتکاب ہوگا۔ ایمان دار کو سر تسلیم خم کرنے کے لیے یہ اٹل فیصلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو مدد کے لیے نہ پکارا جائے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾. [احزاب:٣٦]

''یاد رکھو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔''

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے مدد طلب کرنا یا کسی حاجت روائی کے لیے پکارنا، یہ سب شرک ہے اور شرک کو اللہ تعالیٰ نے ظلم عظیم فرمایا ہے شرک کی مذمت میں قرآن مجید بھرا ہوا ہے افسوس یہ ہے کہ ہم قرآن مجید میں غور نہیں کرتے۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو پکارتے ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غَافِلُوْنَ﴾ [احقاف:٥] ''وہ لوگ ان کی پکار سے بے خبر ہیں'' یہ لوگ قیامت تک بھی ان کی پکار کا جواب نہیں دے سکیں گے۔ وہ بالکل بے خبر ہیں۔

غیر اللہ کو پکارنا

مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ اس رسالہ کی تالیف کے بارے میں لکھتے ہیں:

''جامعہ اہلحدیث لاہور میں ''مجلس علمی'' کا اجلاس ہو رہا تھا تو ایک دوست نے ایک رسالہ دیا۔ تاکہ علمی طور پر اس کا جائزہ لیا جائے۔ اس کا عنوان ہے ''کیا یا رسول اللہ کہنا شرک ہے؟'' اس کے ٹائیٹل پر مؤلف کا نام ''علامہ فخر ظفر عطاری'' تحریر ہے اور مکتبہ کنز الایمان کندیاں سے طبع ہوا ہے۔ رسالے کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے کہ شدائد ومصائب کے وقت رسول اللہ ﷺ سے مدد طلب کرنی جائز ہے جیسا کہ اس رسالہ کے مؤلف نے خود بھی وضاحت کی ہے کہ اس رسالہ میں نداء یا رسول اللہ کے بارہ میں قرآن وحدیث کے دلائل اور فقہائے کرام کے نظریات بیان ہوئے ہیں اور پھر مزید توضیح کی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضور نبی ﷺ کی حیات ظاہری میں بھی اور بعد وفات بھی اس پر معمول رہا ہے (ص: ۵) ہم نے جب رسالے کا سرسری جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ مؤلف نے اسلام کے اساسی رکن عقیدہ توحید کو شرک میں بدلنے کی سعی نامشکور کی ہے مگر تعجب خیز بات یہ ہے کہ پورے رسالہ میں بطور دلیل کوئی آیت موجود نہیں ہے اور جو روایات لائے ہیں ان میں کوئی ایک بھی صحیح نہیں۔ بلکہ سب کی سب ضعیف ہیں حالانکہ متفقہ اصول ہے جس کو احناف بھی تسلیم کرتے ہیں کہ عقائد میں ضعیف روایت قابل اعتماد نہیں ہوتی بلکہ حنفی اصول کے مطابق ہر وہ روایت جو قرآن کریم کے خلاف ہے قابل قبول نہیں۔ موصوف نے جتنی روایات پیش کی ہیں وہ ضعیف ہونے کے باوجود قرآن کریم کے صریح نصوص کے خلاف ہیں لہذا وہ موصوف مذہبی اصول میں بھی قابل قبول نہیں ہیں۔

ہم نے اختصار کے ساتھ اس رسالہ کا علمی احاطہ کیا ہے اور عطاری صاحب کے مغالطات کو دلائل ونصوص کی روشنی میں طشت از بام کیا ہے اور اس کے ساتھ اس طائفہ کے بعد دیگر رسائل وکتب کو بھی مدنظر رکھا ہے اور کوشش کی ہے کہ شرک کے جواز میں یہ حضرات جتنے بھی مغالطات وشبہات پیش کرتے ہیں ان تمام کا ازالہ ہو جائے تاکہ توحید کی حقیقت پوری طرح عیاں ہو جائے اور اس معاملہ میں کوئی مغالطہ باقی نہ رہ

جائے۔''

[ص:۳-۴]

مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس رسالہ میں جو ذیلی عنوانات قائم کیۓ ہیں اس کی فہرست درج ذیل ہے۔

مقصد ندا، نداءلغیر اللہ اور نظریہ اسلام، الٰہ کا معنی، پکار بے فائدہ ہے، غیر اللہ کو پکارنے کا نقصان، قرآن کا چیلنج، ایک شبہ اور اس کا جواب، دوسرا شبہ اور اس کا جواب، دون اللہ کا معنی، پتھر کے الٰہ ہونے کا تصور، مستقل اور غیر مستقل، دعا اور عبادت، ماتحت الاسباب اور مافوق الاسباب، استغاثہ کے دلائل اور ان کا تجزیہ، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی نداء، حضرت زینب کی نداء، امام ابوحنیفہ کی نداء، امام زین العابدین کی نداء۔''

مقصد نداء

نداء سے کیا مراد ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے مؤلف (عطاری صاحب) رقمطراز ہیں:

''شیخ الاسلام شہاب علی انصاری سے پوچھا گیا کہ عوام الناس مصیبت کے وقت یا شیخ فلاں اور انبیاء، مرسلین اور صالحین کو پکارتے ہیں اور اسی طرح کلمات یا رسول اللہ، یا علی، یا غوث پکارتے ہیں کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اولیائے کرام انتقال کے بعد بھی مدد کرتے ہیں یا نہیں؟ آپ نے جواب دیا:

''بے شک انبیاء و مرسلین و اولیاء اور علماء کرام سے مدد طلب کرنا جائز ہے اور وہ انتقال کے بعد بھی مدد فرماتے ہیں۔''

عطاری صاحب لکھتے ہیں:

''اس سے فقط وہی انکار کرے گا جو ہٹ دھرم اور عناد پرست ہوگا اور ایسا شخص اولیائے کرام کی برکات سے محروم رہتا ہے۔''

مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''مولف کی اس تحریر سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں:

اولاً: رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کے ساتھ اولیاء اور بزرگ بھی شامل ہیں کیونکہ نداء کے معاملہ میں

رسول اللہ اور اولیاء کے درمیان عطاری صاحب نے کوئی فرق نہیں کیا۔

ثانیاً: انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیاء کو حاجت روا سمجھنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ مصائب، تکالیف اور شدائد کے وقت اگر ان کو پکارا جائے تو یہ ہماری حاجت روائی کرتے ہیں۔

مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لیکن مذکورہ بالا نظریات اسلام کے عین خلاف ہیں بلکہ یہ وہی نظریات ہیں جن کی اسلام نے کھلے بندوں تردید کی ہے اور اسی قسم کی نداء و پکار کو شرک قرار دیا ہے۔"

اللہ کریم فرماتے ہیں:

﴿وَمَن يَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُوْنَ﴾. [المؤمنون:١١٧]

"جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور الٰہ کو پکارتا ہے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اس کا حساب اس کے رب کے ہاں ہے بلاشبہ کافر فلاح نہیں پائیں گے۔"

مولانا گوندلوی مرحوم لکھتے ہیں:

"اس آیت میں دو باتیں واضح ہیں ایک تو اللہ کے ساتھ اوروں کو الٰہ پکارنے والے کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اور دوسری کہ اس طرح پکارنے والے نامراد ہیں جو فلاح اور نجات نہیں پائیں گے۔"

[ص:٥،٦]

پکار بے فائدہ ہے

اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کو پکارنے سے اس لیے منع فرمایا کہ تکلیف کا رفع کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا خاصا ہے اس میں کوئی شریک اور سہیم نہیں۔ قرآن مجید نے متعدد آیات میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ غیر اللہ کو پکارنا بے فائدہ ہے۔ اس سے کچھ حاصل نہیں ہوگا بلکہ دنیا و آخرت میں خسارہ ہی خسارہ ہوگا اور ایسے لوگ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ جو لوگ غیر اللہ کو پکارتے ہیں وہ ان کی پکار کو سنتے ہی نہیں اور وہ ان کو جواب کیسے دے سکتے ہیں جب سنتے ہی نہیں تو ان کی تکلیف کو کیسے دور کر سکتے ہیں اور ان کی حاجت روائی کر سکتے ہیں؟

مولانا گوندلوی فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو پکارا جاتا ہے وہ نفع اور نقصان کے مالک نہیں ہیں لہٰذا جب ان کو پکارنے سے کوئی نتیجہ اور مطلب حاصل نہیں ہوتا تو پھر ان کو بلا مقصد پکارنے کا فائدہ کیا یقیناً فائدہ تو کوئی نہیں البتہ شدید قسم کا نقصان ضرور ہے کہ پکارنے والا توحید اور ہدایت سے محروم ہو کر شدید گمراہی اور ضلالت میں پڑ جاتا ہے اس کا نتیجہ صرف عذاب الٰہی ہے۔

﴿فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ﴾.

[الشعراء:۲۱۳]

''تو اللہ کے ساتھ کسی کو الٰہ نہ پکارو پس تو عذاب والوں میں سے ہو جائے گا۔''

قرآن کا چیلنج

قرآن مجید نے متعدد بار کھلے الفاظ میں چیلنج کیا ہے کہ تم اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہو وہ محض باطل ہے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے۔

۱۔ بلاشبہ اللہ ہی حق ہے جس کو وہ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں وہ باطل ہے۔[لقمان:۳۰]

۲۔ جس کو وہ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں وہ باطل ہے۔ [حج:۶۲]

۳۔ کہہ دو تم اللہ کے علاوہ جن کو پکارتے ہو وہ تم سے تکلیف دور کرنے اور پھیرنے کا اختیار نہیں رکھتے۔ [بنی اسرائیل:۵۶]

۴۔ کہہ دو اللہ کے علاوہ جن کے بارہ میں تم گمان رکھتے ہو وہ آسمانوں اور زمین میں ایک ذرہ برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔ [سبا:۲۲]

مولانا گوندلوی لکھتے ہیں:

''ان تمام آیات سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی تکلیف دور کرنے کا اختیار نہیں رکھتا، اس موضوع پر اگر صرف آیات ہی جمع کر لی جائیں تو وہ ایک ضخیم کتاب بن سکتی ہے یہی وہ شرک ہے جس کی قرآن نے جابجا تردید کی ہے۔ بدقسمتی سے آج اس شرک میں بہت سے مسلمان گرفتار ہو چکے ہیں اور پھر حیرت کن بات یہ ہے کہ قرآن جسے شرک کہتا ہے یہ اس شرک کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ اس کو توحید سمجھ کر اپناتے ہیں۔''

[ص:۱۲]

ایک شبہ اوراس کا جواب

عطاری صاحب اپنے رسالہ کے صفحہ ۱۱ پر لکھتے ہیں:

بے شک انبیاء، مرسلین واولیاء اور علمائے کرام سے مدد طلب کرنا جائز ہے اور وہ انتقال کے بعد بھی مدد فرماتے ہیں۔

مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

یہ موصوف (عطاری صاحب) کا محض خیال ہے جس پر ان کے پاس کتاب وسنت سے کوئی ایک دلیل نہیں ہے بلکہ قرآن اس کے برعکس ناطق ہے اور اعلان کرتا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ بھی نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

۱۔ کہہ دو میں اپنے نفس کے نفع اور نقصان کا مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے۔[اعراف:۱۸۸]

۲۔ کہہ دو کہ میں اپنے نفس کے نقصان اور نفع کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے۔ [یونس:۴۹]

۳۔ کہہ دو بلاشبہ میں تمھارے نقصان اور نفع کا مالک نہیں ہوں۔ [جن:۲۱]

ان جملہ آیات سے واضح ہوا کہ جناب رسول اللہ ﷺ اپنی حیات مبارکہ میں بھی مافوق الاسباب کسی کے نفع اور نقصان کے مالک نہیں تھے۔ چہ جائیکہ آپ کی وفات کے بعد کوئی شخص آپ کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھے جس کا کتاب وسنت سے ثبوت نہیں ہے لہٰذا یہ محض شبہ ہے کہ انبیائے کرام اور اولیائے عظام مرنے کے بعد کسی کی حاجت روائی کر سکتے ہیں جس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

[ص:۱۳]

دوسرا شبہ اوراس کا جواب

ایک تقلیدی عالم کہتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا مشکل کشا ہونا ذاتی ہے اور بندے کا مشکل کشا ہونا عطائی ہے کیونکہ بندہ اگر کسی کی کوئی مشکل حل کرتا ہے یا حاجت پوری کرتا ہے تو اللہ کی دی ہوئی طاقت واختیار سے کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے کرتا ہے۔

[توحید اور شرک از کاظمی ص۱۴ بحوالہ غیر اللہ کو پکارنا از گوندلوی ص۱۴]

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی مرحوم فرماتے ہیں:

ہم کہتے ہیں یہ مغالطہ پہلے مغالطے سے بھی زیادہ خطرناک ہے اس لیے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف وہ بات منسوب کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمائی نہیں ہے اور یہی وہ مغالطہ ہے جس کی آڑ میں بہت سی مخلوق کو توحید سے پھیر کر شرک کی شاہراہ پر چلا دیا گیا ہے حالانکہ قرآن وحدیث میں کہیں مذکور نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کسی ایک کو حاجت روائی اور مشکل کشائی کی طاقت اور اختیار دیا ہے بلکہ اللہ کریم تو اس کے برعکس فرما رہے ہیں:

﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ﴾.[النحل:٦٢]

''کیا کوئی ہے جو پریشان حال کی پکار کا جواب دے جب وہ اس کو پکارے اور اس سے تکلیف دور کرے۔''

[ص:١٤]

ماتحت الاسباب اور مافوق الاسباب

عطاری صاحب اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں:

غیر اللہ کو مطلقا پکارنا منع نہیں ہے ورنہ کوئی شخص بھی شرک سے نہیں بچے گا نہ کوئی نبی، نہ کوئی صحابی، نہ ولی اور نہ کوئی مومن بلکہ ہر شخص کسی نہ کسی صورت میں دوسرے کو پکارتا ہے۔ [ص:٢٧]

مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

ان حضرات کا یہ مغالطہ اس لحاظ سے تو خطرناک ہے کہ یہ عوام میں تاثر دیتے ہیں کہ دیکھو ضرورت کے وقت فلاں کے پاس کیا نہیں جاتے۔ قرض لینا ہو تو کسی دوست کے پاس جاتے ہیں کھانا تیار کروانے کے لیے بیوی کا تعاون حاصل کرنا پڑتا ہے تو کیا یہ شرک ہے۔

ہم کہتے ہیں جب آدمی توحید سے تہی دامن ہوتا ہے تو پھر اس قسم کے وساوس اور مغالطات کا شکار ہوتا ہے یا پھر اس قسم کے مغالطات تب پیدا ہوتے ہیں جب نداء وپکار کی حقیقت کو نہ سمجھا جائے۔ یا پھر اغماض اور چشم پوشی کی جائے دراصل یہ لوگ ما

تحت الاسباب (جو آدمی کی طاقت اور دسترس میں ہو) اور مافوق الاسباب (جو طاقت اور دسترس سے باہر ہو) میں فرق نہیں کرتے۔ ظاہری اور امور حسیہ میں جو انسان کی طاقت میں ہوں۔ ان میں ایک دوسرے کی مدد کرنا، اس سے کسی کو انکار نہیں اور یہ شرک کے زمرہ میں آتا ہے۔ (وتعانوا علی البر والتقوی).

بیوی سے کھانا تیار کروانا ماتحت الاسباب میں ہے کہ بیوی کھانا تیار کرنے پر قدرت اور اختیار رکھتی ہے البتہ جب فوت شدہ بیوی سے اس کا تقاضا کرے گا تو شرک ہوگا۔ کیونکہ موت کے بعد کھانا تیار کرنا اس کی طاقت میں نہیں رہا۔ مافوق الاسباب میں کسی کو پکارنا شرک ہے کسی امر میں مدد طلب کرنا شرک ہے کیونکہ موت آنے کے بعد مرنے والے سے تمام ظاہری اسباب سلب ہو جاتے ہیں۔ اس کا دنیا اور اہل دنیا سے انقطاع ہو جاتا ہے اب وہ کسی کی قطعاً کوئی مدد نہیں کرسکتا۔ اور یہی صورت نزاع اور اختلاف کی ہے جس کو یہ حضرات درست مانتے ہیں اور ہم شرک کہتے ہیں۔

اگر کہا جائے کہ انبیاء اور اولیاء کا بعد از وفات بھی دنیا سے رابطہ رہتا ہے اور ان کی بدنی قوت موجود رہتی ہے بلکہ بقول بعضے پہلے سے بڑھ جاتی ہے تو لہٰذا ان کو نداء کرنا شرک نہ ہوا۔

ہم کہتے ہیں یہ مغالطہ پہلے مغالطوں سے بھی زیادہ خوفناک اور توحید شکن ہے اس پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ قرآن اس کے برعکس اعلان کرتا ہے۔

﴿وَمِن وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾. [المؤمنون:۱۰۰]

''اور ان کے پیچھے قیامت تک کے لیے پردہ ہے۔''

اور فرمایا:

﴿ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ. ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ﴾.

[المؤمنون: ۱۵۔۱۶]

''پھر تم ان کے بعد فوت کیے جاؤ گے پھر تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔''

ان آیات سے واضح ہوا بلکہ مرنے کے بعد ان کا دنیا سے یہ تسلیم کا تعلق ختم ہو جاتا ہے بلکہ اگر کوئی دنیا میں دوبارہ تعلق قائم کرنے کی تمنا اور آرزو بھی کرے تو اس کی آرزو پوری

نہیں ہوتی جیسا کہ صحیح احادیث میں ہے کہ شہداء اللہ تعالیٰ سے دنیا میں دوبارہ لوٹنے کی درخواست کرتے ہیں تو ان کی درخواست رد کر دی جاتی ہے لہٰذا یہ کہنا کہ فوت ہو جانے کے بعد انبیاء اور اولیاء کے دنیاوی اختیارات باقی رہتے ہیں غلط اور بلا دلیل ہے۔

موصوف کا یہ فرمانا کہ اگر غیر اللہ کو مطلقاً پکارنا شرک ہے تو اس سے کوئی بھی محفوظ نہیں رہے گا۔ محض مغالطہ ہے بات مطلق پکار کی نہیں کیونکہ مطلق پکار میں تو ماتحت الاسباب بھی آتا ہے بات مخصوص پکار کی جو مافوق الاسباب ہے کہ حوائج اور مشکلات میں اس کو پکارا جائے جو ان کے حل پر قدرت نہیں رکھتا ہم پوچھتے ہیں کہ کیا کسی نبی یا صحابی نے اپنی حوائج اور مشکلات، مصائب اور تکالیف کے حل کرانے میں مافوق الاسباب کبھی کسی کو پکارا تھا تو جواب نفی میں آئے گا۔ کیونکہ یہ تو شرک ہے۔ انبیاء اور اولیاء شرک کیسے کر سکتے ہیں اگر تمام مبتدعین حضرات مل کر بھی اس کا ادنیٰ سا ثبوت مہیا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکے کہ انبیاء میں سے کسی ایک نے اپنی حوائج اور مشکلات کے حل کرنے میں کسی فوت شدہ کو پکارا ہو۔ ولن تفعلوا۔

مقلدین کا ان مغالطات سے مقصود خالص توحید میں خلل ڈالنا ہے اور قرآن کریم کی صاف ستھری تعلیم کو گدلا کرنے کی جسارت ہے۔"

[ص ۲۰ تا ۲۳]

یہ رسالہ رمضان ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۰۰۱ء میں جامعہ تعلیم القرآن والحدیث ساہووالہ ضلع سیالکوٹ نے شائع کیا۔ صفحات کی تعداد (۳۱) ہے۔

طلاق کے متعلق رسائل

مسئلہ طلاق پر مولانا محمد یحییٰ گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ کے تین رسائل ہیں۔

۱۔ طلاق اور شریعت محمدیہ

۲۔ طلاق اور شریعت محمدیہ اشتہار پر ایک نظر

۳۔ تین طلاق تالیف مولانا محمد حیات تعلیق مولانا محمد یحییٰ گوندلوی

مذکورہ بالا رسائل کا تعارف کرانے سے قبل ضروری سمجھتا ہوں کہ لفظ "طلاق" اور اس کے متعلقہ

مسائل اور اقسام وغیرہ پر مختصر اروشنی ڈالی جائے۔

طلاق کا لفظی معنی اور مفہوم

لفظ طلاق ایک تو طلق سے مصدر ہے جس کے معنی آزاد ہو جانا ہیں اور یہ لفظ ''طَلْق'' سے اسم ہے اس اعتبار سے اس کے معنی آزاد کرنا ہوں گے۔

نکاح ایک شرعی معاہدہ ہے قرآن مجید نے اسے میثاق غلیظ (سخت قسم کا عہد) قرار دیا ہے۔ اور اس کے علاوہ قرآن نے نکاح کو بندھن اور گرہ بھی کہا ہے۔ طلاق اسی سخت عہد کو توڑ دینے اور بندھن وگرہ کو کھول دینے کا نام ہے چنانچہ طلق کے معنی طلاق دے دینا ''مُطَلَّقَةٌ'' طلاق دی ہوئی عورت، اس کی جمع ''مُطَلَّقَاتٌ'' ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اسلام میں طلاق کا جو نظام مقرر فرمایا ہے اس کی حکمتوں کا اندازہ دوسرے مذاہب کے ساتھ موازنہ سے ہو سکتا ہے۔

طلاق دوسرے مذاہب میں

طلاق کا رواج دوسرے مذاہب یعنی یہود، عیسائی، اور ہندوؤ مذہب میں بھی تھا لیکن ان کے طلاق دینے کا طریقہ ایک دوسرے سے مختلف تھا۔

یہود کے دین میں طلاق کی کھلی اجازت تھی اور اس کا اختیار صرف شوہر کو تھا اور طلاق تحریرًا دی جا سکتی تھی اور اس کے ساتھ مطلقہ زوج ثانی کے ساتھ نکاح وطلاق کے بعد بھی پہلے خاوند کے لیے حلال نہ ہو سکتی تھی۔ مزید اور کوئی پابندی نہ تھی لیکن بعد میں یہودیوں نے طلاق دینے پر بہت سی پابندیاں عائد کر دیں۔

عیسائی مذہب میں طلاق دینا حرام اور سخت گناہ تھا اور سوائے عورت کے زانیہ ہونے کے اور کسی صورت میں طلاق کی اجازت نہ تھی۔ دوسرے الفاظ میں عیسائی مذہب میں طلاق شجر ممنوعہ تھی۔ اگر کسی میاں بیوی میں ناچاقی ہو جاتی تو دونوں کی زندگی اجیرن ہو جاتی تھی اور ایک دوسرے سے خلاصی بہت ہی مشکل تھی شوہر یا بیوی کو طلاق بالکل اختیار نہ تھا بعد میں طلاق کا اختیار کلیسا کو دے دیا گیا۔ جب کلیسا کے پاس کوئی ایسا مسئلہ آ جاتا اور میاں بیوی کے درمیان ان بن ہو گئی ہے تو کلیسا تحقیق کے بعد اپنی صوابدید پر طلاق کا حکم جاری کرتا تھا۔ بعد میں کلیسا کی عدالتوں سے طلاق کے فیصلے عوامی عدالتوں میں

منتقل ہو گئے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”یورپ کی نشأۃ ثانیہ کے بعد عوام میں یہ تحریک پیدا ہوئی کہ طلاق کی ان ناروا پابندیوں کو اٹھایا جائے، بالآخر ایک انقلابی قدم اٹھایا گیا اور طلاق کا اختیار کلیسا کی عدالتوں سے اٹھا کے تمام ملکی عدالتوں کی طرف منتقل کر دیا گیا اور طلاق کے اعذار کی فہرست انتہائی طویل بنا دی گئی اور طُرّہ یہ کہ مرد کے علاوہ عورت کو بھی عدالت سے رجوع کر کے طلاق کا اختیار دیدیا گیا اور فریقین کے لیے محض ناپسندیدگی بھی طلاق کا قانونی جواز قرار پا گئی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب یورپ میں طلاق کی جتنی کثرت ہے اس کا مشرقی ممالک کے لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے اور رشتۂ نکاح ہر وقت علیٰ شرف الزوال رہتا ہے۔“

[احکام طلاق ص ۱۴]

ہندو مذہب میں بھی طلاق ممنوع رہی ہے۔ حتی کہ اگر عورت زنا کی مرتکب ہو جاتی تو اپنے مذہب سے خارج شمار کی جاتی، لیکن طلاق کی کوئی صورت نہ ہوتی۔ لیکن جب ہندوؤں نے اس حکم میں تنگی محسوس کی تو ان کے بعض فرقوں نے اس کی اجازت دی کہ ضرورت پڑنے پر شوہر اپنے پنڈت اور پروہت وغیرہ سے طلاق کے لیے رجوع کر سکتا ہے چنانچہ جنوبی ہندوستان میں اب اکثر فرقوں کے نزدیک طلاق کا سلسلہ ہے، جبکہ شمالی ہند میں اب بھی سوائے چند نیچ فرقوں کے طلاق کا رواج نہیں اور شرفاء کے نزدیک اس کو اب تک ناجائز سمجھا جاتا ہے۔

اسلام نے طلاق کا جو عادلانہ نظام مقرر کیا ہے وہ اس اِفراط وتفریط سے پاک ہے اسلام نے طلاق نہ حرام قرار دیا ہے اور نہ ہی اس کو بے لگام چھوڑا ہے اسلام نے طلاق کے بارے میں بڑے اچھے اور عمدہ اصول بنائے ہیں مثلاً

۱۔ اسلام نے نکاح سے پہلے مرد کو اجازت دی ہے کہ وہ اپنی مخطوبہ کو دیکھ لے، اس لیے کہ نکاح کے بعد وہ کسی قسم کا کوئی ایسا اعراض نہ کر بیٹھے جس سے طلاق کی نوبت نہ آئے۔

۲۔ معمولی معمولی باتوں پر طلاق کو پسند نہیں کیا گیا۔

۳۔ اگر میاں بیوی میں کسی وجہ سے اختلاف ہو گیا ہے تو اس اختلاف کو رفع کرنے کا کہا گیا ہے۔

۴۔ اگر اختلاف شدید ہو گیا ہے تو میاں بیوی کے اقرباء کو اختلاف رفع کرنے کا کہا گیا ہے۔

۵۔ اگر اصلاح کی کوششیں ناکام ہوگئی ہیں تو پھر طلاق کی اجازت دی گئی ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا گیا ہے:

((اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَی اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ اَلطَّلَاقُ)).[ابوداود ۱/۳۰۳]

''طلاق حلال ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔''

علمائے اسلام لکھتے ہیں:

''طلاق اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت مبغوض ومکروہ کام ہے جہاں تک ممکن ہو سکے اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اس مبغوض فعل کی نوبت اس وقت آنی چاہیے جب باہمی موافقت کے سارے امکانات ختم ہو چکے ہوں۔''

طلاق پر شیطان خوش ہوتا ہے

طلاق ایک ایسا ناپسندیدہ فعل ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے بھی پسند نہیں فرمایا اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

''ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھا دیتا ہے اور اپنے لشکروں کو بھیجتا ہے وہ لوگوں کو فتنے میں ڈالتے ہیں۔ شیطان کا سب سے زیادہ مقرب وہ ہوتا ہے جو سب سے زیادہ فتنہ انگیز ہو۔ ان میں سے ایک آتا ہے اور کہتا ہے میں نے ایسا ایسا کیا۔ شیطان کہتا ہے تم نے کچھ نہیں کیا۔ پھر ایک اور آتا ہے وہ کہتا ہے میں نے فلاں آدمی کو اس وقت چھوڑا جب میں نے اس کی بیوی سے اس کی تفریق کرا دی۔ شیطان اسے قریب بلا لیتا ہے اور کہتا ہے تم بہت اچھے ہو۔

اعمش کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ابلیس اس سے معانقہ کرتا ہے۔''

[کنز العمال ۹/۶۶۲]

عورت کے بغیر خاوند سے طلاق کا مطالبہ کرنا بہت بڑا جرم ہے

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو عورت بے ضرورت اپنے خاوند سے طلاق مانگے تو اس پر جنت کی خوشبو حرام

ہے۔"

[ابوداود ۱/ ۳۱۰، ترمذی ۱/ ۱۴۲]

طلاق دینے کا مسنون طریقہ

طلاق کا صحیح اور مسنون طریقہ جو قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے یہ ہے کہ عورت کو حالتِ طُہر میں، صرف ایک مرتبہ طلاق دی جائے۔ جس میں مجامعت نہ کی گئی ہو، اور یہ ایک طلاق دے کر چھوڑ دے۔ جب عدت گزر جائے تو یہی ایک طلاق رشتۂ زوجیت قطع کرنے کے لیے کافی ہو جائے گی۔ اور عورت آزاد ہو کر دوسرے شخص سے نکاح کر سکے گی۔

اس صورت میں شوہر کو یہ حق حاصل رہتا ہے کہ عدت کے گزرنے سے پہلے پہلے جب چاہے رجوع کر لے، اور اگر عدت گزر بھی جائے تو بھی دونوں کے لیے موقع باقی رہتا ہے کہ پھر باہمی رضا مندی سے دوبارہ نکاح کر لیں۔ اسی کو طلاقِ سنت کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جس قدر بھی طلاق دینے کے طریقے ہیں وہ سب طلاقِ بدعی میں داخل ہیں۔

[احکام طلاق ص ۲۲]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"سنت کے مطابق طلاق یہ ہے کہ آدمی ایک طلاق دینے پر اکتفا کرے، اگر دوسری طلاق دینے کا ارادہ ہو تو یا تو عدت کے اندر پہلے رجوع کرے پھر طلاق دے یا پھر عدت گزرنے کے بعد نکاحِ جدید کرے اور پھر ضرورت ہو تو طلاق دے۔"

[فتاویٰ ابن تیمیہ ۳۳/ ۷۲] [احکام طلاق ص ۳۰]

مصر کے مشہور محقق ڈاکٹر احمد الغندر لکھتے ہیں:

"اور اللہ نے تین دفعہ طلاق دینا مشروع کیا ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ ایک طلاق دے کر پھر رجوع کرے، پھر دوسری طلاق دے، پھر رجوع کرے، پھر تیسری طلاق دے، اور اس تیسری طلاق کے بعد رجوع نہیں ہے۔"

[الطلاق فی الشریعۃ الاسلامیۃ والقانون ص ۶۰] [احکام طلاق ص ۳۰]

شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"طلاق دینے کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ بیوی کو صرف ایک طلاق دی جائے، صحابہؓ کرام کا عمل بھی یہی تھا اور وہ اسی کو پسند فرماتے تھے، امت کے تمام فقہاء بھی اسی پر متفق ہیں کہ بہترین طریقہ یہی ہے، اس میں شوہر کے لیے ندامت کا اندیشہ بھی نہیں، عورت کو کم سے کم ضرر پہنچتا ہے اور اس کے بہترین طریقہ ہونے میں کسی کا اختلاف بھی نہیں ہے۔"

[احکام طلاق ص ۳۷]

بیک وقت تین طلاق دینا جائز نہیں

ایک وقت میں اکٹھی تین طلاق دینا قرآن کریم کے منشا کے خلاف ہے اس لیے ممنوع اور ناجائز ہے۔ شیخ الازہر اپنے فتاوٰی میں لکھتے ہیں:

"جو تین طلاقیں ایک مرتبہ دی جائیں ان سے ایک طلاق رجعی ہی واقع ہو گی اور مرد کو یہ حق ہو گا کہ وہ اپنی بیوی کو واپسی کے لفظ سے یا مخالطتِ خاصہ کے ذریعے واپس لے لے۔"

[الفتاوٰی ص ۳۰۶ بحوالہ احکام طلاق ص ۶۷]

علامہ سید رشید رضا نے بھی اسی رائے کا اظہار فرمایا ہے۔

[المنار ۹/۶۸۳]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"بیک وقت تین طلاقیں واقع نہیں ہوں گی صرف ایک واقع ہو گی سلف میں سے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک بڑے گروہ مثلاً زبیر بن عوام، عبدالرحمٰن بن عوف، علی، ابن مسعود، ابن عباس رضی اللہ عنہم اور دوسرے بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ امام داود ظاہری، اور ان کے اکثر اصحاب کا قول بھی یہی ہے ابوجعفر محمد باقر، علی بن حسین اور ان کے صاحبزادے جعفر صادق کا مسلک بھی یہی ہے اس لیے بعض شیعہ نے بھی یہی مسلک اختیار کیا ہے۔"

[حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ اردو ص ۶۲۶ مطبوعہ المکتبۃ السلفیہ لاہور ۱۹۹۴ء]

لیکن اس کے بعد اختلاف اس امر میں ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن کریم کے منشاء کے خلاف

ایک ممنوع اور ناجائز فعل کا ارتکاب کر کے بیک وقت تین طلاقیں دیدے تو کیا تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ اور بیوی مطلقاً حرام ہو جائے گی۔ کہ اس کے بعد نہ شوہر کو رجوع کا حق حاصل رہے گا اور نہ وہ اس سے از سر نو نکاح کر سکے گا تا آنکہ اس عورت کا نکاح کسی دوسرے مرد سے ہو جائے اور وہ بھی اسے طلاق دے دے۔ یا صرف ایک طلاق رجعی واقع ہو گی۔

اس کے جواب میں شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مسلک یہ ہے کہ تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور بیوی مطلقاً حرام ہو جائے گی، اب وہ کسی دوسرے مرد ہی سے شادی کر سکتی ہے۔ لیکن امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی رائے اس کے خلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ تین طلاقیں واقع نہیں ہو سکتیں، صرف ایک رجعی طلاق واقع ہو گی، شوہر کو حق ہے کہ عدت کے دوران طلاق سے رجوع کر لے اور اگر عدت گزر چکی ہے تو وہ اس سے از سر نو نکاح کر سکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ایک ایک روایت بھی اسی کے مطابق ہے۔"

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ﴾.

یہ سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۲۲۹ ہے۔ اس کا ترجمہ ہے:

"یہ طلاقیں دو مرتبہ ہیں پھر یا تو اچھائی سے روکنا یا عمدگی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔"

"حق تعالیٰ نے طلاق کے احکام دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ﴾ (طلاق یعنی رجعی صرف دو مرتبہ ہو سکتی ہے) اور عرب میں جو یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ بے شمار مرتبہ طلاق دیتے جاؤ اور رجوع کرتے جاؤ یہ طریقہ غلط ہے۔ اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ ﴿فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ﴾ کہ طلاق رجعی دینے کے بعد دو صورتیں ممکن ہیں، یا تو دستور کے مطابق روک لینا ہے یا خوش اُسلوبی کے ساتھ رخصت کر دینا ہے، تیسری کوئی صورت جائز نہیں۔ دستور کے مطابق روک لینا تو یہ ہے کہ طلاق سے رجوع کر لو اگر طلاق سے رجوع نہیں کرتے تو ان کی عدت پوری ہو لینے دو تا کہ اس کے بعد وہ خوش اُسلوبی کے ساتھ رخصت ہو جائیں۔"

[احکام طلاق ص ۶۹-۷۰]

فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

''یعنی وہ طلاق جس میں خاوند کو (عدت کے اندر رجوع کا حق حاصل ہے، وہ دو مرتبہ ہے۔ پہلی مرتبہ طلاق کے بعد بھی اور دوسری مرتبہ طلاق کے بعد بھی رجوع ہو سکتا ہے۔ تیسری مرتبہ طلاق دینے کے بعد رجوع کی اجازت نہیں۔ زمانہ ء جاہلیت میں یہ حق طلاق ورجوع غیر محدود تھا جس سے عورتوں پر بڑا ہوتا تھا۔ اس طرح اسے نہ بساتا تھا نہ آزاد کرتا تھا۔ اللہ نے اس ظلم کا راستہ بند کر دیا اور پہلی یا دوسری مرتبہ سوچنے اور غور کرنے کی سہولت سے بھی محروم بھی نہیں کیا۔ ورنہ اگر پہلی مرتبہ کی طلاق میں ہی ہمیشہ کے لیے جدائی کا حکم دے دیا جاتا۔ تو اس سے پیدا ہونے والی معاشرتی مسائل کی پیچیدگیوں کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ طَلْقَتَانِ (دو طلاقیں) نہیں فرمایا بلکہ الطلاق مرتان (طلاق دو مرتبہ) فرمایا۔ جس سے اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ بیک وقت دو یا تین طلاقیں دینا اور انھیں بیک وقت نافذ کر دینا، حکمت الٰہیہ کے خلاف ہے حکمت الٰہیہ اس بات کی مقتضی ہے کہ ایک مرتبہ طلاق کے بعد (چاہے وہ ایک ہو یا کئی ایک) اور اسی طرح دوسری مرتبہ طلاق کے بعد (چاہے وہ ایک ہو یا کئی ایک) مرد کو سوچنے سمجھنے اور جلد بازی یا غصے میں کئے گئے کام کے ازالے کا موقع دیا جائے اور سوچنے اور غلطی کا ازالہ کرنے یا سہولت سے محروم کر دینے کی صورت میں ہے۔''

[احسن البیان ص ۹۴]

مجلس واحد میں تین طلاقوں کو تین شمار کرنے کے بھیانک نتائج

مجلس واحد کی میں تین طلاق کو تین شمار کرنے سے جو خطرناک نتائج نکلتے ہیں اس کے تصور سے شرافت وانسانیت شرم کے مارے پسینہ پسینہ ہو جاتی ہے۔

مفکر اسلام مولانا سید مودودی لکھتے ہیں:

''بیک وقت تین طلاق دے کر عورت کو جدا کر دینا نصوص صریحہ کی بنا پر معصیت ہے علماء امت کے درمیان اس مسئلہ میں جو کچھ اختلاف ہے وہ اس امر میں ہے کہ ایسی تین طلاقیں ایک رجعی کے حکم میں ہیں۔ یا تین مغلظہ کے حکم میں، لیکن اس کے بدعت

ومعصیت ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں، سب تسلیم کرتے ہیں کہ یہ فعل اس طریقہ کے خلاف ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے طلاق کے لیے مقرر فرمایا ہے اور اس سے شریعت کی اہم مصلحتیں فوت ہو جاتی ہیں۔

ہمارے زمانے میں یہ طریقہ عام ہو گیا ہے کہ لوگ کسی فوری جذبہ کے تحت اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیتے ہیں پھر نادم ہوتے ہیں اور شرعی حیلے کرتے پھرتے ہیں کوئی جھوٹی قسمیں کھا کر طلاق سے انکار کرتا ہے اور کوئی دیوانہ یا پاگل بن کر ہوش وحواس کھو بیٹھنے کا عذر کرتا ہے کوئی حلالہ کرانے کی کوشش کرتا ہے اور کوئی طلاق مخفی رکھ کر بیوی کے ساتھ بدستور تعلقات باقی رکھتا ہے اس طرح ایک گناہ سے بچنے کے لیے متعدد گناہوں کا ارتکاب کیا جاتا ہے ان خرابیوں کا سدباب کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے کر عورت کو جدا کر دینے پر ایسی پابندیاں عائد کر دی جائیں جس کی وجہ سے لوگ اس فعل کا ارتکاب نہ کر سکیں۔"

[حقوق الزوجین ص ۹۶]

حلالہ کی شرعی حیثیت

حلالہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) حلالہ شرعیہ (۲) حلالہ مروجہ غیر شرعیہ

حلالہ شرعیہ یہ ہے کہ پہلے شوہر کی طلاق مغلظہ کے بعد عورت کسی دوسرے شخص سے شادی کر کے اس کی صحبت سے ہمکنار ہو جائے اور اس کے ساتھ حسن معاشرت سے زندگی بسر کرنے لگے۔ اور اس دوسرے نکاح کے سابق شوہر عورت اور اس کے موجودہ شوہر ثانی جس کی زوجیت میں وہ اس وقت ہے ان تینوں میں سے کسی کی نیت حلالہ کی نہ ہو پھر قضا الٰہی سے شوہر فوت ہو جائے یا کسی وجہ سے طلاق دے دے تو پہلے شوہر کو اس سے نکاح کرنے کا حق ہے۔

حلالہ مروجہ غیر شرعیہ یہ ہے کہ طلاق بائنہ مغلظہ کے بعد منصوبہ کے تحت وقتی طور پر اس عورت کا کسی دیگر شخص سے اس شرط پر نکاح کرنا کہ وہ دوسرے روز ہمبستری کے بعد اسے طلاق دے دے گا یہ نکاح باتفاق شریعت میں حرام ہے تمام ائمہ اسلام اسے ناجائز سمجھتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَعَنَ اللّٰہُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَہٗ)).

"اللہ کی لعنت ہے اس پر جس نے حلال کرنے کی غرض سے نکاح کیا ہے اور اس پر جس کے لیے حلالہ کیا گیا۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

"زواج المحلل حرام بإجماع الصحابة"

"تمام صحابہ کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ حلالہ کا نکاح حرام ہے۔"

[الفتاوی]

شیخ محمد عبدہ فرماتے ہیں:

ان نکاح المحلل شر من المتعة وأشد فسادا وعارا.

حلالہ کا نکاح متعہ سے بھی زیادہ بدتر اور زیادہ خرابی اور بے حیائی کا باعث ہے۔

[تفسیر المنار ۲/۳۱۲]

شیخ مصطفیٰ المراغی لکھتے ہیں:

"جس شخص نے کسی عورت سے اس ارادہ سے نکاح کیا کہ وہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے۔ تو یہ نکاح صحیح نہیں ہے دوسرے شوہر کے طلاق دینے سے یہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال نہ ہوگی۔ اور یہ نکاح اللہ تعالیٰ کی معصیت ہے اور اس پر اللہ کی لعنت ہے۔"

[تفسیر المراغی: ۲/۱۷۵]

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

"احادیثِ صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص محض اپنی مطلقہ بیوی کو اپنے لیے حلال کرنے کی خاطر کسی سے سازش کے طور پر اس کا نکاح کرائے۔ اور پہلے سے یہ طے کرے کہ وہ نکاح کے بعد اسے طلاق دے دیگا۔ تو یہ سراسر ایک ناجائز فعل ہے۔ ایسا نکاح، نکاح نہ ہوگا۔ بلکہ محض ایک بدکاری ہوگی۔ اور ایسے سازشی کا نکاح و طلاق سے عورت ہرگز اپنے سابق شوہر کیلئے حلال نہ ہوگی۔ حضرت علی، ابن مسعود، ابو ہریرہ اور عُقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی متفقہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقہ سے حلالہ کرنے

اور کرانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔''

[تفہیم القرآن ۱/۱۷۶]

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''حلالہ کا نکاح نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں ظاہر نہیں تھا اور اس عہد میں کوئی عورت تیسری طلاق کے بعد حلالہ کے نکاح کے ساتھ شوہر کی طرف لوٹی ہو، ایسا کوئی واقعہ منقول نہیں ہے۔''

[فتاوی ابن تیمیہ ۲۲/۳] [احکام طلاق ص ۲۷۲]

طلاق اور شریعت محمدیہ

اس رسالہ کی تالیف کا پس منظر یہ ہے کہ تحصیل ڈسکہ کے ایک قریہ لوڑھکی کے اشفاق ولد ریاست علی (جس کا تعلق بریلوی مسلک سے تھا) بیوی سے ناچاکی کی بنا پر بذریعہ ڈاک اکٹھی تین طلاقیں بھیج دیں۔ بعد ازاں اپنے اس فعل پر نادم ہوا۔ اور علماء سے دریافت کیا کیا میں رجوع کر کے اپنی بیوی کو دوبارہ گھر آباد کر سکتا ہوں چونکہ محمد اشفاق کا تعلق بریلوی مکتب فکر سے تھا اس لیے لازمی امر تھا کہ اس نے اپنے مسلک کے علماء سے رابطہ کیا تو جواب ملا:

''رجوع تو ہو سکتا ہے مگر حلالہ کروانا پڑے گا اس کے بغیر رجوع کی کوئی اور صورت نہیں۔''

جب اشفاق کو حلالہ کا نقشہ بیان کیا گیا تو اس کی غیرت نے گوارہ نہ کیا اور وہ مایوس ہو گیا۔ دریں اثناء اس کو کسی شخص نے یہ بتایا رجوع ہو سکتا ہے آپ کسی اہلحدیث عالم سے رابطہ کریں چنانچہ اشفاق نے جامعہ معہد القرآن الکریم کراچی کے مفتی مولانا خلیل الرحمٰن صاحب سے فتوی طلب کیا تو انھوں نے کہا:

''رجوع ہو سکتا ہے لیکن طلاق کی عدت گزر چکی ہے لہٰذا از روئے قرآن اس عورت سے جدید نکاح کرنا پڑے گا۔''

اب آپ سوال اور اس کا جواب ملاحظہ فرمائیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب مفتی صاحب! السلام علیکم

بعد اسلام احوال یہ ہے میں نے پانچ سال قبل شادی کی تھی پھر گھر والوں کی وجہ سے طلاق دینا پڑی۔ میں نے تین طلاقیں ایک ساتھ بھیج دیں۔ اب میرے اور لڑکی کے گھر والے چاہتے ہیں کہ ہماری شادی دوبارہ ہو جائے مگر ساتھ کہتے ہیں کہ حلالہ کروانا پڑے گا اب جناب سے گزارش ہے کہ بتائیں کہ میں دوبارہ کس طرح رجوع کر سکتا ہوں میں اور لڑکی دونوں راضی ہیں۔

السائل: اشفاق احمد ولد ریاست علی

الجواب بعون الوہاب

مذکورہ صورت میں صرف ایک ہی طلاق واقع ہوئی ہے حدیث شریف میں وارد ہے۔

۱۔ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور پھر سخت پریشان ہوا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

''کیسے طلاق دی تھی۔''

تو انھوں نے بتایا کہ تین طلاقیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

''کیا ایک ہی مجلس میں''

تو انھوں نے جواب دیا:

''جی ہاں! ایک ہی مجلس میں''

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''پھر تو وہ ایک ہی شمار ہو گی اگر رجوع کرنا چاہتے ہو تو کر لو تو انھوں نے رجوع کر لیا۔''

[بحوالہ سنن بیہقی ومسند احمد وغیرہ]

۲۔ مسلم شریف ص ۴۷۷ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دو سالوں میں (اور ایک روایت میں ہے تین سالوں میں تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھی)

۳۔ ابوداود میں ہے آدمی تین بار اپنی منکوحہ بیوی کو طلاق، طلاق کہہ دے تو ایک ہی شمار ہو گی۔

نوٹ: کیونکہ عدت گزر چکی ہے لہٰذا رجوع کے لیے تجدید عقد کی ضرورت ہے جیسا کہ سورۃ بقرہ آیت

۲۳۲ میں ارشاد ہوا ہے۔

کتبہ

خلیل الرحمان، مفتی معہد القرآن الکریم، کراچی

جواب صحیح ہے۔ محمد حیات محمدی، ڈسکہ

اس فتوی کے شائع ہونے پر بریلوی مفتی نے کیا حربہ استعمال کیا۔

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''جب اس فتوی کا علم ارباب حلالہ کو ہوا تو ڈسکہ میں ان کے بڑے مفتی مولانا معین الدین نے بڑا مفصل فتوی جاری کیا اور مدینہ لائبریری لوڑھکی کے نام پر اس فتوی کا اختصار کر کے اشتہار شائع کر دیا۔

یہ فتوی کیا ہے مفتی صاحب کے ذہن کی مکمل عکاسی ہے فتوی کا انداز علم سے ہٹ کر مجادلانہ اور مناظرانہ طرز پر ہے بلکہ فتوی کے نام پر فتوی بازی کی گئی ہے کہ مفتی صاحب کے خیالات سے جو حضرات متفق نہیں ہیں وہ خدا اور رسول کے گستاخ دوسرے معنی میں وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور اہلحدیث فتوی پر عمل کرنے والا شخص زانی اور اس کی اولاد ولد الزنا ہو گی۔''

[طلاق اور شریعت محمدیہ ص۴]

آغاز رسالہ

مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ رسالہ کا آغاز اس طرح کرتے ہیں:

طلاق ایک ناپسندیدہ فعل ہے جس کو دنیا کا کوئی مہذب معاشرہ پسند نہیں کرتا۔ اسلام نے حتی الامکان طلاق کی حوصلہ شکنی کی ہے اور نہ صرف ناپسندیدہ حالات میں اس کی اجازت دی ہے اور اس میں زوجین کے حقوق اور عزت کا پوری طرح خیال رکھا ہے۔

طلاق اور شریعت

شریعت محمدیہ نے طلاق کے بارے میں کیا قوانین وضع کیے ہیں ان کے بارے میں مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

’’جاہلیت میں طلاقوں کی کوئی حد مقرر نہ تھی خاوند جب چاہتا طلاق دے دیتا اور عدت گزرنے کے قریب ہوتی تو رجوع کر لیتا۔ اس طرح وہ کئی بار طلاقیں دیتا اور کئی بار رجوع کرتا جس سے عورت معلق ہو کر رہ جاتی نہ مطلقہ ہوتی اور نہ بیوی کے حکم میں ہوتی جس سے عورت کی زندگی کا بیشتر حصہ اسی طرح گزر جاتا۔‘‘

لیکن شریعت اسلامیہ نے طلاق کی ایک حد مقرر کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ﴾.

’’یہ طلاقیں دو مرتبہ ہیں پھر یا تو اچھائی سے روکنا یا عمدگی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔‘‘

[البقرہ: ۲۲۹]

یہ دو طلاقیں رجعی ہیں کہ عدت کے اندر خاوند چاہے تو رجوع کر کے اپنی بیوی کو گھر لا سکتا ہے اور عدت گزارنے کے بعد اسی عورت سے نکاح جدید کر کے اپنا گھر آباد کر سکتا ہے لیکن تیسری طلاق کے بعد رجوع اور نکاح جدید ختم ہو جاتا ہے حتی کہ وہ عورت کسی مرد سے نکاح کرے۔ (حلالہ نہیں)‘‘

[ص: ٦]

ائمہ احناف نے اکٹھی تین طلاقوں کو بدعت قرار دیا ہے

صاحب ہدایہ کہتے ہیں:

طلاق تین قسم پر ہے: حسن۔ احسن۔ بدعی

پھر احسن کی تعریف یہ کی ہے:

’’آدمی اپنی بیوی کو اس طہر میں جس میں اس نے جماع نہیں کیا ایک طلاق دے۔ حتی کہ عدت گزر جائے اس لیے صحابہ کرام ایک سے زیادہ طلاقیں دینا پسند نہیں کرتے تھے حتی کہ اس ایک طلاق کی عدت گزر جاتی اور یہی طریقہ ان کے نزدیک افضل تھا۔ کہ آدمی ہر طہر میں ایک ایک طلاق دے اس لیے کہ یہ صورت ندامت سے بھی دور ہے اور عورت کو اس سے نقصان بھی کم ہوتا ہے۔

اور طلاق بدعت یہ ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو ایک کلمہ کے ساتھ یا تینوں طلاقیں ایک طہر میں دے اگر کوئی ایسا کرے تو گنہگار ہوگا اور طلاق واقع ہو جائے گی۔

[ہدایہ مع شرح فتح القدیر ۲/ ۲۳۹]

مولانا گوندلوی مرحوم رحمۃ اللہ علیہ صاحب ہدایہ کی اس تحریر پر فرماتے ہیں:

مذکورہ عبارت سے واضح ہے افضل طریقہ اور عمل صحابہ یہی ہے کہ ہر ایک طہر میں ایک ہی طلاق دی جائے اس کے برعکس ایک ایک طہر یا ایک دفعہ تین طلاقیں دینا بدعت ہے ظاہر ہے کہ بدعت پر عمل کرنے کا اسلام میں کوئی جواز نہیں۔ اس لیے کہ یہ گمراہی ہے کل بدعة ضلالة.''

[ص:۸]

مولانا مفتی معین الدین کے فتوی پر تبصرہ

مفتی صاحب فرماتے ہیں:

زوج مذکور نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دے دی ہیں عورت مذکور طلاق بائنہ مغلظہ کے ساتھ اس پر حرام ہو چکی ہے۔''

مولانا گوندلوی فرماتے ہیں:

ہم کہتے ہیں مفتی صاحب کا مذکورہ اقتباس محل نظر ہے بلکہ نا قابل قبول ہے کیونکہ یہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔

اس لیے کہ قرآن میں اکٹھی تین طلاقوں کا کہیں ذکر نہیں بلکہ پہلے دو رجعی اور پھر دوسری آیت میں تیسری مغلظہ بائنہ کا ذکر ہے:

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ﴾.

''یہ طلاقیں دو مرتبہ ہیں پھر یا تو اچھائی سے روکنا یا عمدگی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔''

[البقرہ:۲۲۹]

لفظ مرتان دو متفرق وقتوں کے لیے استعمال ہوا ہے پھر تیسری طلاق کا الگ ذکر فرمایا:

﴿فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ﴾.

''پھر اگر اس نے تیسری بار طلاق دے دی تو وہ اس کے لیے حلال نہیں حتی کہ وہ عورت کسی دوسرے خاوند سے نکاح کرے۔''

[البقرہ:۲۳۰]

اگر اکٹھی تینوں طلاقیں جائز ہوتیں تو ان کو ایک جگہ ذکر کیا جاتا لیکن الگ الگ ذکر کر کے اس

حقیقت کو واضح کیا ہے کہ اکٹھی تینوں نہیں بلکہ دو الگ الگ اور متفرق ہیں۔

[صفحہ:۱۶۔۱۷]

نیز مفتی صاحب فرماتے ہیں:

''بغیر حلالہ کے اس کو آباد کرنا زنا کاری ہوگی اور تمام اولاد جو اس کے بعد پیدا ہوگی ولد الزنا ہوگی۔''

مولانا گوندلوی مرحوم مفتی صاحب کے اس فتویٰ پر تبصرہ فرماتے ہیں:

''ہم کہتے ہیں کہ مذکورہ فتویٰ سے مفتی صاحب کی علمی اور ذہنی کیفیت ظاہر ہوگئی ہے ان کا تعلق بھی اس گروہ سے ہے جن کا محبوب ترین مشغلہ فتویٰ بازی ہے کہ فلاں مرتد ہے فلاں گستاخ ہے فلاں ایمان سے خارج ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے جب حافظ عبدالغفور جہلمی کی دعوت پر امام کعبہ جہلم تشریف لائے تھے تو اس گروہ کے چند جوشیلے ارکان نے اپنا روایتی انداز اپناتے ہوئے فتویٰ جاری کیا تھا:

جن لوگوں نے امام کعبہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے ان کے نکاح ٹوٹ ہو چکے ہیں اور ان کی بیویاں ان پر حرام ہو چکی ہیں۔''

ویسے بھی یہ مشاہدہ ہے کہ یہ حضرات اکثر نکاح کے ٹوٹنے کا فتویٰ صادر فرما دیتے ہیں پتہ نہیں اس میں انھیں کیا مفاد ہے۔

مفتی صاحب کا فتویٰ شریعت سے ناواقفیت پر مبنی ہے ورنہ آج تک متقدمین میں کسی قابل اعتماد محدث فقیہ نے مفتی صاحب جیسا فتویٰ نہیں دیا (اور آپ یہ پہلے پڑھ آئے ہیں) کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک اور پورے عہد صدیقی میں اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے ابتدائی تین سالوں میں تینوں کو ایک شمار کیا جاتا تھا مفتی صاحب کے مذکورہ فتویٰ میں رسول اللہ ﷺ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے پورے عہد کے تمام صحابہ کرام نیز عکرمہ، طاؤس، ابن اسحاق اور مقاتل اور دیگر بہت سے ائمہ محدثین اور فقہاء پر جرأت اور جسارت ہے اگر اکٹھی تین کو ایک شمار کرنا زنا ہے تو کیا جناب رسول اللہ ﷺ اور مذکورہ صحابہ کرام اور تابعین عظام اس طرح کی اجازت اور رخصت دے سکتے تھے۔ ''حاشا وکلا'' ایسے مفتی کو اپنے احوال وظریف کے اندر رہ کر اپنے ایمان کا قبلہ درست کرنا چاہئے اور ایسے الزام تراشنے سے پہلے ہزار بار سوچ لینا چاہیے کہ اس فتویٰ کی زد میں کون کون آتا ہے بلکہ اس غلط فتویٰ اور بہتان طرازی پر اللہ کریم سے معافی طلب کرنی چاہیے۔

[ص ۱۷۔۱۸]

اس کے بعد مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حلالہ پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے اور حلالہ کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جو موقف تھا اس کو بیان کیا ہے۔

[ص:۳۲ تا ۳۹]

کیا اہلحدیث گستاخ ہیں:

مفتی صاحب اپنے فتوی میں لکھتے ہیں:

''وہاں چونکہ گستاخ خدا اور گستاخ رسول ہیں وہابی ہونے سے عورت حلال نہیں ہوگی بلکہ گستاخ ہونے کی وجہ سے ایمان بھی جاتا رہے گا نتیجہ یہ نکلے گا کہ نہ دین رہا اور نہ ہی دنیا رہی۔''

[ص:۸]

مولانا گوندلوی مرحوم اس فتوی کے بارے میں لکھتے ہیں:

اس بات میں ذرا برابر شک نہیں کہ سمجھدار لوگ جب مسائل کی تحقیق کی راہ پر چل نکلتے ہیں تو وہ بالآخر شخصیت کو خیر باد کہہ کر کتاب وسنت کے دامن کو تھام کر اہلحدیث ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ واحد مسلک ہے جو کتاب وسنت کے نصوص ودلائل سے باہر نہیں جاتا ایسی ہزاروں مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں جن سے کوئی صاحب بصیرت انسان انکار نہیں کر سکتا۔ کہ ہزاروں لوگوں نے تحقیق کر کے مسلک اہلحدیث قبول کیا ہے اور کر رہے ہیں جیسا کہ یہ نوجوان ہے جو پہلے بریلوی مکتب فکر کے ساتھ وابستہ تھا جب اس نے تحقیق کی جو وہ اہلحدیث ہو گیا۔ والحمدللہ علی ذلک۔ جس بنا پر مفتی صاحب نے اس پر ان الفاظ سے صادر فرمایا:

''وہابی چونکہ گستاخ خدا اور گستاخ رسول ہیں وہابی ہونے سے عورت حلال نہیں ہو گی بلکہ گستاخ ہونے کی وجہ سے ایمان بھی جاتا رہے گا نتیجہ یہ نکلے گا نہ دین رہا ور نہ ہی دنیا رہی۔''

اس کے بعد مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہم اس اقتباس پر کوئی لمبا چوڑا تبصرہ کر کے اپنے قلم کو بد ذائقہ نہیں بنانا چاہیے ورنہ اس موضوع ''گستاخ کون ہے؟'' پر لکھنے کے لیے ہمارے سامنے بہت سا مواد بکھرا ہوا ہے۔

درحقیقت جب یہ حضرات مخالف کے سامنے اپنے موقف کو دلائل سے پیش کرنے سے عاجز آ جاتے ہیں تو پھر اس وقت آلے کی خط کی طرح گستاخی کے الزام کا ہتھیار استعمال کرتے ہیں۔ مقصد صرف مخالفین کو بدنام کرنا اور ان سے عوام کو متنفر کرنا ہے۔ تاکہ عوام اصل حقیقت پانے کے بعد کہیں ہمارے دام تزویر سے نہ نکل جائیں یہی صورت حال مفتی صاحب کے سامنے پیش آئی کہ انھیں جب اس نوجوان کے اہلحدیث ہونے کی صحیح اطلاع ملی۔ تو ان کے حواس قائم نہ رہے۔ اور اسی مخبوط الحواسی میں اس جماعت پر گستاخی کا الزام رکھ دیا۔ جن کے نزدیک اللہ اور رسول کے گستاخ کی سزا قتل سے کم نہیں ہے اور نہ ہی آج تک کسی معروف اہلحدیث عالم نے اس کا ارتکاب کیا ہے اور نہ ہی مفتی اہلحدیث پر اس لگائے ہوئے الزام کو دلائل سے ثابت کر سکتے ہیں اگر وہ تعصب سے بالاتر ہو کر گستاخ کون ہے کی تحقیق کریں گے تو ان کی ملاقات یقیناً کسی اور مکتب فکر کے پردے میں چھپے ہوئے گستاخوں سے ہوگی کسی اہل حدیث کی تلاش میں ان کی محنت اکارت اور بے کار جائے گی۔ بلکہ اہلحدیث کو ناموس رسالت کے محافظ پائیں گے۔ (ان شاء اللہ)

حضرات گرامی! یہ تھا مفتی صاحب کا فتوی جس کی حقیقت آپ کے سامنے عیاں ہوگئی ہے کہ موصوف سنت سے اپنے فتوی میں کوئی دلیل پیش نہ کر سکے۔ نہ کوئی آیت پیش کی جس میں مذکور ہو کہ اکٹھی تین طلاقیں تین ہیں اور نافذ ہیں اور نہ ہی کوئی صحیح حدیث پیش کی۔ جس میں ہو کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں اکٹھی تین طلاقیں دی گئی تھیں تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں تینوں کو مؤثر قرار دے کر نافذ رکھا تھا۔ بلکہ اس سلسلہ میں جتنی روایات پیش کی ہیں اوّلاً تو ان روایات کا مفتی صاحب کے موقف کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اور جن روایات کا ان کے موقف کے ساتھ تعلق بنے ان میں کچھ ضعیف اور کچھ من گھڑت ہیں اس کے برعکس سلفی فتوی میں جن دو احادیث کو پیش کیا گیا ہے اور وہی اس مسئلہ میں اہلحدیث موقف کی ترجمان ہیں۔

۱۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں تین کو ایک شمار کیا جاتا تھا۔ اور۔

۲۔رسول اللہ ﷺ نے اکٹھی تین کو ایک ہی رجعی طلاق قرار دیا ہے۔

صحیح بھی ہیں اور صریح بھی ہیں جن میں کسی قسم کی تاویل کا احتمال نہیں۔

دعا ہے کہ مولیٰ کریم ہمیں حق کی معرفت اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین الہ العالمین)

[ص:۳۹۔۴۰]

یہ رسالہ ۱۴۲۳ھ مطابق ۲۰۰۲ء میں جامعہ تعلیم القرآن والحدیث ساہووالہ ضلع سیالکوٹ نے شائع کیا۔ صفحات کی تعداد (۴۰) ہے۔

طلاق اور شریعت محمدیہ (ایک اشتہار پر نظر)

مولانا ابوانس محمد یحییٰ گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

مدینہ لائبریری لوڑھکی تحصیل ڈسکہ کی طرف سے ایک اشتہار بعنوان ''ایک اہم اعلان'' شریعت کو سرعام چیلنج'' شائع ہوا ہے۔ جس میں حلالہ جیسے لعنتی فعل کو جائز اور تین طلاقوں کو ایک شمار کر کے زنا قرار دیا گیا ہے اور عوام سے اپیل کی گئی ہے کہ وہ اس اشتہار کو چھپوا کر زنا کے خلاف جہاد کریں۔

ہم نے جب اس اشتہار کو دیکھا۔ تو محسوس کیا کہ صاحب اشتہار شریعت سے ناواقف محض فتوی باز ہے ورنہ آج تک کسی قابل اعتماد محدث اور فقیہ نے اس پر زنا کا فتوی جاری نہیں کیا۔ چنانچہ اصل حقیقت واضح کرنے کے لیے ہم نے اس اشتہار کا کتاب وسنت کی روشنی میں جائزہ لیا ہے۔

[ص:۲]

مولانا گوندلوی مرحوم رحمۃ اللہ علیہ نے اس رسالہ کے صفحہ اول پر مسمی اشفاق احمد کا سوال اور مولانا مفتی خلیل الرحمٰن (کراچی) کا جواب شائع کیا ہے اس کے بعد رسالہ میں درج ذیل عنوانات کے تحت مسئلہ طلاق پر روشنی ڈالی ہے عنوانات یہ ہیں:

آغاز، طلاق اور شریعت، تین طلاقیں اکٹھی دینا۔ تین اکٹھی کو تین ماننا، تین اکٹھی حکما ایک ہے۔ فتوی ابن عباس، صاحب اشتہار کے دلائل پر ایک نظر، روایت علی، حلالہ، حلالہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ۔

فیصلہ فاروقی

مولانا گوندلوی فرماتے ہیں:

صاحب اشتہار نے اپنے مدعا میں امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو بھی دلیل بنایا ہے انھوں نے اپنے دور حکومت میں تینوں کو نافذ کیا تھا اولاً ہم کہتے ہیں فیصلہ فاروقی زبردست دلیل ہے کہ اس فیصلے سے پہلے تینوں کو ایک سمجھا جاتا تھا جنھیں امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مصلحت کے ساتھ تین کو تین نافذ کیا ہے جیسا کہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ لوگوں نے طلاق دینے میں عجلت اور بہتات سے کام لیا تو جناب عمر رضی اللہ عنہ نے تینوں کو نافذ کرنے کا حکم دیا۔

[صحیح مسلم ۱/ ۴۹۸]

جس سے واضح ہے کہ انھوں نے اس کا نفاذ بطور سرزنش اور تہدید سے کیا تھا۔ ثانیاً دین اس فیصلہ سے تقریباً پانچ یا چھ سال قبل مکمل ہو چکا تھا جس میں اب کسی قسم کی ترمیم کی گنجائش نہ تھی اور نہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد کسی شخص کو حق حاصل تھا کہ وہ شریعت کے کسی حکم کو تبدیل کر سکے۔

[ص:٦]

حلالہ

مولانا گوندلوی مرحوم لکھتے ہیں:

حلالہ نہایت قبیح اور ملعون فعل ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لعن رسول الله ﷺ المحلل و المحلل له. [ترمذی]

''رسول اللہ ﷺ نے حلالہ کرنے اور جس کے لیے حلالہ کیا گیا ہو دونوں پر لعنت کی ہے۔''

یہی حدیث علی بن ابی طالب، ابو ہریرہ، ابن عباس اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

[ابن ماجہ، کتاب النکاح]

اور مذہب امیر المؤمنین عمر و عثمان و عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اور تابعین کرام کا ہے۔

[جامع ترمذی] [ص:٦-٧]

حلالہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

مولانا گوندلوی لکھتے ہیں:

امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حلالہ کے بارے میں یوں فیصلہ دیا ہے:

لا أوتی بمحلل ولا محللة الا رجمعتهما. [مصنف عبدالرزاق]

میرے پاس حلالہ کرنے والا مرد اور عورت لائی گئی تو میں انھیں سنگسار کر دوں گا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

حلالہ زنا ہے اور حلالہ کرنے والا مرد اور عورت زانی ہے۔

اس کے بعد مولانا گوندلوی فرماتے ہیں:

صاحب اشتہار نے سنت طریقہ کو چھوڑ کر لعنتیوں کا طریقہ اپنانے کی دعوت دی ہے اور حیرت ہے کہ سنت نبوی کے موافق عمل کو زنا قرار دیا ہے اور صحابہ کرام نے جس فعل کو زنا قرار دیا ہے یہ اس کے جائز ہونے کا فتوی دیتے ہیں۔ اعاذنا الله من ذلك

دراصل یہ لوگ حلالہ کو جائز قرار دے کر بے حیائی اور بے غیرتی پھیلانا چاہتے ہیں کوئی دیوث ہی حلالہ پر عمل کرے گا دعا ہے کہ اللہ مسلمانوں کو حلالہ کی بے حیائی سے محفوظ رکھے۔

[ص: ۷]

یہ رسالہ (۸) صفحات میں مولانا محمد رفیق خطیب جامع مسجد قبا اہلحدیث لوڑھکی تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ نے شائع کیا۔

تحقیق تین طلاق پر تعلیق

تالیف: مولانا محمد حیات محمدی رحمۃ اللہ علیہ

تعلیق: مولانا محمد یحییٰ گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ

ایک شخص نے معروف اہلحدیث عالم مولانا محمد حیات محمدی رحمۃ اللہ علیہ آف ڈسکہ سے درج ذیل سوالات کا جواب طلب کیا تھا۔

۱۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے بیوی کو بوجہ ناراضگی ایک ہی

مجلس میں تین طلاقیں دے دیں۔ اور عرصہ دو ماہ کے اندر اندر رجوع بھی کر لیا کتاب وسنت کی روشنی میں کیا دونوں میاں بیوی صلح کر کے اپنا گھر پہلے کی طرح آباد کر سکتے ہیں۔

۲۔ نیز یہ اگر کوئی شخص ایک ہی مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے اور عدت کی مدت گزر گئی ہو تو کیا دوبارہ صلح کی کوئی صورت ہے کتاب وسنت کی روشنی میں جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

مولانا محمد حیات محمدی رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ بالا سوالات کا جواب کتاب وسنت میں دیا ہے اور اپنے جواب میں جن ذیلی عنوانات کے تحت سوالات کے جواب دیے ہیں وہ عنوانات درج ذیل ہیں۔

۱۔ جب کسی ایک معاملہ میں اختلاف واقع ہو جائے تو اس کا حل کتاب وسنت سے کیا جائے گا۔

۲۔ فتوی ابن عباس رضی اللہ عنہما

۳۔ تتمہ فقہ حنفی میں طلاق ثلاثہ

۴۔ طلاق ثلاثہ کے وقوع کے دلائل

۵۔ طلاق بتہ

۶۔ تین اکٹھی کتاب اللہ سے مذاق

۷۔ فاطمہ بنت قیس کی طلاق

۸۔ بدعت قابل عمل ہوگئی

۹۔ طلاق ثلاثہ پر عیب نہ لگانا

۱۰۔ ہزار میں سے تین طلاق

۱۱۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا طلاق دینا

۱۲۔ لعان اور طلاق

۱۳۔ مبار کباد کا جواب طلاق

۱۴۔ آثار صحابہ کرام

۱۵۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم

۱۶۔ اجماع امت

۱۷۔ حلالہ

۱۸۔ صحابہ کرام کا موقف

۱۹۔ مظاہر فراخی

۲۰۔ ایک اور صورت

فتویٰ مولانا محمد حیات محمدی

۱۔ اگر کوئی شخص ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دیتا ہے تو وہ صرف ایک ہی شمار ہوگی۔

۲۔ کوئی بھی شخص ایک ہی مجلس میں یا ایک کلمہ سے دی گئی تین طلاقوں کی صورت میں عدت کے دوران یا عدت کے بعد مطلقہ سے رجوع کر سکتا ہے۔

۳۔ اگر عدت کے دوران رجوع کرے تو دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں اگر عدت گزرنے کے بعد رجوع کرتا ہے تو دوبارہ نکاح ہوگا۔

۴۔ اس مسئلہ میں شریعت سے ہٹ کر اختراع کر کے اپنے طور پر رائج کی گئی صورت حلالہ جائز نہیں۔

۵۔ اللہ اور قیامت پر ایمان رکھنے والوں پر فرض ہے کہ اختلاف کی صورت میں صرف اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کریں۔

کتبہ محمد حیات محمدی ڈسکہ ضلع سیالکوٹ

تصدیقات علماء کرام

ہم تصدیق کرتے ہیں کہ مذکورہ فتویٰ کتاب وسنت کی روشنی میں درست اور صحیح ہے۔

۱۔ حافظ عبدالقادر روپڑی لاہور

۲۔ عبیداللہ عفیف مفتی جماعت اہلحدیث، پاکستان

۳۔ محمد اعظم شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ

۴۔ عطاء الرحمٰن شیخوپوری ناظم جامعہ محمدیہ توحید آباد شیخوپورہ

۵۔ حافظ محمد امین محمدی ناظم جامعہ اسلامیہ سلفیہ گوجرانوالہ

۶۔ عبدالحمید شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ بھوپالوالہ ضلع سیالکوٹ

۷۔ قاضی عبدالرشید ناظم جامعہ صدیقہ۔ جہلم

۸۔ حافظ عبدالغفار روپڑی، ناظم جامعہ اہلحدیث، لاہور

۹۔ محمد داود ارشد کوٹلی ورکاں، نارنگ منڈی

۱۰۔ مبشر احمد ربانی (مرید کے)

[ص:۱۹]

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا حیات محمدی کے فتوی پر تعلیق لکھی ہے جو کتاب کے حواشی میں درج ہے اس کے علاقہ مولانا گوندلوی مرحوم نے تتمہ (کے عنوان سے یعنی نمبر۳ سے نمبر۲۰ تک علمی محاکمہ کیا ہے۔مولانا گوندلوی لکھتے ہیں:

مولانا محمد حیات محمدی صاحب نے ایک مجلس کی تین طلاقوں کا ایک شمار ہونے کے دلائل پیش کر دیے ہیں اور راقم نے ان دلائل پر جو اعتراض اٹھائے گئے ہیں ان کا اختصار کے ساتھ حاشیہ میں رد کر دیا ہے تاہم افادہ عام کے لیے فریق مخالف اپنے موقف میں جو دلائل دیتا ہے ان پر بھی گفتگو ہونی چاہیے۔ اور ان کا علمی محاکمہ اور تجزیہ سامنے آنا چاہیے تاکہ مسئلہ کے دونوں پہلو سامنے آسکیں اور حقیقت آشکارا ہو جائے۔

[ص:۲۰]

یہ رسالہ جامع مسجد عزیزیہ اہلحدیث ڈسکہ نے شائع کیا۔صفحات کی تعداد ۵۳ ہے سن اشاعت ندارد۔

مقلدین ائمہ کی عدالت میں

اہلحدیث اور اہل تقلید کے درمیان اختلاف مسئلہ تقلید ہے تقلید کے لغوی معنی یہ ہیں:

اور فلاں کی تقلید کی بغیر حجت اور دلیل کے اس کے قول یا فعل کی اتباع کی۔

[معجم الوسیط ص ۷۵۴]

مشہور لغت المنجد میں ہے:

قلد فی کذا. کسی معاملے میں بلا غور وفکر کسی کی پیروی کرنا۔

[المنجد ص ۸۳۱]

جامع اللغات (اردو) میں ہے:

تقلید، پیروی کرنا قدم قدم پر چلنا، بغیر تحقیق کے کسی کی پیروی کرنا۔

[جامع اللغات: ص ۱۶۶]

تقلید کا اصطلاحی معنی

التقليد: العمل بقول الغير من غير حجة كأخذ العامى و المجتهدين من مثله.

''تقلید (نبی ﷺ کے علاوہ) غیر (یعنی امتی) کے قول پر بغیر حجت (دلیل) کے عمل (کا نام) ہے جیسے عامی (جاہل) اور مجتہد دوسرے مجتہد کا قول لے لے۔''

[مسلم الثبوت ص ۲۸۹]

مذکورہ بالا حوالہ جات حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کی کتاب ''دین میں تقلید کا مسئلہ'' صفحہ ۷ اور ۸ سے نقل کیے گئے ہیں۔ (عراقی)

علمائے اہلحدیث نے تقلید شخصی کی تردید میں بے شمار کتابیں لکھیں اور علمائے تقلید سے مناظرے بھی کیے ہیں جس سے تاریخ کا ایک طالب علم سے بخوبی آگاہ ہے مولانا محمد یحییٰ گوندلوی کی کتاب ''مقلدین ائمہ کی عدالت میں'' میں تبصرہ کرنے سے پہلے ضروری سمجھتا ہوں کہ علمائے اہلحدیث نے تقلید شخصی کی تردید میں جو تصنیفی خدمات انجام دی ہیں ان میں سے چند مشہور تصانیف کا ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے اس فہرست سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ علمائے اہلحدیث نے تقلید شخصی کی تردید میں جو علمی خدمات انجام دی ہیں وہ تاریخ اہلحدیث کا ایک سنہری باب ہے۔

فہرست کتب تردید تقلید

۱	حظيرة القدس فى ذخيرة الانس (فارسی)	مولانا سید نواب صدیق حسن خاںؒ
۲	ذخر المحتى فى اداب المفتى (عربی)	......
۳	الاقليد الادلة للاجتهاد و التقليد(عربی)	......
۴	معيار الحق	مولانا سید محمد نذیر حسین دہلویؒ
۵	البيان المفيد لاحكام التقليد	مولانا قاضی محمد مچھلی شہریؒ
۶	تحفة الاخوان	مولانا عبید اللہ نومسلمؒ
۷	فتح المبين على رد مذهب المقلدين	مولانا بدیع الزمان حیدرآبادیؒ
۸	الدرد الفريد فى رد التقليد	مولانا عبدالغفور داناپوریؒ
۹	صمصام التوحيد فى الرد التقليد	مولانا عبدالجبار عمرپوریؒ
۱۰	تاسيس التوحيد فى ابطال وجوب التقليد	مولانا عبدالرحمٰن بقاغازی پوریؒ

۱۱	مناظرہ مرشدآباد(تقلید شخصی مابین مولانا عبدالعزیز رحیم آۤبادی (اھلحدیث) ومولانا عبدالحق حقانی(مقلد)	مولانا عبدالعزیز رحیم آبادیؒ
۱۲	الجواب السدید	مولانا ابوالمکارم محمد علی مئویؒ
۱۳	رد الجواب علی وجه المرتاب	مولانا محمد سعید محدث بنارسیؒ
۱۴	ارشاد محمدی	مولانا محمد بن ابراہیم جوناگڑھیؒ
۱۵	دین محمدی	......
۱۶	ضرب محمدی	......
۱۷	طریق محمدی	......
۱۸	مشکوۃ محمدی	......
۱۹	ملت محمدی	......
۲۰	مناظرہ محمدی	......
۲۱	فتح محمدی	......
۲۲	حقیقت محمدی	......
۲۳	الدر الفرید فی المنع عن التقلید	مولانا عبدالحق محدث بنارسیؒ
۲۴	فقه اور فقیه	مولانا ثناءاللہ امرتسریؒ
۲۵	تقلید شخصی وسلفی	......
۲۶	اصلی حنفیت اورتقلید شخصی	......
۲۷	اجتهاد اور تقلید	......
۲۸	علم الفقه(حصه اول)	......
۲۹	تنقید تقلید	......
۳۰	تقلید شخصی	......
۳۱	حدیث نبوی اور تقلید شخصی	......
۳۲	القول السدید فی حکم الاجتهاد والتقلید	مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹیؒ

نمبر	کتاب	مصنف
۳۳	ذکر اھل الذکر	مولانا ابوالقاسم سیف بنارسیؒ
۳۴	التنفید فی رد التقلید	......
۳۵	تعلیق الاتباع (عربی)	مولانا محمد عطاء اللہ حنیفؒ
۳۶	ترجمہ ایقاف فی اسباب الاختلاف	......
۳۷	شمشیر محمدیہ	مولانا عبدالستار صدری دہلویؒ
۳۸	ھدایۃ السنی	مولانا محمد یوسف شمس فیض آبادیؒ
۳۹	الکلام المبین فی رد تلبیسات المقلدین	مولانا ابوالحسن سیالکوٹیؒ
۴۰	خلاصۃ البراھین فی روضۃ المبین	......
۴۱	تقلید علمائے دیوبند	مولانا حافظ عبداللہ روپڑیؒ
۴۲	اھلحدیث کے امتیازی مسائل	......
۴۳	الارشاد الی سبیل الرشاد فی بحث التقلید والاجتھاد	مولانا ابویحییٰ محمد شاہجہان پوریؒ
۴۴	رسالہ عمل بالحدیث (فارسی)	مولانا ولایت علی عظیم آبادیؒ
۴۵	براھۃ التحقیق فی مسئلۃ الاجتھاد والتقلید	مولانا سید اعجاز احمد سہسوانیؒ
۴۶	حقیقت تقلید	مولانا محمد سلیمان مئویؒ
۴۷	الرق المنثور فی رد فتح الشکور	مولانا محمود عالم مظفر پوریؒ
۴۸	تفریق اسلام	مولانا بشیر الدین بنارسیؒ
۴۹	براھین اثنا عشر	مولانا امیر حسن سہسوانیؒ
۵۰	تلخیص الانظار فیما بنی علیہ الانتصار	مولانا احمد حسن دہلویؒ
۵۱	بحر زخار	مولانا شہود الحق عظیم آبادیؒ
۵۲	اختیار الحق	مولانا احتشام الدین مراد آبادیؒ
۵۳	القول الثابت	مولانا قائم علی مئویؒ
۵۴	زلہ فضل الرحمن فی تائید مذھب النعمان	مولانا ابوالمعالی محمد علی مئویؒ
۵۵	شھاب ثاقب	مولانا احمد حسن عرشیؒ

نمبر	کتاب	مصنف
٥٦	القول المزید فی احکام التقلید	مولانا حافظ ابراہیم آرویؒ
٥٧	البیان فی رد البرھان	مولانا محمد حسین بٹالویؒ
٥٨	نتائج التقلید	مولانا محمد اشرف سندھوؒ
٥٩	تاریخ التقلید	مولانا محمد اشرف سندھوؒ
٦٠	مقیاس حقیقت (٤ جلد)	......
٦١	القول المبین فی عدم وجوب التقلید والیقین	مولانا غلام علی قصوریؒ
٦٢	تنقید سدید بررساله اجتهاد و تقلید	مولانا سید بدیع الدین شاہ راشدیؒ
٦٣	الاصلاح (٢ جلد)	مولانا حافظ محمد گوندلویؒ
٦٤	دین میں تقلید کا مسئله	مولانا حافظ زبیر علی زئی
٦٥	اهل حدیث اور اهل تقلید	مولانا حافظ صلاح الدین یوسف
٦٦	احناف کا رسول اللهﷺ سے اختلاف	مولانا حافظ فاروق الرحمٰن یزدانی
٦٧	ضرب شدید علی اهل التقلید	مولانا محمد یحییٰ گوندلویؒ
٦٨	داستان حنفیه	......
٦٩	کوفه سے دیوبند تك	......
٧٠	تقابل اربعه	مولانا نور حسین گھرجاکھیؒ

مقلدین ائمہ کی عدالت میں

مولانا گوندلوی کی یہ کتاب ایک ابتدائیہ اور سات ابواب پر مشتمل ہے۔ابواب کی تفصیل یہ ہے:

۱۔اصول اسلام

۲۔ردتقلید

۳۔تاریخ تقلید

۴۔تقلید شخصی

۵۔مذاہب اربعہ کی حقیقت

٦۔تقلیدی کرشمے

۷۔حنفی مذہب

ابتدائیہ

اس کتاب کی تالیف کے سلسلہ میں مولانا گوندلوی مرحوم لکھتے ہیں:

مسئلہ تقلید اہل حدیث اور اہل تقلید کے درمیان ایک اصولی حیثیت رکھتا ہے اسی لیے اکثر طور پر اسی مسئلہ کو بنیاد بنا کر اہلحدیث پر سب وشتم کی بوچھاڑ کی جاتی ہے نئے نئے رسائل اور کتب شائع کی جاتی ہیں جو تحقیق وتفحص کے بجائے لعن طعن کے انداز پر لکھی جاتی ہیں حتی کہ بعض دفعہ مقلدین کے پاس دلیل نہ ہونے کی بنا پر کتاب وسنت کی توہین وتذلیل کا بھی ذرہ بھر خیال نہیں رکھا جاتا۔ اور برملا یہ فتوی دیا جاتا ہے کہ عوام کا براہ راست کتاب وسنت پر عمل کرنا گمراہی اور افراتفری کا باعث ہے۔

[ص: ۷]

مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

کتاب وسنت کے بارے میں مقلدین حضرات نے جو شکوک وشبہات پیدا کیے ہیں ان کا کتاب وسنت کی روشنی میں ازالہ کیا گیا ہے اور ہمارا صرف یہی مقصد ہے کہ رضائے الٰہی کا حصول اور کتاب وسنت کی مدافعت اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ تمام کتاب میں قرآن وحدیث کے ساتھ ائمہ اربعہ اور مشاہیر علماء احناف کے اقوال کو پیش کیا گیا ہے۔

[ص: ۷۔۸]

اصول اسلام

علمائے اسلام نے اسلامی فقہ کے درج ذیل ماخذ بیان کیے ہیں۔

❶ قرآن ❷ حدیث نبوی ﷺ ❸ اجماع امت ❹ قیاس

قرآن مجید

فقہ اسلامی کا اصل الاصول ماخذ قرآن مجید ہے یہ اصول وکلیات کی کتاب ہے جس میں الٰہی حکمت عملی اور دستور (Constiton) سے بحث ہے جزوی قوانین کی تفصیل کم ہے۔

علامہ شاطبی فرماتے ہیں:

قرآن حکیم مختصر ہونے کے باوجود جامع ہے اور یہ جامعیت اسی وقت ہوسکتی ہے جب

اس میں کلیات بیان ہوئے ہوں کیونکہ شریعت اس کے نزول کے بعد کامل ہوگئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ﴾.

(آج میں نے تمھارے لیے تمھارے دین کو کامل کر دیا) یہ معلوم ہے کہ نماز، زکوۃ، جہاد اوراس کے مشابہ سارے احکام قرآن میں نہیں بیان کیے گئے۔ ان کو سنت نے بیان کیا ہے اسی طرح نکاح، معاملات قصاص، حدود اور دوسرے معاملات کی تفصیل احکام قرآن نے نہیں بیان کیے وہ احادیث میں ہیں۔

[الموافقات ۳/ ۳۶۷، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ص ۶۰]

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی لکھتے ہیں:

اسلام اللہ تعالیٰ کا آخری اور مکمل دین ہے اس کی تکمیل آخری رسول حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ ہوئی یہ دین تمام کائنات کے لیے ہے اسی بنا پراس کے اصول بھی ابدی اور عام فہم ہیں چنانچہ جیسے علماء نے استفادہ کرنا ہے اسی طرح عوام نے بھی اسے روح ایمان بنانا ہے اس میں عوام وخواص کے عمل کی کوئی تمیز نہیں ہے اولین جن حضرات نے اس دین کو قبول کیا وہ ایسے مطیع اور فرمانبردار تھے کہ ان کی نافرمانی کی معمولی سی جھلک بھی دکھائی نہیں دیتی کیونکہ انہی حضرات نے آگے چل کر پوری کائنات کو اس دین کا پیغام پہنچانا اور درس دینا تھا۔

[ص:۹]

اس مین کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم اول سے آخر تک تمام کا تمام من جانب اللہ ہے اس میں غلطی کا احتمال نہ کبھی ہوا ہوگا۔ ذلک الکتاب لا ریب فیہ۔ اس کے جملہ احکام واجب العمل اور جملہ نواہی واجب الترک ہیں جو قرآن کریم کی کسی ایک آیت کا منکر ہو وہ بالاتفاق دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

آج کل قرآن کے ظاہری علوم کو چھوڑ کر باطنی معانی اور مفہوم کو اپنایا جارہا ہے جو ملاحدہ اور بے دین لوگوں کا قبیح فعل اور قرآن کے متعلق گھناؤنی سازش ہے۔ قرآن کو ہر حالت مین اس کے ظاہر پر معمول کیا جائے گا۔ اوران معانی پر عمل کیا جائے گا جو نزول قرآن کے وقت اصل لغت اور عام بول چال میں مستعمل ہے۔

قرآن کے بعض وہ مقامات جو متشابہات سے ہیں ان کے مطالب اور مفہوم وہی معتبر ہوں گے جو رسول اللہ ﷺ یا صحابہ کرام نے بیان فرمائے ہیں اسلامی احکام اور عقائد کو معلوم کرنے کے لیے سب سے پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

[ص:۱۰]

حدیث نبوی ﷺ

فقہ اسلامی کا دوسرا ماخذ حدیث (سنت) ہے۔

حدیث سے رسول اللہ ﷺ کے تمام اقوال، افعال اور دوسروں کے اقوال وافعال وارد ہیں جن پر آپ ﷺ نے سکوت فرمایا۔ اور جن کو قائم وبرقرار رکھا۔ حدیث اور سنت دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ اصول کی کتابوں میں مذکور ہے۔

السنة تطلق علی قول الرسول ﷺ وفعله وسكوته وعلى أقوال الصحابة وافعالهم.

سنت کا اطلاق رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل اور سکوت نیز صحابہ کے اقوال وافعال پر ہوتا ہے۔

[فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ص ۹۴]

مولانا گوندلوی لکھتے ہیں:

حدیث سے مراد رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال اور تقاریر ہیں قرآن حکیم کے بعد حدیث کا مقام ہے جیسے منکر قرآن کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔ اسی طرح تارک الحدیث کا بھی اسلام میں کوئی دخل نہیں حدیث پر عمل کرنے کے لیے اس کی صحت معلوم ہونی چاہے۔ اور یہ اس دور میں کوئی مشکل بات نہیں اس کے لیے محدثین نے اصول وضع کر دیے ہیں جو صحت وسقم میں حرف آخر ہیں جب صحیح حدیث کا علم ہو جائے تو پھر اس میں کوئی پس وپیش جائز نہیں۔

ضعیف حدیث کو صحیح حدیث کے مقابلہ میں چھوڑنا واجب ہے کیونکہ صحیح حدیث میں یقین ہوتا ہے کہ یہ حدیث رسول مقبول ﷺ کا فرمان ہے جب کہ ضعیف حدیث میں یہ بات مشکوک ہوتی ہے۔

محدثین نے احادیث کے صحیح اور ضعیف ہونے کا کام مکمل کر دیا ہے اور ان درجوں اور مرتبوں کو واضح کر دیا ہے۔ جو حدیث رسول پر عمل کرنے کے لیے معیار ہے۔

پوری امت کا اجماع ہے کہ بخاری و مسلم کی جملہ احادیث صحیح ہیں اور ان دونوں کتابوں میں کوئی حدیث ضعیف یا نا قابل عمل نہیں ہے۔

آثار صحابہ کرام

حدیث پر عمل کے ضمن میں صحابہ کرام کے آثار واقوال بھی امت کے لیے مشعل راہ ہیں۔ جب کوئی مسئلہ کتاب اللہ، حدیث رسول، دونوں سے حل نہ ہوں تو پھر صحابہ کرام کے عمل کی اتباع ضروری ہو جائے گی اور اتباع کا حکم خود رسول اللہ ﷺ نے دیا ہے:

عليكم بسنتي و سنت الخلفاء الراشدين المهديين.

تم پر میری اور خلفائے راشدین (جو ہدایات والے ہیں) کی سنت واجب ہے۔"

[ص:۱۱]

اجماع امت

لغت میں اجماع کے معنی عزم واتفاق ہیں۔

قرآن کریم میں ہے:

﴿فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ﴾. [یونس:۷۱]

"تم اپنی بات طے کرلو اور اپنے شریکوں کو اکٹھا کرلو۔"

فقہاء کی اصطلاح میں اجماع کسی معاملہ میں اہل حل وعقد کے اتفاق کو کہتے ہیں۔ اصول کی کتابوں میں اجماع کی یہ تعریف مذکور ہے۔

وهو اتفاق اهل احل و العقد من أمة محمد ﷺ على امر من الأمور.

"رسول اللہ ﷺ کی امت کے اہل حل وعقد کے کسی معاملہ میں اتفاق کا نام اجماع ہے۔"

یہ اجماع حالات وتقاضا کی مناسبت سے ملت کے فلاح و بہبود سے متعلق جملہ امور میں ہو سکتا ہے دراصل قانون کے حالات وزمانہ کے مطابق ڈھالنے کے لیے "اجماع" ایک قسم کا ہتھیار ہے جو مقنن حقیقی کی طرف سے ان لوگوں کو عطا ہوا ہے جو فکری و عملی حیثیت سے اس کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

[فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ص ۱۱۲]

مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ اجماع امت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"''اجماع کے حجت ہونے میں اختلاف ہے کہ اجماع کب درست اور کب قابل حجت یا دلیل ہوگا جمہور علماء اس کی حجیت کے قائل ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا تجمع امتی علی ضلالة.

میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی۔

لیکن اجماع کا تعین بہت مشکل ہے اسی بنا پر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

من ادعی الاجماع فهو کاذب.

اجماع کا دعوی کرنے والا کاذب ہے۔

[اعلام الموقعین ۱/۲۴]

امام شافعی فرماتے ہیں:

ما لا یعلم فیه خلاف فلیس اجماعا.

جس مسئلہ میں اختلاف کا علم نہ ہو تو اس میں اجماع نہیں ہوسکتا۔

اس کے بعد مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

دونوں ائمہ اجماع کے اس شرط کے ساتھ قائل ہیں کہ پہلے عالم اسلام کے علماء کا اتفاق اور اختلاف معلوم ہو اور بعد میں اتفاق واقع ہو تو وہ اجماع قابل حجت اور دلیل ہوگا پھر اجماع بھی جہری ہونا چاہیے سری نہیں کیونکہ سرّی اجماع میں اختلاف کی حقیقت معلوم نہیں ہوسکتی۔ کسی ایک علاقے یا شہر کا اجماع تمام عالم اسلام کے لیے حجت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ امت کا ایک جزو ہیں اور جزو تمام امت کے لیے حجت نہیں ہوسکتا۔

ہاں اس بات پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ اجماع صحابہ حجت اور واجب العمل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

[ص:۱۱-۱۲]

قیاس

قیاس کے لغوی معنیٰ ''اندازہ کرنا مطابق اور مساوی کرنا'' ہیں۔ فقہاء کی اصطلاح میں علت کو

مدار بنا کر سابقہ فیصلہ اور نظر کی روشنی میں نئے مسائل حل کرنے کو قیاس کہتے ہیں۔

مولانا گوندلوی قیاس کے بارے میں لکھتے ہیں:

سلف صالحین میں قیاس کے حجت ہونے کے بارے میں کچھ زیادہ ہی اختلاف تھا۔ صحابہ کرام اور تابعین عظام قیاس کو شرعی دلیل نہیں بناتے تھے۔ ہاں جب کسی مسئلہ میں کوئی دلیل نہ ملتی۔ تو پھر وہ قیاس کو اس اعتبار سے قابل عمل سمجھتے تھے کہ جیسے کسی مجبور کے لیے مردہ کو حلال سمجھا جاتا ہے اور سوال کرنے پر واضح کر دیتے کہ یہ فتوی قیاسی ہے تمھارے لیے اس فتوی پر عمل کرنا ضروری نہیں۔

بعد کے فقہاء نے قیاس کو شرعی دلائل میں شمار کیا۔ اور ساتھ ہی فقیہ اور غیر فقیہ کی اصطلاح بھی وضع کر ڈالی۔ صحابہ کرام کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا جس کو چاہا فقیہ مان لیا۔ اور جس کو چاہا بغیر دلیل غیر فقیہ کہہ دیا پھر قیاس میں اس قدر غلو سے کام لیا کہ غیر فقیہ صحابہ کی احادیث کو محض اس لیے رد کر دیا کہ وہ ان کو قیاس کے خلاف تھیں اگرچہ صحت کے انتہائی درجہ کو پہنچی تھیں۔

اجتہاد

یہ اصول اس لیے وضع کیے گئے تھے تاکہ عند الضرورت دلائل سے استنباط کر کے پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد کیا جا سکے۔ اور اسلام زندگی کے ہر شعبے کے لیے مکمل ضابطہ اور قانون ثابت ہو نیز اجتہاد کسی ایک زمانہ کے ساتھ خاص نہ ہو بلکہ قیامت تک جاری رہے۔

تقلید

قیاس میں غلو کرنے والوں اور اجتہاد کے دروازوں کے بند کرنے والوں نے دلائل شرعیہ کو ترک کر کے امت کے لیے ایک نئی راہ نکالی۔ جس سے علم کو محدود اور محصور کرنا مقصود تھا تاکہ امت پر ائمہ اربعہ کی تقلید واجب ہو جائے حالانکہ اصول اربعہ میں تقلید کا نام ونشان نہیں اور نہ ہی اسلام نے کسی کو مقلد بننے کا مکلّف بنایا ہے۔

اسلام نے تو کتاب وسنت کی اتباع کا حکم دیا۔ اور جمود وتقلید کو ختم کرنے کے لیے اجتہاد کو لازمی قرار دیا ہے لیکن ان حضرات نے کمال تناقض سے اجتہاد کو بند کر دیا۔ اور تقلید کو فرض قرار دے دیا۔

حالانکہ قرآن وحدیث اور ائمہ اربعہ کے اقوال میں کہیں تقلید کا حکم نہیں۔

[صفحہ:۱۲-۱۳]

تعریف تقلید

لغت میں تقلید کے معنی گلے میں کسی چیز کا لٹکانا ہے جب اس لفظ کا صلہ دین کے ساتھ آئے تو اس کے معنی بدل جاتے ہیں۔

المنجد میں تقلید کے یہ معنی بیان ہوئے ہیں:

تقلید ایسی پیروی کا نام ہے جو غور وخوض سے خالی ہو۔

مصباح اللغات میں تقلید کے یہ معنی لکھے گئے ہیں:

نصرانیوں کی سینہ بسینہ باتوں کو تقلید کہا جاتا ہے۔

[مصباح اللغات ص:۷۰۱]

اصطلاحی تعریف

علمائے اصول نے تقلید کی تعریف یہ کی ہے۔

تقلید ایسے عمل کا نام ہے جو دوسرے کی بات پر بغیر دلیل کے کیا جائے۔

[مسلم الثبوت ص۴]

بعض نے تقلید کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

بغیر دلیل کے کسی بات پر عمل کرنا تقلید ہے۔

علامہ حسن شرنبلانی تقلید کی تعریف درج ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:

"تقلید کا اصل ایسے شخص کی بات پر عمل کرنا جس کا قول چاروں شرعی حجتوں (کتاب وسنت، اجتہاد اور قیاس) پر مبنی نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ (حدیث) اور اجماع کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں ہے اس لیے کہ یہ دونوں حجت شرعیہ میں سے ہیں۔

علامہ کمال نے اپنی کتاب "تحریر" میں اور ابن امیر الحاج نے فرمایا: کہ جاہل کا مفتی کے قول اور قاضی کا ثقہ کے قول پر عمل کرنا تقلید نہیں کیونکہ اگر چہ یہ شرعی حجت سے نہ ہو تو ان پر عمل کرنا درست نہیں۔"

[معیار الحق ص ۶۹]

مولانا گوندلوی مندرجہ بالاتحریروں کی روشنی میں لکھتے ہیں:

''تقلید کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ اس کو شرعی حجت سے خارج سمجھا جائے شرعی حجت چونکہ منصوص ہوتی ہے اور تقلید میں نص اور دلیل سرے سے موجود نہیں ہوتی اسلام میں جو چیز بغیر دلیل کے ہے وہ یقیناً گمراہی ہے۔''

[ص:١٦]

تقلیداوراتباع میں فرق

تقلید بغیر دلیل کے ہوتی ہے لیکن اتباع بادلیل ہوتی ہے امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہروہ چیز جس پر دلیل قائم وہ اتباع ہے اتباع دین میں جائز ہے اوتقلید منع ہے۔

[اعلام الموقعین ٢/ ١٣٧]

مولانا مرتضی حسن دیوبندی لکھتے ہیں:

اطاعت تقلید کے معنی سے عام ہے کہ خداوند قدوس اور سرور عالم ﷺ کی اطاعت کو تقلید نہیں کہا گیا نیز ہر مجتہد کا قول فی نفسہ حجت (دلیل) نہیں اور خداوند عالم اور سرور عالم ﷺ کا قول فی نفسہ حجت شرعیہ ہے۔

[تحقیق الکفر والایمان ص ٥]

ان الفاظ سے اتباع اور تقلید کا فرق واضح ہو گیا ہے کہ تقلید اور اتباع دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

مولانا گوندلوی لکھتے ہیں:

اتباع اور تقلید میں فرق اس اعتبار سے بھی ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات تمام نقائص سے پاک ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ بھی معصوم عن الخطا ہیں لیکن ہم کسی امام کے بارے میں یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی طرح معصوم ہے کیونکہ کسی امتی کی نسبت یہ دعوی نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ اس کی عصمت کا ذمہ لیا ہو بلکہ ائمہ میں خطاء کا احتمال صواب سے زیادہ ہے اس کا اعتراف علامہ شبلی نے ان الفاظ میں کیا ہے:

یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ہم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت عام دعوی کرتے ہیں کہ ان کے

مسائل صحیح اور یقینی ہیں امام ابوحنیفہ مجتہد تھے۔پیغمبر نہ تھے اس لیے ان کے مسائل میں غلطی کا ہونا ممکن ہے نہ صرف امکان بلکہ وقوع کا دعوی کر سکتے ہیں۔''

[سیرت النعمان ص ۲۸]

انھی الفاظ کی ترجمانی مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے کی ہے:

''ائمہ مجتہدین کے بارے میں یہ اعتقاد رکھا جائے کہ وہ معاذ اللہ شارع ہیں یا وہ معصوم اور انبیاء کی طرح خطاؤں سے پاک ہیں (یہ جمود ہے جس کی اجازت نہیں)۔''

[تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۵۶]

مقلد اور متّبع

اتباع بادلیل ہوتی ہے اور تقلید بغیر دلیل کے ہوتی ہے اتباع دلیل اور علم کے ساتھ ہوتی ہے اور تقلید جہالت کے ساتھ ہوتی ہے اس لیے متبع عالم ہوتا ہے اور مقلد جاہل ہوتا ہے۔

حافظ ابن عبدالبر قرطبی فرماتے ہیں:

''تمام کا اجماع ہے کہ مقلد عالم نہیں ہوتا کیونکہ علم کو دلیل کے ساتھ تو جاننے کا نام ہے۔''

حافظ ابن القیم امام ابن عبدالبر کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بات ایسے ہی ہے جیسا کہ امام ابوعمر (ابن عبدالبر) نے فرمایا کہ لوگوں کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ علم دلیل سے حاصل ہوتا ہے اور جو دلیل کے بغیر ہو وہ تقلید ہے۔''

[اعلام الموقعین ۱/۵]

شافعیہ کے نزدیک بھی مقلد عالم نہیں ہوتا جیسا کہ حافظ ابن قیم فرماتے ہیں:

''اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ تقلید علم نہیں اور مقلد پر عالم کے لفظ کا اطلاق نہیں ہوسکتا اکثر اصحاب اور جمہور شافعیہ کا یہی قول ہے۔''

[اعلام الموقعین ۱/ ۳۷]

مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوگیا ہے کہ مقلد کا شمار اصحاب علم میں نہیں ہوتا اس لیے

مجتہد کے لیے تقلید جائز نہیں کیونکہ اجتہاد کے لیے علم کی ضرورت ہوتی ہے۔"

[ص:۲۱]

تقلید کے جائز ہونے کے بارے میں مقلدین کے دلائل

مقلدین تقلید کے جائز ہونے میں یہ آیت پیش کرتے ہیں:

﴿فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾. [النحل:۴۳]

"اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو۔"

اس آیت کی تفسیر میں حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

"اہل الذکر سے مراد اہل کتاب ہیں جو پچھلے انبیاء اوران کی تاریخ سے واقف تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے جتنے بھی رسول بھیجے وہ انسان ہی تھے اس لیے اگر محمد رسول اللہ ﷺ بھی انسان ہیں تو یہ کوئی بات نہیں کہ تم ان کی شریعت کی وجہ سے ان کی رسالت کا انکار کردو۔ اگر تمھیں شک ہے تو اہل کتاب سے پوچھ لو کہ پچھلے انبیاء بشر تھے یا ملائکہ۔ اگر وہ فرشتے تھے تو بے شک انکار کر دینا اگر وہ سب ہی انسان تھے تو پھر محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا محض بشریت کی وجہ سے انکار کیوں۔"

[احسن البیان ص ۷۳۸]

ڈاکٹر محمد لقمان سلفی حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

مشرکین مکہ کو تعجب ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک انسان (مرد) کو کیسے اپنا نبی بنا دیا ان کے اسی شبہ کی تردید کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ سے پہلے جتنے انبیاء ہم نے بھیجے۔ سبھی انسان مرد تھے ایک بھی نبی فرشتہ نہیں تھا مشرکین مکہ سے کہا کہ اس بات کی تصدیق کے لیے یہود ونصاریٰ سے پوچھ لو جنھیں تم بھی اہل علم ودانش سمجھتے ہو وہ بھی تمھیں اپنی کتابوں کے حوالے سے بتائیں گے کہ انبیائے کرام ہمیشہ انسان مرد ہوا کرتے ہیں۔ جنھیں اللہ تعالیٰ ان کی صداقت کے واضح دلائل اورانسانوں کی ہدایت کے لیے کتابیں دے کر بھیجتا رہا ہے۔

تقلید شخصی کے قائلین نے اس آیت سے استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے جن کے پاس علم نہ ہو انھیں حکم دیا ہے کہ وہ اہل علم سے پوچھ لیں تو اس کا

جواب یہ ہے کہ آیت کا سیاق وسباق دلالت کرتا ہے کہ یہ آیت ایک خاص موضوع کے بارے میں سوال کرنے سے متعلق ہے جس کا تقلید شخصی سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ ابن جریر، بغوی اور اکثر مفسرین کی یہی رائے ہے۔ سیوطی نے اپنی تفسیر (درمنثور) میں اسے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور اگر فرض کر لیا جائے کہ آیت کریمہ سے مراد عام سوال ہے تو اہل الذکر سے سوال کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور کلمہ ذکر سے مراد صرف اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ہے یعنی ان لوگوں سے پوچھا جائے جو قرآن وسنت والے ہوں اور جن سے پوچھا جائے وہ جواب میں اللہ کا قول یا رسول اللہ ﷺ کا قول بیان کریں اور سوال کرنے والا اس پر عمل کرے۔ ایسی صورت میں یہ آیت مقلدین کی خلاف حجت بن گئی۔ اس لیے ان کا دعوی یہ ہے کہ لوگوں کے اقوال بغیر دلیل مانگے قبول کر لیے جائیں جبکہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قرآن وسنت کا علم رکھنے والوں کو قرآن کی آیت یا رسول اللہ ﷺ کی حدیث بتا دیں اگر کوئی مقلد اپنے امام کا مذہب نہیں بلکہ قرآن وسنت کا سوال کرتا ہے تو وہ مقلد نہیں رہتا بلکہ وہ قرآن وسنت کا متبع ہو جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ آیت تقلید شخصی کی نہیں بلکہ اتباع قرآن وسنت کی دلیل ہے اور تقلید شخصی کے قائلین کے خلاف وحجت ہے۔''

[تیسیر الرحمٰن لبیان القرآن ۱/ ۷۶۷]

مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

مقلدین بڑے شدومد سے اس آیت کریمہ کو تقلید کے جواز میں پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ اس آیت میں تقلید کا اشارہ تک موجود نہیں جس سے ائمہ کی تقلید ثابت ہو سکے۔ اس آیت میں تو یہ بتانا مقصود تھا۔ کہ تم جس رسول کی تکذیب پر کمر باندھے ہو اور اس کے مقام سے نا آشنا ہو تو اہل کتاب سے پوچھ لو کہ رسول اللہ ﷺ سے پہلے جتنے رسول آئے۔ وہ سبھی بشر تھے تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ محمد ﷺ انھی سچے رسولوں میں سے ایک ہیں۔

آیت کے مکمل الفاظ یہ ہیں:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾. [النحل:٤٣]

''آپ سے پہلے بھی ہم مردوں کو بھیجتے رہے جن کی جانب وحی اتارا کرتے تھے پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرو۔''

وہ تمھیں بتائیں گے کہ دنیا میں جتنے رسول آئے سب کے سب بشر تھے اس آیت کہ سیاق وسباق سے ثابت ہوا ہے کہ اس آیت کے مخاطب مشرکین ہیں۔اور اہل الذکر سے مراد اہل کتاب ہیں۔اس آیت میں ایک خاص اعتراض رفع کرنے میں اہل کتاب کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا جارہا ہے کہ وہ صحائف انبیاء اور آسمانی کتابوں سے واقف تھے۔حالانکہ وہ خود رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے قائل نہ تھے۔تو پھر ان سے سوال کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنے علم کی بنا پر تمھیں بتا دیں گے کہ رسول بشر ہی ہوتا ہے اور رسول کا بشر ہونا اس قدر واضح ہے کہ اہل کتاب سے بھی اس کی تصدیق کی جا سکتی ہے۔''

[ص:۲۳]

اس کے بعد مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''ہم مقلدین سے یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ آخر اس میں اللہ تعالیٰ نے تقلید شخصی کو کہاں واجب قرار دیا ہے اگر اس آیت سے تقلید شخصی کا کوئی پہلو نکلتا ہے کہ اگر تم علم سے واقفیت نہیں رکھتے تو کسی اہل علم سے پوچھ لو۔تو اس میں کسی ایک کی تخصیص کا اشارہ تک نہیں۔اگر آپ کی بات کو تسلیم کیا جائے تو پھر کیا اسلام میں اہل علم چار ہی ہوئے ہیں اور ان کے بعد علم کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے یا ان چاروں نے بعد میں آنے والوں کو قیامت تک کے لیے علمی ضرورت سے مستغنی کر دیا ہے تو واضح رہے کہ کوئی مقلد اس کا جواب نہیں دے سکتا تو مسئلہ صاف ہو گیا کہ اہل الذکر سے مراد ہر دور کے علماء ہیں جو ذکر (کتاب وسنت) پر عمل پیرا ہوں۔

اگر آج کے مقلد مفتی فتوی دیتے وقت فقہ کی کتابوں سے متقدمین کی عبارت کو نقل کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں تو کونسی چیز مانع ہے کہ وہ قرآن کریم اور کتب حدیث (

جو وحی کے مبارک الفاظ ہیں) نقل کر کے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی رضامندی بھی حاصل کریں اور ثواب بھی پائیں۔

المختصر یہ آیت کسی طریقہ سے بھی تقلید کو ثابت نہیں کرتی بلکہ یہ تو تقلید کے خلاف ایسی واضح ہے جس کا انکار طالب حق سے نہیں ہو سکتا۔''

[ص:۲۵]

حدیث سے استدلال

مقلدین حضرات جس طرح قرآنی آیات سے تقلید شخصی کا جواز تلاش کرتے ہیں۔ اسی طرح حدیث نبوی سے بھی تقلید شخصی کے ثبوت میں جواز کا عمل حل تلاش کرتے ہیں۔

۱۶ ہجری مطابق ۶۳۷ء میں خلیفہ ثانی امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بیت المقدس فتح ہوا۔ اور عیسائیوں نے اسلامی افواج کے سپہ سالار سے یہ درخواست کی کہ بیت المقدس شہر کی چابیاں ہم آپ کے خلیفہ عمر بن خطاب کو خود پیش کریں گے۔ چنانچہ سپہ سالار نے اس کی اطلاع حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے اور جابیہ کے مقام پر ٹھہرے۔ جابیہ میں آپ کا قیام دیر تک رہا۔ اور بیت المقدس کا معاہدہ بھی یہیں لکھا گیا۔

[الفاروق ص ۱۴۴ مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۹۹۳ء]

جابیہ کے قیام کے دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلامی افواج اور دوسرے مسلمانوں کے سامنے ایک فصیح وبلیغ خطبہ ارشاد فرمایا پھر یہ خطبہ تاریخ طبری اور دوسری کتابوں میں محفوظ ہے۔ اس خطبہ کا ایک اقتباس درج ذیل ہے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

اے لوگو! جو قرأۃ کے متعلق پوچھنا چاہتا ہے وہ ابی بن کعب کے پاس جائے اور جو وراثت کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہے وہ زید بن ثابت سے پوچھے۔ جسے فقہ کے بارے میں سوال کرنا ہے وہ معاذ بن جبل سے پوچھ لے۔ اور جو مال طلب کرنا چاہتا ہے وہ میرے پاس آجائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مال کا والی اور اس کا تقسیم کرنے والا بنایا ہے۔''

مقلدین حضرات اس خطبہ سے تقلید کا جواز ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں:

امت کو ان تینوں کے فتویٰ پر عمل کرنا چاہیے کیونکہ یہ تینوں حضرات اپنے اپنے فن کے ماہر تھے۔

مولانا گوندلوی مرحوم لکھتے ہیں:

یہ استدلال سرے سے ہی غلط ہے:

❶ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ مقصد نہیں تھا کہ امت کو ان تینوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تقلید پر جمع کیا ہے بلکہ ان صحابہ عظام کے علم وفضل کی خبر دینا مقصود تھی یہ تینوں حضرات فلاں فلاں فن کے ماہر ہیں پھر ان صحابہ کے متعلق حسن ظن سے کام نہیں لیا ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اپنے اپنے فن میں ماہر ہونے کی خبر دی تھی۔

❷ صحابہ کرام کی اتباع تقلید نہیں ہوتی کیونکہ اس پر نص (دلیل) موجود ہوتی ہے اور یہ بات واضح رہے کہ مرفوع روایات کے وقت کسی صحابی کی ذاتی رائے کو قطعا قبول نہیں کیا جا سکتا یہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ذاتی عمل تھا بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو بعض روایتوں میں تحقیق فرمایا کرتے تھے جیسا کہ استیذان والی حدیث ہے۔

❸ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس خطبہ میں تین قسم کے مسائل ذکر کیے ہیں اور ہر فن کے لیے الگ الگ عالم کا انتخاب کیا ہے تو یہ انتخاب بذات خود تقلید کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ یہ تینوں حضرات اپنے اپنے فن کے ماہر تھے اور ان کی مہارت پر دلیل شرعی تھی کہ ان کی شہادت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ اگر ان حضرات پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکمل اعتماد تھا تو کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اعتماد نہیں ہونا چاہیے تھا۔ یقیناً ایسا ہی تھا حالانکہ صحابہ کرام میں بہت سے علماء اور بھی موجود تھے لیکن ان تینوں کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا اللہ تعالیٰ نے نام لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے قرآن سننے کو پسند کرتا ہے۔ (مشکوۃ) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو آپ نے یمن کا حکام بنا کر بھیجا تو اس پر بھی مکمل اعتماد اور خوشی کا اظہار فرمایا۔ اسی طرح حضرت زید رضی اللہ عنہ کے علم کا ماہر ہونا بھی آپ کی زبانی ثابت ہے تو پھر یہ تقلید کیسے ہوگئی۔ ایک طرف تو اصول والے تقلید کی تعریف میں دلیل نہ ہونے کی قید لگاتے ہیں اور ان حضرات کے عالم ہونے میں کسی کو شک نہیں تو پھر کسی مزید دلیل کی ضرورت کیا پھر ان تینوں حضرات سے قیاس کی سخت نفی آئی ہے۔

جب یہ قیاس کے قائل نہیں تھے تو پھر یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ وہ اپنی رائے سے فتوی دیتے۔

4. تین صحابہ کا ذکر فرمانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ علم کو کسی ایک میں محصور نہیں جانتے تھے اور یہ بات تقلید شخصی کے زبردست خلاف ہے کیونکہ تقلید شخصی میں صرف ایک شخص کی ہر بات کو بغیر دلیل کے قبول کرنا ہوتا ہے اور یہاں تین افراد کا ذکر ہے۔

5. خود مقلدین کا عمل اس کے خلاف ہے اس لیے کہ یہ ایک ہی امام پر تمام انحصار کر کے احادیث سے دامن چھڑائے ہوئے ہیں۔ **فیا للعجب المقلد المتعصب**

[صفحہ: ۳۶-۳۷]

تقلید عہد صحابہ کرام میں

مقلدین حضرات یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ صحابہ کرام میں بھی تقلید کا عنصر پایا جاتا تھا یہ بات کسی بھی لحاظ سے صحیح نہیں ہے۔ صحابہ کرام تقلید سے بری تھے اور کوئی شخص کسی صحابی کا نام لے کر یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں صحابی، فلاں صحابی کا مقلد تھا صحابہ کرام کو جب کوئی مسئلہ درپیش آتا تھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا حل دریافت فرماتے تھے آپ کے انتقال کے بعد کسی مسئلہ کا حل تلاش کرنے کی ضرورت پیش آتی تو اہل علم سے دریافت کرتے تھے۔

حافظ ابن قیم نے اپنی کتاب اعلام الموقعین میں لکھا ہے کہ صحابہ کرام ایک دوسرے سے ضرورت اور حاجت کے وقت مسائل دریافت کیا کرتے تھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ طریقہ کار تھا کہ جب کوئی مسئلہ درپیش آتا تو پہلے اس کا حل کتاب اللہ میں تلاش کرتے اگر کتاب اللہ سے رہنمائی نہ ملتی تو پھر اس کا حل سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ڈھونڈتے اگر سنت بھی معاون ثابت نہ ہوتی تو صحابہ کرام کو جمع فرماتے اور اس کے بارے میں استفسار فرماتے اگر کوئی حدیث مل جاتی تو اس پر عمل کرتے ورنہ صحابہ کرام کے مشورہ سے جو طے ہوتا اس پر عمل کرتے۔

[اعلام الموقعین ۱/ ۴۷]

مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ان دلائل کے باوجود اگر کوئی صاحب یہ سمجھے کہ صحابہ کرام مقلد تھے یا اس مبارک دور میں تقلید کا وجود تھا تو ہم اس کی علم سے ناواقفیت سمجھیں گے۔ یا پھر وہ تعصب سے کام لیتے ہوئے دلائل وبراہین سے اغماض کرتے ہیں ہم ان مقدس ہستیوں کو تقلید کا الزام

کیسے دے سکتے ہیں جو علم کے ستون، وحی کے اولین محملین، علم میں گہرے تعمق وتعصب سے کوسوں دور اور عامل بالسنہ تھے۔''

[ص:۳۸]

۳۔ ردتقلید

تقلید کی تردید میں کتاب اللہ، احادیث نبوی، آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اقوال تابعین وائمہ عظام اور علمائے اسلام کے بے شمار دلائل وشواہد موجود ہیں۔ مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب کے صفحہ ۳۹ تا ۱۰۷ میں بڑی تفصیل سے بیان فرمائے ہیں ہم ذیل میں مختصرا کچھ اپنی اور کچھ مولانا گوندلوی کی زبان میں درج کرتے ہیں۔

تقلید کی تردید قرآن مجید سے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِیْۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾.

''پس جو وحی آپ کی طرف کی گئی ہے اسے مضبوطی سے تھامے رہیں بے شک آپ راہ راست پر ہیں۔''

اس آیت کی تفسیر میں ڈاکٹر محمد لقمان سلفی حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

جو قرآن آپ پر نازل ہوا ہے اور جو اعلان حق آپ کو دیا گیا ہے اس پر آپ گامزن رہیے اور اللہ کا شکر ادا کیجیے جو قرآن آپ پر نازل ہوا ہے وہ آپ اور آپ کی امت کے لیے باعث شرف وعزت ہے اور عزت وموعظت، علوم وحکم اور شرائع اسلام کا خزانہ ہے۔ قیامت کے دن آپ کے امت سے پوچھا جائے گا کہ انھوں نے کس حد تک مذکور اوامر ونواہی کی پابندی کی۔

[تیسیر القرآن لبیان القرآن ۲/۱۲۷۶]

﴿وَاَنِ احْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ﴾.

''(اور ہم نے آپ پر یہ حکم بھی نازل کیا کہ) آپ ان کے درمیان اسی کتاب کے مطابق فیصلہ کیجیے جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل کیا ہے اور ان کی خواہشات کی

پیروی نہ کیجیے۔''

اس آیت کی تفسیر میں ڈاکٹر محمد لقمان سلفی حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نازل کیا ہے تاکہ آپ یہود ونصاری کے درمیان اللہ کی نازل کردہ وحی کے مطابق فیصلہ کریں اور ان کی خواہشات کی اتباع نہ کریں اور اس بات سے ڈرتے رہیں کہ کہیں وہ آپ کو بعض احکام الٰہیہ سے منحرف نہ کریں اور اگر وہ اللہ کے حکم کے علاوہ کچھ اور پا لیتے ہیں تو آپ جان لیجیے کہ اللہ انھیں ان کے دیگر بہت سے گناہوں کے ساتھ اس نافرمانی کے گناہ میں بھی مبتلا کرنا چاہتا ہے اور بہت سے لوگ کفر میں بڑھے چڑھے حد سے متجاوز ہوتے ہیں۔

[تیسیر الرحمٰن لبیان القرآن ۱/۳۵۰]

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی لکھتے ہیں:

اس آیت میں اس بات کا حکم ہے کہ پیروی صرف وحی کی ہوسکتی ہے فیصلہ وحی کے ذریعے ہوسکتا ہے وحی کی موجودگی میں اہواء وخواہشات، دوسرے لفظوں میں آراء وقیاسات کی تقلید نہیں ہو سکتی پھر اس آیت کریمہ کے مخاطب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جن کا ہر قول وفعل تمام مسلمانوں کے لیے اسوہ ہے بنابریں مسلمانوں کو قیاسات چھوڑ کر کتاب وسنت کو مشعل راہ بنانا چاہیے کیونکہ ان دونوں کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے اور ان کے علاوہ فتوی دینا درست نہیں۔

[ص:۳۹]

اہل کتاب کی تقلید

اہل کتاب بھی اسی قسم کی تقلید میں مبتلا تھے کہ انھوں نے احکام الٰہی کو چھوڑ کر اپنے علماء کی تقلید کرنا مشروع کردی تھی اور ان کے اس فعل کی قرآن مجید نے مذمت کی ہے:

﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾.

[التوبہ:۳۱]

''ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے اور مریم کے

بیٹے مسیح کو حالانکہ انھیں صرف ایک اکیلے اللہ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔"

اس حدیث کی تفسیر حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث سے بخوبی ہو جاتی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ آیت سن کر عرض کیا کہ یہود ونصاریٰ نے تو کبھی اپنے علماء کی عبادت نہیں کی پھر یہ کیوں کہا گیا کہ انھوں نے ان کو رب بنالیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ٹھیک ہے کہ انھوں نے ان کی عبادت نہیں کی لیکن یہ بات تو ہے کہ ان کے علماء نے جس کو حلال قرار دے دیا اس کو انھوں نے حلال اور جس چیز کو حرام کر دیا۔ اس کو حرام ہی سمجھا۔ یہی ان کی عبادت ہے۔

[صحیح ترمذی للالبانی نمبر ۲۴۷۱]

اس کے بعد صاحب احسن البیان فرماتے ہیں:

کیونکہ حرام وحلال کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے یہی حق اگر کوئی شخص کسی اور کے اندر تسلیم کرتا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اپنا رب بنالیا ہے اس آیت میں ان لوگوں کے لیے بڑی تنبیہ ہے جنھوں نے اپنے اپنے پیشواؤں کو تحلیل وتحریم کا منصب دے رکھا ہے اور ان کے اقوال کے مقابلے میں وہ نصوص قرآن وحدیث کو بھی اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

[احسن البیان ص ۵۱۷]

مولانا گوندلوی لکھتے ہیں:

اس آیت کی اس مذکورہ تفسیر سے ان حضرات کو بھی اتفاق ہے کہ اہل کتاب کا معاملہ ایسے ہی تھا کہ وہ صرف علماء کی باتوں کو واجب العمل سمجھ بیٹھے تھے۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی طرف رجوع کرنا ترک کر دیا تھا بلکہ صرف علماء کے حکم پر بلا سوچے سمجھے سر جھکا دیتے۔ ان کی اس روش کو اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کی عبادت سے تعبیر کیا ہے۔ تقلید بھی اسی کا نام ہے کہ امام کی بات کو بلا چوں وچرا قبول کر لیا جائے اور اس پر کسی قسم کی دلیل طلب نہ کی جائے۔ امام دلیل سے یا اپنی رائے سے کسی چیز کو حلال یا حرام کہہ دے تو اس کو فوراً قبول کر لیا جائے۔

مقلد کو صرف مجتہد کا قول کافی ہوتا ہے۔

بعض لوگ مغالطہ دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم ایسی تقلید کے بالکل قائل نہیں کہ

امام کوحلال وحرام کا اختیار دے دیا جائے یا ان کوشارع کی حیثیت دے دی جائے۔

[ص:۴۲]

امام محمد بن علی شوکانی اپنی تفسیر فتح القدیر میں اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں فرماتے ہیں:

یہ آیت ہر عقل وبصیرت والے انسان کوتقلید سے باز رکھتی ہے اور ائمہ کے اقوال کو کتاب وسنت کے مقابلہ میں ترجیح دینے سے روکتی ہے جولوگ نصوص ودلائل کی مخالفت کر کے علماء وائمہ کی آراء کی تعمیل کرتے ہیں ان کا طرز عمل یہود ونصاری سے ملتا جلتا ہے۔ انھوں نے اپنے علماء کواور اماموں کورب بنالیا تھا یہ بات پختہ ہے کہ یہود ونصاری اپنے ائمہ اور علماء کی عبادت نہیں کرتے تھے بخلاف ازیں وہ ان کی اطاعت کرتے تھے جس چیز کو وہ حلال کہتے، حلال سمجھتے۔ اور جس کوحرام کہتے ان کوحرام قرار دیتے تھے موجودہ مقلدین کا طرز عمل بھی بالکل اسی طرح کا ہے جیسے انڈہ دوسرے انڈے کے اور کھجور دوسری کھجور کے مشابہ ہوتی ہے۔ افسوس کا مقام ہے کہ لوگوں نے کتاب وسنت کو چھوڑ کر اپنے جیسے رجال کی عبادت شروع کر دی ان کے افکار وآراء کی پیروی کرنے لگے۔ خواہ کتاب وسنت سے ان کے آراء وافکار کی تائید بھی ہوتی ہو حالانکہ کتاب وسنت کے نصوص ببانگ دہل ان کی تردید کرتی ہے۔

[تفسیر فتح القدیر ۲/۳۵۴]   [ص:۴۳-۴۴]

خطیب الہند مولانا محمد بن ابراہیم میمن جونا گڑھی فرماتے ہیں:

انھوں نے کتاب اللہ کو چھوڑ کر بزرگوں کومختلف راؤں اور ان کے ازخود ایجاد کردہ اقوال کی تابعداری شروع کر دی انھوں نے شرعی مسائل میں اپنے ائمہ کی تقلید شروع کر دی اور اپنے علماء اور فقہاء کو خدا کے علاوہ رب بنالیا۔

[ص:۴۴]

تقلید کی تردید احادیث سے

کتاب اللہ کے بعد حدیث نبوی کا درجہ ہے۔ جس طرح کتاب اللہ کا منکر دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حدیث کا منکر بھی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اللہ کے حکم کے بغیر کوئی بات نہیں کرتے۔

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى. اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾. [النجم:۳-٤]

''وہ اپنے خواہش سے نہیں بولتے جو بولتے ہیں وہ وحی ہوتی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔''

علمائے اسلام کا متفقہ فیصلہ ہے:

''حدیث بھی وحی ہے اور جو وحی کا منکر ہے وہ مسلمان ہو نہیں سکتا۔''

۱۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: اے بیٹے! اگر تو قدرت رکھتا ہے کہ تو صبح کرے یا شام کرے اور تیرے دل میں کینہ نہ ہو تو ایسا ضرور کر۔ لیکن یہ میری سنت سے حاصل ہوگا۔ اے بیٹے! جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے میرے ساتھ محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

[جامع ترمذی]

مولانا گوندلوی مرحوم اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

معلوم ہوا کہ کینہ وحسد سے پاک رہنا اس وقت ممکن ہوگا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کیا جائے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کی سنت پر عمل کیا جائے اگر سنت پر عمل نہیں تو نہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہو سکتی ہے اور نہ ہی جنت میں داخل مل سکتا ہے۔

گر جنت میں جانے کا ارادہ ہے تمامی کا
پہن لو گلے میں کرتہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا

اگر مقلدین برا نہ مانیں تو ہم یہ بات کہہ دیتے ہیں کہ ان حضرات کو حدیث میں اشتباہ اور شک ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے یہ حدیث پر عمل کرنے سے خود کو معذور سمجھتے ہیں۔ اور اس مشہور اصول کی وجہ سے سنت نبوی کو ٹھکرا دیتے ہیں کہ جب حدیث قول امام کی مخالف ہو تو پھر حدیث پر عمل نہیں کرنا چاہیے۔

[ص:۵۴]

۲۔ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَا تُقَلِّدُوا الْعَالِمَ فِيْ دِيْنِكُمْ.

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دین میں کسی عالم کی تقلید نہ کرنا۔

[طبرانی فی الاوسط]

مولانا گوندلوی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

یہ حدیث کس قدر واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تقلید کا نام لے کر اس سے منع کیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بڑے بڑے فتنوں کی طرح آپ کو اس کا بھی خدشہ ہو کہ اہل کتاب کی طرح کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان میری سنت کو چھوڑ کر کسی عالم کی تقلید میں گرفتار نہ ہو جائیں کیونکہ اہل کتاب میں یہ وبا اس قدر جڑ پکڑ چکی تھی کہ انھوں نے کتاب اللہ کی پرواہ تک نہ کی۔ اور آراء الرجال پر عمل کرنا شروع کر دیا آپ نے اس خدشے کی بنا پر امت کو تقلید سے منع فرما دیا۔

[ص:۵۹]

تقلید کی تردید آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے

صحابہ کرام کی وہ مقدس جماعت ہے جن کے ایمان کی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں شہادت دی ہے سورہ حجرات آیت نمبر ۷ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمھارے لیے محبوب بنا دیا ہے اور اسے تمھارے دلوں میں زینت دے رکھی ہے اور کفر، گناہ اور نافرمانی کو تمھاری نگاہوں میں ناپسندیدہ بنا دیا ہے یہی لوگ راہ یافتہ ہیں۔

ڈاکٹر محمد لقمان سلفی حفظہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے بارے میں شہادت دی کہ درحقیقت یہی لوگ راہ حق پر چلنے والے اور اس پر شدت کے ساتھ قائم رہنے والے ہیں۔

[تیسیر الرحمٰن لبیان القرآن ۲/۱۴۵۰]

مولانا گوندلوی مرحوم لکھتے ہیں:

یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے رسول اکرم ﷺ کا مشاہدہ کیا تھا آپ کی صحبت میں رہ کر علمی استفادہ کیا اور آپ کے ہر قول وفعل پر بغیر کسی عصیان اور نافرمانی کے عمل کیا تمام صحابہ میں کسی ایک صحابی کا نام نہیں لیا جا سکتا جو آپ ﷺ کی حدیث کا منکر یا تارک ہو، تمام کے تمام سنت کے شیدائی اور دین کے محافظ تھے ان کے ہاں کتاب وسنت سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہ تھی۔

[ص:۵۹]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سنت نبوی کے ہوتے ہوئے کسی کے فتوی وقول کو قبول نہیں کرتے تھے۔

ا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے خطبہ خلافت میں فرماتے ہیں:

میں نے اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے ہدایت پائی اور جس نے نافرمانی کی وہ کھلا گمراہ ہے۔لوگوں میں تمھیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ سے ڈرو اور احکام الہٰی کی تعمیل کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے واضح ہدایت کا انتظام کیا ہے۔

[تاریخ الخلفاء ص ۱۱۸]

۲۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

رائے اور قیاس والوں سے بچو کیونکہ یہ سنت کے دشمن ہوتے ہیں اس لئے کہ احادیث یاد کرنے سے عاجز آجاتے ہیں تو رائے سے فتوی دیتے ہیں خود بھی گمراہ ہوتے ہیں۔اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

[اعلام الموقعین ۱/ ۴۷]

۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کوئی شخص اپنے دین میں کسی شخص کی تقلید نہ کرے اگر جس کی تقلید کی جارہی ہے مسلمان ہو تو مقلد بھی مسلمان۔اگر وہ اسلام سے خارج ہے تو مقلدین بھی خارج۔

[اعلام الموقعین ۱/ ۴۷]

مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا فرمان کس قدر واضح ہے کہ کوئی شخص اپنے دین میں کسی کی تقلید نہیں کرسکتا۔

[ص:۶۲]

لیکن مولانا محمد تقی عثمانی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس اثر کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ صاف بتارہے ہیں کہ وہ ایمانیات میں کسی کی تقلید کو جائز قرار نہیں دے رہے۔اور یہ ہم بار بار عرض کرچکے ہیں کہ ایمانیات میں تقلید ہمارے نزدیک درست نہیں۔

[تقلید کی شرعی حیثیت ص:۱۲۹]

اس کے بعد مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

مولانا کے علم میں تو کسی کو کلام نہیں لیکن ہمارے خیال میں انھوں نے تقلید کی تفریق میں جو توجیہ پیش کی ہے کہ حضرت عبداللہ ایمانیات میں تقلید کے قائل نہیں تھے لیکن احکام میں اس کو درست سمجھتے تھے یہ سراسر صحابی رسول پر افتراء اور الزام ہے جو صحابی قیاس کے اس قدر مخالف ہو کہ وہ اسے اسلام کے گرانے کا سبب سمجھے۔ تو یہ کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ وہ آراء الرجال کی تقلید کو دین سے جائز سمجھے پھر آپ نے اپنے مدعا میں حضرت عبداللہ کا جو قول پیش کیا ہے وہ تمھارے دعوی کو کسی طرح ثابت نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ صحابی کی اتباع بادلیل ہوتی ہے جس کا تقلید کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

[ص:٦٣]

۴۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

(۱) جو کوئی دین میں رائے نکالے اور اس کا تعلق کتاب وسنت سے نہ ہو تو اس کے بارے میں کوئی علم نہیں کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کو ملے گا تو کس حالت میں ہوگا۔

(۲) جو شخص کتاب وسنت کے بعد اپنی رائے قائم کرے تو مجھے اس کے متعلق علم نہیں کہ اس کو نیکیوں میں شمار ہوگا یا برائیوں میں۔

[اعلام الموقعین ۱/ ۴۸۔۴۹]

۵۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فتنے بہت سے ہوں گے مال زیادہ ہوگا قرآن پڑھا جائے گا مرد عورت بوڑھے بچے جوان منافق اور مومن سبھی پڑھیں گے لیکن اس پر عمل نہیں کریں گے مسجدیں بنائی جائیں گی لیکن وہاں کلام بدعت والا ہوگا۔ جس کا تعلق کتاب وسنت سے نہ ہوگا تم اسے سے بچو کیونکہ یہ بدعت اور گمراہی ہے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ کلمات تین بار دہرائے۔

[اعلام الموقعین ۱/ ۴۹]

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی لکھتے ہیں:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے اس اثر (فرمان) میں چند امور قابل غور ہیں۔

۱۔ فتنے زیادہ ہوں گے جب تقلیدی جمود نے زور پکڑا تو ساتھ ہی فتنے بڑھ گئے۔

۲۔ مال زیادہ ہوگا خیر القرون کے بعد حکومتوں کا انصرام مقلدین کے ہاتھ میں رہا جس سے ان کے پاس مال ودولت کے انبار لگ گئے۔

۳۔ قرآن پڑھا جائے گا لیکن اس پر عمل نہیں کیا جائے گا اصول فقہ کی کتابوں میں ہے۔ مقلد قرآن کے ظاہر پر عمل نہیں کرسکتا۔ اس کے لیے صرف اس کے امام کا قول معتبر ہوگا۔

۴۔ مساجد بنائی جائیں گی لیکن تبلیغ قرآن وسنت کی نہیں ہوگی۔ آج ہزاروں مساجد موجود ہیں جن میں اقوال ائمہ کی تعلیم دی جاتی ہے کتاب وسنت کا وجود علم کے لیے نہیں بلکہ تبرک کے لیے پڑھا جاتا ہے۔

۵۔ یہ بدعت ہے اس سے بچتے رہنا۔ اس میں شک نہیں کہ تقلید کا وجود خیر القرون میں نہیں تھا بلکہ یہ چوتھی صدی ہجری میں معرض وجود میں آیا۔

۶۔ ان کلمات کو تین بار اس لیے دھرایا گیا کہ سامع ان امور سے اچھی طرح تنبیہ ہو جائے۔

[ص:٦٦۔٦٧]

تقلید کی تردید تابعین عظام کے دور میں

تابعین کا دور بھی خیر القرون میں شمار ہوتا ہے اس دور میں کتاب وسنت پر عمل ہوتا تھا تقلید کا نام ونشان نہ تھا لیکن اس دور میں چند ایسے لوگ بھی پیدا ہوگئے۔ جنھوں نے اسلام کے اہم ترین مسئلوں میں قیاس اور رائے سے کام لینا شروع کر دیا۔ تاہم محدثین کرام ایسے لوگوں کی راہ میں رکاوٹ بن گئے اور انھوں نے کتاب وسنت کے فروغ میں ایک اہم کردار ادا کیا ان تابعین میں سے ذیل میں چند علماء کے اقوال کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ

تم قیاس سے بچو، واللہ اگر تم قیاس پر عمل کرو گے تو حرام کو حلال اور حلال کو حرام ضرور کرو گے ہاں تم کو اصحاب رسول سے حدیث پہنچے تو اس کی (عملاً وتبلیغاً) حفاظت کرو۔ [ایقاظ ص ١٤]

۲۔ قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ

سنت تمھارے قیاس سے پہلے وجود میں آچکی ہے تم سنت کی اتباع کرو اور بدعت کے پیچھے مت بھاگو تم گمراہی سے بچ جاؤ گے۔ اگر تم احادیث پر عمل کرو گے۔

۳۔ امام ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ

یہود ونصاریٰ نے جب اصل کو ترک کر کے رائے اور قیاس پر عمل کیا تو وہ (تحریف دین) جیسے فتنوں میں مبتلا ہوئے۔

[اعلام الموقعین ۱/۷۴]

۵۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

سنت کی موجودگی میں کسی کے قول کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔

مولانا گوندلوی فرماتے ہیں:

حضرت عمر کے الفاظ کس قدر واضح ہیں کہ جب سنت موجود ہو تو سنت پر عمل کرنا چاہیے مقلدین حضرات کو حضرت امام عادل کے اس منصفانہ فیصلہ کو قبول کر لینا چاہیے اور تقلید کو خیر باد کہہ کر سنت پر عمل کرنا چاہیے۔

[ص:۷۳]

تقلید کی تردید ائمہ اربعہ سے

۱۔ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ (۸۰ھ — ۱۵۰ھ)

۲۔ امام ابوعبداللہ مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ (۹۳ھ — ۱۷۹ھ)

۳۔ امام ابوعبداللہ محمد ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ (۱۵۰ھ — ۲۰۴ھ)

۴۔ امام ابوعبداللہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (۱۶۴ھ — ۲۴۱ھ)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فقاہت میں لاثانی ،تقوی وورع میں بے مثال عامل بالحدیث اور ضعیف حدیث کو قیاس پر مقدم سمجھنے والے تھے۔ [ص:۷۵]

آپ نے تقلید کی تردید مختلف پیراؤں میں کی ہے:

۱۔ آپ کے ایک شاگرد نے آپ سے دریافت کیا:

اگر آپ کا فتوی کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو تو کیا کرنا چاہیے؟

حضرت امام صاحب نے جواب میں فرمایا:

جب میرا فتوی کتاب اللہ، سنت رسول یا قول صحابہ کے خلاف ہو تو میرے فتوی کو چھوڑ دو اور کتاب وسنت وقول صحابہ پر عمل کرو۔

۲۔ جب میرا قول کتاب اللہ اور سنت نبوی کے خلاف ہو تو اس کو چھوڑ دو۔

۳۔ صحیح حدیث ہی میرا مذہب ہے (یعنی جب بھی صحیح حدیث کا علم ہو جائے تو اسے میرا مذہب سمجھ لینا)

۴۔ میں سب سے پہلے کتاب اللہ پر عمل کروں گا اور وہاں نہ پا سکوں تو سنت رسول پر۔ اگر وہاں بھی نہ مل سکے تو قول صحابہ سے راہ ہدایت پکڑوں گا۔ اگر صحابہ سے بھی مسئلہ کا وجود معلوم نہ ہو سکے تو پھر مرضی ہے جس کے قول پر چاہوں گا عمل کرلوں گا۔ جب معاملہ ابراہیم نخعی، امام شعبی، ابن سیرین، حسن، عطا، ابن مسیّب اور دیگر اکابر تابعین تک پہنچ جائے تو یہ مجتہد تھے اور میں بھی مجتہد ہوں جیسے انھوں نے اجتہاد سے کام لیا میں بھی اجتہاد کرلوں گا۔

مولانا گوندلوی لکھتے ہیں:

امام صاحب کے اقوال سے یہ بات واضح ہوتی ہے:

اول ماخذ: قرآن مجید

دوم ماخذ: حدیث نبوی

سوم ماخذ: آثار صحابہ اقوال تابعین ومجتہدین

اس کے بعد مولانا گوندلوی فرماتے ہیں:

یہ وہ سنہری اصول ہیں جن پر تمام علماء کا اجماع ہے اور یہی اصول تقلید کی بیخ کنی کے لیے کافی ہے آپ حضرت امام کے ان الفاظ پر غور فرمائیں کہ مجتہدین کے اقوال میں جس کو چاہوں قبول کروں اور جس کو چاہوں رد کردوں۔ یہ تقلید شخصی کے لیے ایٹم بم کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ تقلید شخصی میں فرد واحد کے معیار کو تسلیم کیا جاتا ہے جب کہ ایسے الفاظ میں فرد واحد کو معیار تسلیم نہیں کیا گیا۔

اس کے بعد مولانا مرحوم لکھتے ہیں:

ان تمام فرمودات وارشادات سے مقلدین کو سبق حاصل کرنا چاہیے کہ وہ تقلید شخصی جیسے فعل کا ارتکاب کر کے امام کی کس قدر مخالفت کر رہے ہیں۔

[ص:۷۶۔۷۸]

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام مالک بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے حق گوئی اور بیباکی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے رد بدعت اور عمل بالحدیث میں یکتا تھے تقلید کے سخت دشمن تھے۔ آپ کا قول ہے:

۱۔ میں بشر ہوں مجھ سے غلطی اور درستی دونوں کا احتمال ہے میری ہر ایک بات کی تصدیق کیا کرو جو کتاب وسنت کے موافق ہو اس پر عمل کرلیا کرو۔ جو مخالف ہو، اسے رد کر دیا کرو۔

[اعلام الموقعین]

۲۔ میری بات کو کتاب وسنت کی کسوٹی پر پرکھو اگر اس کسوٹی پر میری بات کھری ثابت ہو جائے تو اسے قبول کرو۔

مولانا گوندلوی مرحوم امام صاحب کے مذکورہ اقوال کی تشریح میں فرماتے ہیں:

گویا امام صاحب کے قول کو قبول نہیں کرنا۔ بلکہ کتاب وسنت کی اتباع کرنا ہے۔ اگر مقلدین کو ذرہ برابر علمی امانت کا خیال ہوتا تو مذکورہ بات کہنے کی جرأت نہ کرتے اس لیے کہ تقلید میں طلب دلیل اور تحقیق سرے سے موجود نہیں ہوتی۔

[ص:۷۹۔۸۰]

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

امام شافعی تفسیر، حدیث، لغت، ادب اوران کے علاوہ دوسرے علوم اسلامیہ میں یکتا تھے۔ فن مناظرہ کے امام تھے۔ تقلید شخصی سے سخت بیزار تھے فرماتے ہیں:

۱۔ صحیح حدیث میرا مذہب ہے جب میرے کلام کو حدیث کے خلاف پاؤ تو اس کو دیوار کے ساتھ ماردو، اور حدیث پر عمل کرو۔

۲۔ تمام مسلمانوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ جب سنت کا علم ہو جائے تو کسی ایک کی بات نہیں مانی جائے گی۔

مولانا گوندلوی فرماتے ہیں:

امام شافعی نے اس اجماع کا دعوی اس دور میں فرمایا جب کہ علم کے دریا بہہ رہے تھے محدثین رات دن احادیث کے جمع اور ان کی تحقیق وتمحیص میں صرف کر رہے تھے اسلامی علوم کا جتنا کام اس دور میں ہوا نہ پہلے ہوا تھا اور نہ بعد میں اور شاید نہ کبھی ہوگا اور آئے دن صحیح احادیث کے بارے میں معلومات ہو رہی تھیں تو اس دور میں حضرت

امام فرماتے ہیں کہ جب سنت کا علم ہو جائے تو اس کو راہ عمل بناؤ۔ کاش کہ مقلدین حضرات امام کے اس فرمان پر عمل کرتے اور امت کو الجھنوں اور آویزشوں سے بچا لیتے۔

[ص:۸۱]

امام شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں:

فقد صح عن الشافعي انه نهى عن تقليده وعن تقليد غيره.

امام شافعی سے یہ ثابت ہے کہ انھوں نے اپنی اور غیر کی تقلید سے منع کیا تھا۔

[عقد الجید: ص ۱۲۲]

مولانا گوندلوی فرماتے ہیں:

خدا معلوم تقلید پر اجماع کا دعوی کرنے والوں کو امام صاحب کا یہ قول نظر کیوں نہ آیا اگر آیا ہے تو اپنے مفاد کے خلاف سمجھتے ہوئے اس پر کان نہیں دھرا۔ اگر اسے قبول کر لیتے تو آج دنیا میں تقلید کا کہیں نام ونشان نہ ہوتا۔

[ص:۸۱]

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

امام اہل سنت، قاطع بدعت احمد بن حنبل تقلید شخصی کے سخت مخالف تھے۔
فرماتے ہیں:

۱۔ تم نہ میری تقلید کرو اور نہ کسی عالم کی۔ تم علم کو وہاں سے سیکھو جہاں انھوں (علماء) نے سیکھا۔

۲۔ دین میں کسی ایک کی تقلید نہ کرنا جو رسول اللہ ﷺ سے یا صحابہ سے ہے اس پر عمل کرنا، تابعین کے بارے میں تجھے اختیار ہے۔

۳۔ تم نہ میری، نہ مالک، اوزاعی، امام نخعی اور نہ کسی ایک کی تقلید کرنا بلکہ کتاب وسنت پر عمل کرو۔

[عقد الجید ص ۱۴۴]

مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ہم نے ان ائمہ کرام کے اقوال پیش کیے ہیں جن کے نام پر آج مذہب جاری ہیں یہ ائمہ ان مذہبی نسبتوں سے یقیناً بری ہیں اس لیے یہ نسبتیں چوتھی صدی ہجری میں پیدا

ہوئیں اور دسویں گیارہوں صدی میں ان کو عروج حاصل ہوا۔ ان ائمہ کرام نے تو کتاب وسنت پر عمل کرنے کی وضاحت فرما کر اپنا حق ادا کر دیا تھا قیامت کے دن جہاں دیگر معاملات کا حساب ہوگا۔ یقیناً تقلید کے بارے میں بھی ضرور پوچھا جائے گا لیکن امام اس وقت اپنا عذر پیش کریں گے کہ اے اللہ ہم نے انھیں تقلید سے ایک دفعہ نہیں بلکہ متعدد بار مختلف الفاظ میں منع کیا تھا اور ہم نے ان کو قرآن وحدیث پر عمل کرنے کی وصیتیں کی تھیں ہماری موجودگی میں جب ہمیں تیرے حبیب کی حدیث کا علم ہو جاتا ہم اس پر فوراً عمل کر لیتے۔ اور ذاتی فتوؤں کو حرف غلط کی طرح ذہنوں سے باہر نکال پھینکتے۔ اے اللہ بعد والوں نے ہمارے ناموں سے جو سلوک روا رکھا۔ اس میں ہمارا قصور اور ان کا عذر اس آیت سے مختلف نہ ہوگا۔

﴿فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ﴾. [المائدہ:۱۱۷]

اے اللہ ہماری تقلید کرنے والے خود اس کے ذمہ دار ہیں جب تک ہم زندہ رہے ہم تو ان کو کتاب وسنت کی دعوت دیتے رہے۔ لیکن جب تو نے ہمیں اپنے پاس بلا لیا تو تو ہی ان کا نگہبان تھا ہمیں کیا علم کہ انھوں نے ہمارے بعد کیا کچھ کیا تو مقلدین عدالت میں یہ پکار رہے ہوں گے۔

﴿يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا﴾. [الفرقان:۲۷]

کاش میں سنت رسول پر عمل کرتا ہوتا۔

[ص:۸۵]

تقلید اور ائمہ عظام

ائمہ اربعہ جن کے مذاہب تمام مقلدین کے نزدیک برحق ہیں ان کے تقلید کی تردید میں اقوال آپ پڑھ آئے ہیں اب مزید ائمہ عظام، مجتہدین اور محدثین کرام کے اقوال پیش کرنے کی ضرورت نہ تھی لیکن مقلدین کا کیا کیا جائے کہ ان کی ایک ہی ضد ہے کہ تقلید جائز ہے اور مقلد عالم تو ہوتا نہیں محض اس کی ہٹ دھرمی ہوتی ہے۔ حافظ ابن القیم فرماتے ہیں:

مقلد اور متعصب کو علماء کے زمرے سے خارج سمجھنا چاہیے۔

[اعلام الموقعین ص ۱/۵]

تقلید شخصی کے ناجائز ہونے کے متعلق اگر ائمہ کرام و مجتہدین عظام کے اقوال نقل کیے جائیں تو طوالت کا خطرہ ہے اس لیے صرف ناموں پر اکتفا کرتا ہوں۔

۱۔ امام زفر تلمیذ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ امام ابو یوسف تلمیذ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

۳۔ علامہ عابد سندھی حنفی رحمۃ اللہ علیہ

کسی ایک مجتہد کی تقلید نہ شریعت میں جائز ہے اور نہ ہی عقل اس کو تسلیم کرتی ہے۔

[طریق محمدی: ص ۱۳]

۴۔ ملا علی قاری حنفی شارح مشکوۃ

۵۔ امام ربانی مجدد الف ثانی

۶۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

۷۔ امام الاحناف ابن الہمام

تقلید شخصی کی کوئی شرعی دلیل موجود نہیں۔

[فتح القدیر ۳/ ۳۴۷]

۸۔ خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی

مشرب پیر حجت نیست دلیل از کتاب وسنت می باید

کتاب وسنت کی موجودگی میں امام کا قول حجت نہیں ہے۔

[تحریک آزادی فکر ص ۱۰]

۹۔ علامہ ابن الحجاج حنفی

۱۰۔ حافظ الفقہ علامہ حبیب اللہ حنفی

۱۱۔ حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید دہلوی

۱۲۔ بیہقی وقت علم الہدی قاضی ثناء اللہ پانی پتی

۱۳۔ حضرت نظام الدین اولیاء

۱۴۔ محی الدین ابن عربی

۱۵۔ فخر المحدثین علامہ طیبی شارح مشکوۃ

۱۶۔ حضرت عبدالعزیز محدث دہلوی

۱۷۔ امام ابن حزم ظاہری

۱۸۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ

جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتو اس عالم سے جو قرآن وحدیث کے مطابق فتوی دے پوچھنا چاہیے اور اس میں کسی ایک شخص کو متعین نہ کرنا چاہیے کیونکہ مسلمانوں پر واجب نہیں کہ وہ کسی ایک شخص کی ہر بات میں تقلید کرے اور نہ ہی جائز ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر کسی شخص کے مذہب کو اپنے اوپر لازم کرلیا جائے اور اس کے ہر قول وعمل کو واجب سمجھ لیا جائے دنیا کے تمام کے اقوال کو رد کیا جاسکتا ہے اگر کسی کو یہ شرف حاصل ہے تو وہ صرف رسول اللہ ﷺ ہیں کہ ان کے قول وعمل کو رد نہیں کیا جاسکتا۔

[ص ۹۹]

۱۹۔ حافظ ابن القیم الجوزیہ تلمیذ رشید شیخ الاسلام ابن تیمیہ

تقلید کے جواز میں کوئی شرعی دلیل موجود نہیں دلیل اور تقلید باہم متضاد ہیں جب دلیل معلوم ہوجائے تو تقلید ختم ہوجاتی ہے کیونکہ تقلید صرف تخمین اور ظن کا نام ہے:

﴿وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾.[النجم:۲۸]

جب کہ وہم وگمان حق کے مقابلہ میں کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا۔

[ص:۱۰۰]

۲۰۔ حافظ ابن عبدالبر قرطبی

۲۱۔ الشیخ الامام صالح بن محمد العمری

۲۲۔ امام ابوشامہ دمشقی

كان التقليد لغير الرسول حرام.

رسول اکرم ﷺ کے بغیر کسی اور کی تقلید حرام ہے۔

۲۳۔ شیخ الکل مولانا سیدنا محمد نذیر حسین محدث دہلوی

تقلید کی تردید میں آپ کی کتاب ''معیار الحق'' بڑی لاجواب کتاب ہے۔

آپ کا فتوی ہے:

تقلید نہ تو کسی آیت کریمہ سے ثابت ہے اور نہ کسی حدیث سے اور نہ کسی امام نے اپنی

تقلید کی اجازت دی ہے۔

[ص:۱۰۶]

۳۔تاریخ تقلید

عہد صحابہ وتابعین میں کوئی شخص تقلید سے واقف نہیں تھا اور تمام صحابہ کرام اور تابعین کتاب وسنت پر عمل کرتے تھے اور کتاب وسنت ہی کو مشعل راہ بنایا تھا۔

مقلدین کا یہ کہنا کہ صحابہ کرام تقلید سے بہرہ ور تھے تو یہ ان کا پروپیگنڈہ اور صحابہ کرام پر بہتان ہے مولانا گوندلوی لکھتے ہیں:

ہم تقلید کے دلدادہ اور اس کو کتاب وسنت کے مقابلہ میں اس کو واجب سمجھنے والوں سے یہ سوال کرتے ہیں کہ تم ذرا یہ تو بتاؤ کہ سب سے پہلا مقلد کون ہوا ہے کیا کوئی صحابی مقلد تھا اگر ایسا ہی ہے تو پھر آپ اس صحابی کا نام کا ذکر کیجیے لیکن یہ نام پیش نہیں کر سکیں گے اس لیے صحابہ کرام میں تقلید کا وجود ہی نہیں تھا۔

[ص:۱۰۹]

تابعین کرام کا دور

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین عظام کا دور شروع ہوتا ہے یہ دور بڑا بہترین دور تھا اس دور میں کتاب وسنت کی بڑی اشاعت ہوئی۔ ہر طرف قال اللہ وقال الرسول ﷺ کی صدائیں بلند ہوئیں۔

مولانا گوندلوی مرحوم لکھتے ہیں:

صحابہ کے مقدس اور مبارک دور کے بعد جب تابعین کرام کا دور شروع ہوتا ہے یہ ایسا بہترین دور تھا کہ اس میں قرآن وحدیث کے مصفی چشمے عالم اسلام کے ذرہ ذرہ کو سیراب کر رہے تھے۔ ہر طرف قال وقال الرسول کی صدائیں، سمندروں کی لہروں اور موجوں کی طرح فضا میں رونق پیدا کر رہی تھیں۔ کسی خاص شخص کو مطاع اور امام (خلافت والا نہیں) بطور حجت نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ ایک ایک شہر میں کئی کئی اہل علم موجود تھے۔ جن سے لوگ عندالحاجت مسائل کی دریافت کرتے اور وہ کتاب وسنت (قیاس ورائے سے نہیں) سے ان مسائل کا حل پیش فرماتے۔ قیاس اور آراء کے سخت مخالف تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ صحابہ کرام کے تربیت یافتہ تھے۔ جن کی

زندگیوں کا مقصد اشاعت اسلام تھا۔ اسی بنا پر انھوں نے قیاس اور آراء کی سخت الفاظ میں مذمت فرمائی ہے۔

[ص:۱۰۹]

اس کے بعد مولانا گوندلوی لکھتے ہیں:

تابعین میں ہم کسی کو مقلد نہیں پاتے اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو پھر مقلدین جرأت کر کے کسی معروف تابعی کے نام کا ذکر کریں کہ اس نے فلاں شخص کی تقلید کی ہو۔

ایں خیال است ومحال است جنوں

[ص:۱۱۰]

تبع تابعین کا دور

تابعین کے دور کے بعد تبع تابعین کا دور آتا ہے اس دور یں بڑے بڑے فتنے سر اٹھا چکے تھے قیاس و آراء کو حجت سمجھا جا رہا تھا لیکن اس دور میں تقلید کا قطعا رواج نہ تھا کتاب وسنت پر عمل ہوتا تھا۔

مولانا گوندلوی فرماتے ہیں:

یہ وہ دور ہے جس میں بڑے بڑے فتنے سر اٹھا چکے تھے قیاس و آراء کو حجت سمجھا جا رہا تھا قیاسات کو قابل عمل بنانے کے لیے تمہیدیں باندھی جا رہی تھیں لیکن پھر بھی یہ ایسا دور تھا۔ جس میں تقلید کا قطعا رواج نہیں پڑا تھا۔ بڑے بڑے ائمہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک جیسی ہستیاں اپنے تلامذہ کو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ پر سختی سے عمل کرنے کی تاکید فرماتے تھے اور وہ شاگرد بھی ایسے باکمال تھے کہ وہ اپنے استاد سے ہر اس مسئلہ میں اختلاف کرتے جس کو وہ کتاب اللہ اور حدیث رسول کے خلاف سمجھتے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ پر نظر ڈالیے۔ تو آپ کو معلوم ہوگا کہ انھوں نے اپنے استاد سے نصف سے زائد مسئلوں میں اختلاف کیا ہے۔ امام زفر، امام ابو یوسف، امام محمد بھی اپنے استاد سے زبردست اختلاف رکھتے تھے اور تحقیق کرنے کے بعد اگر اپنے استاد کا فتوی غلط ثابت ہوتا تو اسے ترک کر کے صحیح مسئلہ کی طرف رجوع کرتے۔

[ص:۱۱۰]

اس دور میں بھی تقلید کا کوئی وجود نظر نہیں آتا بلکہ کتاب وسنت کی شمع روشن نظر آتی ہے اور لوگ

کتاب وسنت کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے دور دراز کا سفر کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ دور بھی ۲۲۰ ہجری تک بغیر تقلید کے گزر گیا اس دور کے لوگ متبع سنت تھے اور مقلد نہیں تھے۔

ائمہ عظام کا دور

اس دور میں اہل حدیث اور اہل الرائے دونوں اکثریت سے پیدا ہو چکے تھے مگر اس کے ساتھ بہت سے گمراہ فرقے معرض وجود میں آ چکے تھے جیسے معتزلہ، قدریہ اور جہمیہ وغیرہ۔ ان فرقوں کے ماننے والوں نے دین اسلام اور کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ پر تنقید کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ لیکن محدثین کرام کی جماعت خاموش تماشائی بن کر نہ بیٹھی رہی انھوں نے ان گمراہ فرقوں کا ہر محاذ پر مقابلہ کیا۔

مولانا گوندلوی مرحوم اس دور کے بارے میں فرماتے ہیں:

> اس دور میں اہلحدیث اور اہل الرائے (قیاس کو ماننے والے) دونوں کثرت سے پیدا ہو چکے تھے قیاس آرائیاں اور فرضی مسائل حکومت وقت کے بل بوتے پر عروج حاصل کر رہے تھے۔ بڑے بڑے گمراہ فرقے اپنے ہاتھ پاؤں پھیلا رہے چکے تھے اور ان گمراہ فرقوں کو حکومت وقت کی حمایت حاصل تھی۔ لیکن اس کے باوجود لوگوں کی کثرت کتاب وسنت پر عمل پیرا تھی۔ یہی وجہ تھی کہ معتزلہ کا پیدا کیا ہوا مسئلہ خلق قرآن دب کر رہ گیا۔ احادیث نبویہ کو کتابوں میں جمع کرنے کا شوق اس قدر عام ہوا کہ مقلدین کی بہت بڑی جماعت شب وروز اس کام میں مشغول تھی اس دور میں حدیث رسول ﷺ پر جتنا کام ہوا اس کی نظیر کہیں بعد میں نہیں ملتی۔ امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن معین، امام اسحاق بن راہویہ، امام المحدثین امام بخاری، امام مسلم، امام ابن ماجہ، امام ابوداود، امام ترمذی اور امام نسائی وغیرہم نے اپنی زندگیوں کو جمع حدیث اور اس کی ترتیب وتہذیب کے لیے وقف کیا ہوا تھا۔ ہم اس دور میں بھی تقلیدی جمود کو مفقود پاتے ہیں جس پر ہمارے موجودہ حضرات مصر ہیں۔ یہ دور تقلید سے اس اعتبار سے بھی خالی تھا کہ کسی ایک نے اپنی نسبت ائمہ اربعہ یعنی حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کی طرف نہیں کی تھی یہ نسبتیں بعد والوں کی ایجاد و پیدا کردہ ہیں۔
>
> اس دور میں بھی کہیں تقلید کا نام ونشان نظر نہیں آتا یہ دور تقریباً ۲۸۰ھ تک کا ہے۔

[صفحہ:۱۱۱۔۱۱۲]

چوتھی صدی ہجری

چوتھی صدی ہجری تاریخ اسلام میں بڑی اہم ہے اس صدی میں بڑے بڑے انقلابات رونما ہوئے۔ اس صدی میں جو فتنے اور آپس میں مسلمانوں میں جھگڑے اور اختلافات پیدا ہوئے۔ وہ دوسری صدیوں میں بہت کم نظر آتے ہیں اسلامی علوم یعنی تفسیر، حدیث اور فقہ کی بجائے فلسفہ اور منطق کا درس شروع ہوگیا۔ اور مسلمان اس دور میں تین گروپوں میں تقسیم ہوگئے۔

پہلا گروہ: محدثین کا تھا جو کتاب وسنت کی خدمت میں کوشاں تھا۔

دوسرا گروہ: اصحاب الرائے کا تھا جس کو اس وقت حکومت کی سرپرستی حاصل تھی اور حکومت کے کلیدی عہدوں پر ان کا قبضہ تھا۔

تیسرا گروہ: علم کلام والوں کا تھا جنھوں نے محدثین سے مناظرہ کا بازار گرم کر رکھا تھا اور یہ اتنا بڑا فتنہ تھا کہ شاید عالم اسلام میں اس سے پہلے اتنا بڑا فتنہ پیدا نہ ہوا ہو۔ مامون الرشید عباسی کا عہد حکومت تھا اور اس کی سرپرستی میں مناظرہ کے رن پڑتے تھے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ہوسکتا ہے کہ مامون کا یہ گناہ معاف نہ ہو جو اس نے فلسفہ اور منطق کی کتابوں کو غیر اسلامی ممالک سے منگوا کر اس کی اشاعت کے لیے کیا۔

مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> اس دور میں بدعات کا بہت رواج ہوا۔ علم کلام کو فروغ حاصل ہوا۔ محدثین کرام کو مصائب وآلام کا نشانہ بنایا گیا۔ اور حکومت اہل الرائے اور اہل بدعت کی سرپرستی میں سرگرم تھی۔ معتزلہ اور دوسرے فرقوں نے مناظرہ کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ تاہم ایک گروہ ایسا بھی تھا جو کتاب وسنت پر سختی سے پابند تھے۔ اور کتاب وسنت کی نصرت، حمایت اور مدافعت میں کوشاں تھے۔ اور یہ گروہ محدثین کا تھا باقی لوگ اپنے مذہب کو بچانے کے لیے اپنے مذہب کے امام کی عصمت کو بچانا فرض سمجھتے تھے۔ بس اس طرز عمل نے تقلید کی داغ بیل ڈالی۔ جو بعد میں اسلامی حکومت کو پارہ پارہ کرنے کا سبب بنی۔
>
> [ملخص ص ۱۱۳]

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ تقلید کی تاریخ پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنی کتاب ''اعلام الموقعین'' میں لکھتے ہیں:

تقلید کا وجود تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں بالکل نہیں تھا۔ ہم اگر اس دعوی میں غلط ہیں تو کوئی مقلد ہمارے اس دعوی کو غلط ثابت کرے۔ اور ہمیں بتلائے کہ کوئی شخص بھی (مذکورہ ادوار میں) مقلدین کے اس راستہ پر چلا ہو جس پر موجودہ مقلدین چل رہے ہیں۔ وہ بدعت چوتھی صدی ہجری میں پیدا ہوئی۔ جس کی مذمت رسول اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے صادر ہو چکی تھی۔ جس کی وجہ سے ان لوگوں نے صرف اقوال ائمہ سے شرمگاہوں کو حلال کیا۔ خونوں کا بہایا۔ مال ناحق کے تصرف کو جائز کیا۔ بعض حلال چیزوں کو حرام میں بدل ڈالا۔ اور بعض (حرام کو حلال میں اور پھر لطف کی بات یہ ہے) کہ وہ جس کی تقلید کرتے ہیں۔ ان کے درست اور غلطی پر ہونے کا انھیں علم تک ہوتا کیونکہ امام معصوم نہیں اور درستی دونوں کا احتمال ہے۔

[اعلام الموقعین ۲/ ۱۴۵] [ص ۱۱۴]

امام ابن حزم ظاہری تقلید کی ابتداء کے بارے میں فرماتے ہیں:

قیاس اور تقلید کا ظہور چوتھی صدی ہجری میں ہوا تابعین کے دور میں قیاس احتیاط کی بنا پر تھی نہ کہ اس لیے کہ اسے واجب العمل سمجھا جاتا تھا اسے یقین کا درجہ حاصل نہ تھا بلکہ وہ صرف ظن (خیال) کی حد تک تھی۔

[الا حکام بحوالہ مقلدین ائمہ کی عدالت میں]

مولانا گوندلوی فرماتے ہیں:

امام ابن حزم کے ان الفاظ میں قیاس پر عمل اور تقلید چوتھی قرن کی پیداوار ہیں اور پھر قیاس اور تقلید دونوں لازم وملزوم ہیں یعنی جب قیاس آیا تو تقلید بھی ساتھ آئی۔ جیسے محض قیاس سے احادیث کا انکار ہوا۔ اسی طرح تقلید سے بھی احادیث کا انکار ہونا لازمی امر تھا۔

[ص: ۱۱۵]

بیہقی وقت علم الہدی مولانا قاضی ثناءاللہ پانی پتی مشہور حنفی عالم ہیں وہ تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں:

اہل سنت میں چار مذہب تین یا چار صدیوں کے گزر جانے کے بعد پیدا ہوئے۔

اس تقلید ہی کی وجہ سے امت اسلامیہ ایک مرکز سے کٹ کر مختلف چار گروہوں میں تقسیم ہوگئی۔

مولانا گوندلوی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اس مذہبی اور گروہی تقسیم سے سینکڑوں سال پہلے ہدایت اور نجات کے اصولوں کا تعین فرمادیا تھا اور وہ یہ تھا کہ اِنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ. تم صرف رسول اللہ ﷺ کے رستہ کی اتباع کرو۔ اور وہ صرف ایک ہی رستہ ہے جو جنت کو جاتا ہے اگر تم ایک رستے پر اکتفاہ کرو گے تو تم مختلف گروہوں میں تقسیم ہو جاؤ گے۔ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ. تم جب تک رسول اللہ ﷺ کے رستے پر قائم رہو گے۔ گمراہ نہیں ہو گے لیکن جب تم اس رستے سے جدا رستہ تلاش کرو گے تو تم گروہ بندی کا شکار ہو جاؤ گے۔

[ص:۱۱۶]

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ تقلید چوتھی صدی ہجری کی پیداوار ہے اپنی مایہ ناز کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:

اعلم ان أهل المائة الرابعة لم يكونوا مجتبحين على التقليد الخالص على مذهب واحد بعينه.

چوتھی صدی والے کسی خاص کی تقلید پر جمع نہ تھے۔

[حجۃ اللہ البالغہ ۱/۱۵۲]

کیا تقلید بدعت ہے

امام شافعی بدعت کی تعریف درج ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:

۱۔ جو کتاب اللہ، سنت رسول، اجماع امت یا صحابہ کے آثار کے خلاف ہو وہ بدعت ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

كل بدعة ضلالة و كل ضلالة فى النار.

ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی آگ میں ہے۔

ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من احدث فى امرنا هذا ما ليس منه فهو رد. [متفق عليه]

جس نے دین میں کوئی نیا کام جاری وہ مردود ہے۔ (یعنی وہ قطعا قابل قبول نہیں)

حافظ ابن القیم فرماتے ہیں:

انما حدثت هذه البدعة فی القرن الرابع.

تقلید کی بدعت چوتھی صدی ہجری میں پیدا ہوئی۔

[اعلام الموقعین ۲/۱۴۵]

مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید دہلوی فرماتے ہیں:

وجوب تقلید شخصی معین از ائمہ مجتہدین از قبیل بدعات حقیقہ است۔

"تقلید شخصی ائمہ مجتہدین کی حقیقی بدعت ہے۔"

[ایضاح الحق الصریح ص ۴۳]

مولانا گوندلوی لکھتے ہیں:

یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ تقلید کی ابتداء زمانہ رسالت مآب ﷺ کے سینکڑوں برس بعد ہوئی۔ اور جس کو حکومت کی سرپرستی کی وجہ سے پروان چڑھنے کے مواقع ہاتھ آئے۔ جس کی وجہ سے وہ اسلام کے رگ وریشہ میں سرایت کر گئی۔ اس لیے اس کے بدعت ہونے میں کسی کو انکار نہیں ہونا چاہیے تھا کیونکہ یہ ایک ایسا امر ہے جس کا وجود نہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں اور نہ ہی صحابہ اور تابعین کے دور میں تھا۔ تاریخ تقلید کی شہادتیں خود اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ تقلید بدعت ہے۔

[ص: ۱۲۴]

تقلید شخصی

تقلید کی نفی کے بارے میں آپ کتاب اللہ، احادیث نبویہ، آثار صحابہ واقوال تابعین وائمہ کرام پڑھ آئے ہیں۔ پھر بھی مقلدین تقلید شخصی کے بارے میں سب سے بڑی دلیل اجماع امت کی پیش کرتے ہیں اور وہ بھی حقیقت کے سراسر خلاف ہے۔

مقلدین حضرات تقلید شخصی کے بارے میں درج ذیل حدیث پیش کرتے ہیں:

آپ ﷺ نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا عامل بنا کر بھیجتے ہوئے فرمایا: اے معاذ! تم کس طرح فیصلہ کرو گے۔ تو معاذ کہنے لگے اللہ کی کتاب سے۔ آپ نے مزید فرمایا: اگر اللہ کی کتاب سے مسئلہ حل نہ ہوا تو معاذ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! آپ کی سنت سے۔ اگر دونوں سے مسئلے کا حل نہ ملے تو پھر کیا کرو گے؟ معاذ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں اجتہاد سے کام لوں گا اور اس میں کسی قسم کی کمی نہ کروں گا۔ آپ نے یہ بات سن کر

حضرت معاذ کے سینے پر ہاتھ مارا۔ اور فرمایا: الحمدللہ جس نے رسول خدا کی ایلچی کو ایسی توفیق بخشی ہے جس سے اللہ کا رسول راضی ہو۔

[جامع ترمذی]

مولانا گوندلوی فرماتے ہیں:

اس حدیث سے مقلدین استدلال کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے تمام یمن والوں پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی تقلید کو واجب کیا تھا۔ تقلید واجب یہ بات محل نظر اور قابل گرفت ہے۔

۱۔ وہ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں کسی ایک کی تقلید کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔

۲۔ صحابی کی تقلید نہیں ہوتی بلکہ کتاب وسنت سے دلائل کی وجہ سے اتباع ہوتی ہے۔

۳۔ کیا یمن میں کوئی اور عالم موجود تھا۔ جس کی طرف مسئلہ کی تحقیق کے لیے رجوع کیا جا سکتا اور یہ حقیقت پر مبنی ہے کہ حضرت معاذ وہاں اکیلے ہی عالم تھے۔

۴۔ حضرت معاذ کے علم کی شہادت خود رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے آپ اوامر ونواہی سے اچھی طرح واقف تھے۔ اور خود رسول اللہ ﷺ کو آپ پر اعتماد تھا۔

۵۔ اس حدیث میں کہاں ہے کہ وہ لوگ حضرت معاذ کی تقلید قیامت تک کریں۔

۶۔ آپ وہاں حاکم کی حیثیت سے گئے تھے اس بنا پر تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم فیصلہ کیسے کرو گے جبکہ قضاء کا اطلاق عام طور پر دنیاوی فیصلوں پر ہوتا ہے احکام میں فتوی کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

۷۔ اگر اس حدیث کو تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہے لیکن اس کے ضعف میں جو خدشہ ہے وہ کسی اہل علم سے مخفی نہیں کیونکہ یہ حدیث جن طرق (سندوں) سے مروی ہے وہ ضعیف ہیں۔

اس کے بعد مولانا گوندلوی فرماتے ہیں:

اتنی توجیہات واحتمالات سے اگر آپ کو اب بھی تقلید نظر آتی ہے تو ہم پھر اس کا کیا علاج کر لکھتے ہیں جب کہ آپ کی کتابوں میں مرقوم ہے:

اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال.

جب احتمال آجائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے۔

پھر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جو اصول پیش کیے ان پر غور کرو۔ کیا اگر وہ کتاب اللہ سے فیصلہ کرتے ہیں یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو وہ تقلید ہوگی ہرگز اس کو تقلید نہیں کہا جا سکتا۔ وہ تو براہ راست کتاب وسنت کی اتباع ہوگی۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ وہ قیاس سے فیصلہ کریں گے تو آپ ان اقوال کا کیا حل سوچیں گے۔ جن میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے قیاس کی شدید مذمت کی ہے یہ تو نہیں ہوسکتا کہ آپ قیاس کی مذمت بھی فرمائیں اور خود اس پر عمل کریں تو گویا حضرت معاذ کے اقوال میں تضاد پیدا ہو گیا تو آپ کے اصول کے مطابق تناقض کے وقت احوط اور محتاط امر کو قبول کیا جاتا ہے تو یہاں احتیاط امر یہی ہے جس سے انھوں نے ڈرایا ہے اور اس کی مذمت کی ہے گویا آپ کا استدلال اصول فقہ کی وجہ سے باطل ہو گیا اور ہمارا مدعا ثابت ہوا۔ کہ اس حدیث سے کسی طرح بھی تقلید شخصی کا جواز نہیں نکالا جا سکتا۔

[ص: ۱۲۶۔ ۱۲۷]

تقلید شخصی علمائے احناف کی نظر میں

مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی علمائے احناف میں بلند مرتبہ ومقام کے حامل تھے وہ اپنی تفسیر مظہرہ (۶۴/۲) میں لکھتے ہیں:

”جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع حدیث موجود ہو اور وہ معارضہ سے سالم ہو۔ یعنی حدیث صحیح ہو (جیسا کہ بخاری ومسلم کی احادیث ہیں) اور اس میں کوئی ناسخ بھی معلوم نہ ہو تو امام ابوحنیفہ کا فتوی اس کے برخلاف ہو اور ائمہ اربعہ میں کسی ایک کا اس پر عمل ہو۔ تو پھر اس حدیث پر عمل کرنا واجب ہے اور تقلیدی جمود کو اس حدیث سے مانع نہیں ہونا چاہیے ورنہ مخلوق میں بعض کا بعض کو رب بنانا لازم آئے گا۔“

[ص ۱۳۵]

مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں:

”تقلید شخصی پر نہ کبھی اجماع ہوا ہے اور نہ ہی تقلید پر کوئی دلیل ہے۔“

[تذکرۃ الرشید ۱/۱۳۱]

مولانا عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

”زمانہ سلف میں تقلید کسی امام اور مجتہد قاضی کا معمول نہ تھا جو شخص عامی ہوتا، اس کو اختیار تھا کہ زمانہ صحابہ، تابعین تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین سے جس عالم سے چاہے

دریافت مسائل شرعیہ کر کے موافق اس کے عمل کرے کوئی اس پر انکار نہیں کرتا تھا۔''

[مجموع الفتاوی ۱/۲۰۲]

مولانا گوندلوی فرماتے ہیں:

''مولانا لکھنوی کی تحقیق میں تقلید کا وجود نہ تھا بلکہ عوام کو جن مسائل کی ضرورت ہوتو وہ جس عالم سے چاہتے مسائل دریافت کر لیتے اور یہی بات تقلید شخصی کے خلاف اور برعکس ہے۔''

[ص ۱۳۸]

علامہ محمد حیات سندی نے بھی تقلید شخصی کو باطل اور ناجائز قرار دیا ہے۔

[خاتمہ اختلاف ص ۲۵]

تقلید شخصی اور اجماع امت

مقلدین اس بات زور دیتے ہیں کہ تقلید پر اجماع ہو چکا ہے لہٰذا اجماع بذات خود ایک دلیل اور حجت ہے۔

مولانا گوندلوی لکھتے ہیں:

یہ اجماع کب ہوا۔ کس صدی میں ہوا؟ اور اس اجماع میں کون سے علماء شامل تھے کیا کوئی ایسی صورت موجود تھی جس سے پتہ چل جائے کہ فلاں وقت کے تمام علمائے نے تقلید کے جائز بلکہ واجب اور فرض ہونے پر اتفاق کر لیا تھا کیونکہ اجماع کا دعوی اختلاف معلوم کیے بغیر درست نہیں ہوسکتا۔ [ص: ۱۳۹]

مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں:

''تقلید شخصی پر نہ کبھی اجماع ہوا ہے اور نہ ہی تقلید پر کوئی دلیل ہے۔''

[تذکرۃ الرشید ۱/۱۳۱]

امام ابن حزم فرماتے ہیں:

تقلید کے خلاف علماء کا اجماع ہے۔

امام شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں:

''تمام صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کا تقلید شخصی کے خلاف اجماع ہے۔''

[عقد الجید ص ۶۰]

مقلد مفتی کے بارے میں حکم

مفتی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

من أفتی بغیر علم کان اثمه علی من أفتاه.

جو شخص بغیر علم کے فتوی دے تو اس کا گناہ اسی پر ہوگا۔

مولانا گوندلوی مفتی کے بارے میں لکھتے ہیں:

مفتی کو بہت احتیاط سے کام لینا چاہیے ایسا نہ ہو کہ وہ بغیر علم کے فتوی دے اور اس فتوے کے گناہ کا بوجھ خود پر لادے اس لیے مفتی پر لازم ہے کہ وہ جس مسئلہ میں فتوی دے رہا ہے اس سے کما حقہ واقف ہو اس مسئلہ کی دلیل سے واقف ہو احادیث اور علل الحدیث کا خوب واقف ہو۔

[ص: ۱۵۰]

حافظ ابن القیم نے اپنی کتاب ''اعلام الموقعین'' میں امام اہل سنت احمد بن حنبل کا یہ قول نقل کیا ہے:

تقلید سے فتوی دینا جائز نہیں۔ اس لیے کہ تقلید علم نہیں ہوتا اور بغیر علم کے فتوی دینا حرام ہے اور یہ بات متفق علیہ ہے کہ تقلید علم نہیں اور مقلد عالم نہیں ہوتا۔

[اعلام الموقعین ۱/ ۳۷]

امام ابوحنیفہ اور آپ کے تلامذہ امام ابویوسف اور امام زفر کا فتوی ہے:

بغیر دلیل معلوم کیے فتوی دینا جائز نہیں۔

مولانا گوندلوی فرماتے ہیں:

ائمہ احناف اور امام احمد بن حنبل کے فرامین سے یہ واضح ہو گیا کہ کوئی عالم تقلیدی حالت میں فتوی نہیں دے سکتا اگر وہ تقلیدی حیثیت سے فتوی دے گا تو وہ اپنے مقتدا ائمہ کی مخالفت کرے گا جس کی تقلید قطعاً اجازت نہیں دیتی۔

[ص: ۱۵۳]

۵۔ مذاہب اربعہ کی حقیقت

مقلدین حضرات عجیب وغریب قسم کے دعوے کرتے ہیں پہلے ان کا یہ دعوی کہ تقلید شخصی پر

امت کا اجماع ہو چکا ہے اور اس بارے میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ اس کی اصل حقیقت کیا ہے۔ اب دوسرا دعوی ملاحظہ فرمائیں کہ ''مذاہب اربعہ کے حق ہونے پر بھی پوری امت کا اجماع ہو چکا ہے۔'' لیکن اس دعوے پر کوئی حقیقت نہیں ہے یہ محض ان کی خام خیالی ہے۔

مذاہب اربعہ کی اصل حقیقت کیا ہے۔ مولانا گوندلوی اس پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱۔ حق ہمیشہ ایک ہوا کرتا ہے اور اس میں کبھی اختلاف نہیں ہوتا حق میں اتحاد و اتفاق کا ہونا ضروری ہے ورنہ وہ حق نہیں ہوگا جیسا کہ قرآن کریم حق ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

۲۔ مذاہب اربعہ میں بہت زیادہ اختلاف ہے اور اختلاف کی خلیج اتنی وسیع ہے کہ اس کو پلٹنا مشکل ہے کوئی ایسا مسئلہ ہو جس میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہو ورنہ ۹۹ فیصد میں آپ کو اختلاف نظر آئے گا۔

۳۔ خاص کر فقہ حنفی اور فقہ شافعی میں اس قدر شدید اختلاف ہے کہ یہ ایک دوسرے کو آپ میں حق پر سمجھنے کے لیے تیار نہیں۔

۴۔ ائمہ اربعہ کے مقلدین نے اپنے اپنے امام کی مدح سرائی میں مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے اور تنقیص میں بھی ایک دوسرے سے بڑھے ہوتے ہیں۔ خاص کر حنفیہ اور شافعیہ نے تو مدح سرائی اور تنقیص میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کی ہے۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس دن امام ابوحنیفہ نے رحلت فرمائی اسی دن امام شافعی کی ولادت ہوئی۔

محی السنہ مولانا سید نواب صدیق حسن خان رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

دریں جا میاں حنفیہ و شافعیہ مزاح است۔ حنفیہ گویند امام شما حنفی بود تا آں کہ امام انتقال کرد۔ شافعیہ گویندیوں امام ما ظاہر شد امام شما بگر بخت۔

اس واقعہ نے احناف و شوافع کے درمیاں ایک مذاق پیدا کر دیا ہے حنفیہ کہتے ہیں کہ جب تک ہمارے امام کا انتقال نہ ہوگیا تمھارے امام چھپے رہے اور شوافع لکھتے ہیں: جیسے ہی ہمارے امام ظاہر ہوئے تمھارے امام چلتے بنے۔

[مرآۃ الجنان از یافعی ۲/۲۵]

خاص کر حنفیہ اور شافعیہ نے اپنے اپنے امام کی مدح اور ایک دوسرے کی تنقیص میں موضوع روایات بنانے میں بھی ان کو اللہ تعالیٰ کا خوف نہ رہا۔

مقلدین احناف نے شافعیہ پر بہت زیادہ ظلم وستم کیے ہیں ان کے ظلم وستم کا ایک واقعہ مولانا

گوندلوی نے لکھا ہے۔ملاحظہ فرمائیں:

جب معاملہ امام شافعی کی تنقیص سے بھی حل ہوتا نظر نہ آیا تو ایک دور میں احناف نے شوافع سے اپنے مناظروں کی شکست کا بدلہ قتل سے لیا۔ وہ ایسے کہ ۵۷۸ھ میں عیسی بن ملک بادشاہ حنفی المذہب تھا اور تعصب میں لاثانی اور بے نظیر تھا۔ مسعودی کی کتاب اس کو تمام یاد تھی لوگوں کو حنفی ہونے کی ترغیب دیتا اور کہتا عمل صرف ابوحنیفہ کے فتوی پر ہے صاحبین (ابویوسف ومحمد) کے اقوال بھی چھوڑ دو۔ حنفی فقہاء نے اسے ایک کتاب صرف ابوحنیفہ کے اقوال پر مرتب کر دی۔ جس کو اس نے یاد کر لیا۔ اور تعصب کی بنا پر شافعی المذہب لوگوں کو اندھادھند قتل کرنا شروع کر دیا اور جتنے شافعی اس کے ہاتھ لگے۔ سب کے سب قتل کر دیے گئے۔

[ص: ۱۵۷]

مولانا گوندلوی یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اگر احناف کے نزدیک شافعی حق پر تھے تو امام شافعی کے متعلق ایسی غلط زبان کیوں استعمال کی گئی۔ بے گناہ شوافع کا خون کیوں بہایا گیا۔ اس کا جواب ہم موجودہ احناف سے طلب کرنے میں حق بجانب ہیں اور یہ ان پر فرض ہے کیونکہ مذاہب اربعہ کا حق ہونے کا شور انھیں حضرات سے سنا جاتا ہے کیا ان کے نزدیک حق یہی ہے کہ کسی بزرگ، امام کو ابلیس، بدعی اور جاہل جیسے قبیح الفاظ سے تعبیر کیا جائے۔''

[ص: ۱۵۸]

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ غیر فقیہ تھے

امام ابن ابی یعلی طبقات الحنابلہ میں لکھتے ہیں:

قال الامام الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ: احمد امام فی ثمان خصال

١۔امام فی الحدیث

٢۔امام فی الفقہ

٣۔امام فی اللغۃ

٤۔امام فی القرآن

۵۔امام فی الفقر

۶۔امام فی الزھد

۷۔امام فی الورع

۸۔امام فی السنۃ

لیکن حنفیہ کے ایک جید عالم دین علامہ کوثری فرماتے ہیں:

انه محدث غير فقيه عنده، وانى لغير الفقيه ابداء رأى فى فقه الفقهاء.

وہ صرف محدث تھے فقیہ نہیں تھے۔غیر فقیہ کی رائے فقہاء کے نزدیک کب وزنی ہوسکتی ہے۔

[ص:۱۵۸]

مولانا گوندلوی اس پر تبصرہ فرماتے ہیں:

شاید ان کے نزدیک فقیہ وہ ہوتا ہے جو احادیث کی تاویلات میں ماہر اور احادیث رد کرنے میں خاص مہارت رکھتا ہو لہٰذا امام احمد غیر فقیہ تھے کیونکہ وہ اپنا اوڑھنا بچھونا احادیث نبویہ کو سمجھتے تھے۔اور مولانا کوثری کے ہاں احادیث پر عمل کرنا محدث کا کام ہے فقیہ کا نہیں۔

[ص:۱۵۸ حاشیہ]

اس کے بعد مولانا گوندلوی لکھتے ہیں:

”ہم نہایت ادب سے گزارش کرتے ہیں کہ اگر امام احمد غیر فقیہ تھے تو پھر اس کی تقلید کیسے واجب ہوگئی اور حنابلہ حق پر ٹھہرے کیونکہ ان کے ہاں تقلید صرف مجتہد کی جائز ہے۔“

[ص:۱۵۸]

امام ابوحنیفہ کے قول کا رد اور مذہب حنفی کو ترک کرنا

مقلدین احناف نے جتنا تعصب سے کام لیا ہے ان کے مقابلہ میں دوسرے مذاہب (مالکی، شافعی، حنبلی) کے پیروکاروں نے اتنا غلو سے کام نہیں لیا اور جتنا غلو اور تعصب برصغیر (پاک وہند) کے احناف میں پایا جاتا ہے اس کی نظیر آپ کو کہیں نہیں ملے گی۔احناف کے ہاں صرف عمل فقہ حنفی پر ہے باقی سب باطل ہے ایک غالی حنفی مقلد کا شعر ہے:

فلعنة ربنا اعداد رمل

علی من رد قول ابی حنیفة

اس پر ریت کے ذروں برابر لعنت ہو جو ابو حنیفہ کے قول کا رد کرتا ہے۔

[درمختار ۱/۵]

ایک اور حنفی عالم فرماتا ہے:

وجب علی مقلد ابی حنیفة ان یعمل به ولا یجوز له العمل غیره.

ابو حنیفہ کے مقلد پر صرف ابو حنیفہ کے قول پر عمل جائز ہے اور کسی کے قول پر نہیں۔

[معیار الحق ص:۲۰۱]

مقلدین احناف اپنے مذہب میں اس قدر غلو سے کام لیتے ہیں کہ ان کے نزدیک جو حنفی مقلد مذہب حنفی کو ترک کر کے دوسرا مذہب یعنی مالکی، شافعی اور حنبلی وغیرہ میں کوئی ایک قبول کرے گا۔ تو وہ سزا اور تعزیر کا مستحق قرار پائے گا۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب درمختار میں ہے:

من ارتحل الی مذهب الشافعی یعزر.

جو حنفیت ترک کر کے شافعیت کو قبول کرے گا۔ اسکو سزا اور تعزیر دی جائے گی۔

اس کے آگے جھانکیے تو آپ کو یہ الفاظ دکھائی دیں گے:

ولا تقبل شهادة من انتقل من مذهب ابی حنیفة الی مذهب الشافعی.

حنفیت سے منہ پھیر کر شافعیت کو قبول کرنے والے کی شہادت قبول نہ ہوگی۔

اس پر مولانا گوندلوی مرحوم یوں تبصرہ فرماتے ہیں:

برادران اسلام! اگر مذاہب اربعہ حق ہیں تو حنفیت کے تارک کو اتنا بڑا مجرم کیوں قرار دیا گیا وہ ایک مذہب حق کو ترک کر کے دوسرے حق مذہب میں داخل نہیں ہوا۔ اگر ایک حق سے نکل کر دوسرے حق میں داخل ہوا تو اسے تعزیر کس بات کی۔ اس کی شہادت کو رد کر کے اس کو فاسق اور فاجر کیوں قرار دیا گیا۔ یہ معلوم ہوا کہ مقلدین کے نزدیک سوائے اپنے امام کے مذہب کے دوسرا مذہب حق نہیں۔

[ص:۱۶۰]

مذاہب اربعہ میں اختلاف

مذاہب اربعہ میں شدید اختلاف ہے۔شاید ہی کوئی ایسا مسئلہ ہو جس میں یہ چاروں مذاہب متفق ہوں نہیں تو ان میں ۹۹ فیصد اختلاف ہے مولانا یحییٰ گوندلوی مرحوم نے مذاہب اربعہ کے اختلاف پر بڑی عمدہ اور نفیس بحث کی ہے وہ فرماتے ہیں:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سورۃ فاتحہ کی قرأت ہر رکعت میں فرض ہے خواہ وہ نماز امام کے پیچھے ادا کی جائے یا منفرد حیثیت سے۔اور جو فاتحہ کا منکر ہے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ لیکن احناف کے نزدیک مقتدی کو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنی ممنوع ہے۔

اسی طرح ائمہ ثلاثہ رفع الیدین کو سنت قرار دیتے ہیں اور احناف رفع الیدین کو منسوخ تصور کرتے ہیں۔ائمہ ثلاثہ ایمان میں کمی اور زیادتی کے قائل ہیں۔جب کہ احناف کے نزدیک فاجر اور نبی کا ایمان برابر ہے۔اور اس قسم کے سینکڑوں مسائل جن میں اختلاف ہی اختلاف ہے اس لیے آپ کو فریقین میں سے ایک کو حق پر اور دوسرے کو باطل پر ٹھہرانا پڑے گا۔یا جملہ مقلدین کے پاس ایسی کوئی دلیل موجود نہیں جس سے وہ بیک وقت ہر مسئلہ میں مذاہب اربعہ کو حق ثابت کر سکیں۔یہ تو عین ممکن ہے کہ کسی مسئلہ میں کوئی حق پر ہو اور دوسرا حق پر نہ ہو۔جیسا کہ امام شافعی کا فاتحہ کو واجب قرار دینا اور رفع الیدین کو سنت قرار دینا حق ہے لیکن احناف ان دو مسئلوں میں حق پر نہیں۔اسی طرح ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنے کا انتساب امام مالک کی طرف اگر درست ہو تو وہ حق پر نہیں۔بلکہ دیگر ائمہ ثلاثہ جو ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں وہ حق پر ہیں لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ مقلدین میں سے ہر ایک فرقہ کو کچھ حق اور کچھ باطل پر عمل پیرا ہیں۔لیکن اس سے تو شدید گمراہی کا خطرہ لاحق ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حنفی نصف حق اور نصف باطل پر عمل کرتے ہیں۔اسی طرح دیگر مقلدین نصف باطل پر اور نصف حق پر عمل پیرا ہیں۔

آپ ہی اپنی اداؤں پر ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

الغرض مقلدین کا یہ دعویٰ کہ چاروں حق پر ہیں نہ عقلاً ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی شرعی اس کی

تائید کرتی ہے اگر چاروں کو حق ماننا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ چاروں کو باطل پر بھی ماننا پڑے گا کیونکہ مذاہب اربعہ کا مسائل میں شدید اختلاف ہے۔

[ص:۱۶۱۔۱۶۲]

تقلیدی نسبتیں

دنیا کا اصول ہے کہ ہر مذہب کی نسبت صاحب مذہب کی طرف ہوتی ہے۔ مثلاً عیسائی مذہب کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے اس لیے چاہیے تو یہ تھا کہ مسلمان اپنی نسبت اپنے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرتے اور محمدی کہلاتے لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔

یہ نسبتوں کی وبا تین صدیاں گزر جانے کے بعد مسلمانوں میں پھیلی۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے کسی مسلمان کو حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی ہونے کا مکلف نہیں بنایا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کو واجب رکھا ہے۔

حضرت شاہ صاحب کے اس فرمان سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ نسبتیں غلط ہیں اور نہ ہی کسی کو اللہ تعالیٰ نے ان نسبتوں کو اپنانے کا حکم دیا ہے۔

مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اسلام میں اس قسم کی نسبتوں کی کہاں اجازت تھی اور ان کے اپنانے کی کونسی دلیل تھی۔ یہ تو محض تقلید اور تعصب کی وجہ سے معرض وجود میں آئیں۔ جو اسلام کا قطعاً حصہ اور جزو نہیں بن سکیں۔ تمام مسلمانوں کو ان نسبتوں سے بیزار ہو کر ایک نسبت کو اپنانا چاہیے۔ وہ نسبت خود اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بیان کر دی **ھو سماکم المسلمین** تم صرف مسلمان بنو اسی میں نجات ہے۔

[ص:۱۶۴]

کیا محدثین اور ائمہ عظام مقلد تھے

شیخ الحدیث مولانا محمد یحییٰ گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اسماء الرجال کی اوراق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ محدثین کسی ایک کے مقلد نہ تھے اس

[illegible] سے فنون وعلوم سے واقف ہونا ضروری ہے

اور اصول فقہ کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ عالم کسی کا مقلد نہیں ہوا کرتا۔ لیکن طبقات کی کتب پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام محدثین مقلد تھے۔ طبقات والوں نے کسی بڑے سے بڑے محدث کو تقلید کے جال میں قید کرنے سے گریز نہیں کیا لیکن یہ صرف قلم کی صفائی کا نتیجہ ہے کہ ہر ایک مذہب والے نے ائمہ عظام اور محدثین کرام کو اس پھندے میں گرفتار کرنے کی سعی کی اس سے صرف عوام کو خوش کرنا یا تائید مذہب مقصود تھا۔

[ص: ۱۶۵]

حقیقت یہ ہے کہ اور اس حقیقت میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ تمام معروف محدثین اور ائمہ عظام کسی ایک کے مقلد نہ تھے بلکہ مستقل مجتہد تھے اور تقلیدی بندشوں سے آزاد تھے مثلاً

امام عبداللہ بن مالک، امام یحییٰ بن سعید قطان، امام عبدالرحمٰن بن مہدی، امام علی بن مدینی، امام یحییٰ بن معین، امام بخاری، امام ابوزرعہ، امام ابوحاتم رازی، امام مسلم، امام دارمی، امام ترمذی، امام ابوداود، امام نسائی، امام ابن خزیمہ، امام سفیان بن عیینہ اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ اجمعین۔

یہ تمام محدثین کرام اور ائمہ عظام اپنے دور میں مجتہد تھے اور ان میں اجتہاد کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود تھی۔

۶۔ تقلیدی کرشمے

مولانا گوندلوی لکھتے ہیں:

دین میں اس سے بڑھ کر کیا فساد برپا ہوسکتا ہے کہ شارح علیہ السلام کی احادیث کو ترک کر کے کسی ایک امتی کے قول وفعل کو دین سمجھ لیا جائے اور مسلمانوں میں مخالفت کا بیج بو دیا جائے۔ مخالفین پر سب وشتم کا دروازہ کھول دیا جائے۔ موضوع احادیث کے انبار لگا دیے جائیں۔ اگر ہوسکے تو آیات واحادیث میں تحریف جیسے گھناؤنے فعل کو بھی کام میں لایا جائے۔ اس قسم کے ان گنت مفاسد ہیں جو تقلید کی وجہ سے مقلدین کے ورثہ میں چلتے آرہے ہیں۔

[ص ۱۶۸]

مقلدین خاص کر مقلدین احناف اپنے تقلیدی مذہب میں اس قدر متعصب ہیں

کہ دوسرے مذاہب کے ماننے والوں پر تنقیص کرنے میں بڑے جری واقع ہوئے ہیں ان میں تعصب حد درجہ بڑھا ہوا ہے اور خون کی طرح ان کے جسموں میں سرایت کر گیا ہوا ہے۔ اور یہ مخالفین سے سخت عناد رکھتے ہیں یہ الزام و الہام لگانے میں اس قدر تیز ہیں کہ معاملہ قتل و غارت تک پہنچ جاتا ہے۔

مخالفین سے عناد کا ایک واقعہ مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

امام ہروی بلند پایہ محدث تھے اور حنبلی مسلک کے پیرو تھے لیکن جب انہیں کوئی صحیح حدیث مل جاتی تو فوراً اس پر عمل بجالاتے۔ ان کی یہ روش مخالفین کو نہیں بھاتی تھی۔ اسی وجہ سے آپ کے قتل کے منصوبے بنائے گئے۔

امام ذہبی نے ان کے حالات تذکرۃ الحفاظ میں لکھے ہیں وہ بیان کرتے ہیں:

امام ہروی یگانہ روزگار تھے ہر قسم کے فضائل اور محاسن آپ میں جمع تھے آپ سنت کی نصرت میں ذرہ بھر لچک سے کام نہیں لیتے تھے کسی بادشاہ یا امیر کا خوف آپ کو جادہ حق سے منحرف نہیں کر سکتا تھا یہی وجہ ہے کہ حاسدین ہر وقت آپ کے درپے آزار رہتے تھے انھوں نے کئی دفعہ آپ کی جان لینے کی کوشش کی اور مختلف طریقوں سے آپ کو ہلاک کرنا چاہا لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر بار آپ کو ان کے شر سے محفوظ رکھا۔

امام ہروی حاسدین کی تفصیل اپنی زبانی بیان فرماتے ہیں:

مجھے بغرض قتل پانچ دفعہ تلوار کے سامنے پیش کیا گیا۔ مجھے یہ نہیں کہا جاتا تھا کہ اپنا مذہب چھوڑ دو بلکہ یہ کہا جاتا تھا کہ مخالفین (اہل الرائے) کے بارے میں خاموش رہو۔ مگر میں ہر بار ان کے مطالبے کو مسترد کر دیتا تھا۔ اور کہتا کہ اظہار حق سے خاموش نہیں رہ سکتا۔

[ص ۱۷۱۔۱۷۲]

مقلدین نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ، امام حدیث حافظ مقدسی اور کئی دوسرے محدثین کرام کو مصائب و آلام میں مبتلا کیا۔ برصغیر میں علامہ قاضی نصیر الدین گیارھویں صدی کے اہل حدیث عالم تھے آپ حدیث کو قیاس پر ترجیح دیتے تھے اور حدیث نبوی کے مقابلے میں قول امام کو ہرگز نہ مانتے تھے وہ اعلانیہ فرمایا کرتے تھے:

ایک طرف رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہو دوسری طرف امام ابوحنیفہ کا قول ہو تو ترجیح ہر حال میں فرمان رسول ﷺ کو ہوگی۔ اور امام ابوحنیفہ کے قول کو رد کر دیا جائے گا۔

ان کے سسر مولانا علم اللہ امام ابوحنیفہ کے مقلد تھے اور غالی مقلد تھے ایک دن کسی بات پر انھوں

نے قاضی نصیر الدین کے سامنے امام صاحب کا قول پیش کیا تو قاضی صاحب نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کردیا اور فرمایا:

هو رجل وانا رجل.

یہ کوئی حجت نہیں۔

ہمارے لیے رسول اللہ ﷺ کی حدیث حجت ہے اتنی بات پر مولانا علم اللہ طیش میں آگئے اور اپنے داماد کو قتل کرنے کے لیے تلوار اٹھائی۔ تو قاضی نصیر الدین صاحب نے بھاگ کر اپنی جان بچائی۔ مولانا علم اللہ نے آپ پر کفر کا فتوی لگادیا۔

[ص ۱۷۳]

اس کے بعد علامہ قاضی نصیر الدین ترک وطن کر کے مکہ مکرمہ چلے گئے اور ان لوگوں کے شر سے جو حدیث رسول کے مقابلہ میں ہوقول امام کو ترجیح دیتے تھے نجات حاصل کرلی۔

اہلحدیث سے دشمنی

مقلدین احناف اہلحدیث سے دشمنی میں صف اول میں شمار ہوتے ہیں اور اہلحدیث حضرات کو ایسے ایسے القاب سے یاد کرتے ہیں کہ خدا کی پناہ، اہلحدیث کے مخالفت میں مقلدین احناف کے بریلوی گروہ کے سربراہ مولوی احمد رضا خان بریلوی کے کتب احکام شریعت، فتاوی افریقیہ اور ملفوظات سے مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ جو انھوں نے اپنی کتابوں میں اہلحدیث حضرات کی شان میں کہے ہیں۔

تحریف دین

تحریف دین میں بھی مقلدین کارفرما رہے ہیں۔

مولانا گوندلوی فرماتے ہیں:

تحریف دین اصل تقلید کی وجہ سے ہوئی۔ قرآن وحدیث میں لفظی ومعنوی تحریف کی گئی اور جمود کی نحوست نے اس امت پر قبضہ جمالیا۔ کتاب وسنت تبرکًا باقی رہ گئے۔ اور عملاً مفقود۔

[ص ۱۷۸]

حدیث سے گلوخلاصی

مقلدین احناف ظاہری طور پر احادیث کو قابل اعتبار اورواجب العمل سمجھتے ہیں لیکن عملاً احادیث سے کچھ لگاؤ نہیں رکھتے۔ اگر کچھ لگاؤ رکھتے ہیں تو ضعیف اور موضوع روایات کا سہارا لیتے ہیں۔

مولانا گوندلوی فرماتے ہیں:

ظاہری طور پر تو احادیث کو قابل اعتبار اور واجب العمل ہی سمجھا گیا اور اپنی کتابوں اور تقریروں میں زوروشور سے احادیث نبویہ کی حمایت کی گئی لیکن جب عملی زندگی کا موقع آیا۔تو انکار کے لیے تاویلات کی گئیں۔ بخاری ومسلم کی احادیث جن کے صحیح ہونے میں اول اور آخر تمام کا حقیقی اجماع ہو چکا ہے قیاس کی بھول بھلیوں کا شکار ہو کر رہ گئیں اور ایسے اصول وضع کیے گئے جن سے بہت سی احادیث بلکہ ہر اس حدیث کو جو بھی تقلیدی مذہب کے خلاف نظر آئی رد کر دی گئی۔

[ص:۱۷۹]

حدیث پر عمل کرنا گمراہی ہے

دور حاضر کے نامور دیوبندی عالم محمد تقی عثمانی عامی کے لیے حدیث کے رد کا اصول ان الفاظ سے بیان کرتے ہیں:

عامی ایسا نہیں ہوتا جو دلائل کو پرکھ سکے۔ ایسے شخص کو اگر اتفاقاً کوئی حدیث نظر آ جائے جو بظاہر اس کے امام مجتہد کے مسلک کے خلاف معلوم ہوتی ہو تب بھی اس کا فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنے امام ومجتہد کے مسلک پر عمل کرے۔ اور حدیث کے بارے میں یہ اعتقاد رکھے کہ اس کا صحیح مطلب میں نہیں سمجھ رہا۔ یا یہ کہ مجتہد کے پاس اس کے معارض (خلاف) کوئی قوی دلیل ہوگی۔

چند سطور کے بعد لکھتے ہیں:

اگر ایسے مقلد کو یہ اختیار دے دیا جائے کہ وہ کوئی حدیث اپنے امام کے مسلک کے خلاف پا کر امام کے مسلک کو چھوڑ سکتا ہے تو اس کا نتیجہ شدید افراتفری اور سنگین گمراہی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔

[تقلید کی شرعی حیثیت ص ۸۷]

مولانا تقی عثمانی صاحب کی مذکورہ بالا تحریر کے جواب میں مولانا گوندلوی فرماتے ہیں:

مولانا نے جو بیان کیا دل کے راز کو طشت از بام کیا اور خبث باطن کو آشکارا کیا مقلدین کو حدیث کی حیثیت آج تک یہی معلوم ہوسکی ہے کہ حدیث پر عمل کرنا گمراہی ہے اور اس سے افراتفری پھیلتی ہے اس افراتفری کی نوعیت نہ تو اللہ تعالیٰ نے بیان کی اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ سمجھ سکے۔ قرآن نے جس رسول کی اطاعت کو ذریعہ نجات اور نسخہ اتحاد سے تعبیر کیا۔ ان حضرات نے ان کو افراتفری پر محمول کیا۔ صحابہ کبار کا جب نزاع ہوتا تو وہ جس نسخے کو استعمال کر کے ایک ہو جاتے۔ ان حضرات کی نظر میں وہ نسخہ افتراق واختلاف کا سبب بنا۔ جس بات کا اعلان ائمہ عظام نے کیا وہ اعلان ان کو غلط اور لغو معلوم ہوا۔ اور پھر یہ نکتہ مولانا تقی عثمانی صاحب کی عقل میں ٹپکا کہ احادیث پر عمل کرنے سے گمراہی لازم آتی ہے لیکن کسی امتی کے قول وفعل کو دین بنانا راہ نجات کی دلیل ہے جس کا ثبوت قرآن وحدیث سے کہیں نہیں۔

[ص:۱۸۱]

اس کے بعد مولانا گوندلوی لکھتے ہیں:

ان کو حدیث پر عمل کرنے سے گمراہی کیوں نہ نظر آئے جب کہ ان کے اکثر اصول معتزلہ کے مرہون منت ہیں۔ اور معتزلہ سب سے پہلے لوگ ہیں جنھوں نے قیاس اور عقل کو قرآن وحدیث پر ترجیح دی تھی اور جو آیت یا حدیث بھی ان کے خود ساختہ عقائد کے مخالف نظر آئی۔ اس کی تاویل کر ڈالی یا پھر انکار ہی کر دیا۔

[ص:۱۸۲]

قرآن کے ظاہر پر عمل کرنا کفر ہے

اب مقلدین نے ایک نیا شوشہ چھوڑا ہے:

”کتاب وسنت کے ظاہری الفاظ پر عمل کرنا کفر ہے۔“

مفسر قرآن علامہ صاوی مالکی جوش تقلید میں آکر فرماتے ہیں:

مذاہب اربعہ کے علاوہ کسی اور کی تقلید جائز نہیں اگر چہ وہ آثار صحابہ، احادیث یا قرآن کے موافق ہی ہو۔ مذاہب اربعہ سے نکلنے والا گمراہ ہے بلکہ بسا اوقات کفر تک پہنچ جاتا ہے۔ وہ اس لیے کہ کتاب وسنت کے ظاہر پر عمل کرنا اصول کفر میں سے ہے۔

[تفسیر صاوی ۲/۱۰ بر حاشیہ جلالین مصری]

مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ علامہ صاوی کی مذکورہ بالا تحریر کے جواب میں فرماتے ہیں:

حقیقت میں تقلید نے ان کو ایسی راہ پر چلایا کہ ان کو قرآن وحدیث کے ظاہری الفاظ کے معنی اور مفہوم پر عمل کرنا کفر نظر آیا۔ حالانکہ قرآن کریم عوام وخواص کے لیے اترا ہے جس کے ظاہری مفہوم کو ہر کوئی پا سکتا ہے لیکن شاید ان کو کہاں سے معلوم ہوا کہ ظاہری الفاظ ذریعہ ہدایت نہیں بلکہ گمراہی اور کفر کا ذریعہ ہیں۔ قرآن کریم میں کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ تم ظاہری الفاظ کو چھوڑ کر باطن مفہوم کے پیچھے پڑ جاؤ۔ اور یہی حالت حدیث رسول ﷺ کی ہے۔

اس کے بعد مولانا گوندلوی لکھتے ہیں:

ان کو تقلید نے ذہنوں کی آوارگی سے کیا بچانا تھا خود ذہنی انتشار پیدا کر دیا۔ قوم کے ذہنوں سے کتاب وسنت کا تقدس اٹھ گیا۔ اور لوگ بدعمل ہو گئے اور ان بے عمل لوگوں کی حوصلہ افزائی یوں کر دی کہ قرآن وحدیث کے ظاہر پر عمل نہ کرنا کیونکہ اس سے کفر لازم آتا ہے انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

[ص ۱۹۲]

۷۔ حنفی مذہب

یہ کتاب کا آخری باب ہے مولانا گوندلوی اس باب کا آغاز اس طرح کرتے ہیں:

خیر القرون کا زمانہ گزرنے کے ساتھ ہی مسلمان دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک تو وہی جماعت تھی جو احادیث وآثار کی امین تھی۔ اس جماعت کو اہلحدیث یا اصحاب الحدیث کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا کیونکہ اس جماعت کے عمل کا دارومدار کتاب وسنت اور اس کے بعد آثار صحابہ پر تھا۔

دوسرا گروہ جس کے پاس احادیث رسول کا ذخیرہ بہت کم تھا۔ جس کی وجہ سے وہ مسائل کے استنباط میں زیادہ تر رائے اور قیاس سے کام لیتے تھے ان کو اصحاب الرائے سے تعبیر کیا جاتا تھا۔

اصحاب الرائے کی حدیث سے کم مائگی کی وجہ حجاز سے دوری اور صحابہ کرام سے کم ملاقات تھی۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی انہی وجوہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ان کے پاس احادیث اور آثار کا سرمایہ کم تھا اس بنا پر ان کے استنباط کے اصول اہلحدیث سے جداگانہ تھے۔"

[حجۃ اللہ البالغۃ ۱/۱۵۲] [ص: ۲۰۰]

حنفی اہل الرائے ہیں

جمہور علمائے اسلام نے مقلدین احناف کو اہل الرائے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پیروکاروں کو قرار دیا ہے اور وہ یہی لوگ ہیں جو احادیث کے مقابلہ میں رائے اور قیاس کو مقدم سمجھتے ہیں۔

علامہ ابن خلدون اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

اہل الرائے کے پاس حدیث کی قلت تھی اس لیے انھوں نے قیاس پر زور دیا۔ اور اس میں خوب مہارت حاصل کی اور وہ اہل الرائے کے نام سے مشہور ہوئے اسی گروہ کے مقتداء امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد تھے۔

[مقدمہ ابن خلدون]

علامہ ابوالفتح محمد بن عبدالکریم شہرستانی مؤرخ اسلام کی حیثیت سے بہت بلند مقام کے حامل ہیں وہ اپنی کتاب "الملل والنحل" میں فرماتے ہیں:

اہل الرائے عراق والے ہیں جو ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد ہیں ان کو اصحاب الرائے اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ مسائل کا حل قیاس سے تلاش کرتے ہیں بعض وقت قیاس جلی کو حدیث جو خبر آحاد سے ہو مقدم سمجھتے ہیں۔

[الملل والنحل: ص ۲۰۷]

امام اہل سنت احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

اہل الرائے گمراہ اور بدعتی ہیں اور سنت رسول وآثار صحابہ کے دشمن ہیں حدیث کو جھٹلاتے اور اس کا رد کرتے ہیں اور ابوحنیفہ کے مسلک کو دین بناتے ہیں اس سے بڑھ کر اور کیا گمراہی ہو سکتی ہے کہ یہ لوگ حدیث رسول کو ترک کر کے ابوحنیفہ کے قول پر عمل کرتے ہیں۔

مولانا گوندلوی اہل الرائے کے متعلق، مؤرخین اور محدثین کے ارشادات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

حضرت امام (احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ) کے اس قول میں ذرہ بھر مبالغہ نہیں بلکہ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا۔ اہل الرائے میں حدیث کے انکار کی شدت بڑھتی گئی۔ اور ہمارے معاصرین کو یہ کہنا پڑا کہ حدیث پر عمل کرنا گمراہی اور افراتفری کا سبب ہے۔

[ص:۲۰۲]

قرآن میں تحریف

مقلدین احناف اتنے جری ہو گئے ہیں اور انھیں اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں کہ قرآن مجید جو اللہ تعالیٰ کی الہامی کتاب ہے اور جو اس نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمائی میں تحریف جیسا گھناؤنا فعل کرنے سے ذرہ بھر نہیں شرماتے۔

دیوبندی مسلک کے مشہور اور نامور دینی رہنما شیخ الہند مولانا محمود الحسن اور مولانا محمد صفدر جالندھری حنفی نے قرآن کریم میں تحریف کی ہے اس سلسلہ میں مولانا محمود الحسن کی کتاب ''ایضاح الدلالہ'' دیکھی جا سکتی ہے۔

احناف اور موضوع احادیث

مقلدین احناف نے جس طرح قرآن کریم میں تحریف کی ہے اسی طرح انھوں نے احادیث وضع کرنے سے بھی باز نہیں آئے۔ جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تحریف کرنے سے باز نہیں آئے وہ احادیث وضع کرنے سے کب پیچھے رہ سکتے تھے اور انھوں نے ایک نہیں بے شمار حدیثیں وضع کی ہیں جن میں ان کی ایک مشہور حدیث ہے۔

ابو حنيفة سراجی امتی.

ابوحنیفہ میری امت کا چراغ ہے۔

[موضوعات کبیر ملا علی قاری حنفی]

مولانا عبدالحی لکھنوی نے فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''ہدایہ'' کا حاشیہ لکھا ہے اور ''ہدایہ'' میں درج احادیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

فقہ کی کتابوں میں جو احادیث لکھی ہوئی ہیں ان پر مکمل اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ ان کتابوں میں کتنی احادیث لکھی ہوئی ہیں جو بالکل موضوع اور بناوٹی ہیں۔

مولانا گوندلوی مرحوم مولانا لکھنوی کی مذکورہ تحریر پر تبصرہ فرماتے ہیں:

مولانا کا فیصلہ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے کے مترادف ہے مولانا حنفی تھے اور آخر تک حنفیت پر قائم رہے لیکن اس کے باوجود کبھی کبھار حق زبان وقلم پر آہی جاتا ہے اس لیے انھوں نے فقہ حنفی کے بہت سے مسائل سے توبہ کر کے اہلحدیث مسلک والے مسائل پر عمل کیا۔

[ص:۲۰۴]

حنفی فقہ کی تدوین

یہ بات مسلمہ ہے اور تاریخ کا ایک طالب علم اس سے بخوبی واقف ہے کہ ائمہ اربعہ میں تین ائمہ کرام نے خود کتابوں کو تصنیف کیا۔

امام مالک نے مؤطا لکھی۔

امام شافعی نے کتاب الام اور رسالہ تصنیف کیا۔

امام احمد بن حنبل نے مسند احمد تصنیف کی۔

لیکن امام ابوحنیفہ نے کوئی کتاب نہیں لکھی۔ اس بات کا اعتراف مشہور حنفی عالم اور محقق ومؤرخ علامہ شبلی نعمانی نے ان الفاظ سے کیا ہے:

''ہم نے یہی معلوم کیا ہے کہ امام صاحب نے کوئی کتاب تصنیف نہیں فرمائی۔''

[سیرت النعمان]

حنفی مجلس شوریٰ

امام ابوحنیفہ نے خود تو کوئی کتاب تصنیف نہیں کی لیکن بعد کے احناف کے ایک فقہ حنفی کی تدوین کے لیے ایک مجلس شوریٰ قائم کردی۔

مولانا گوندلوی مرحوم اس مجلس شوریٰ کے بارے میں لکھتے ہیں:

امام صاحب خود تو کوئی تصنیف نہ فرما سکے۔ ہاں بعد کے احناف نے فقہ حنفی کی تدوین وتالیف کو پایہ ثبوت تک پہنچانے کے لیے ایک خیالی مجلس شوریٰ قائم کی۔ یہ غالباً مجلس ۱۴ ویں صدی کے مؤرخ مولانا شبلی نعمانی نے ہندوستان میں بیٹھے بٹھائے تشکیل دی۔ وہ ایسے کہ فرماتے ہیں:

امام صاحب نے ۱۲۱ھ سے ۱۵۰ھ تک فقہ کی تدوین کے سلسلہ میں ایک مجلس قائم کی تھی جس کے اراکین مندرجہ ذیل تھے۔امام محمد،قاضی ابویوسف، امام زفر، یحییٰ بن ابی زائدہ،حفص بن غیاث،وغیر ذلک۔

غالباً اس مجلس کے (۹) اراکین تھے جن میں بعض پر ہم مولانا فیض عالم کا بالاختصار تبصرہ پیش کرتے ہیں۔

۱۔ **امام محمد**: ان کی پیدائش ۱۳۱ھ اور ۱۳۵ھ کے درمیان بیان کی جاتی ہے گویا کہ اس شوری کا رکن پیدائش سے دس سال قبل شوری میں شریک ہوتا رہا۔

۲۔ **قاضی ابویوسف**: ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے اور آٹھ برس کی عمر میں مجلس میں شامل ہو گئے۔

۳۔ **امام طحاوی**: ۲۳۸ھ میں پیدا ہوئے اور پیدائش سے ۱۱۷ سال پہلے حنفی فقہ کی تدوین میں شریک ہوئے۔

۴۔ **امام زفر**: ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے اور گیارہ برس کی عمر میں اس علمی مجلس کے ممبر بنے۔

مولانا گوندلوی مرحوم اس مجلس کے بارے میں فرماتے ہیں:

اس مجلس کی ہیئت ترکیبی کو تعصب اور ضد سے ہٹ کر دیکھیے اور انصاف کیجیے کہ جس مجلس کے ممبر کچھ پیدا ہونے سے پہلے اور کچھ دو تین سال کی عمر میں بیٹھ کر کسی مسئلہ پر بحث کریں گے تو وہ کیسی مجلس اور اس کی مرتب کردہ فقہ کیسی ہو گی۔

[ص۲۰۶]

تدوین کتب

مولانا گوندلوی فرماتے ہیں:

جس طرح حنفی مجلس شوری کا حال ہے اسی طرح ان کی کتابوں کی تصنیف کا حال ہے فقہ حنفی پر جتنی کتابیں ہیں وہ سب حضرت امام ابوحنیفہ سے تین سو سال بعد بغیر کسی سند کے تالیف ہوئیں۔

ذیل میں ان کی مشہور کتابوں کی ایک مختصر فہرست پیش خدمت ہے۔

۱۔قدوری	۳۰۰ سال بعد
۲۔فتاوی قاضی خان	۴۰۰ سال بعد

۳۔ہدایہ	۴۰۰سال بعد
۴۔طحاوی	۶۰۰سال بعد
۵۔شرح وقایہ	۶۰۰سال بعد
۶۔کنز الدقائق	۶۰۰سال بعد
۷۔فتح القدیر	۷۰۰سال بعد
۸۔بحرالرائق	۸۰۰سال بعد
۹۔درمختار	۹۰۰سال بعد
۱۰۔فتاوی عالمگیری	۱۰۰۰سال بعد

ان کتابوں کے تالیف کے زمانوں کو سامنے رکھ کر بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ان کتابوں میں جو کچھ مرقوم ہے وہ ہر اعتبار سے بے بنیاد اور حقیقت سے خالی ہے کہ ان کتابوں کے مصنفین اور حضرت امام کے زمانہ میں سینکڑوں برس کا فرق ہے۔اور پھران ہزاروں مسئلوں میں سے جو بھی ان کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں کسی ایک مسئلہ کی سند امام صاحب تک بیان نہیں کر سکتے۔جب سینکڑوں سال کا فرق ہے اور سند بھی کوئی نہ ہو تو یہ کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ ان کتابوں کا تعلق حضرت امام کی ذات گرامی اور آپ کے فرمودات سے ہو۔

[ص:۲۰۶۔۲۰۷]

سند کا مقام

دین کے ہر مسئلہ میں سند کا ہونا ضروری ہے سند کے بغیر تحریف سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔سند کے بارے میں ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

هذا دين فانظروا عمن تأخذون دينكم.

دین کا علم حاصل کرتے وقت دیکھو تم کس سے طلب کررہے ہو۔

امام ابوحنیفہ کے تلمیذ رشید امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الاسناد عندي من الدين لولا الاسناد لقال من شاء وما شاء.

”سند دین سے ہے اگر سند نہ ہوتی تو جو کوئی چاہتا وہ مرضی سے کہہ دیتا۔“

مولانا گوندلوی فرماتے ہیں:

”ان عبارات سے سند کی اہمیت واضح ہے وہ کسی سے مخفی نہیں اللہ تعالیٰ نے خبر کی تحقیق کا حکم دیا ہے۔“

﴿إِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا﴾ .[الحجرات:٦]

”تمھارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کرلو۔“

تحقیق تب ہی ممکن ہوسکتی ہے جب کہ اس کی سند معلوم ہو۔

[ص:۲۰۸]

فقہ حنفی کی کتابوں میں کوئی سند نہیں اور ایسی کتابوں سے فتوی دینا امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ امام ابویوسف اور امام زفر کے نزدیک حرام ہے۔

لایحل لاحد ان یفتی بقولنا ما لم یعلم من این قلناہ.

”میرے قول کی دلیل معلوم کیے بغیر فتوی دینا حرام ہے۔“

مولانا گوندلوی حضرت امام صاحب اور ان کے تلامذہ کے فرامین پر فرماتے ہیں:

”ظاہر ہے جب مسئلہ کی سند نہ ہو قائل بھی معلوم نہ ہو تو اس سے فتوی دینا کیسے جائز ہو سکتا ہے دلیل تو معلوم شئے کا نام ہے مجہول کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔

اب حنفی بھائیوں کی ذمے داری ہے کہ وہ ان کتابوں سے فتوی دینے سے پہلے ان کی اسناد بیان کریں اگر وہ سند بیان نہیں کر سکتے تو ائمہ احناف کے نزدیک ان کتابوں سے فتوی دینا ممنوع ہی نہیں بلکہ حرام ہے۔“

[ص۲۰۹]

امام ابوحنیفہ کی برائت

محدث مغرب امام حدیث حافظ ابن عبدالبر قرطبی نے اپنی کتاب ”جامع لبیان العلم وفضلہ“ اور شیخ الاسلام حافظ ابن القیم الجوزیہ نے اپنی کتاب ”اعلام الموقعین عن رب العالمین“ میں حضرت امام ابوحنیفہ کے متعلق ایک خواب کا ذکر کیا ہے۔

”امام جعفر بن حسین فرماتے ہیں:

”میں نے ابوحنیفہ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیسا سلوک کیا ہے فرمانے لگے اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا ہے میں نے کہا کس وجہ سے؟ فرمانے لگے

:لوگوں نے جو میری طرف غلط فتوے منسوب کر دیے ہیں۔''

[اعلام الموقعین ۱/۲۹]

مولانا گوندلوی فرماتے ہیں:

''حضرت امام کو اس منامی (خواب) بیان سے معلوم ہو گیا کہ فقہ حنفی میں جس قدر بلا سند فتوے ہیں ان کا تعلق امام صاحب سے بالکل نہیں اگر ہو تو سند نہ بیان کرتے۔''

[ص: ۲۱۰]

مسائل حنفیہ

مسائل حنفیہ پر مولانا گوندلوی درج ذیل الفاظ میں تبصرہ کرتے ہیں:

''مسائل حنفی میں انکار حدیث کا ایک سمندر موجزن ہے جو اپنے جوبن میں ٹھاٹھیں مار رہا ہے بہت سی آیات کی مخالفت اور لاتعداد احادیث سے تمسخر کتب فقہ کا خاص موضوع ہے۔ محدثین کی عیب جوئی صحابہ کرام کی توہین اور ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل) کو بدعتی اور غیر فقیہ کہنا ان کتابوں کا عام موضوع قلم ہے۔ تبھی تو منام (خواب) میں حضرت امام نے ان تمام فتاوی اور اقوال سے رجوع فرمالیا۔ فرحمة الله رحمة واسعة''

[ص۲۱۰]

وہ مسائل کیا ہیں

ان کے بارے میں مولانا گوندلوی فرماتے ہیں:

''وہ مسائل ایسے ہیں جو حضرت امام ابوحنیفہ کی علمی رفعت اور تقوی سے کوسوں دور ہیں۔''

[ص۲۱۰]

اس کے بعد مولانا گوندلوی مرحوم نے فقہ بمقابلہ قرآن وحدیث سے (۳۶) مسائل کا ذکر کیا ہے (صفحہ ۲۱۰ تا ۲۲۱) لیکن میں یہ مسائل درج کرنے سے پرہیز کرتا ہوں اس کے بعد مولانا گوندلوی نے حنفی نماز کا طریقہ بیان کیا جو انھوں نے مولانا محمد یوسف جے پوری کی کتاب ''حقیقة الفقه'' سے مستعار لیا ہے اور آخر میں ''حنفی ہونے پر ندامت'' نامور دیوبندی عالم دین مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری کا ایک بیان مولانا مفتی شفیع دیوبندی کی زبانی ان کی کتاب ''وحدت امت'' سے نقل کیا ہے۔

ترازوئے حق

مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کا اختتام درج بالاعنوان سے کیا ہے۔

مولانا مرحوم فرماتے ہیں:

﴿وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ﴾.

[الانعام:۱۵۳]

''یہ میرا سیدھا راستہ ہے تم اسی رستہ کی پیروی کرو اور تم مختلف رستوں کی پیروی نہ کرو کہ تم میں اختلاف ہو جائے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کی راہ متعین فرمادی کہ تم اگر ہدایت پر رہنا چاہتے ہو تو صرف میرے رسول اللہ ﷺ کے رستہ کی اتباع کرو۔ وہ راہ کیا ہے جس کے لازم پکڑنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی زبان سے واضح کردیا۔

حجۃ الوداع کا موقعہ ہے ڈیڑھ لاکھ کے قریب صحابہ کرام کی مقدس جماعت حاضر ہے۔ رسول اکرم ﷺ تمام کائنات کے لیے ہدایت کے اصولوں کا اعلان فرمارہے ہیں۔

تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابُ اللّٰهِ وَ سُنَّتِيْ.

[موطا]

''لوگو! میں تم میں ہدایت کے لیے دو اصول چھوڑے جارہا ہوں جب تک تم ان پر عمل کرو گے گمراہ نہیں ہو گے ایک اللہ کی کتاب، دوسری میری سنت۔''

یہ ہی ہدایت کے دو واضح اصول تھے لوگ جب تک ان پر عمل پیرا رہے۔ باطل کے شرارے دبے رہے لیکن جب لوگوں نے ان اصولوں کو چھوڑ کر تقلید کو اپنایا۔ تو پھر اختلافات ان کی تقدیر بن کر رہ گئے۔

تقلید نے امت کے شیرازے کو پارہ پارہ کیا اور ایک جماعت کئی گروہوں میں تقسیم ہوگئی۔ قبر اور حشر میں کسی سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے ابوحنیفہ کی تقلید کیوں نہ کی۔ اور نہ ہی تقلید نہ کرنے پر کسی ایک کی گرفت ہوگی۔ ہاں البتہ اس سوال کا جواب ہر شخص کو ضرور دینا ہوگا کہ تم نے اللہ کی کتاب پر عمل کیا۔ اور رسول اکرم ﷺ کی اتباع کی یا نہ کی۔ اسی سوال پر جنت اور جہنم کا دارومدار ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر صرف اور صرف خاتم النبیین ﷺ کی اتباع لازم کی ہے اہل حدیث کی یہی دعوت اور اسی پر عمل ہے اللہ تعالیٰ کتاب وسنت پر عمل کرنے کی توفیق فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

[ص:۲۲۴]

یہ کتاب ’’مقلدین ائمہ کی عدالت میں) پہلی بار ۱۹۸۲ء میں ادارہ اشاعت التوحید گوندنوالہ ضلع گوجرانوالہ نے شائع کی۔ دوسری بار ۱۹۸۹ء میں قلعہ دیدار سنگھ ،تیسری بار ۱۹۹۵ء میں جامعہ تعلیم القرآن والحدیث ساہووالہ، چوتھی بار ۱۹۹۷ء میں ساہووالہ اور پانچویں بار ۲۰۰۲ء میں ادارہ مطبوعات سلفیہ راولپنڈی نے شائع کی۔ اس ایڈیشن میں حوالہ جات اور مراجعات پر نظر ثانی کی گئی ہے اور حک واضافہ کیا گیا ہے جس کی وجہ سے پہلی اس طبع میں طبعات کی بعض جگہ تبدیلی آ گئی ہے۔

موضوع روایات

(تاریخ واسباب)

مولانا گوندلوی مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ رسالہ (۳۲) صفحات پر مشتمل ہے۔ جسے توحیدی دارالمطالعہ پرانا بازار قلعہ دیدار سنگھ ضلع گوجرانوالہ نے شائع کیا۔ سن اشاعت فروری ۱۹۸۵ء ہے۔

اس رسالہ کے ذیلی عنوانات درج ذیل ہیں:

حرف آغاز، شدید وعید کیوں، تاریخ الافتراء، اہل کتاب کے نزدیک افتراء کا جواز، اسلام میں وضع کی ابتداء، وضع حدیث مختلف ادوار میں، تقلید کا ظہور، اسباب الوضع، مراکز الوضع، تیسرا دور مقلدین حضرات، فقہ حنفی کی تائید میں موضوع روایات، مسئلہ خلف الامام، حنفیت میں کذابین، اساطین فقہ حنفی، چوتھا دور صوفیا اور نام نہاد زاہدین، صوفیا کی ابتداء، صوفیا کے مراتب عبادت کو مخصوص کرنے کی وجہ، خود ساختہ صحابہ، پانچوان دور قبر پرست اور دیگر بدعتی حضرات، علم الجرح والتعدیل، وضع کی شناخت، محدثین کی ثمر آور کاوش، خلیفہ ہارون الرشید کا اعتراف، کتب حدیث ہمارا دور۔

حرف آغاز میں مولانا گوندلوی فرماتے ہیں:

کسی من گھڑت بات کا رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنا بہت بڑا جرم ہے اس لیے کہ آپ کے قول وفعل کی سند اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے:

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى . اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾.

[النجم:۳۔۴]

آپ اللہ تعالی کے احکام اوراوامر ونواہی کی تفصیل وتشریح کے لیے مبعوث فرمائے

گئے۔

﴿وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾.

[النحل:۴۴]

ممکن نہیں کہ حضرت رسول کریم ﷺ سے کوئی فعل اللہ تعالیٰ کی مرضی ومنشا کے خلاف صادر ہوا ہو۔ اور پھر اس پر عمل ہوتا رہا ہو۔ جو شخص کسی جھوٹ کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کرتا ہے وہ نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف نہیں۔ بلکہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔اور جو لوگ کسی جھوٹ کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ ظالم، فاسق، کافر اور جہنمی ہیں۔" [ص:۳-۴]

تاریخ الافتراء

مولانا گوندلوی فرماتے ہیں:

دین میں کذب وافتراء کی ابتداء یہود نے کی اور پھر اس کی تقلید عیسائیوں نے کی جس کی وجہ سے دین میں تحریف کا عمل جاری ہوا۔ جیسا کہ سورۃ آل عمران کی آیت ۷۸ اور سورۃ بقرہ کی آیت ۷۹ سے اس کا پتہ چلتا ہے۔

(آل عمران۔۷۸) اور ان میں ایک گروہ ہے جو اپنی زبانوں کو کتاب کی قرأت کے وقت موڑتے ہیں تاکہ سننے والے اس کو گمان کریں کہ یہ کتاب سے ہے اور وہ کتاب سے نہیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔ اور وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں۔

اس آیت میں یہود کے تحریفی عمل اور کذب بیانی کی وضاحت ہے۔

(البقرہ:۷۹) ایسے لوگوں کے لیے ہلاکت ہے جو اپنی طرف سے کتاب لکھ کر اس کو اللہ تعالیٰ کے نام لگا دیتے ہیں تاکہ وہ اس کے ذریعے سے تھوڑی سی دولت حاصل کرسکیں ان ہاتھوں پر بھی ہلاکت ہو اور جو اس کے ذریعے سے کماتے ہیں اس پر بھی۔

اس آیت میں ان کے اس قبیح فعل کے ساتھ سخت سزا کی ڈانٹ بھی پلائی ہے۔

[ص:۶]

رسول اللہ ﷺ اپنی امت کو صاف اور سیدھے راستے پر چھوڑ کر اس دنیائے فانی سے تشریف لے گئے۔ اور دین اسلام بالکل صاف ستھرا اور پاک تھا اس میں کسی قسم کی آمیزش اور ملاوٹ نہ تھی۔ آپ ﷺ کے بعد دور صدیقی اور دور فاروقی میں بھی دین اسلام میں کسی قسم کی تحریف اور افتراء جیسے قبیح فعل کا ارتکاب نہ ہوا۔ اور دور عثمانی بھی ایک حد تک کذب وافتراء سے پاک رہا۔ لیکن خلیفہ ثالث کی شہادت کے معا بعد ایک یہودی عبداللہ بن سبا جس نے ظاہرًا اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا تھا۔ اس نے دین اسلام میں تحریف اور کذب وافتراء کا آغاز کیا۔

مولانا گوندلوی لکھتے ہیں:

> حضرت رسول اکرم ﷺ امت کو صاف اور سیدھے راستے پر چھوڑ کر دار القضاء کی طرف کوچ فرما گئے۔ اور اسلام لیلھا کنھارھا کے مصداق ہر قسم کی آمیزش اور اختلاط سے پاک تھا۔ آپ کے بعد تمام صحابہ کرام بھی اسی راہ پر گامزن تھے کبھی ایک صحابی نے دین میں تحریف اور افتراء جیسے قبیح فعل کا ارتکاب نہ کیا۔ اسلام میں یہ فتنہ خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت باسعادت کے بعد شروع ہوا۔ رافضیوں اور سبائیوں کے سردار عبداللہ بن سبا جو بہت بڑا کذاب تھا اس نے اسلام کو یہودیت میں بدلنے کے لیے کذب بیانی اور افتراء پردازی سے کام لیا۔ اور اسلام میں یہودی روایات کو بیان کرنے اور رواج دینے کو اپنے سیاسی مقاصد کی کلید سمجھا۔ پھر مختلف دور میں باطل فرقے پیدا ہوتے رہے جو لوگوں میں موضوع روایات پھیلاتے رہے۔
>
> [ص: ۷]

وضع حدیث مختلف ادوار میں

مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ نے وضع حدیث کے پانچ ادوار بتائے ہیں:

۱۔ پہلا دور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے لے کر اموی حکومت کے خاتمہ تک ہے اس دور میں موضوع روایات محض سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے وضع کی گئیں۔ فضائل اہل بیت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں جتنی روایات ہیں وہ سب اسی دور میں وضع کی گئیں۔

۲۔ دوسرا دور خلافت عباسیہ کی ابتداء سے لے کر تقلید شخصی کے ظہور تک کا ہے اس دور میں معتزلہ اور دیگر فرقوں نے احادیث وضع کیں۔ فتنہ خلق قرآن اور دیگر خلاف شرع امور اسی دور کی پیداوار ہیں۔

۳۔ تیسرا دور تقلید شخصی کا ظہور ہے اس دور میں مقلدین نے موضوع روایات کو اپنایا۔

۴۔ چوتھا دور نام نہاد زاہدین کا ہے جنھوں نے دین میں فضائل اعمال کے سلسلہ میں موضوع روایات کے انبار لگا دیے۔

۵۔ پانچواں دور اس کا تعلق برصغیر (پاک وہند) سے ہے۔

اس میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے اختلاط نے ایک نام نہاد مصلحین کے گروہ نے جنم لیا۔ (جن کو صوفیاء کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے) جنھوں نے ہندوانہ رسوم کو مذموم طریقہ سے اسلام میں داخل کر دیا۔

[ص:۸]

اسباب الوضع

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کیا اسباب تھے جن کی وجہ سے موضوع روایات کا سلسلہ شروع کیا گیا اس کے بارے میں مولانا گوندلوی لکھتے ہیں:

۱۔ سیاسی مقاصد، فضائل اہل بیت میں اکثر تشیعی روایات

۲۔ تقلید اور تعصب، فقہی مذاہب کی بعض موضوع روایات

۳۔ ارباب اقتدار کی خوشنودی، فضائل خلفاء عباسیہ کے فضائل کی جملہ روایات

۴۔ اسلام دشمنی، زنادقہ کی تقریباً تمام موضوعات

۵۔ ترغیب وترہیب، صوفیا کرام کی من گھڑت نمازیں اور دیگر فضائل احکام وغیرہ

۶۔ علاقہ کی برتری ثابت کرنا، کوفہ، بغداد اور صنعا یمن کے فضائل کی جملہ روایات

۷۔ مناظرہ میں برتری حاصل کرنے کے لیے یا فریق مخالف سے خفت کے ڈر کی وجہ سے بعض موضوع روایات

۸۔ تحسین کلام ہر اچھے کلام کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنا

۹۔ اپنے مقتدا اور پیشرو کی مدح، فضائل ابی حنیفہ کی جملہ مرفوع اور موقوف روایات

۱۰۔ فضائل قرآن میں ثواب سمجھ کر روایت وضع کرنا تا کہ لوگ قرآن کی طرف راغب ہوں جیسا کہ نوح بن مریم کے فضائل سور میں روایات ہیں۔

۱۱۔ خطاب اور تقریر، دلچسپ موضوع واقعات تا کہ تقریر دلنشین اور پر کشش ہو (اوج بن عنق وغیرہ

کے واقعات)

۱۲۔ قوم کی حمیت، فضائل عرب اور عربیوں کی عجمیوں پر فضیلت کی اکثر روایات

۱۳۔ غفلت کسی محدث سے غفلت کی وجہ سے روایت وضع کی گئی ہو اس نے عمدًا ایسا نہ کیا ہو۔

۱۴۔ بدعات کی ترویج، رسومات کے متعلق جملہ روایات

۱۵۔ جو حدیث کے اہل نہ ہوں اور محدث بننے کا شوق کسی طرح غالب آجائے جیسا کہ بعض کوفیوں کو جب حدیث کا شوق پیدا ہوا تو انھوں نے بغیر کسی جانچ پرکھ کے حدیثوں کو جمع کرنا شروع کر دیا۔

[ص:۹]

مقلدین حضرات

چوتھی صدی ہجری میں جب تقلید شخصی نے مسلمانوں کے گرد گھیرا ڈالا اور مسلمان اس سے پہلے کئی فرقوں میں تقسیم ہو چکے تھے اور ان میں مزید چار فرقوں کا آغاز ہوا۔ اور اس کے ساتھ وضع حدیث میں مزید پیش رفت ہوئی۔ اور مقلدین حضرات نے موضوع روایات کا ذخیرہ اپنی کتابوں میں جمع کیں جیسا کہ مولانا عبدالحی لکھنوی اپنی کتاب عمدہ الرعایہ ص ۱۳ پر لکھتے ہیں:

"ہدایہ اور دیگر کتب فقہ میں مندرج روایات پر کلی اعتماد نہیں کیا جا سکتا ان کتابوں میں کتنی روایات ہیں جو من گھڑت اور موضوع ہیں۔"

مقلدین نے فقہ حنفی کی تائید اور امام ابوحنیفہ کی مدح اور امام شافعی کی تنقیص میں موضوع روایات بنائیں۔ مثلاً

۱۔ من رفع يديه فى الركوع فلاصلوة له.

اس روایت کو محمد بن عکاشہ نے وضع کیا۔

[ص: ۱۷]

۲۔ من قرأ خلف الامام ملئ فوه من النار.

اس کو مشہور کذاب مامون بن احمد نے وضع کیا۔

[ص ۱۹]

امام ابوحنیفہ کی مدح

یکون فی امتی رجل یقال له ابو حنیفة هو سراج امتی.

میری امت میں ابوحنیفہ ہوگا جو میری امت کا آفتاب ہوگا۔

امام شافعی کی تنقیص

یکون فی امتی رجل یقال له محمد بن ادریس هو اضر علی امتی من ابلیس.

میری امت میں محمد بن ادریس (امام شافعی) ہوگا جو ابلیس سے بھی زیادہ خطرناک ہوگا۔

[ص:۲۰]

صوفیا، قبوری اور بدعتی حضرات

دین اسلام کو نقصان پہنچانے اور وضع حدیث میں صوفیاء اور قبوری بدعتی حضرات کا بہت زیادہ ہاتھ ہے۔ عباسی دور میں جب فلسفہ اور منطق کی کتابوں کے تراجم ہوئے تو اس سے اسلامی حکومت میں ایک بہت بڑے فتنے نے جنم لیا۔ وہ یہ کہ مختلف اقوام کے نظریات کو یکجا کر کے ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالی گئی۔ یہی مذہب صوفیا کا تھا ان لوگوں نے کتاب وسنت سے انحراف کر کے اپنے علم وعمل کی بنیاد اسرار ورموز پر رکھی۔ وحی کے مقابلہ میں کشف کو حجت مانا۔

مولانا گوندلوی فرماتے ہیں:

''اگر صوفیا کے اعتقاد پر نظر ڈالی جائے تو اس میں گندگی کا بہت بڑا سمندر نظر آئے گا حقیقت اور طریقیت کی اصطلاح بھی ان کے مزعومہ عقائد کی ایجاد ہے۔''

[ص۲۲]

قبوری اور بدعتی حضرات نے بھی دین اسلام کو شدید نقصان پہنچایا۔ صوفیا کے ایک گروہ نے ہندوانہ رسوم کو مسلمانوں میں رواج دینے کا بیڑا اٹھایا۔ استمداد غیب، حاضر وناظر اور دیگر بے شمار باطل اور شرکیہ عقائد عوام میں پھیلا دیے گئے اس گروہ کی زیادہ تر روایات صدری اور سینہ بسینہ ہیں۔ جن میں ذرہ بھر بھی صداقت نہیں ہے ایسے لوگوں کے بارے میں مولانا گوندلوی مرحوم نے حافظ ابن القیم کی ایک عبارت نقل کی ہے جس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ان کا کوئی کام بھی کتاب وسنت کے موافق نہیں ہے۔

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جو لوگ غلو کو گناہوں کے لیے کفارہ اور جنت میں داخلے کا سبب سمجھتے ہیں ان لوگوں کی مشابہت عیسائیوں سے ہے جنھوں نے حضرت مسیح کے بارے میں بہت زیادہ غلو کیا اور جس دین کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیش کیا تھا اس کو چھوڑ دیا۔ ایسے ہی یہ لوگ صحیح احادیث کو جھٹلاتے ہیں اور جھوٹی روایات پر عمل کرتے ہیں اور اپنے عقائد کی اشاعت کے لیے صحیح احادیث میں تحریف کرتے ہیں۔''

[ص:۲۶]

مولانا گوندلوی حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے مفرطین کے متعلق جو تجزیہ کیا ہے وہ حرف بحرف درست اور صحیح ہے اگر آج بھی ایسے لوگوں کے حالات کو دیکھا جائے تو امام ابن القیم کے اس تبصرہ کی تصدیق بے ساختہ زبان سے نکلے گی۔''

[ص:۲۶]

علم الجرح والتعدیل

اللہ تعالیٰ نے اپنے دین اسلام کو زندہ و تابندہ رکھنے کے لیے ہر دور میں علمائے حق کو پیدا کیا جنھوں نے دین سے ہر کھوٹی بات کو علیحدہ کر کے رکھ دیا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾.[الحجر:۹]

''بے شک ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اسی طرح حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا بھی انتظام کیا ہے۔

مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ علم الجرح والتعدیل کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے علمائے حق اور محدثین کو حدیث رسول کی خدمت کے لیے منتخب فرمایا۔ محدثین نے حدیث کی حفاظت کے لیے سخت محنت کی اور اس کے لیے صدق و کذب کے قاعدے مرتب کیے۔ یہ قواعد علم الجرح والتعدیل یا مصطلحات الحدیث کے نام سے موسوم ہیں۔ علم الجرح والتعدیل کی بنیاد حضرات صحابہ کرام نے قرآن کریم کی آیت

﴿اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ فَتَبَيَّنُوْا﴾ پر رکھی۔ کہ جب کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو اس کو اچھی طرح پرکھ لیا کرو۔''

[ص: ۲۷]

محدثین کی ثمر آور کاوش

محدثین کرام نے حدیث کی حفاظت کے لیے سر توڑ کوششیں کیں اور ہر جعلی اور من گھڑت حدیث بلکہ ایک ایک حرف کو بھی الفاظ نبوی سے جدا اور الگ کیا۔

امام سفیان ثوری فرماتے ہیں:

''اگر کوئی گھر میں بیٹھ کر موضوع روایات لکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کر دیتا ہے۔''

خلیفہ ہارون الرشید کے دور خلافت میں ایک زندیق کو گرفتار کر کے خلیفہ کے سامنے پیش کیا گیا خلیفہ نے اس کو قتل کرنے کا حکم دے دیا تو وہ کہنے لگا:

''اے امیر المؤمنین! آپ میرے قتل کا حکم دے رہے ہیں لیکن میں نے جو چار ہزار حدیثیں وضع کی ہیں ان کو آپ کیسے ختم کریں گے۔''

ہارون الرشید نے جواب دیا:

''اے بد بخت انسان کیا تجھے معلوم نہں کہ میری سلطنت میں امام عبداللہ بن مبارک، اور امام ابن اسحاق جیسے محدث موجود ہیں وہ تیری وضع کی ہوئی احادیث کو الگ کر دیں گے۔''

اس کے بعد زندیق کو قتل کر دیا گیا۔

مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

خلیفہ ہارون الرشید کے اس بیان سے یہ واضح ہو گیا کہ جو کام حکومت سے دبدبہ یا تلوار کے ذریعہ نہیں ہو سکتا تھا وہ کام محدثین کی کاوش نے کر دکھایا۔ یعنی محدثین کی جماعت نے تمام موضوع روایات کو الگ کر دیا۔ اگر کسی محدث سے کسی موقع پر تساہل ہو گیا۔ تو دوسروں نے اس حدیث کو تنقید کے ترازو میں تول دیا۔ یہی وجہ ہے کہ کذابین اپنی سر توڑ کوشش کے باوجود اپنے عزائم میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

[ص: ۲۹]

اس کے بعد مولانا گوندلوی مرحوم ''کتب حدیث'' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

صحیح بخاری، صحیح مسلم کی جملہ مرفوع روایات اور مؤطا امام مالک کی تمام مرفوع وموقوف روایات صحت کے سب سے اعلیٰ درجہ پر ہیں نسائی، ابوداود، صحیح ابن خزیمہ وغیرہ میں بعض روایات ضعیف ہیں لیکن موضوع کوئی نہیں۔

ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد کی بعض روایات پر محققین نے وضع کا شبہ ظاہر کیا ہے۔ ترمذی کی ۱۳ روایات، ابن ماجہ کی تقریباً ۱۵ یا کم وبیش روایات اور مسند احمد کی ۴۰ روایات کے متعلق علماء حدیث نے کلام کیا ہے لیکن محققین کی ایک جماعت نے ان کے وضع ہونے کے خدشہ کو غلط قرار دیا ہے مسند احمد میں جو ۴۰ ہزار مرفوع اور موقوف روایات کا مجموعہ ہے اگر اتنی بڑی تعداد سے یعنی ہزار میں سے ایک روایت موضوع ہے تو اس پر محدثین کی کاوش کو داد تحسین دینی چاہیے کہ انھوں نے وضع حدیث کی روایت کے بارے میں کس قدر احتیاط سے کام لیا ہے اگر امام صاحب سے ان ۴۰ روایات کے متعلق تساہل ہو گیا ہے تو بعد میں آنے والوں نے ان کے وضع ہونے کو ظاہر کر دیا ہے۔

موضوع روایات زیادہ احاطہ تحریر میں منضبط نہیں ہوئیں بلکہ واضعین کے ایک حلقہ تک رہی ہیں۔ اس کے برعکس صحیح روایات کو محدثین کی ایک جماعت نے قلمبند کر دیا ہے۔

[ص:۳۹-۴۰]

اس کے مولانا گوندلوی لکھتے ہیں:

سب سے اہم بات کہ ہمارے دور میں موضوع کی شناخت کس طرح ممکن ہے تو اس کی شناخت کے دو بڑے طریقے ہیں اول تو محدثین نے ان کے وضع ہونے کی نشاندہی فرما دی ہو۔ جیسا کہ امام ابن جوزی، حافظ ابن القیم، امام شوکانی اور دیگر بڑے بڑے علماء نے موضوعات پر الگ کتب لکھی ہیں۔ جن سے موضوعات کا پتہ چلتا ہے۔

جو حدیث، حدیث کی مشہور کتابوں میں درج نہ ہو۔ وہ بھی موضوع ہے جیسا کہ امام ابن جوزی اور امام شاہ ولی اللہ دہلوی نے اس کی تصریح کی ہے۔

[ص:۳۰]

داستان حنفیہ

احناف کی چہل رکنی کمیٹی پر مفصل بحث

مقلدین احناف نے حدیث رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں فقہ حنفی کی برتری ثابت کرنے کے لیے کئی انداز سے کوششیں شروع کر رکھی ہیں۔

۱۔ محدثین کو بدنام کیا جائے۔ امام ابوحنیفہ کی مدح میں جھوٹے سچے واقعات جوڑ کر لٹریچر شائع کیا جائے۔

۲۔ فقہ کے غلط غیر عقلی، غیر فطری مسائل کو سچ کرنے کی کوشش کی جائے اور حدیث نبوی ﷺ کی تنقیص کی جائے۔

۳۔ صحیح بخاری (جس کا مرتبہ ومقام اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے) کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جائے کہ اس میں بہت سی ضعیف احادیث ہیں تاکہ حدیث رسول ﷺ پر اعتماد نہ رہے۔

۴۔ تقلید شخصی کا جواز ثابت کیا جائے اور اس بات کی تشہیر کی جائے کہ تقلید ہی اتحاد امت کا ذریعہ ہے۔

۵۔ فقہی مسائل یونہی مرتب نہیں ہو گئے بلکہ ۴۰ ثقہ علماء نے پورے غور وفکر کے بعد فقہی مسائل کو مدون کیا ہے۔

۶۔ مقلدین احناف کے نزدیک صحیح احادیث وہ ہے جسے ان کے امام نے قبول کیا ہے۔

غرض یہ ہے کہ

اتباع سنت کو چھوڑ کر تقلید امام اور حدیث رسول ﷺ کو چھوڑ کر فقہ حنفی پر عمل شروع ہو جائے۔

مقلدین احناف کی ابتداء ہی سے یہ کوشش رہی ہے کہ تقلید شخصی کو کسی طرح برتری حاصل ہو اور فقہ کے مسائل کا چاردانگ عالم میں شہرہ ہو۔ اور اس کے ساتھ حنفی مذہب کے بانی حضرت ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی کی تعریف وتوصیف میں زمین وآسمان کے قلابے ملا دیے جائیں۔

حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے جو مرتبہ ومقام محدثین عظام کی جماعت کو حاصل ہوا ہے اس کا عشر عشیر بھی تقلیدی علماء کو حاصل نہیں ہوا۔ محدثین کی جماعت کو عزت واحترام ملا۔ مقلدین کے حصہ میں ندامت اور شرمندگی آئی۔ اگر اس پر اعتبار نہیں تو مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع

دیوبندی کا بیان پڑھ لیں۔

حضرت مفتی صاحب بیان کرتے ہیں (ملخصا)

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری نے فرمایا:

''میں نے عمر ضائع کر دی۔''

میں نے عرض کیا:

حضرت آپ کی ساری عمر علم کی خدمت میں دین کی اشاعت میں گزری ہے ہزاروں آپ کے شاگرد علماء ہیں مشاہیر ہیں۔ جو آپ سے مستفید ہوئے اور خدمت دین میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ کی عمر اگر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی۔

فرمایا:

میں تمھیں صحیح کہتا ہوں عمر ضائع کر دی۔

میں نے عرض کیا:

حضرت! بات کیا ہے؟

فرمایا:

ہماری عمر کا، ہماری تقریروں کا، ہماری ساری کدوکاوش کا خلاصہ یہ ہے کہ دوسرے مسلک پر حنفیت کی ترجیح قائم کر دیں امام ابوحنیفہ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں۔ اور دوسرے ائمہ کے مسائل پر آپ کے مسلک کی ترجیح ثابت کریں۔ یہ رہا ہے محور ہماری کوششوں کا۔ تقریروں کا اور علمی زندگی کا۔

اس کے بعد حضرت شاہ صاحب نے فرمایا:

اس وقت گمراہی پھیل رہی ہے الحاد آ رہا ہے۔ شرک و بت پرستی چل رہی ہے حرام و حلال کا امتیاز اٹھ رہا ہے۔ لیکن ہم لگے ہوئے ہیں ان فرعی وفروعی بحثوں میں۔

اس کے بعد فرمایا:

یوں غمگین بیٹھا ہوں اور محسوس کر رہا ہوں کہ عمر ضائع کر دی۔

[وحدت امت ص ۳۱-۳۲]

مقلدین احناف (دیوبندی، بریلوی) نے اپنی کتابوں میں ایک طرف اہلحدیث کے خلاف اور دوسری طرف آپس میں دیوبندیوں کے خلاف، بریلویوں نے اور بریلویوں کے خلاف دیوبندیوں

نے جو شر انگیز باتیں اپنی کتابوں میں لکھی ہیں کہ ان کو پڑھ کر سر ندامت سے جھک جاتا ہے اور یہ جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں یہ سب تقلید شخصی کا کرشمہ ہے اور دوسری طرف ان کا پروپیگنڈہ یہ ہے:

تقلید اتحاد کا واحد ذریعہ ہے۔

مولانا عامر عثمانی نامور دیوبندی عالم دین تھے اور ماہنامہ تجلّی دیوبند کے مدیر تھے انھوں نے ''زلزلہ'' نامی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے دیوبندیوں کو مشورہ دیا تھا:

بریلویوں سے جان چھڑانے کی ایک ہی صورت ہے کہ فتاوی رشیدیہ، فتاوی امدادیہ، بہشتی زیور، حفظ الایمان جیسی کتابوں کو چوراہے میں رکھ کر آگ دے دی جائے اور اعلان کر دیا جائے کہ ان کے مندرجات قرآن وسنت کے خلاف ہیں۔

[داستان حنفیہ ص ۹]

داستان حنفیہ میں مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام ابوحنیفہ کے حالات زندگی اور ان کی نام نہاد چہل رکنی کمیٹی کے ارکان کے مختصر حالات زندگی، ان کی تعلیم اور مذہب اور ان کے علم وفضل پر روشنی ڈالی ہے۔

مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ امام ابوحنیفہ کی چہل رکنی کمیٹی کے بارے میں لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ نے فقہ کی تدوین کے لیے علماء کی ایک کمیٹی بنائی تھی جس نے فقہ کو مدون کیا مگر حقیقت یہ ہے کہ نہ تو امام ابوحنیفہ نے کوئی ایسی کمیٹی بنائی جنھوں نے تدوین فقہ کا کام کیا ہو اور نہ ہی امام صاحب نے کوئی فقہ کی تدوین کرائی۔ فرضی کمیٹی کا محض جھوٹ ہونا تو اس سے بھی واضح ہے کہ امام صاحب نے جن ۴۰ حضرات کو تدوین کے لیے جمع کیا تھا ان میں تو کچھ کمیٹی کی تشکیل کے وقت پیدا نہیں ہوئے تھے اور کچھ ابھی دودھ پینے کی مدت میں تھے۔ اور کچھ پانچ سال سال کے بچے تھے گویا کہ ان حضرات نے ان چالیس مجتہدین اور فقہاء کی جو فہرست پیش کی ہے ان میں سے سوائے دو یا تین کے باقی کوئی بھی کمیٹی کی تشکیل کے وقت سن بلوغت کو نہیں پہنچے تھے مجتہد تو ہونا تو بہت بعد کی بات ہے اور پھر تعجب کی یہ بات ہے کہ ان چالیس مجتہدین میں نصف سے زائد کذاب، متہم، مجروح، متروک اور ضعیف ہیں۔ چند ایک ثقہ ہیں مگر وہ امام صاحب کے زبردست مخالف تھے۔

[ص: ۱۵۔۱۶]

حرف آغاز

مولانا گوندلوی نے کتاب آغاز تکمیل دین کے عنوان سے کیا ہے:

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ عَلَیْکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾.

اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی تکمیل حضرت رسول کریم ﷺ سے فرمادی۔ دین کے متعلقہ تمام اصول بیان کر دیے۔ اللہ تعالیٰ نے نہ اب کوئی نیا دین نازل کرنا ہے اور نہ ہی اسلام کی تکمیل کے بعد اس کی گنجائش اور ضرورت باقی ہے یہ دین اپنے منہج اور طریق کے ساتھ اتنا شفاف اور واضح ہے کہ اس میں کوئی تاریکی اور ظلمت نہیں ہے بلکہ اس میں روشنی ہی روشنی ہے اور یہ روشنی صرف کتاب وسنت سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اور یہی روشنی کامیابی کی ضمانت ہے اور یہی روشنی اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول سے مل سکتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمیشہ اس چشمہ صافی سے سیراب ہوئے اور انھوں نے ہمیشہ کتاب وسنت کو ہر معاملہ میں مقدم رکھا ان کی زندگی سب سے بڑا مقصد کتاب وسنت کا اتباع تھا۔ خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سامنے جب کوئی مقدمہ آتا تو سب سے پہلے آپ اس کا حل کتاب اللہ میں تلاش کرتے۔ اگر اس کا حل کتاب اللہ میں نہ ملتا۔ تو سنت سے رہنمائی حاصل کرتے۔ اگر سنت بھی معاون ثابت نہ ہوتی تو جلیل القدر صحابہ کرام سے دریافت کرتے۔ جب کسی صحابی سے سنت کا علم ہو جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ فرما دیتے اور اس کے ساتھ یہ الفاظ اپنی زبان سے ادا فرماتے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہم میں ایسے لوگ پیدا کیے ہیں جو اس دین کے محافظ ہیں اگر بالفرض سنت بھی فیصلہ نہ کر پاتی تو صحابہ سے مشورہ کرتے۔ اور جس امر پر وہ متفق ہو جاتے اس کے مطابق فیصلہ کر دیتے۔

[سنن دارمی ۱/۵۴]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریق کار خاص کتاب وسنت کا تھا جس کی وجہ سے وہ قیاس سے سخت نفرت کرتے تھے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اگر دین کی بنیاد رائے اور قیاس پر ہوتی تو موزوں پر مسح اوپر کی بجائے نیچی جانب زیادہ مناسب ہوتا۔''

[سنن ابی داود]

تابعین کرام بھی کتاب وسنت کے نصوص کو حرف آخر سمجھتے تھے اور قیاس ورائے سے نفرت کرتے تھے۔

مولانا گوندلوی قیاس کے بارے میں لکھتے ہیں:

صحابہ کرام کے آخری دور میں اسلامی مملکت کی حدود بہت زیادہ پھیل چکی تھیں۔عرب کے علاوہ قرب وجوار کے عجمی ممالک بھی مسلمانوں کے زیر نگیں آ گئے تھے اور نئے نئے لوگ اسلام میں داخل ہو رہے تھے جن کا فکر وہ نہ تھا جو عربی مسلمانوں کا تھا۔اور پھر یہ ہوا کہ بنوامیہ کی حکومت کمزور پڑنے پر طرح طرح کے فتنوں نے سر اٹھایا یہاں سیاسی شورش برپا تھی وہاں بعض حضرات نے موقعہ کو غنیمت سمجھ کر مذہبی ارتعاش بھی پیدا کر دیا اور نئی نئی بدعات کا آغاز ہونا شروع ہوا۔یہ مذہبی بدعات عقل وآراء اور قیاس کے بل پوتے پر ایجاد ہو رہی تھیں جس سے اسلام میں بدعات کے ساتھ قیاس وآراء کا بھی شہرہ ہو گیا مگر صحابہ کرام اور تابعین عظام نے ایسی خرافات کو دبا کر رکھا۔جب تابعین کا دور ختم ہوا تو ان بدعات نے پھر سر اٹھایا ان بدعات کا مرکز ارض عراق تھی۔

[ص ۱۸۔۲۱]

اصحاب الرائے اور اصحاب الحدیث

اصحاب الرائے کا مرکز عراق تھا یہ لوگ قیاس کو زیادہ ترجیح دیتے تھے علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں:

فقہ کی تقسیم دو طریقہ پر ہو گئی۔اہل عراق الرائے اور قیاس والے تھے اور اہل حجاز اہلحدیث تھے۔عراقیوں (اہل الرائے) میں حدیث کم تھی تو انھوں نے کثرت سے قیاس کا استعمال کیا اور اس کے استعمال میں مہارت حاصل کی جس کی وجہ سے ان کا نام ہی رائے والے پڑ گیا۔اس گروہ کے سردار امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد تھے اور اہل حجاز (اہلحدیث) کے امام مالک، امام شافعی اور ان کے بعد کے محدثین تھے۔

[ص۲۲]

امام ترمذی نے بھی اہل کوفہ (عراق) کو اہل الرائے کے نام سے تعبیر کیا ہے علامہ شہرستانی نے بھی اپنی کتاب ''الملل والنحل'' (ص ۱۸۸) میں اہل عراق کو اصحاب الرائے لکھا ہے۔

امام شاہ ولی اللہ دہلوی اپنی کتاب ''الانصاف'' میں فرماتے ہیں:

ان کا حدیث کے ساتھ ماضی اور حال میں اشتغال کم رہا ہے۔

[الانصاف ص ۷۷]

مولانا گوندلوی فرماتے ہیں:

اس سے معلوم ہوا کہ احناف کو اہل الرائے اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کا حدیث نبوی سے اشتغال بہت کم تھا اور قیاس اور رائے میں دلچسپی زیادہ تھی۔

[ص۲۲]

محدثین کا مذہب قوی ہے

مولانا عبدالحی لکھنوی کا علمائے احناف میں بہت مرتبہ ومقام ہے آپ نے اپنی مختصر مدت میں فقہ حنفی کی بہت خدمت کی ہے ان کے سامنے اہل الرائے اور محدثین دونوں کا طریق تھا اور آپ نے ان دونوں طریقوں کو جانچا اور پرکھا۔ اس کے بعد اپنا فیصلہ درج ذیل دیا:

جو شخص انصاف کی نظر سے دیکھے اور تعصب سے بالاتر ہو کر فقہ اور اصول کے سمندر میں غوطہ زن ہو تو وہ یقیناً جان لے گا کہ فروعی اور اصلی مسائل جن میں علمائے کرام نے اختلاف کیا ہے ان میں تمام سے زیادہ صحیح اور قوی مذہب محدثین کا ہے میں نے جب بھی مختلف فیہ مسائل میں تحقیق کی ہے تو مجھے محدثین کا مذہب ہی قرین انصاف نظر آیا ہے محدثین تو لائق تعریف ہیں اور یہ تو اللہ کے شکریہ کے مستحق ہیں یہ ایسے کیوں نہ ہوں جب کہ صحیح معنوں میں یہی رسول اللہ ﷺ کے وارث ہیں اور آپ کی شریعت میں سچائی کے نائب ہیں اللہ تعالیٰ ہمارا خاتمہ اس جماعت سے کرے۔ اور ہمیں ان کی محبت اور سیرت پر فوت کرے۔

[امام الکلام ص ۲۱٦] [ص: ۲۹]

الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ نے صفحہ ۳۸ سے صفحہ ۸۲ تک حضرت امام ابوحنیفہ کے حالات زندگی، ان

کے علم و فضل، ان کے مناظرانہ ذوق وغیرہ پر روشنی ڈالی ہے۔ ذیل میں حضرت امام کے حالات پر مختصرًا بیان کیے جاتے ہیں۔

امام صاحب کا اسم گرامی نعمان بن ثابت ہے ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ ان کی تعلیم کا سلسلہ بچپن میں شروع نہیں ہوا بلکہ عنفوان شباب میں امام شعبی کی تحریک پر تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے تعلیم سے پہلے کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔

امام صاحب نے دیگر محدثین کرام کی طرح حصول تعلیم کے لیے دوسرے شہروں اور ملکوں کے سفر نہیں کیے بلکہ کوفہ اور اس کے گردونواح کے اساتذہ کرام سے استفادہ کیا آپ تعلیم کا سلسلہ آپ کے استاد امام حماد بن ابی سلیمان کی وفات ۱۲۰ھ تک جاری رہا۔

امام حماد کی وفات کے بعد امام صاحب ان کی مسند تدریس کے جانشین ہوئے آپ امام حماد کی خدمت دس سال رہے تھے اور اس دس سال میں آپ نے امام حماد سے فقہ کی تحصیل کی تھی۔

مولانا گوندلوی رحمہ اللہ امام ابوحنیفہ کی تعلیم کے بارے میں فرماتے ہیں:

> امام حماد کا مدرسہ محدثانہ طریق فکر پر نہ تھا بلکہ فقیہانہ طرز کا حاصل تھا اور ان کے درس میں زیادہ تر بحث قیاس و آراء سے ہوتی تھی علم حدیث کو اس میں کم دخل تھا۔
>
> جب امام ابوحنیفہ مسند حماد کے وارث بنے۔ تو انھوں نے بھی امام حماد کے طریق فکر اور طرز تعلیم کو باقی رکھا ان کا انداز بھی امام حماد والا تھا۔ جس میں علم حدیث میں کم اور قیاس و آراء میں زیادہ انہماک اور توجہ تھی۔

[ص ۳۹]

امام صاحب کا شمار ان چند افراد میں ہے جن کے نام پر چوتھی صدی ہجری کے بعد مستقل مذہب قائم کیے گئے۔ ان کی فقاہت مسلمہ تھی۔ اور ان کی تقلید کرنے والے کثیر تعداد میں ہیں۔ امام صاحب کے حلقہ درس میں زیادہ تر رائے اور قیاس کو زیر بحث لایا جاتا تھا اور حدیث رسول ﷺ پر بہت کم توجہ دی جاتی تھی۔

کیا امام ابوحنیفہ تابعی تھے

امام صاحب کے تابعی ہونے میں محققین احناف کے دو گروہ ہیں۔

ایک گروہ تابعی تسلیم کرتا ہے اور دوسرا گروہ ان کے تابعی ہونے کا انکار کرتا ہے اصل حقیقت یہ

ہے کہ امام ابوحنیفہ تابعی نہیں تھے ان کی کسی صحابی سے ملاقات ثابت نہیں۔ مشکوۃ المصابیح کے مصنف امام ولی الدین خطیب تبریزی اپنی کتاب ''الاکمال'' میں فرماتے ہیں:

امام صاحب کے ایام میں چند صحابہ کرام موجود تھے۔ جن میں حضرت انس رضی اللہ عنہ بصرہ میں، حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کوفہ میں، حضرت سہل بن سعد مدینہ منورہ میں اور حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ مکہ میں تھے۔

لیکن

لم یلحق احدا منهم و لا أخذ عنهم.

''امام صاحب کی ان میں کسی ایک سے ملاقات ہوئی ہے اور نہ ہی ان سے کوئی روایت لی ہے۔''

[الاکمال ملحقہ مشکوۃ ص ۶۲۷] [ص: ۴۵]

امام صاحب سے سوال ہوا کہ آپ نے کن کن حضرات کو پایا ہے تو اس کے جواب میں تابعین عظام کے نام لیے اور کسی صحابی کا نام نہیں لیا۔ میزان الاعتدال میں حافظ ذہبی نے نقل کیا ہے کہ ایک واقعہ پر امام ابوحنیفہ نے فرمایا:

ما رأیت فیهن رأیت أفضل من عطاء و لا اکذب من جابر الجعفی.

میں نے عطاء سے بہتر اور جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا کسی کو نہیں دیکھا۔

[میزان الاعتدال ۱/۳۸۰]

مولانا گوندلوی لکھتے ہیں:

امام صاحب کی تابعیت کے اثبات کے جتنے دلائل پیش کئے جاتے ہیں وہ سب موضوع اور من گھڑت ہیں۔ [ص:۵۱]

امام ابوحنیفہ کا تعلق فرقہ مرجیہ سے تھا

مرجیہ کی تعریف مولانا شیخ احمد علی محدث سہارنپوری حنفی یہ فرماتے ہیں:

مرجئ وہ ہے جو عمل کو مؤخر رکھتے ہیں یا پھر وہ امید لیے ہوتے ہیں کہ ایمان کے ساتھ گناہ اور معصیت نقصان نہیں دیتی اور اعمال کو ایمان سے صرف اس گمان سے مؤخر رکھتے ہیں کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب فاسق نہیں ہے۔ نیز مرجیہ کا خیال ہے کہ صدیقین کا

ایمان اور (امام) دوسرے لوگوں کا ایمان ایک ہی درجہ پر ہے۔

[حاشیہ صحیح بخاری ص ۱۳]

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

مرجیہ کا خیال ہے کہ ایمان صرف قول ہے بغیر عمل کے۔ایمان کی شہادت صرف زبان سے کافی ہے تمام لوگ اپنے ایمان میں برابر ہیں لوگوں کا ایمان، فرشتوں اور نبیوں کے ایمان کے برابر ہے۔اور نہ ہی ایمان کی کمی وبیشی ہے وہ ایمان میں انشاء اللہ کہنا درست نہیں سمجھتے جس نے صرف زبان سے ایمان کا اقرار کر لیا اور عمل کے قریب تر نہ گیا وہ پکا ایمان دار ہے۔

[تعلیق علی کتاب السنۃ ۱/ ۳۰۷] [ص ۵۲۔۵۳]

ایمان کے بارے میں علمائے احناف کا نظریہ یہ ہے:

الایمان هو الاقرار باللسان و التصديق بالجنان.

ایمان زبان کا اقرار اور تصدیق بالجنان ہے۔

و الايمان واحد و اهله في اصله سواء.

ایمان صرف ایک ہی ہے اور تمام ایماندار اصل ایمان میں برابر ہیں۔

[عقیدہ طحاویہ ص ۱۹]

امام ابوحنیفہ کے مرجی المذہب ہونے کی سلف صالحین کی شہادتیں

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی لکھتے ہیں:

موجودہ احناف کو تسلیم ہے کہ ایمان کے بارہ میں امام صاحب اور موجودہ احناف کا یہی نظریہ ہے کہ ایمان میں کمی اور بیشی نہیں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان ان کے نزدیک جامد شے ہے اور انہیں یہ بھی تسلیم ہے کہ اعمال ایمان میں داخل نہیں ہیں اور یہی نظریہ مرجیہ کا ہے۔اور اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے کہ اس مسئلہ میں احناف مرجیہ کے متبع ہیں مگر یہ خود کو مرجیہ کہلانا پسند نہیں کرتے ہاں سلف صالحین خصوصا امام صاحب کے ہم عصر، ان کے تلامذہ اور ان کے بعد کے معروف اور نقاد محدثین نے امام صاحب کے بارے میں ایسے ہی تاثرات بیان کیے ہیں کہ وہ مرجی المذہب تھے اور

اس بارہ میں ائمہ کرام کی تعداد اتنی زیادہ ہے جو حد تواتر کو پہنچی ہوتی ہے ہم یہاں صرف چند معروف اور قابل اعتماد ائمہ کرام کے اقوال اور ان کی شہادات کو پیش کرتے ہیں۔اور یہ شہادتیں ایسی ہیں جن کی اسناد صحیح ثابت ہیں۔

۱۔امام عبداللہ بن مبارک (م ۱۸۱ھ)

قابل اعتماد، بلند پایہ محدث اور فقیہ تھے۔

ان کی موجودگی میں ایک آدمی نے کہا:

امام ابوحنیفہ مرجی تھے جو سلطان وقت کے خلاف تلوار نکالنا جائز سمجھتے تھے۔

امام عبداللہ بن مبارک نے اس پر کوئی نکیر نہ کی۔

[کتاب السنۃ ۱/۱۸۲،۲۱۳]

۲۔امام حماد بن زید (م ۱۷۹ھ)

معروف محدث تھے حدیث کی تمام معروف کتابوں کے مرکزی راوی ہیں۔

امام ابوحنیفہ کے بارہ میں فرمایا:

ارجاء کے مسئلہ میں مشہور مناظر تھے۔

[کتاب السنۃ ۱/۲۰۳]

۳۔امام وکیع بن الجراح (م ۱۹۸ھ)

تلمیذ امام ابوحنیفہ، عظیم محدث اور فقیہ تھے۔

امام صاحب کے بارہ میں فرمایا:

وہ مرجئ تھے جو تلوار کا استعمال جائز سمجھتے تھے۔

[عقیلی ۴/۲۸۳]

۴۔امام ابو اسحاق فزاری (م ۱۸۶ھ)

معروف محدث تھے۔

فرماتے ہیں:

ابوحنیفہ مرجئ تھے اور تلوار کو جائز سمجھتے تھے۔

[کتاب السنۃ ۱/ ۲۰۷، ۲۱۸، عقیلی ۴/۲۸۳]

۵۔امام یوسف بن اسباط (م ۱۹۵ھ)

ثقہ محدث تھے۔

فرماتے ہیں:

ابوحنیفہ مرجئی تھے اور تلوار کو جائز سمجھتے تھے۔

[عقیلی ۴/۲۸۳]

۶۔امام ابوعبدالرحمٰن (۲۱۳ھ)

مشہور محدث، تلمیذ امام ابوحنیفہ، استاد امام بخاری۔

فرماتے ہیں:

اللہ کی قسم ابوحنیفہ مرجی تھے اور انھوں نے مجھے بھی اس کی دعوت دی مگر میں نے ان کی دعوت کو قبول نہ کرتے ہوئے مرجی بننے سے انکار کر دیا۔

[کتاب السنہ ۱/۲۲۳، الکامل ۷/۲۴۷۵]

۷۔امام یحییٰ بن معین (م ۲۳۳ھ)

مشہور محدث جرح وتعدیل کے امام۔

فرماتے ہیں:

ابوحنیفہ مرجئی تھے اور اس کی دعوت دینے والوں میں سے تھے حدیث میں کوئی چیز نہیں ان کے شاگرد قاضی ابو یوسف میں حرج نہیں ہے۔

[کتاب السنہ ۱/۲۲۶]

۸۔امام محمد بن اسماعیل بخاری (م ۲۵۶ھ)

امیر المؤمنین فی الحدیث۔

کتاب اللہ کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب (الجامع الصحیح البخاری) کے مؤلف۔

فرماتے ہیں:

كان مرجيا سكتوا عنه.

[تاریخ کبیر ۸/۸۱]

۹۔امام خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ)

معروف محدث، تاریخ بغداد کے مصنف

فرماتے ہیں:

ابوحنیفہ مرجئی تھے۔

[تاریخ بغداد۱۳/۳۸۲]

۱۰۔امام ابن حبان (۳۵۴ھ)

مشہور محدث تھے اور ثقہ تھے۔

فرماتے ہیں:

ابوحنیفہ مرجئی مذہب کے داعی تھے۔

[کتاب المجروحین ۳/۶۳]

مولانا گوندلوی فرماتے ہیں:

امام صاحب کا مرجئی مذہب کے ہم خیال ہونا اس قدر واضح ہے کہ جس سے انکار ممکن نہیں۔ہم نے بیسوں شہادتوں میں صرف دس کے ذکر پر اکتفا کیا ہے اور ان کو ایسے ثقہ راویوں کے حوالہ جات سے مزین کیا ہے جن کی صحت میں کوئی شک وشبہ نہیں اور یہ ایسی شہادتیں ہیں جن کا رد کرنا اصول کی روشنی میں آسان بھی نہیں ہے۔

[ص۶۳]

تالیفات

امام ابوحنیفہ نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی لیکن ان کی طرف بعض کتابیں منسوب کی جاتی ہیں ایک کتاب جامع المسانید ہے جو احادیث کا مجموعہ ہے لیکن اس میں زیادہ تر روایات کذب واختراع کے ضمن میں آتی ہیں۔اس کتاب کے بارے میں مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

جامع المسانید ابوحنیفہ کی تصنیف نہیں ہے یہ خوارزمی کی تصنیف ہے اور مسند امام کے نام سے معروف ہے۔

[فیض الباری ۱/۵۹]

اسی طرح فقہ اکبر کو بھی امام ابوحنیفہ کی تصنیف بتایا جاتا ہے اس کے بارے میں بھی مولانا سید انور شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"فقہ اکبر ابو مطیع بلخی کی تصنیف ہے۔"

[فیض الباری ۱/۵۹]

علامہ شبلی نعمانی نے بھی اس بات کا اقرار کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے کوئی کتاب تصنیف نہیں

کی۔علامہ شبلی کے الفاظ یہ ہیں۔

آج امام صاحب کی کوئی تصنیف موجودنہیں۔

[سیرت نعمان ص ۱۴۵] [ص ۶۴،۶۵]

نظریہ تقلید

مولانا گوندلوی فرماتے ہیں:

امام صاحب جس دور میں بقید حیات تھے یہ دور تقلید سے خالی تھا امام صاحب نے نہ تو مسند افتاء اور تدریس پر فائز ہونے سے پہلے کسی کی تقلید کی اور نہ ہی بعد میں۔

امام صاحب تقلید کے نہ خود قائل تھے اور نہ ہی وہ شاگردوں کو تقلید کا حکم دیتے تھے یہی وجہ ہے کہ امام صاحب کے تلامذہ نے ان سے شدید اختلاف کیے ہیں۔

[ص ۷۲]

صحاح ستہ میں روایت

مولانا گوندلوی لکھتے ہیں:

امام صاحب کی سند سے حدیث کی کسی کتاب اور خصوصًا صحاح ستہ میں کوئی روایت موجودنہیں۔جامع ترمذی میں کتاب الحج باب الاشعار میں مذاہب کے بیان میں ایک دفعہ نام کا ذکر آیا ہے وہاں بھی امام وکیع نے امام صاحب کے اس مسئلہ میں توقف کو بدعت قرار دیا ہے۔

البتہ بعض تیسرے اور چوتھے درجہ کی کتب میں امام صاحب کی روایات پائی جاتی ہیں لیکن ان میں زیادہ مرسل، منقطع، ضعیف اور نا قابل حجت ہیں مرفوع روایات کی بہت قلت ہے۔

[ص:۷۵]

امام ابوحنیفہ کے بارے میں علامہ البانی کا تجزیہ

علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ امام ابوحنیفہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

ان ابا حنیفة علی جلالته فی الفقه قد ضعفه من جهة البخاری و مسلم

و النسائی و ابن عدی و غیرھم من ائمۃ الحدیث.

بلاشبہ امام ابوحنیفہ فقہ میں جلیل القدر تھے مگر ان کے حافظہ کی وجہ سے امام بخاری و مسلم ،نسائی ،ابن عدی اور دیگر ائمہ محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

[سلسلہ احادیث ضعیفہ ۱/۳۹۰] [ص ۸۰]

مولانا گوندلوی فرماتے ہیں:

''جو امام البانی نے فرمایا ہے وہ بالکل درست ہے ہم بھی امام صاحب کے ورع، زہد، تقوی اور پرہیزگاری کو بسر و چشم قبول کرتے ہیں اور ان تمام فضائل کو برضا و رغبت تسلیم کرتے ہیں جو صحت کے ساتھ مروی ہیں مگر محدثین کرام کے فیصلوں کو عداوت کہتے ہیں نہ حسد سے تعبیر کرتے ہیں۔ محدثین کرام پر عداوت اور حسد کا الزام لگانا سنن نبویہ پر تیشہ چلانے کے مترادف ہے۔ امام صاحب کا روایت کے معاملہ میں ضعیف ہونا اتنی واضح حقیقت ہے جس کا انصاف کے ساتھ انکار ممکن نہیں۔''

[ص: ۸۰]

کمیٹی کی سربراہی

امام ابوحنیفہ امام حماد کی رحلت کے بعد ان کی مسند کے جانشین مقرر ہوئے امام حماد کا سن وفات ۱۲۰ھ ہے اور کمیٹی کی تشکیل ۱۲۱ھ میں ہوئی۔ اور بقول احناف ۱۵۰ھ تک قائم رہی یعنی اس کمیٹی کی عمر ۳۰ سال ہے۔

امام صاحب نے چالیس ارکان پر کمیٹی تشکیل دی۔ اس کمیٹی کے ارکان میں بعض تو کمیٹی کے وجود میں آنے کے بعد اس دنیا میں تشریف لائے۔ بعض ارکان شیر خوار تھے۔ اور بعض ارکان کی عمر پانچ سات یا زیادہ سے زیادہ دس سال تھی کیا یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ امام صاحب نے اتنی بڑی اور اہم ذمہ داری کو نبھانے کے لیے ایسے افراد کی خدمات حاصل کریں۔ جو ابھی پیدا نہیں ہوئے۔ یا نو مولود اور مدت رضاعت میں تھے یا نابالغ پانچ سات سال کے تھے۔ اگر یہ حقیقت ہے تو اس سے امام صاحب کے اس انتخاب پر بہت کچھ کہنے کی گنجائش نکل آتی ہے اس لیے یہ کہنا پڑے گا کہ امام صاحب ایسی کمیٹی کی امارت اور صدارت سے بلکہ اس کے قیام سے بری الذمہ ہیں اور یہ کمیٹی محض ایک افسانہ ہے حقیقت کچھ نہیں۔

[ص: ۸۱-۸۲]

ارکان کمیٹی کا مختصر تعارف

علامہ شبلی نعمانی نے اپنی کتاب **سوانح امام ابو حنیفہ** (سیرت النعمان) میں مولانا عبدالصمد صارم الازہری نے **تاریخ الفقہ** میں اور مولوی رضا احمد بجنوری نے اپنی کتاب **انوار الباری** کے مقدمہ میں ارکان کمیٹی کا مختصر تعارف کرایا ہے اور ان تینوں مصنفین نے اپنی اپنی کتابوں میں ارکان کمیٹی کے علم وفضل ان کے مذہب ومسلک اور ان کے علمی مقام کا اعتراف کیا ہے۔

ذیل میں انہی کتابوں کے حوالے سے ارکان کمیٹی کا مختصر تعارف اور اس پر شیخ الحدیث والتفسیر مولانا ابوانس محمد یحییٰ گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو گرفت کی ہے۔ اس کا تذکرہ کیا جائے گا اور یہ بھی بتایا جائے گا کہ کمیٹی کی تشکیل کے وقت رکن کمیٹی کی عمر کیا تھی اور ان کا علمی مقام کیا تھا۔

[عراقی]

۱۔ اسد بن عمرو کوفی

مشہور محدث، فقیہ، امام ابوحنیفہ کے تلمیذ رشید کمیٹی کے اہم رکن۔

[مقدمہ انوار الباری ۱/۱۹۱]

پہلے شخص ہیں جن کو امام ابوحنیفہ کی مجلس تصنیف میں تحریر کا کام سپرد ہوا۔ یحییٰ بن معین نے ان کو ثقہ کہا ہے۔

[سیرت النعمان ص ۳۹۷]

علمی مقام

معروف حدیث کی کتابوں خصوصًا صحاح ستہ میں ان سے کوئی حدیث منقول نہیں ہے۔ (گوندلوی)

جرح وتعدیل

امام احمد بن حنبل کے فرزند امام عبداللہ بن احمد نے امام احمد سے اسد بن عمرو کوفی کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا:

امام ابوحنیفہ کے اصحاب (شاگرد) اس لائق نہیں کہ ان سے روایت لی جائے۔

[عقیلی ۴/۴۴۴، الکامل ۱/۳۸۹]

امام بخاری فرماتے ہیں:

اسد ضعیف ہیں محدثین کے نزدیک کچھ نہیں۔

[کتاب الضعفاء (بخاری) ص ۳۸۵]

امام ابن حبان فرماتے ہیں:

امام ابوحنیفہ کے مذہب کے موافق حدیثیں بنالیا کرتا تھا۔

[میزان الاعتدال ۱/ ۲۰۶، لسان المیزان ۱/ ۳۸۳]

رکنیت

امام صاحب کے معروف اصحاب میں سے ہیں۔ طبقات کی کتابوں میں ان کا تذکرہ خاص تلامذہ میں ہوا ہے مگر ہمیں کوشش کے باوجود ان کے عقائد کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ صحیح روایت کے مطابق ان کی وفات ۱۹۰ھ میں ہوئی سن ولادت معلوم نہیں ہوسکا۔ کمیٹی کی تشکیل کے وقت ان کی عمر کیا تھی یہ بھی پتہ نہیں چل سکا۔ انھوں نے جو ۳۰ سال تک خدمات انجام دیں۔ آخر وہ کہاں ہیں جس شخص پر وضع اور کذب کا الزام ہو۔ وہ اپنے مذہب کی کیا خاک خدمت کرے گا۔ (گوندلوی)

[ص ۸۳۔۸۶]

۲۔ حبان بن علی عنزی

ولادت ۱۱۱ھ۔ وفات ۱۷۲ھ

امام ابوحنیفہ کی مجلس تدوین فقہ کے رکن تھے۔

[مقدمہ انوار الباری ۱/ ۱۶۹] [تاریخ الفقہ ص ۶۹]

کثیر الروایۃ تھے ابن ماجہ میں ان کی روایات سے متعدد حدیثیں موجود ہیں۔ امام ابوحنیفہ ان کی قوت حافظہ کے بہت مداح تھے۔

[سیرت النعمان ص ۲۹۸]

علم وفضل اور فقہ کے علم سے مالا مال تھے۔ احناف میں بڑی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ (گوندلوی)

شیعیت کی طرف میلان تھا۔

[تہذیب التہذیب ۱/ ۱۷۳]

جرح وتعدیل

امام نسائی فرماتے ہیں:

''ضعیف ہے۔''

[کتاب الضعفاء ص ۲۸۹]

امام دارقطنی فرماتے ہیں:

''ضعیف اور متروک ہے۔''

[کتاب الضعفاء ص ۹۷ تہذیب التہذیب ۲/۴/ ۱۷]

امام بخاری فرماتے ہیں:

''محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہے۔''

[کتاب الضعفاء للبخاری ص ۲۵۸]

امام علی بن مدینی کا قول ہے:

''میں ان سے روایت نہیں لکھتا، ضعیف ہے۔''

[تہذیب التہذیب ۲/۴/ ۱۷]

مذکورہ بالا محدثین کے ارشادات کے مطابق موصوف حدیث میں قابل حجت نہیں۔ اور علامہ شبلی کا یہ فرمانا کہ امام صاحب کو ان کے قوت حافظہ پر بڑا اعتماد ہے محدثین کے مذکورہ فیصلے سے علامہ شبلی کے فرمان کی سخت تردید کرتے ہیں اگر ان کی قوت قابل اعتماد ہوتی تو محدثین ان پر عدم اعتماد کا اظہار نہ کرتے۔ (گوندلوی)

رکنیت

ان کا سن ولادت ۱۱۱ھ ہے۔ [تہذیب التہذیب ۲/۴/ ۱۷]

کمیٹی کی تشکیل کے وقت ان کی عمر دس سال تھی۔ اور بقول مولانا عبدالصمد صارم صاحب کمیٹی کے تمام ارکان علوم وفنون میں ماہر تھے۔ جن کی فقہ واجتہاد کے لیے ضرورت تھی۔

[تاریخ الفقہ ص ۶۹]

کیا دس سال کا بچہ جو ابھی سن رشد کو نہیں پہنچا وہ ان تمام علوم وفنون کا ماہر ہو گیا تھا جن سے

وہ درجہ اجتہاد کو پانے اور صلاحیت کا مالک ہو گیا تھا پھر کیا علم کہ وہ کمیٹی کے رکن بنے بھی تھے یا نہیں۔صرف امام صاحب کا شاگرد ہونے سے رکن کمیٹی قرار پانا کوئی دلیل نہیں ہے۔ (گوندلوی)

[ص ۸۷۔۸۹]

۳۔حسن بن زیاد لولوی

ولادت ۱۱۶ھ۔ وفات ۲۰۴ھ

امام ابوحنیفہ کے تلمیذ رشید، بیدار مغز فقیہ، دانشمند محدث مجلس تدوین فقہ کے اہم رکن، فقہائے حنفیہ میں بلند مرتبہ ومقام کے حامل۔

[مقدمہ انوار الباری ۱/۱۲۰]

علمی کمالات

نماز میں امام سے پہلے سر اٹھاتے اور امام سے پہلے سجدہ میں چلے جاتے۔

[لسان المیزان ۲/۲۰۹]

محمد بن حمید رازی فرماتے ہیں:

میں نے حسن بن زیاد سے زیادہ بڑھ کر کسی کو بدترین کیفیت میں نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔

[لسان المیزان ۲/۲۰۸]

جرح وتعدیل

امام علی بن مدینی، امام ابوحاتم، امام دارقطنی، امام جزرہ فرماتے ہیں:

''حسن بن زیاد ثقہ نہیں ہے۔''

[لسان المیزان ۲/۲۰۸]

امام یزید بن ہارون سے ان کے بارے میں دریافت کیا گیا۔تو انھوں نے فرمایا:

''کیا حسن بن زیاد مسلمان بھی ہے۔''

[لسان المیزان ۲/۲۰۸]

امام ابوداود، امام یحییٰ بن معین، امام ابوثور، امام یعقوب، امام عقیلی، امام ساجی فرماتے ہیں:

''حسن بن زیاد کذاب ہے۔''

[لسان المیزان ۲/۲۰۹]

امام نسائی فرماتے ہیں:

''خبیث اور کذاب ہے۔''

[لسان المیزان ۲/۲۰۹]

مذکورہ بالا محدثین اور ائمہ کرام کی جرح کی نظر میں حسن بن زیاد متروک، نا قابل حجت اور کذاب ہے۔ لیکن صاحب انوار الباری کے نزدیک بیدار مغز، فقیہ اور دانشمند محدث ہے۔ (گوندلوی)

رکنیت

محققین احناف نے یہ تسلیم کیا ہے کہ حسن بن زیاد کا سن ولادت ۱۱۶ھ ہے۔ کمیٹی کی تشکیل کے وقت ان کی عمر ۴ سال تھی۔ حدائق الحنفیہ کے مصنف کے مطابق انھوں نے ۳۰ سال کی عمر میں فقہ کی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے اور متواتر دس سال تک فقہ کی تعلیم حاصل کرتے رہے تو اس حساب سے جب انھوں نے فقہ کی تعلیم سے فراغت پائی تو ۱۴۶ھ شروع ہو چکا تھا اور امام ابوحنیفہ اس وقت جیل جا چکے تھے اور کمیٹی اپنے انجام کو پہنچ چکی تھی تو کیا انھوں نے کمیٹی کی رکنیت کمیٹی کے وجود کے ختم ہو جانے کے بعد اختیار کی تھی کیونکہ اس سے پہلے محض وہ ایک طالب علم تھے اور کمیٹی کے قواعد وضوابط کے مطابق وہ اس کے ممبر نہیں بن سکتے تے۔ یاللعجب (گوندلوی)

[ص ۹۱۔۹۷]

۴۔ امام حفص بن عبدالرحمٰن بلخی

ولادت ۱۱۹ھ۔ وفات ۱۹۹ھ

امام ابوحنیفہ کے تلمیذ، محدث، صدوق، مجلس تدوین فقہ کے رکن علم فقہ میں بلند مرتبہ ومقام کے حامل۔

[مقدمہ انوار الباری ۱/۲۰۹]

مولانا گوندلوی

راقم الحروف کہتا ہے کہ ان کا تفصیلی ترجمہ اور حالات معلوم نہیں ہو سکے جس سے مؤلف انوار الباری کے دعوی کی تصدیق یا تکذیب ہو سکے۔ البتہ موصوف کی عبارت ہی سے

معلوم ہوتا ہے کہ ان کا شمار خراسان کے علماء میں سے ہے اور وہ بلخ کے رہنے والے تھے۔ بھلا جو کوفہ سے دور دراز علاقہ بلخ میں ۱۱۹ھ میں پیدا ہوا ہو۔ وہ کوفہ کس عمر میں آئے ہوں گے۔ اور امام صاحب سے کتنی عمر میں رشد تعلیمی کے منازل طے کئے ہوں گے۔ اور پھر رکنیت اختیار کرتے وقت ان کی عمر کی کتنی اور بہاریں گزر چکی ہوں گی اور پھر کتنے سال اس کمیٹی سے وابستہ رہے ہوں گے۔ اور پھر انھوں نے اس کمیٹی میں رہ کر جو خدمات انجام دیں ان کی نوعیت کیا ہوگی تاہم راقم کے لیے یہ تمام باتیں مجہول ہیں۔

[ص:۹۸]

۵۔ امام حفص بن غیاث قاضی

ولادت ۱۱۷ھ۔ وفات ۱۹۴ھ

امام صاحب کے تلمیذ خاص

امام صاحب ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے۔

''تم میرے دل کی تسکین اور میرے غم مٹانے والے ہو۔''

[سیرت النعمان از شبلی ص ۳۷۰]

مشہور ومعروف عالم، محدث، فقیہ، زاہد وعابد، مجلس تدوین فقہ کے ممتاز رکن۔

[مقدمہ انوار الباری ۱/۲۰۶]

اپنے دور کے معروف محدث اور فقیہ اکثر محدثین کرام سے ان کی توثیق منقول ہے۔ (گوندلوی)

فقہ حنفی سے بیزاری

فرماتے ہیں:

''میری امام ابوحنیفہ سے مجلس تھی وہ ایک ایک مسئلہ میں دس دس فتوے دیتے۔ ہم نہیں جان سکتے تھے کہ ان میں کسی فتوی پر عمل کریں اور وہ خود بھی ان سے رجوع کر لیتے۔ (ایک مجلس میں ایسا بھی ہوا) کہ انھوں نے ایک مسئلہ میں پانچ فتوے دیے تو جب میں نے ان کی یہ حالت وکیفیت دیکھا تو ان کو ترک کر دیا اور حدیث کی طرف متوجہ ہو گیا۔''

[کتاب السنہ ۱/۲۰۵، ۲۰۰]

رکنیت

امام حفص چند وجوہ کی بنا پر مجلس تدوین فقہ کا رکن ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

۱۔ کمیٹی کی تشکیل کے وقت ان کی عمر صرف تین برس تھی۔

۲۔ آپ مسلک محدثین سے وابستہ تھے۔

۳۔ امام صاحب کے فتوؤں پر عدم اعتماد کا اظہار کر کے ان سے علیحدگی اختیار کی۔ (گوندلوی)

[ص ۹۹۔۱۰۰]

۶۔ ابو مطیع حکم بن عبداللہ

ولادت ۱۵۵ھ ۔ وفات ۱۹۹ھ

محدث، فقیہ، عالم اور فاضل تھے۔

[مقدمہ انوار الباری ۱/ ۲۰۹]

امام ابوحنیفہ کے معروف شاگرد اور نامور فقیہ تھے۔

حدیث کی معروف کتابوں میں ان کی سند سے کوئی حدیث موجود نہیں جن مؤلفین نے موضوع روایات جمع کی ہیں۔ ان کی کتابوں میں ان کی روایات موجود ہیں۔ (گوندلوی)

جرح وتعدیل

تمام محدثین کرام نے مختلف الفاظ میں ان پر جرح کی ہے۔

ان کو ضعیف، وضاع، کذاب، مرجئ، محدثین سے بغض رکھنے والا، نا قابل اعتماد اور سنت رسول اللہ ﷺ کا دشمن قرار دیا ہے۔

محدثین کے نام یہ ہیں:

امام یحییٰ بن معین، امام نسائی، امام احمد بن حنبل، امام ابوداود، امام ابن عدی، امام ابن سعد، امام ابن حبان، امام ابوحاتم، امام جوزجانی، امام خلیل، امام ذہبی۔

وضع کردہ روایت

امام ذہبی نے میزان الاعتدال ۱/۴/۱۵۷ اور حافظ ابن حجر نے لسان المیزان ۲/۴/۳۳۴ میں اس کی وضع کردہ حدیث درج کی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ثقیف کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انھوں نے ایمان کے بارے میں دریافت کیا۔ کہ اس میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس میں زیادتی کفر ہے اور کمی شرک ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ موصوف اپنے مذہب کی خاطر روایتیں وضع کرنے کا دھندا کرتا تھا اور یہ روایت اسی کی بھی وضاحت کرتی ہے کہ مرجئی مذہب کا پیروکار تھا۔ اس لیے تو اس نے یہ روایت وضع کی کہ ایمان میں زیادتی کفر اور کمی شرک ہے۔ (گوندلوی)

رکنیت

امام ذہبی فرماتے ہیں:

ابو مطیع نے ۸۴ برس میں ۱۹۹ھ میں وفات پائی۔ اس لحاظ سے ان کا سن ولادت ۱۱۵ھ ہے۔

[میزان الاعتدال ۱/ ۵۷۵]

ان کی ولادت بلخ میں ہوئی جو کوفہ سے بہت دور ہے معلوم نہیں کہ ان کا کوفہ آنا کب ہوا۔ اور کس سال امام صاحب سے تعلیمی فراغت حاصل کی۔ اور مجلس تدوین فقہ کے رکن بنے۔ (گوندلوی)

[ص: ۱۰۲۔۱۰۴]

۷۔ قاضی حماد بن دلیل

محدث، صدوق تھے۔

قضا کی صلاحیت رکھتے تھے۔ (امام ابوحنیفہ)

[مقدمہ انوار الباری ۱/ ۲۱۱]

موصوف فقہ میں امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں۔

حدیث میں امام سفیان ثوری سے روایت کرتے ہیں۔

[تہذیب التہذیب ۳/ ۸]

حدیث میں ثقہ تھے لیکن کتب صحاح میں صرف سنن ابی داود میں ان کی سند سے ایک روایت ہے۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

''یہ اہل الرائے سے تھے اہل حدیث نہ تھے میں نے ان سے صرف دو حدیثیں سنی ہیں۔''

[تہذیب التہذیب ۳/۸]

مدائن کے قاضی رہے تھے۔

[تہذیب التہذیب ۳/۸]

رکنیت

ان کے بارے تفصیل مجہول ہے کہ یہ کب پیدا ہوئے۔ اور کس سن میں علم کی تحصیل کی طرف توجہ مبذول فرمائی اور کب فراغت پائی اور پھر عمر کے کس حصہ میں انھوں نے مجلس کی رکنیت اختیار کی۔ اور اس وقت کمیٹی کی تشکیل کو کتنا عرصہ بیت چکا تھا۔ اور انھوں نے بحیثیت رکن کون کون سی خدمات انجام دیں۔ (گوندلوی)

[ص ۱۰۷۔۱۰۸]

۸۔ حماد بن ابی خلیفہ

وفات ۱۷۶ھ

فقیہ، محدث، عابد و زاہد، امام صاحب کے لخت جگر مجلس تدوین فقہ کے رکن

[مقدمہ انوار الباری ۱/۱۷۰]

علامہ شبلی نے تدوین فقہ میں ان کا تذکرہ نہیں کیا۔

اپنے والد محترم کے مذہب پر تھے نیک اور بہتر آدمی تھے۔

[لسان المیزان ۲/ ۳۴۷]

ان کا تعلق فرقہ مرجیہ سے تھا۔

[تاریخ بغداد ۹/ ۲۸۸]

جرح وتعدیل

امام ابن عدی فرماتے ہیں:

''مجھے حماد کی کسی درست روایت کا علم نہیں کہ جسے میں بطور مثال بیان ذکر کروں۔''

[لسان المیزان ۲/۳۴۶]

امام ابن عدی حماد کے بیٹے اسماعیل بن حماد کے تذکرہ میں فرماتے ہیں:

''اسماعیل اوران کے والد حماد اوران کے والد امام ابوحنیفہ محدثین میں سے نہیں ہیں۔''

[میزان الاعتدال ۱/۲۲۶]

رکنیت

حماد بن ابی حنیفہ کا سن ولادت معلوم نہیں جس سے ان کی مجلس تدوین فقہ کی رکنیت کا تعین کیا جاسکے۔ (گوندلوی)

[ص ۱۰۹۔۱۱۱]

۹۔خالد بن سلیمان بلخی

ولادت ۱۱۵ھ۔ وفات ۱۹۹ھ

امام ابوحنیفہ کے تلمیذ خاص

محدث،فقیہ اور صاحب اجتہاد

امام محمد بن اسماعیل بخاری کے استاد اور مجلس تدوین فقہ کے ممتاز رکن

[مقدمہ انوار الباری ۱/۲۱۰]

ان پر حدیث کا بہت زیادہ غلبہ تھا۔

بطور فقیہ ان کا کوئی شمار نہیں۔

[لمحات ۴/۵۳۳]

جرح وتعدیل

امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں:

ضعیف ہے۔

امام ابن عدی فرماتے ہیں:

اس کی حدیثیں موضوع اور من گھڑت روایتوں کے مشابہ ہیں مجھے علم نہیں کہ ایسی روایات اس کی طرف سے ہیں یا اس راوی کی طرف سے ہیں جو اس سے روایت کرتا ہے۔ بہرحال جو بھی ہے اس کی روایات ضعف کو واجب کرتی ہیں۔

[الکامل ۳/ ۹۱۵]

رکنیت

علماء احناف کی تحقیق کے مطابق ۱۱۵ھ میں بلخ میں پیدا ہوئے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی نے بھی ان کے سن ولادت کی توثیق کی ہے مجلس تدوین فقہ کی تشکیل کے وقت ان کی عمر ۵ سال کی تھی کوفہ سے بہت دور بلخ میں پیدا ہونے والا بچہ کب کوفہ آیا ہوگا اور کتنی دیر امام صاحب کی مصاحبت اختیار کی اور کس سن میں مجلس تدوین فقہ کا رکن بنا۔ حنفی مراجع شکوک وشبہات کو زائل اور رفع کرنے میں خاموش ہیں۔ (گوندلوی)

[ص: ۱۱۳۔۱۱۴]

۱۰۔ امام داود بن نصیر طائی

وفات ۱۶۰ھ

امام داود طائی تدوین فقہ میں امام صاحب کے شریک تھے اور مجلس کے معزز رکن تھے۔

[سیرت النعمان ص ۳۷۵]

امام داود طائی حنفی (۱۶۰ھ) امام ربانی، امام حدیث محدث، ثقہ، زاہد، اعلم، افضل اور اروع زمانہ تھے۔ امام صاحب کے کبار اصحاب وشرکاء تدوین میں سے ایک یہ بھی ہیں۔

[مقدمہ انوار الباری ۱/ ۱۶۷]

علمی مقام وبصیرت

معروف محدث تھے۔ امام اعمش، حمید الطّویل اور ابن ابی لیلیٰ کے شاگرد تھے۔ بہت بڑے فقیہ

تھے ابتداء میں امام ابوحنیفہ سے ان کی مجلس تھی۔ بعد میں امام صاحب سے قطع تعلق کر لیا اور جو لکھا تھا اسے دریا برد کر دیا۔ (گوندلوی)

مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

''انھوں نے اپنی تمام کتابیں دریا میں ڈبو دیں۔ اور تمام چیزوں سے قطع تعلق کر لیا۔''

[سیرت النعمان ص ۳۷۵]

بہر حال جو بھی ہوا انھوں نے اپنی کتابوں کو ضائع کر دیا تھا اور ان کا یہ فیصلہ جذباتی نہیں تھا اس میں ان کو بصیرت کو بڑا دخل تھا۔ (گوندلوی)

امام داود طائی نے اپنی ۲۰ سالہ مصاحبت کا یہی نتیجہ نکالا تھا کہ اہل الرائے کی مجلس جن مسائل پر غور وخوض کرتی ہے ان کا آخرت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اس کی وجہ امام طائی خود بیان کرتے ہیں:

میں نے اس شخص اور اس کے اصحاب کے دلوں کو غافل پایا۔ اور ان کے ہاں سنت نبوی کو مردہ پایا۔ ان کے اغراض ومقاصد میں خدا طلبی کے بجائے مختلف دنیاوی مطامع کو مخفی پایا۔ ان میں دنیا طلبی کا ترجیحی ذوق پایا۔ لہٰذا میں نے ان کی مجلس چھوڑ کر گوشہ گیری وخانہ نشینی میں عافیت محسوس کی اور عبادت الٰہی میں لگ گیا۔

[ص ۱۱۷]

۱۱۔ امام زفر بن ہذیل

ولادت ۱۱۰ھ - وفات ۱۵۸ھ

فقہ میں ان کا رتبہ امام احمد سے بھی زیادہ مانا جاتا ہے۔

[سیرت النعمان ص ۳۹۵]

مجلس تدوین فقہ کے اہم رکن تھے۔

[مقدمہ انوار الباری]

امام ابوحنیفہ سے بہت فیض اٹھایا اور علمی منازل طے کیے۔ حتی کہ امام صاحب کے درس کا رنگ ان پر اتنا غالب ہوا کہ قیاسی کے نام سے معروف ہو گئے۔ (گوندلوی)

امام زفر بہت زیادہ قیاس کرتے تھے امام صاحب نے ان کے زیادہ قیاس کرنے کو تسلیم کیا ہے اور فرمایا کرتے تھے:

تم زفر سے قیاس نہ کیا کرو اگر تم نے زفر کے قیاسات پر عمل کیا تو تم حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر بیٹھو گے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''زفر بہت زیادہ قیاس کرتے تھے باوجودیکہ نصوص کا علم بہت کم تھا۔''

[مجموع الفتاوی ۴/۷۴]

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وہ اپنے اصحاب کے مسلک پر نہیں تھے امام صاحب کے تمام اصحاب میں قیاس کے زیادہ ماہر تھے اور حق کی طرف بھی ان سب میں سے زیادہ رجوع کرنے والے تھے۔

[لسان المیزان ۲/۴۷۶]

نظریہ تقلید

امام زفر کو اپنے استاد (امام ابوحنیفہ) کو مذہب سے اصولی اور فروعی مسائل میں زبردست اختلاف تھا۔ جس کی واضح شہادت فقہ حنفیہ کی معروف کتابیں ہیں۔ (گوندلوی)

جرح وتعدیل

امام ابن معین فرماتے ہیں:

''ثقہ اور مامون تھے۔''

حافظ ذہبی نے صدوق لکھا ہے۔

[لسان المیزان ۲/ ۴۳۷]

امام سفیان ثوری ان سے روایت لینے سے منع کرتے تھے۔

[عقیلی ۳/۹۸]

امام ابن سعد فرماتے ہیں:

حدیث میں ان کا مرتبہ ومقام کچھ نہیں تھا۔

[میزان الاعتدال ۲/۷۱]

بہر حال یہ درجہ صدوق کے حامل تھے مگر ان کے صدوق ہونے کا کیا فائدہ جب کہ ان کی روایت حدیث کی کسی معروف کتاب میں نہیں ہے اور نہ ہی ان کی کوئی اپنی کتاب ہے کہ اس سے استفادہ کیا جا سکے۔ (گوندلوی)

رکنیت

مجلس تدوین فقہ کی تشکیل کے وقت ان کی عمر صرف دس سال تھی کیا اتنی عمر کا بچہ کمیٹی کی شرائط رکنیت پر پورا اتر سکتا ہے۔

[ص: ۱۱۸۔۱۲۱]

۱۲۔امام زہیر بن معاویہ

ولادت ۱۰۰ھ - وفات ۱۷۲ھ

مشہور محدث، فقیہ، فاضل اور مجلس تدوین فقہ کے رکن۔

[مقدمہ انوار الباری ۱/۱۷۰]

اس میں کوئی شک نہیں کہ امام زہیر مشہور محدث اور ثقہ ہیں ان کو اکابر محدثین سے تلمذ حاصل ہے اور ان سے معروف محدثین نے روایت کی ہے صحاح ستہ کے ایک مرکزی اور معروف راوی ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے ہم مکتب اور خلیق تھے۔ (گوندلوی)

ان کے ہم مذہب اور مجلس تدوین فقہ کی رکنیت کے بارے میں مولانا گوندلوی لکھتے ہیں:

امام زہیر مسلک محدثین کے متبع تھے خصوصاً امام سفیان ثوری سے بڑا لگاؤ رکھتے تھے اہل عراق کے بارے میں جب کہ امام ثوری ابھی بقید حیات تھے کہا کرتے تھے ''امام سفیان ثوری کی وفات کے بعد ان کے جانشین زہیر ہوں گے۔''

امام ثوری کے امام ابوحنیفہ سے اعتقادی اور فروعی اختلافات اور پھر امام ثوری کا امام صاحب کے بارہ میں مخالفانہ نظریہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ امام ثوری اور امام صاحب کی رائیں آپس میں متضاد اور مختلف تھیں اگر زہیر امام صاحب کے حلقہ اور بلاک سے معلق ہوتے تو اہل عراق ان کو امام ثوری کا جانشین کبھی خیال نہ کرتے بلکہ یہ حق ہے کہ امام زہیر کا شمار محدثین اور اصحاب سنت سے ہے۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

''تم زہیر کو لازم پکڑو کوفہ میں ان جیسا کوئی صاحب علم نہیں۔''

اور یہ تو واضح ہے کہ امام ابن عیینہ بھی اہل سنت سے تھے وہ عراقیوں کے نئے ایجاد کردہ مذہب سے سخت متنفر تھے۔

امام ابوحاتم فرماتے ہیں:

''زہیر ثقہ اور صاحب سنت ہیں۔''

[تہذیب التہذیب ۳۵۲/۲]

''صاحب سنت'' کا لفظ اس دور میں مرجیہ اور دیگر فرق باطلہ کے خلاف بولا جاتا تھا۔

رکنیت

علامہ محمد رئیس ندوی الانتقاد بن عبدالبر ص ۴۰ کے حوالہ سے عمرو بن خالد سے نقل کرتے ہیں:

''زہیر نے کہا کہ میں نے امام صاحب سے امان غلام کی بابت ایک مسئلہ پوچھا تو ان کے دیئے ہوئے جواب کے خلاف میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان نقل کیا اس پر امام صاحب خاموش ہو گئے اس کے بعد میں کوفہ سے دس سال غائب رہا۔ پھر دس سال بعد جب کوفہ واپس آیا تو دیکھا کہ امام صاحب نے اپنے پرانے فتوی سے رجوع کر لیا جس سے میں نے سمجھا کہ امام صاحب سنی ہوئی (بغیر تحقیق کیے) احادیث کو مانتے ہیں۔''

[لمحات: ۵۴/۴]

اس کے بعد مولانا گوندلوی فرماتے ہیں:

''کیا ایسے شخص سے امید رکھی جا سکتی ہے کہ وہ امام صاحب کی زیر نگرانی قائم ہونے والی کمیٹی کے رکن ہوں۔''

[ص: ۱۲۲-۱۲۳]

۱۳۔ امام شریک بن عبداللہ کوفی

ولادت ۹۵ھ - وفات ۱۷۷ھ

مجلس تدوین فقہ کے رکن تھے۔

[مقدمہ انوار الباری ۱۷۱/۱]

عالم اسلام کے معروف قاضی، عدل وانصاف، علم وقار سے متصف تھے سنت کے عامل اور بدعات کا قلع قمع کرتے تھے مسلک محدثین پرسختی سے پابند تھے اور فرقہ مرجیہ کے سخت مخالف اور ان سے نفرت کرتے تھے علم حدیث میں بحیثیت راوی حدیث مختلف فیہ ہیں۔ کتب سنن میں ان سے بکثرت روایات مروی ہیں۔ (گوندلوی)

ائمہ احناف کے بارے میں رویہ

منصور بن مزاحم فرماتے ہیں:

''میں نے قاضی شریک بن عبداللہ سے سنا۔

وہ فرماتے تھے:

کوفہ کے ہر محلّہ میں شراب نوشی تو مجھے گوارا ہے مگر وہاں کسی حنفی المذہب کا ہونا گوارا نہیں۔''

[کتاب السنہ ص ۲۰۳، الکامل ۴/ ۱۳۲۴]

رکنیت

کیا ایسا شخص جو ائمہ احناف اور مذہب حنفی کے بارہ میں ایسا سخت اور متشددانہ رویہ رکھتا ہو کیا ممکن ہے کہ وہ مجلس تدوین فقہ کا رکن ہو۔ اور تدوین فقہ میں معاون ہو۔ (گوندلوی)

[ص: ۱۲۴۔ ۱۲۶]

۱۴۔ امام شعیب بن اسحاق دمشقی

ولادت ۱۱۸ھ - وفات ۱۸۹ھ

مشہور محدث اور فقیہ اور مجلس تدوین فقہ کے رکن۔

[مقدمہ انوار الباری ۱/ ۲۰۸]

موصوف بلند پایہ محدث تھے۔ حدیث میں امام اوزاعی، ابن جریج، ہشام بن عروہ اور سفیان ثوری کے شاگرد تھے۔ ان سے محدثین کی ایک کثیر جماعت نے استفادہ کیا۔ امام اسحاق بن راہویہ مشہور محدث ان کے شاگرد تھے۔ جامع ترمذی کے علاوہ باقی

صحاح کی پانچوں کتابوں میں ان کے طریق سے احادیث مروی ہیں۔ (گوندلوی)

ثقہ اور ثابت ہونے کے باوجود مرجئی تھے۔

ان کا سن ولادت ۱۱۸ھ ہے۔

[تہذیب التہذیب ۴/ ۳۴۸]

ان کا جائے ولادت شام ہے۔ جو کوفہ سے کافی دور ہے ان کی تعلیم وتربیت اور پرورش شام میں ہوئی۔ تحصیل علم کے لیے کئی ملکوں کا سفر کیا۔ اور کوفہ (عراق) بھی آئے اور امام صاحب سے فیض یاب بھی ہوئے۔ مگر کب اور کس سن میں آپ نے امام صاحب سے استفادہ کیا اور کمیٹی کی تشکیل کے وقت ان کی عمر دو سال کی تھی۔ کیا دو سال کا بچہ محدث اور درجہ اجتہاد کو پہنچ سکتا ہے۔ ایں محال است۔ (گوندلوی)

[ص: ۱۲۷۔ ۱۲۸]

۱۵۔ امام ابو عاصم ضحاک بن مخلد

ولادت ۱۲۲ھ ۔ وفات ۲۱۲ھ

محدث، ثقہ، فاضل، معتمد، فقیہ، مجلس تدوین فقہ کے رکن۔

[مقدمہ انوار الباری ۱/ ۲۲۱]

امام ضحاک بہت بڑے محدث، امام مالک، امام ثوری، امام اوزاعی اور کئی دوسرے نامور محدثین سے حدیث میں مستفیض ہوئے۔ اور ان سے استفادہ کرنے والوں میں اس دور کے نامور محدثین شامل ہیں یعنی امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، علی بن مدینی، امام ذہلی اور امام محمد بن عبداللہ بن نمیر وغیرہم۔

[تہذیب التہذیب ۴/ ۴۵۱]

یہ بالاتفاق ثقہ اور کتب صحاح کے معروف راوی ہیں۔ (گوندلوی)

رکنیت

حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں امام ضحاک کا یہ قول نقل کیا ہے:

"میں ۱۲۲ھ میں مکہ معظّمہ میں پیدا ہوا۔"

مکہ ہی میں ابن جریج سے تعلیم پائی پھر بصرہ تشریف لے گئے اور دم واپسیں بصرہ ہی میں رہے۔ امام ابوحنیفہ سے ان کا تلمذ کسی معتبر ذریعہ سے معلوم نہیں ہوسکا۔ یہ ہوسکتا ہے کہ کسی وقت کوفہ آئے

ہوں اور امام صاحب سے ملاقات ہوئی ہو۔ اور کمیٹی کا رکن ہونا کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ آپ کمیٹی کی تشکیل کے دو سال بعد پیدا ہوئے۔

امام ضحاک کا مجلس تدوین فقہ کا رکن مولوی رضا احمد بجنوری صاحب انوار الباری کے قلم کی صفائی کا نتیجہ ہے جو بلا شبہ اضافہ ہے ہاں یہ کمیٹی تو خود ہی ایک افسانہ ہے۔ (گوندلوی)

[ص ۱۲۹۔۱۳۰]

۱۶۔ امام عافیہ بن یزید

وفات ۱۸۰ھ

امام صاحب کے معتمد خاص، امام صاحب کو ان پر بڑا اعتماد تھا۔ جب تک عافیہ نہ آچکیں کسی مسئلہ کو قلمبند نہ کرو۔

[سیرت النعمان ص ۳۹۸]

بڑے پایہ کے محدث اور فقیہ، صدوق وفاضل۔
مجلس تدوین فقہ کے رکن اور خاص مقام کے حامل۔

[مقدمہ انوار الباری ۱/۱۷۱]

حدیث میں امام اعمش، ہشام بن عروہ اور محمد بن ابی لیلیٰ کے شاگرد
اور علم حدیث میں ثقہ معروف قاضی، عقائد کے بارے میں تفصیل نہیں مل سکی۔ (گوندلوی)

رکنیت

موصوف امام صاحب کے خاص شاگرد تھے ۱۲۰ھ میں جب فقہ کی تدوین کے سلسلہ میں کمیٹی کا قیام عمل میں آیا۔ تو اس وقت ان کی عمر کیا تھی۔ آیا وہ اس وقت پیدا بھی ہوئے تھے۔ یا اس کے بعد پیدا ہوئے۔ کس سن میں تعلیم سے فارغ ہوئے اور پھر کس سن میں کمیٹی کے رکن بنے یہ سب معلومات کہیں سے بھی دستیاب نہیں۔ فقہ حنفی کی کتابوں میں ان کا کوئی فتوی نہیں ملتا۔ اس کا ایک ہی جواب ہے کہ آج تک ایسی کمیٹی قائم نہیں ہوئی۔ جس میں قاضی عافیہ کی تصدیق سے مسائل قلمبند کیے گئے ہوں یہ تو محض ایک افسانہ ہے۔ (گوندلوی)

[ص ۱۳۱۔۱۳۲]

۱۷۔امام عبداللہ بن ادریس

ولادت ۱۲۰ھ ۔ وفات ۱۹۲ھ

صاحب انوار الباری فرماتے ہیں:

''امام عبداللہ بن ادریس کوفی مولود ۱۱۵ھ متوفی ۱۹۲ھ محدث، فقیہ، صاحب سند تھے۔ مجلس تدوین فقہ کے رکن تھے۔''

[مقدمہ انوار الباری ۱/ ۲۰۵]

امام عبداللہ بن ادریس ثقہ اور قابل حجت محدث تھے۔ امام مالک ان کے استاد بھی ہیں اور ان سے روایت بھی کرتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل اور امام عبداللہ بن مبارک ان کے تلامذہ میں شامل ہیں۔ صحاح ستہ کے مرکزی راوی اور ثقاہت میں متفق علیہ ہیں کسی محدث نے ان پر جرح نہیں کی۔ (گوندلوی)

مذہب

امام عبداللہ بن ادریس محدثین کے مذہب ومسلک کے پیروکار تھے۔ اہل الرائے سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ بڑے عابد اور فاضل تھے۔ ان کے فتاوی مذہب اہل مدینہ پر تھے۔ ان کی امام مالک سے دوستی تھی۔

[تہذیب التہذیب ۵/ ۱۴۸]

امام ابن حبان فرماتے ہیں:

یہ سنت میں بہت زیادہ پختہ تھے۔

[تہذیب التہذیب ۵/ ۱۴۸]

امام عجلی فرماتے ہیں:

یہ ثبت، زاہد، صالح اور صاحب سنت تھے۔ اور نبیذ کو حرام کہتے تھے۔

[تاریخ الثقات ص ۲۹۴]

مولانا گوندلوی فرماتے ہیں:

''صاحب سنت ہونے کا یہ معنی ہے کہ یہ اہل حدیث تھے اہل ہویٰ اور اہل الرائے کے مذہب کے پیروکار نہیں تھے۔ اس کا تو تواتر کے ساتھ ثبوت ہے کہ امام صاحب اور ان کے

بہت سے اخص تلامذہ مرجئی المذہب کے پیروکار اور نبیذ کو حلال سمجھتے تھے۔مگر امام عبداللہ بن ادریس نہ مرجی المذہب تھے اور نہ ہی نبیذ کو حلال سمجھتے تھے بلکہ حرام سمجھتے تھے۔''

[ص:۱۳۴]

امام عبداللہ بن ادریس اہل الرائے کے مذہب پر نہ تھے۔اہل سنت کے مذہب سے تعلق رکھتے تھے اور مرجئی المذہب کے حاملین کو کذاب کہتے تھے۔

[تاریخ بغداد۱۳/۳۹۳]

رکنیت

امام ابوبکر خطیب بغدادی، امام ذہبی اور حافظ ابن حجر نے امام عبداللہ بن ادریس کا سن ولادت ۱۲۰ھ بتایا ہے۔مؤلف انوار الباری نے ۱۱۵ھ بتایا ہے اور مؤلف انوار الباری کے قول کے مطابق کیا پانچ سال کا بچہ تدوین فقہ کمیٹی کا رکن بن سکتا ہے اور صحیح روایت کے مطابق امام عبداللہ بن ادریس کا سن ولادت ۱۲۰ھ ہے اور ۱۲۰ھ میں مجلس تدوین فقہ کی تشکیل ہوئی۔تو اس وقت امام عبداللہ شاید پیدا بھی نہ ہوئے ہوں۔یہ کمیٹی کیسی ہے کہ جس کے ارکان اپنی پیدائش سے پہلے رکن بن جاتے ہیں۔(گوندلوی)

[ص۱۲۳۔۱۳۵]

۱۸۔امام عبداللہ بن مبارک

ولادت ۱۱۹ھ ۔ وفات ۱۸۱ھ

علامہ شبلی فرماتے ہیں:

''وہ امام جس کی امامت وجلالت پر ہر باب میں اجماع کیا گیا ہے جس کے ذکر سے خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے اس کی صحبت سے مغفرت کی امید کی جاسکتی ہے۔''

[سیرت النعمان ص۳۶۲]

علمی مقام

امام عبداللہ بن مبارک اپنے دور کے محدث، فقیہ، زاہد، مبلغ، متبع سنت، بدعات سے متنفر اور جہاد بالسیف میں بنفس نفیس شرکت کرنے والے تھے۔امام صاحب سے ان کو تلمذ رہا ہے۔امیر المؤمنین فی الحدیث کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔مذہب محدثین یعنی اہلحدیث اور اہل سنت کے

داعی اور علمبردار تھے۔اہل ضالہ کے سخت مخالف تھے۔بدعات کی پرزور تردید کرتے تھے عقائد واحکام میں امام صاحب سے اختلاف رکھتے تھے۔امام صاحب مرجی المذہب تھے اور امام عبداللہ بن مبارک کے نزدیک یہ ایک اعتقادی عیب تھا۔جس کی وجہ آپ امام صاحب سے روایت نہیں کرتے تھے۔امام صاحب حکمرانوں کے خلاف اٹھانا جائز سمجھتے تھے لیکن امام عبداللہ بن مبارک کے نزدیک یہ جائز نہیں تھا۔اس کی تصدیق درج ذیل واقعہ سے ہوتی ہے:

۱۔ ایک موقعہ پر امام ابن مبارک نے چند احادیث بیان فرمائیں۔ایک آدمی کہنے لگا امام ابوحنیفہ تو ان احادیث کے مخالف ہیں یہ سن کر امام عبداللہ بن مبارک غصے میں آ گئے اور فرمانے لگے:

''میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام سے بیان کر رہا ہوں اور تو میرے سامنے ایسے شخص کو پیش کرتا ہے جو امت احمدیہ پر تلوار کو جائز سمجھتا تھا۔''

[کتاب السنہ ۱/۲۱۳]

امام عبداللہ بن مبارک امام صاحب کے بارے میں برملا فرمایا کرتے تھے:

امام ابوحنیفہ حدیث کے اہل نہیں تھے۔

[کتاب السنہ ۱/۲۷۶]

امام ابوحنیفہ حدیث میں یتیم تھے۔

[قیام اللیل] (گوندلوی)

رکنیت

یہ حقیقت ہے،اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں کہ امام ابن مبارک ۱۱۹ھ میں پیدا ہوئے اور ان کی ولادت کے ایک سال بعد ۱۲۰ھ میں کمیٹی کا قیام عمل میں آیا۔کیا ایک سال کا بچہ کمیٹی کی رکنیت کا اہل ہوسکتا ہے۔یاللعجب۔ (گوندلوی)

[ص ۱۳۶۔۱۴۱]

۱۹۔امام عبدالحمید بن عبدالرحمٰن کوفی حمانی

ولادت ۱۲۰ھ ۔ وفات ۲۰۲ھ

صاحب انوار الباری نے امام عبدالحمید حمانی کو مجلس تدوین فقہ کا رکن بتلایا ہے۔اور جلیل القدر محدث ہونا بھی بیان کیا ہے۔

علمی مقام

امام عبدالحمید نامور محدثین امام سفیان ثوری ، امام سفیان بن عیینہ، امام اعمش اور دوسرے جلیل القدر محدثین کے استاد ہیں۔ امام ابوحنیفہ سے ان کو شرف تلمذ حاصل ہے۔

بعض کے نزدیک ضعیف اور اکثر کے نزدیک ثقہ اور صدوق۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داود، جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ ان سے صرف ایک ہی روایت ہے۔ (گوندلوی)

مرجئ المذہب تھے۔

رکنیت

امام ذہبی نے ان کا سن ولادت ۱۲۰ھ بتایا ہے۔

[سیر اعلام النبلاء ۱۰/ ۵۴۰]

جو کمیٹی ۱۲۰ھ میں قائم ہوئی۔ اور جس شخص کا سن ولادت بھی ۱۲۰ھ ہو۔ وہ کمیٹی کا رکن کیسے بن سکتا ہے۔ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ (گوندلوی)

[ص ۱۴۰۔۱۴۱]

۲۰۔علی بن ظبیان

وفات: ۱۹۲ھ

محدث، فقیہ عالم، عارف، صاحب ورع اور تقویٰ

تلمیذ امام ابوحنیفہ، رکن مجلس تدوین فقہ۔

[مقدمہ انوار الباری ۱/ ۲۰۹]

جرح وتعدیل

صاحب انوار الباری نے سینہ زوری سے ان کو محدث اور فقیہ بتایا ہے۔

مگر محدثین کرام نے ان کو متروک، منکر الحدیث، واہی الحدیث، خبیث، ناقابل اعتماد اور کذاب بتایا ہے۔

امام ابن معین رحمۃ اللہ علیہ	خبیث اور کذاب
امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ	منکر الحدیث
امام ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ	واہی الحدیث
امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ	متروک الحدیث

[تہذیب التہذیب ۷/۳۴۲]

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ

یہ حدیث کو بدل دیتا تھا مگر اسے علم نہیں ہوتا تھا۔ آثار (حدیث) میں غلطی کرتا تھا مگر اسے سمجھتا نہیں تھا جب اس کی یہ حالت زیادہ ہوگئی تو اس کی روایت سے دلیل پکڑنا باطل ہوگئی۔

[کتاب المجروحین ۲/۱۰۵]

رکنیت

ایسا راوی جو متروک بھی ہو اور کذاب بھی۔ علم حدیث میں بصیرت سے کورا بھی ہو، اور نا قابل اعتماد بھی ہو۔ اور رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنے سے چوکتا نہ ہو تو ایسی کمیٹی کی اخلاقی، علمی، اعتمادی اور جماعی حالت قابل قبول ہوگی۔ کیا ایسی کمیٹی کو اصولاً اس لائق سمجھا جائے گا کہ اس کو علمی اور اخلاقی حلقوں میں کوئی پذیرائی حاصل ہو۔ (گوندلوی)

[ص ۱۴۴۔۱۴۵]

۲۱۔ امام علی بن مسہر

ولادت ۱۱۹/۱۲۰ھ ۔ وفات ۱۸۹ھ

علامہ شبلی فرماتے ہیں:

فن حدیث امام اعمش وہشام بن عروہ سے حاصل کیا تھا مجلس تدوین فقہ کے رکن تھے۔

امام بخاری ومسلم نے ان کی روایت سے حدیثیں نقل کی ہیں۔

موصل کے قاضی بھی رہے ہیں ۱۸۹ھ میں انتقال کیا۔

[سیرت النعمان ص ۳۹۷]

مشہور محدث اور فقیہ تھے۔ مجلس تدوین فقہ کے رکن تھے۔

امام سفیان ثوری نے امام صاحب کا علم آپ ہی سے حاصل کیا تھا۔ اور کتابیں نقل کرائی

تھیں۔

[مقدمہ انوار الباری ۱/ ۲۰۵]

امام علی کے تعارف میں مولانا شبلی اور صاحب انوار الباری نے ان کا محدث اور فقیہ ہونا ذکر کیا ہے وہ بالکل واقعہ کے مطابق ہے نامور محدث تھے۔ اکابر محدثین سے ان کو تلمذ حاصل ہے اور ان کے تلامذہ بھی اپنے دور کے نامور محدث تھے۔ کتاب صحاح کے مرکزی راوی ہیں۔ ان کا حافظہ بہت قوی تھا۔ (گوندلوی)

رکنیت

مجلس تدوین فقہ کا رکن ہونا محل نظر ہے امام ذہبی نے ان کا سن ولادت ۱۲۰ھ لکھا ہے۔

[سیر اعلام النبلاء ۸/ ۴۸۵]

اور ۱۲۰ھ میں کمیٹی کا قیام عمل میں آیا۔

امام ثوری کا آپ کے ذریعے امام صاحب کا علم حاصل کرنا اور امام صاحب کی کتابیں لکھوانا یہ ایک افسانہ ہے۔ امام صاحب نے کونسی کتابیں لکھی تھیں۔ اور امام ثوری کو امام صاحب کی کتابوں کی کیا ضرورت تھی۔ اور اس کے علاوہ امام علی کو حنفی المذہب ہونا کسی صحیح دلیل سے ثابت نہیں وہ تو محدثین کے نظریات کے قائل تھے۔ (گوندلوی)

[ص ۱۴۶۔ ۱۴۷]

۲۲۔ امام عمر بن میمون بلخی

وفات ۱۷۱ھ

صاحب انوار الباری لکھتے ہیں:

''محدث، فقیہ، صاحب علم وورع اور مجلس تدوین فقہ کے رکن تھے۔''

[مقدمہ انوار الباری ۱/ ۱۶۹]

صاحب علم وحلم، فہم اور اصلاح والے تھے۔

حدیث میں امام ابن معین اور امام ابوداود نے توثیق کی ہے۔

جامع ترمذی میں ان کی روایت موجود ہے۔ (گوندلوی)

صاحب انوار الباری فرماتے ہیں:

امام عمر نے بغداد میں امام صاحب سے استفادہ کیا اس پر مولانا محمد رئیس ندوی تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''بغداد کی تعمیر ۱۴۵ھ میں شروع ہوئی اور ۱۴۹ھ میں ختم ہوئی۔ امام صاحب اپنی آخری عمر کے ۱۵ روز بغداد میں رہے۔ اور ۱۴۵ھ یا ۱۴۶ھ میں علویوں کی حمایت میں گرفتار کر لیے گئے اور جیل بھیج دیے گئے اور جیل میں ہی آپ کی ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔ تو اب بتایئے کہ امام عمر نے کب امام صاحب سے حدیث وفقہ کی تحصیل کی اور کس دور میں اس فرضی کمیٹی کے رکن بنائے گئے۔''

[لمحات: ۴۱/۴] [ص ۱۴۸۔۱۴۹]

۲۳۔ امام فضل بن موسیٰ سینانی

ولادت ۱۱۵ھ ۔ وفات ۱۹۲ھ

بہت اوصاف کے مالک تھے۔ اور مجلس تدوین فقہ کے رکن تھے۔

[مقدمہ انوار الباری ۱/۱۰۶]

امام فضل بن موسیٰ بہت بڑے محدث تھے۔ ائمہ کرام نے اس کی توثیق کی ہے۔ اپنے دور کے امام حدیث تھے صحاح ستہ میں ان کی روایت سے احادیث موجود ہیں۔ (گوندلوی)

مذہب اہل سنت سے تعلق رکھتے تھے۔

[تہذیب التہذیب ۸/۲۸۶]

رکنیت

امام ابن حبان فرماتے ہیں:

۱۱۵ھ میں پیدا ہوئے۔

[تہذیب التہذیب ۸/۲۸۶]

صاحب انوار الباری نے بھی ۱۱۵ھ سن ولادت لکھا ہے۔

[مقدمہ انوار الباری ۱/۲۰۶]

امام فضل خراسان کے ایک دیہات میں پیدا ہوئے جو کوفہ سے بہت دور ہے۔

اور ۱۲۰ھ میں قائم ہونے والی کا خاص رکن بن سکتا ہے جب کہ عمر پانچ سال کی ہو۔ یا

للعجب (گوندلوی)

[ص ۱۵۰۔۱۵۱]

۲۴۔امام فضیل بن عیاض

ولادت ۱۰۶ھ ۔ وفات ۱۸۷ھ

مجلس تدوین فقہ کے رکن تھے۔

[مقدمہ انوار الباری]

امام فضیل بن عیاض، زہد وورع کے پیکر تھے۔صحاح ستہ کی بخاری ومسلم سمیت پانچ کتابوں میں ان سے احادیث مروی ہیں۔محدثین کرام نے ان کی توثیق کی ہے امام عبداللہ بن مبارک نے ان پر مکمل اعتماد کیا ہے۔(گوندلوی)

مذہب

مذہب محدثین کے پیروکار تھے۔مرجیہ کے سخت مخالف تھے۔ان کے بارے میں سوءظن رکھتے تھے۔

رکنیت

امام فضیل بن عیاض کا حنفی المذہب ہونا یا مجلس تدوین فقہ کا رکن ہونا کسی بھی معتبر دلیل سے ثابت نہیں۔ان کی وفات ۱۸۷ھ میں ہوئی۔اس وقت ان کی عمر ۸۰ سال تھی۔

[تذکرۃ الحفاظ ۱/ ۲۴۶]

گویا مجلس کی تشکیل کے وقت ان کی عمر ۱۵۔۱۶ سال تھی۔

ان کی زندگی کا ابتدائی دور تاریک تھا۔تو پھر یہ کیسے ایک علمی مجلس کے رکن بن گئے۔ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔(گوندلوی)

[ص ۱۵۲۔۱۵۳]

۲۵۔امام قاسم بن معن

وفات ۱۷۵ھ

علامہ شبلی نے ان کو مجلس تدوین فقہ کا رکن بتایا ہے۔

[سیرت النعمان ص ۳۹۵]

صاحب انوار الباری نے بھی علامہ شبلی کی تائید کی ہے۔

[مقدمہ انوار الباری ۱/۱۷۰]

امام قاسم مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود کے پڑپوتے تھے۔ فقیہ، محدث، ثقہ وثابت اور اخلاق حسنہ سے متصف تھے۔ (گوندلوی)

مذہبی لحاظ سے مرجئی تھے۔

[تہذیب التہذیب ۸/۳۳۹]

رکنیت

ان کی امام صاحب سے مصاحبت ضرور تھی مگر کسی معتبر خبر سے نہیں کہ وہ امام صاحب سے فقہ وعقائد میں کامل متفق تھے زیادہ سے زیادہ یہی ہے کہ ان کا میلان ارجاء کی طرف تھا۔

فقہ حنفیہ کی کتابیں ان کے فتاوی سے خالی ہیں۔
مجلس تدوین فقہ کے وقت ان کی عمر کیا تھی۔ اور کس دور میں یہ کمیٹی کے رکن بنے۔
وہ اس وقت پیدا بھی ہوئے تھے یا نہیں۔ (گوندلوی)

[ص:۱۵۶۔۱۵۷]

۲۶۔ امام مالک بن مغول

وفات ۱۵۹ھ

امام صاحب کے خاص الخاص شاگرد، مجلس تدوین فقہ کے رکن۔

[مقدمہ انوار الباری ۱/۱۶۹]

بڑے عابد وزاہد، کوفہ کے معزز ترین اور بہترین افراد میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ حدیث میں ثقہ اور قابل اعتماد تھے۔

صحاح ستہ کے راوی ہیں اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ (گوندلوی)

امام مالک بن مغول اہل الرائے سے نہیں تھے بلکہ ان کا تعلق محدثین کے گروہ سے تھا۔ ان کا حنفی مذہب سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ یہ امام ابوحنیفہ اور مذہب امام ابوحنیفہ سے ناراض تھے۔

[لمحات: ۴/۱۰]

رکنیت

امام ابوبکر خطیب بغدادی نے ان کا امام صاحب کا شاگرد ہونے سے انکار کیا ہے۔

[تاریخ بغداد ۱۳/۳۷۱]

صاحب انوار الباری نے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔

امام مالک بن مغول امام صاحب کے ہم خیال نہ تھے بلکہ مخالف تھے۔

لٰہذا ان کا مجلس تدوین فقہ کا رکن ہونا حقائق سے مطابقت نہیں کھاتا۔ (گوندلوی)

[ص: ۱۵۸۔۱۵۹]

۲۷۔ امام محمد بن حسن شیبانی

ولادت ۱۳۵ھ ۔ وفات ۱۸۹ھ

علامہ شبلی فرماتے ہیں:

یہ فقہ کے دوسرے بازو ہیں ان کا اصل وطن دمشق سے متصل ایک گاؤں تھا۔ ان کے والد وطن چھوڑ کر واسط چلے آئے۔ اور امام محمد ۱۳۵ھ میں یہیں پیدا ہوئے۔ سن رشد کا آغاز تھا کہ کوفہ جانا ہوا اور یہاں علوم کی تحصیل کی اور بڑے بڑے محدثین وفقہاء کی صحبت اٹھائی۔ دو برس تک امام ابوحنیفہ کی خدمت میں رہے۔

[سیرت النعمان ص ۳۸۶]

فقہ حنفی کی ترویج وتشہیر میں موصوف نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا حتی کہ یہ فقہ حنفیہ کے اساطین ثلاثہ میں ایک ستون شمار کیے گئے۔ اور مذہب میں ان کے فتوے معمول بہا پائے۔ (گوندلوی)

امام محمد بن حسن قیاس کی طرف زیادہ غالب تھے۔ حدیث کی بجائے قیاس وآراء میں زیادہ انہماک رکھتے تھے۔

امام مزنی (تلمیذ امام شافعی) فرماتے ہیں:

امام محمد فقہی تعریفات میں تمام ائمہ احناف سے بڑھ کر تھے۔

[مقدمہ تعلیق المجد ص ۲۹]

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ابو یوسف حدیث میں ضعیف تھے اور ان کے شیخ اثر (حدیث) کی مخالفت

کرتے تھے۔

[لسان المیزان ۵/۱۲۲]

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان پر مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ

امام احمد بن حنبل نے امام محمد کے بارے میں جو تجزیہ فرمایا وہ حقیقت سے خالی نہیں ہے۔ اس کی شاہد عدل خود امام محمد کی کتابیں ہیں۔آپ موطا محمد ہی کو لیجیے۔انھوں نے موطا امام مالک ان مرویات کے ساتھ فقہ حنفیہ کی تائید میں روایات کو بھی شامل کیا ہے۔ یہاں انھیں موطا کی احادیث فقہ حنفی کی مخالف نظر آتی ہیں اور پھر بسا اوقات امام مالک سے سلسلہ الذہب (سونے کی کڑی) سے مروی روایات کو محض قول یا اقوال یا پھر نا قابل اعتماد احتجاج روایات سے رد کرنے کی سعی فرمائی ہے۔

[ص ۱۶۱۔۱۶۲]

مذہب

امام محمد بھی اپنے استاد امام ابوحنیفہ کی طرح مرجئ المذہب تھے۔

یہ بھی ایمان کو اعمال کو شامل نہیں سمجھتے تھے قاضی شریک نے ایک دفعہ ان کی شہادت ان کے مرجئ المذہب ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کی تھی۔

[لسان المیزان ۶/۱۲۲]

نظریہ تقلید

امام محمد نے قاضی ابو یوسف کی طرح بیشتر مسائل میں اپنے استاد امام ابوحنیفہ سے اختلاف کیا ہے۔اس کی شہادت فقہ حنفیہ کی معروف کتابوں سے مل سکتی ہے۔

مولانا گوندلوی فرماتے ہیں:

امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے مابین اتنا وسیع اختلاف اس بات کی بین شہادت ہے کہ امام محمد تقلید کو جائز نہیں سمجھتے تھے جیسا کہ فرماتے ہیں:

”اگر کسی کی تقلید جائز ہوتی تو جو لوگ ابوحنیفہ سے پہلے گزر چکے ہیں۔امام حسن بصری، ابراہیم نخعی، وہ زیادہ حقدار تھے کہ ان کی تقلید کی جاتی۔

[المبسوط ۱۲/۲۸]

معلوم ہوا کہ امام محمد صرف اپنے استاد کی تقلید کا ہی انکار نہیں کرتے تھے بلکہ امام صاحب سے پہلے اکابرین کی تقلید کو بھی جائز نہیں سمجھتے تھے۔

[ص۱۶۳]

امام محمد مناظرانہ ذہن رکھتے تھے ان کے امام شافعی سے کئی مناظرے ہوئے یہاں صرف مناظرہ کا عنوان لکھنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

۱۔ کون بڑا؟ امام مالک یا امام ابوحنیفہ

۲۔ نجس پانی کی طہارت

۳۔ نماز میں دعا

۴۔ مسائل غصب

۵۔ نماز خوف

جرح وتعدیل

محدثین نے بحیثیت راوی امام محمد پر جرح کی ہے۔

۱۔ امام احمد بن حنبل

یہ اور ان کے استاد اثر کی مخالفت کرتے ہیں اس لیے میں ان سے روایت نہیں کروں گا۔

[لسان المیزان ۱۲۲/۵]

۲۔ قاضی ابو یوسف

یہ مجھ پر جھوٹ باندھتا ہے۔

[لسان المیزان ۱۲۲/۵]

۳۔ امام یحییٰ بن معین

محمد بن حسن کذاب ہے۔

[لسان المیزان ۱۲۲/۵]

۴۔ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی

محمد بن حسن ضعیف ہے۔

[کتاب الضعفاء ص۳۱۰]

۵۔ امام فضیل بن عیاض

نہ ثقہ ہے نہ مامون۔

[کتاب المجروحین ۲/۲۷۶]

۶۔امام ابن حبان فرماتے ہیں:

یہ امام ابوحنیفہ پر جھوٹ باندھا کرتے تھے۔ یہ مرجی المذہب اور اس کی دعوت دیتے تھے۔ یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اپنے استاد کی حمایت میں اہل مدینہ کا رد لکھا ہے۔

[کتاب المجروحین ۲/۲۷۶]

رکنیت

امام محمد بن حسن ۱۳۵ھ میں پیدا ہوئے اس وقت نام نہاد کمیٹی کو معرض وجود میں آئے ۱۵ برس ہو چکے تھے۔ جب امام محمد پڑھنے کے قابل ہوئے تو امام صاحب جیل جا چکے تھے۔ اور کمیٹی اپنے انجام کو پہنچی۔ تو امام محمد کی عمر دس برس سے زائد نہ تھی اس لیے انھیں امام صاحب کی صحبت کا بہت کم زمانہ میسر آیا۔ اور وہ زمانہ بھی ان کی پختگی اور کم سنی کا تھا۔

۹۔۱۰ سال کی عمر کا بچہ مجتہد، فقیہ اور محدث ہو کر مجلس تدوین فقہ کا رکن قرار پائے ہماری سمجھ سے بالاتر۔

اصل میں نہ کوئی کمیٹی ہے اور نہ ہی کوئی رکن۔ (گوندلوی)

[ص ۱۶۰۔۱۶۳۔۱۷۲]

۲۹۔مندل بن علی عنزی

ولادت ۱۰۳ھ - وفات ۱۶۸ھ

مجلس تدوین فقہ کے رکن۔

[سیرت النعمان ص ۳۹۸]

محدث، صدوق، فقیہ، فاضل، کبار تابعین میں سے تھے۔

مجلس تدوین فقہ کے رکن۔

[مقدمہ انوار الباری ۱/۱۶۸]

علمی مقام

زہد وورع میں بلند مرتبہ ومقام کے حامل بہت نیک تھے۔

[تاریخ بغداد ۱۳/ ۲۴۸]

جرح وتعدیل

حدیث اور روایت میں سخت ضعیف۔

[تاریخ بغداد ۱۳/ ۲۴۸]

ائمہ جرح وتعدیل نے ان کو متروک الحدیث، منکر الحدیث، ضعیف، واہی الحدیث اور نا قابل حجت بتایا ہے۔

امام ابوزرعہ نے لین الحدیث کہا ہے۔

امام احمد بن حنبل ضعیف بتاتے ہیں۔

امام عجلی فرماتے ہیں:

ان کا میلان شیعیت کی طرف تھا۔

[میزان الاعتدال ۴/ ۱۷۸]

حافظ ابن حجر نے ضعیف کہا ہے۔ [تہذیب التہذیب ۱۰/ ۲۹۹]

امام دارقطنی فرماتے ہیں:

ضعیف اور متروک ہیں۔

[کتاب الضعفاء، دارقطنی ص ۷۹]

امام سعدی نے انھیں واہی الحدیث بتایا ہے۔

[الکامل ۶/ ۲۴۸]

امام بخاری فرماتے ہیں:

ان کے پاس منکر روایات ہیں۔

[التاریخ الصغیر ص ۱۸۸]

امام نسائی نے ان کو ضعیف لکھا ہے۔

[کتاب الضعفاء ص ۳۰۴]

مولانا گوندلوی کا تبصرہ

مذکورہ تصریحات سے واضح ہو گیا کہ موصوف اگرچہ عابد، زاہد اور اچھے اوصاف کے حامل تھے مگر روایت حدیث میں ان کی حیثیت ثقہ راویوں جیسی نہ تھی بلکہ یہ ضعیف اور ترک کے حق دار تھے۔ یہی وجہ ہے کہ صحاح ستہ میں سوائے ابن ماجہ کے ان کی اور کسی کتاب میں کوئی ایک روایت بھی نہیں ہے اور جو ابن ماجہ میں ہے وہ درجہ قبولیت سے ساقط ہے۔

[ص ۱۷۸]

رکنیت

موصوف کا مجلس تدوین فقہ کا رکن ہونا محل نظر ہے ان کا طریق کار فقیہانہ نہیں تھا بلکہ ان کی مجلس محدثانہ طرز کی ہوتی تھی ان کی مجلس میں اصحاب الحدیث حاضر ہوتے تھے اور ان کو اصحاب الحدیث سے بہت زیادہ محبت تھی۔

اگر ان کو مجلس کا رکن تسلیم کر لیا جائے تو انھوں نے مجلس میں کیا علمی خدمات انجام دیں۔ اس بارے میں کوئی تفصیل کتابوں میں نہیں ملتی۔ ظاہر ہے اتنے بڑے اہم رکن کے بارے میں تو یہ چیزیں مجہول نہیں ہونی چاہیں تھیں۔ یہ مجہول کیوں ہیں اس لیے کہ کمیٹی کا وجود معدوم ہے کیا معدوم موجود کا وجود قرار پا سکتا ہے۔ (گوندلوی)

[ص ۱۷۶۔۱۷۹]

۳۰۔ امام نصر بن عبدالکریم

وفات ۱۶۹ھ

امام نصر محدث تھے، فقیہ تھے، امام صاحب سے فقہ پڑھی مجلس تدوین فقہ کے رکن تھے۔ امام ابو یوسف کی خدمت میں بھی رہے۔ ان سے سفیان ثوری اور موسیٰ بن عبید نے روایت کی۔

[مقدمہ انوار الباری ۱/ ۱۶۹]

علامہ شبلی نے ان کا مجلس تدوین فقہ کا رکن ہونے کا ذکر نہیں کیا۔

علمی مقام

موصوف کا حنفیہ کی معتبر کتابوں میں تذکرہ نہیں ملتا۔

خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ بغداد میں علی بن فضل بلخی کا یہ قول نقل کیا ہے:

یہ فقیہ تھے احادیث کے راوی اور قیاس میں مبالغہ کرنے والے صاحب مجلس تھے ابوحنیفہ کی کثرت سے مصاحبت کی بغداد میں قاضی ابو یوسف کے پاس ۱۶۹ھ میں وفات پائی۔ انھوں نے بہت سے اساتذہ سے روایت لی۔ جن میں امام ثوری اور موسیٰ بن عبید ہیں۔

[تاریخ بغداد ۱۳/ ۲۷۸]

تبصرہ از مولانا محمد رئیس ندوی

''امام علی بن فضل کا انتقال ۳۲۳ھ میں ہوا اور موصوف کا سال ولادت نامعلوم ہے مگر نصر کا انتقال ۱۶۹ھ میں ہوا ہے یعنی دونوں کی وفات کے مابین ڈیڑھ سو سال سے زیادہ کا فاصلہ ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ علی بن فضل نے زمانہ نصر نہیں پایا بلفظ دیگر موصوف نے یہ بات کسی دوسرے سے سنی ہے جو معلوم نہیں لہٰذا یہ روایت ہی معتبر نہیں اس لیے امام صاحب سے نصر کی مصاحبت کی داستان ہی ساقط الاعتبار ہے اسی طرح ابو یوسف کے پاس نصر کی وفات والی بات بھی علی بن فضل کی بیان کردہ ہے لہٰذا یہ بھی معتبر نہیں ہے۔''

[لمحات ۴/ ۳۸]

رکنیت

ایسا شخص جس کے بارے میں کوئی واضح معلومات ہی مہیا نہیں ہیں کہ علمی طور پر ان کا کیا مقام تھا۔ حدیث میں کس پایہ کے محدث تھے۔ کیا ثقہ بھی تھے یا نہیں۔ اور فقاہت میں ان کو کتنا راسخ ملکہ حاصل تھا کیا اسے صرف ایک منقطع روایت کی بنا پر مجلس تدوین فقہ کا رکن قرار دیا جا سکتا ہے کیا ایسا مجلس تدوین فقہ کی مفروضہ شرائط پر پورا اتر سکتا ہے ہرگز نہیں۔ (گوندلوی)

[ص ۱۸۰۔۱۸۱]

۳۱۔ قاضی نوح بن دراج

وفات ۱۸۲ھ

محدث، فقیہ، امام صاحب کے تلمیذ اور مجلس تدوین فقہ کے رکن۔

[مقدمہ انوار الباری ۱/۱۹۰]

امام محمد بن اسحاق، امام اعمش اور امام ابوحنیفہ کے شاگرد تھے۔

ان کی فقاہت کے بارے میں معلوم نہیں کہ کس پایہ کے فقیہ تھے۔

اور نہ ہی ان کی فقہ کا دفتر ہمارے سامنے موجود ہے جس سے ان کی فقاہت کا اندازہ کیا جا سکے۔ (گوندلوی)

جرح وتعدیل

ائمہ جرح وتعدیل اور محدثین کرام نے ان کو خبیث، کذاب، زائغ، ضعیف، ناقابل اعتماد، وضاع اور منکر الحدیث بتایا ہے۔

امام ابوداود فرماتے ہیں:

کذاب اور حدیثیں وضع کرتا تھا۔

[میزان الاعتدال ۴/۲۷۶]

امام ابوعبداللہ نے بھی ان کو وضاع لکھا ہے۔

[المدخل علی الصحیح، ص ۲۱۶]

امام زیلعی حنفی نے کذاب کہا ہے۔

[المستدرک ۳/۱۴۴]

امام عجلی فرماتے ہیں: ضعیف ہے۔

[تاریخ بغداد ۱۳/۳۱۶]

امام بخاری فرماتے ہیں: حدیث میں کچھ نہیں تھے۔

[کتاب الضعفاء بخاری ص ۲۷۶]

امام نسائی نے ان کو متروک الحدیث بتایا ہے۔

[کتاب الضعفاء ۶/۳۰۵]

رکنیت

ایسا راوی جو متروک، ضعیف، کذاب، خبیث اور زائغ ہو۔ کیا وہ مجلس تدوین فقہ کا رکن ہوسکتا ہے۔ صاحب انوار الباری نے مجلس میں اراکین ایسے ہی قسم کے افراد کو جمع کیا ہے۔ (گوندلوی)

[ص ۱۸۲۔۱۸۴]

۳۲۔ ابو عصمہ نوح بن ابی مریم

وفات ۱۷۳ھ

مشہور محدث اور فقیہ، امام صاحب کے شاگرد رشید، جامع العلوم اور مجلس تدوین فقہ کے رکن۔

[مقدمہ انوار الباری ۱/ ۱۶۹]

ان کو جامع العلوم اس لیے کہا جاتا ہے کہ انھوں نے مختلف علوم کو جمع کیا تھا۔

مذہب

فرقہ مرجیہ سے تعلق رکھتے تھے۔

اور جہمیہ کا زبردست رد کرتے تھے۔

فقہ حنفی کے بارے میں تجزیہ

فقہ حنفی کے بارے میں ان کا تجزیہ کچھ معنی خیز ہے۔

فرماتے ہیں:

میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ ابوحنیفہ کی فقہ میں مشغول ہو گئے ہیں اور قرآن کریم سے اعراض کرلیا ہے تو میں نے قرآن کی فضیلت میں حدیث وضع کی۔

[الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ ص ۱۷۷]

جرح وتعدیل

ائمہ جرح وتعدیل اور محدثین کرام نے نوح بن ابی مریم پر سخت جرح کی ہے۔ انھیں وضاع، خبیث، ضعیف، کذاب، متروک الحدیث، منکر الحدیث، ساقط الحدیث، ذاہب الحدیث، نا قابل اعتماد اور صدق وسچائی سے محروم بتایا ہے۔

اس کا وضع حدیث کا ارتکاب نا قابل معافی جرم ہے۔ جس کی وجہ سے محدثین کے نزدیک اس کی روایتی حیثیت بہت مخدوش ہے۔

امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں:

احادیث وضع کرتا تھا۔

[التاریخ الصغیر ص ۱۸۹]

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

منکر روایات بیان کرتا تھا حدیث میں اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔

[عقیلی ۴/۳۰۵]

امام بخاری نے ذاہب الحدیث بتایا ہے۔

[عقیلی ۴/۳۰۵]

ابن معین کے نزدیک منکر الحدیث ہے۔

امام سعدی نے ساقط الحدیث کہا ہے۔

امام ابن حماد نے متروک الحدیث بتایا ہے۔

[الکامل ۷/۲۵۰۶]

امام مسلم فرماتے ہیں:

متروک الحدیث ہے۔

امام حاکم نے لکھا ہے:

فضائل قرآن میں اس نے حدیث وضع کی ہے۔

[میزان الاعتدال ۴/ ۲۷۹]

امام دارقطنی نے اس کو متروک الحدیث بتایا ہے۔

[کتاب الضعفاء ص ۱۶۷]

امام ابوزرعہ انھیں ضعیف بتاتے ہیں۔

امام ابوحاتم نے متروک الحدیث بتایا ہے۔

امام نسائی نے انھیں ساقط الحدیث کہا ہے۔

امام ابوعلی نیشاپوری نے کذاب لکھا ہے۔

امام خلیل فرماتے ہیں کہ اس کے ضعف پر محدثین کا اجماع ہے۔

امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں: کذاب ہے۔

[تہذیب التہذیب ۱۰/ ۴۸۸]

امام ابن حبان فرماتے ہیں:

یہ ان راویوں میں ہے جو اسناد کو بدل ڈالتے ہیں۔

[کتاب المجروحین ۳/ ۴۸]

کیا ایسا شخص جو حدیث وضع کرنے کا خود اعتراف کرتا ہو وہ مجلس تدوین فقہ کا رکن قرار پا سکتا ہے۔ (گوندلوی)

[ص ۱۸۵۔۱۸۸]

۳۳۔امام وکیع بن الجراح

ولادت ۱۳۹ھ ۔ وفات ۱۹۸ھ

علامہ شبلی فرماتے ہیں:

''امام وکیع بن الجراح امام ابو حنیفہ کے شاگرد خاص تھے اور ان سے بہت سی حدیثیں سنی تھیں۔ اکثر مسائل میں امام صاحب کی تقلید کرتے تھے۔ اور انھی کے قول کے مطابق فتوی دیتے تھے علامہ ذہبی نے بھی تذکرہ الحفاظ میں اس کی تصدیق کی ہے۔''

[سیرت النعمان ص ۳۶۸]

امام وکیع علم حدیث کا بحر بے کنار تھے۔ محدثین سے تلمذ تھا امام بخاری کے استاد امام علی بن مدینی ان کے شاگرد تھے۔ باتفاق محدثین ثقہ وثابت ہیں۔ اور ان کی امامت مسلمہ ہے صحاح ستہ میں ان کی اسناد سے متعدد احادیث مروی ہیں مسلک محدثین کے متبع تھے اہل الرائے کو بنظر تحسین نہیں دیکھتے تھے اور بعض مسائل میں انکو بدعتی قرار دیتے تھے قیاس کو ناپسند کرتے تے اور عمل بالحدیث کا نمونہ تھے۔ (گوندلوی)

امام ترمذی فرماتے ہیں:

میں نے ابو السائب (امام وکیع کے شاگرد اور ثقہ تھے) سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ہم وکیع کے پاس تھے اہل الرائے میں سے ایک شخص نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے اشعار کیا اور

ابوحنیفہ اسے مثلہ (اعضاء کا کاٹنا) کہتے ہیں۔ اور ابوحنیفہ نے اس کو نخعی سے روایت کیا ہے کہ اشعار مثلہ ہے تو ابوالسائب نے فرمایا میں نے وکیع کو دیکھا وہ سخت غصے میں آ کر فرمانے لگے۔

''میں تجھ سے رسول اللہ ﷺ کی بات کر رہا ہوں اور تو کہتا ہے کہ نخعی نے یہ کہا ہے۔ تو اس لائق ہے کہ تجھے اس وقت تک قید میں رکھا جائے جب تک تو اپنے قول سے رجوع نہیں کر لیتا۔

[ترمذی مع تحفۃ الاحوزی ۲/ ۱۰۷]

امام وکیع کے اس بیان پر مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ تبصرہ فرماتے ہیں:

اس صحیح واقعہ سے معلوم ہوا کہ امام وکیع اہل الرائے کے مذہب کو بدعت سے تعبیر کرتے تھے اور یہ بھی واضح ہوا کہ وہ سنت کے خلاف کسی کا فتوی بھی سننا گوارا نہیں کرتے تھے بلکہ وہ لوگوں کو اہل الرائے کے مذہب اور رائے سے منع کیا کرتے تھے۔

[ص ۱۹۰]

کتاب السنہ میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

لوگو! تم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے سے بچو۔

[۱/ ۲۲۷]

امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

امام وکیع بن الجراح اصحاب الحدیث سے تھے اور فرقہ مرجیہ کے سخت مخالف تھے اور امام صاحب سے ان کی ناموافقت کی وجہ ایک یہ بھی تھی کہ امام صاحب مرجئ تھے۔ اور ارجاء کی دعوت دیتے تھے اور امام وکیع مسلک محدثین کے متبع ہونے کی وجہ سے مرجیہ کے سخت مخالف تھے۔ اس بنا پر وہ امام صاحب کے بارہ میں حسن ظن نہیں رکھتے تھے۔

امام محمد بن خالد فرماتے ہیں:

امام وکیع سے امام صاحب کے بارے میں سوال ہوا تو انھوں نے فرمایا:

ابوحنیفہ مرجئ تھے جو تلوار کو جائز سمجھتے تھے۔

[عقیلی ۴/ ۲۸۳] [ص ۱۹۱]

رکنیت

امام وکیع کی ولادت ۱۲۸ھ میں ہوئی۔

[تاریخ بغداد ۳/ ۴۹۷]

ان کی ولادت کے وقت کمیٹی اپنی عمر کے ۸ یا ۹ سال گزار چکی تھی جب امام وکیع جوان ہوئے تو کمیٹی اپنی عمر پوری کر چکی تھی۔ ۱۲۹ھ میں پیدا ہونے والا بچہ جوان ہو کر عالم فاضل بن کر اس کمیٹی کا کیسے رکن بن سکتا ہے۔ جو ۱۴۵ھ میں اپنا وجود کھو چکی تھی کمیٹی کے خاتمہ کے وقت امام وکیع کی عمر ۱۶ سال سے زائد نہ تھی۔ (گوندلوی)

[ص ۱۸۵۔۱۹۲]

۳۴۔ قاضی ہشام بن یوسف

وفات ۱۹۷ھ

صاحب انوار الباری کے مطابق محدث، فقیہ اور امام صاحب کے تلمیذ خاص اور مجلس تدوین فقہ کے رکن تھے۔

[مقدمہ انوار الباری ۱/ ۲۰۷]

عظیم محدث، صنعاء (یمن) کے قاضی، امام ثوری، امام شافعی، امام علی بن مدینی، امام ابن معین اور امام اسحاق بن راہویہ وغیرہم جیسے اساطین علم کے استاد۔ صحیح مسلم کے علاوہ باقی صحاح کی پانچوں کتابوں میں ان کی مرویات موجود ہیں۔ ان کی ثقاہت وعدالت اور حفظ وضبط پر محدثین کا اتفاق ہے۔ (گوندلوی)

رکنیت

امام ذہبی کی تحقیق کے مطابق قاضی ہشام کی ولادت ۱۲۰ھ کے بعد ہوئی۔ اور کمیٹی کی تشکیل بھی ۱۲۰ھ میں ہوئی۔ جو کمیٹی کے تشکیل کے سن میں پیدا ہوا۔ وہ عمر کے کس سن میں عالم بنا۔ اور کوفہ کب آیا۔ (جب کہ مصدقہ اطلاع کے مطابق ان کا کوفہ آنا ثابت نہیں) اس لیے نہ تو انھوں نے امام صاحب سے استفادہ کیا اور نہ ہی مجلس

تدوین فقہ کے رکن بنے اور نہ ہی کمیٹی کے وجود ثابت ہونا صحیح ہے۔ (گوندلوی)

[ص ۱۹۳۔۱۹۴]

۳۵۔ ہشیم بن بشیر واسطی

ولادت ۱۰۵ھ ۔ وفات ۱۹۰ھ

صاحب انوار الباری نے مجلس تدوین فقہ کا رکن بتایا ہے۔ اور انہیں محدث اور فقیہ لکھا ہے۔

[مقدمہ انوار الباری: ۱/۱۹۰]

علامہ شبلی نے سیرت النعمان میں ان کا تذکرہ نہیں کیا۔ امام ہشیم ثقہ، ثبت، اور مامون تھے۔ سوائے تدلیس کے ان پر کوئی الزام نہیں بلند پایہ عالم اور فاضل تھے۔ امام مالک، ثوری اور شعبہ جیسے نامور محدثین کو ان سے تلمذ حاصل ہے۔ صحاح ستہ کے ایک اہم راوی ہیں۔ (گوندلوی)

رکنیت

ان کی ولادت ۱۰۵ھ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے مولد واسط میں حاصل کی۔ ۱۲۳ھ میں تحصیل علم کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور کافی مدت مکہ میں قیام پذیر رہے۔

[لمحات ۴/ ۴۱۶]

جب ہشیم مکہ تشریف لے گئے تو فرضی کمیٹی کو قائم ہوئے تین چار سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ خطیب بغدادی نے ان کا حصول تعلیم کے بعد بغداد میں آباد ہونے کی تصریح کی ہے۔

اس پر مولانا محمد رئیس ندوی فرماتے ہیں:

شہر بغداد کی آباد کاری ۱۴۴ھ/ ۱۴۵ کے بعد ہی موصوف بغداد میں آباد ہوئے ہوں گے۔ مگر اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ کہ موصوف نے کوفہ کو کبھی سکونت گاہ بنایا ہو۔ حالانکہ تدوین کے ہر رکن کے لیے ضروری تھا کہ کم از کم مجلس تدوین کے زمانہ وجود یعنی ۱۲۰ھ سے لے کر ۱۵۰ھ تک کوفہ میں مستقل طور پر مقیم رہے۔ مگر ان کے بارے میں اس امر کا ثبوت نہیں کہ وہ کوفہ میں مستقل ایک یا دو سال تک ہی مقیم رہے ہوں البتہ تحصیل علم کے لیے دو چار ماہ کوفہ میں ضرور رہے ہوں گے۔

[لمحات ۴/ ۴۱۶]

تبصرہ از گوندلوی

علامہ ندوی کی اس تحقیق سے واضح ہوتا ہے کہ موصوف کوفہ میں کبھی بھی مستقل طور پر آباد نہیں ہوئے۔ جس سے ان کا اس فرضی کمیٹی کے رکن قرار پانے کی نفی از خود ہو جاتی ہے۔

[ص: ۱۹۵۔۱۹۶]

۳۶۔ ہیاج بن بسطام تیمی

وفات ۱۷۷ھ

صاحب انوار الباری نے ان کو مجلس تدوین فقہ کا رکن بتایا ہے۔

[مقدمہ انوار الباری ۱/ ۱۷۷]

علامہ شبلی نے ان کے بارے میں خاموشی اختیار کی ہے۔

ان کے علمی مقام کا حدود اربعہ کیا تھا۔ علمائے اسلام اس کی طرف رہنمائی نہیں کرتے مگر محدثین نے ان پر جرح کی اور بتایا ہے کہ راوی حدیث کی حیثیت سے انکا درجہ محض ایک ضعیف راوی کا ہے اور روایت حدیث میں نا قابل اعتماد قرار دیا ہے۔

جرح وتعدیل

امام ابن معین فرماتے ہیں:

ضعیف ہے۔

[عقیلی ۴/ ۳۶۶]

امام ابوحاتم ان سے روایت نہ لی جائے۔

امام ابوداود محدثین اس کی حدیث قبول نہیں کرتے۔

امام احمد بن حنبل متروک الحدیث ہے۔

امام صالح بن محمد منکر الحدیث ہے۔

[تہذیب التہذیب ۱۱/ ۸۸]

امام نسائی فرماتے ہیں:

ضعیف ہے۔

[کتاب الضعفاء ونسائی ص ۳۰۶]

امام ابن حبان نے انھیں نا قابل اعتماد بتایا ہے۔

[کتاب المجروحین ۳/۹۶]

اور امام ابن حبان نے اس کے مرجئ المذہب ہونے کی بھی تصریح کی ہے۔ اور بتایا ہے کہ دوسرے لوگوں کو بھی ارجاء کی طرف دعوت دیتا تھا۔

[کتاب المجروحین ۳/۹۶].

رکنیت

کیا ایسا شخص جس کی ولادت کا زمانہ معلوم نہیں، پھر وہ اہل سنت سے ہٹ کر مرجئ المذہب کا داعی ہو اور محدثین کے نزدیک نا قابل حجت اور نا قابل اعتماد ہو وہ رکن بننے کا اہل ہے۔ (گوندلوی)

[ص ۱۹۷-۱۹۹]

۳۷۔ امام یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ

ولادت ۱۲۰ھ - وفات ۱۸۳ھ

علامہ شبلی نے ان کو مجلس تدوین فقہ کا رکن بتایا ہے۔

[سیرت النعمان ص ۳۶۵]

صاحب انوار الباری لکھتے ہیں:

امام طحاوی نے کہا کہ یحییٰ بن زکریا امام ابوحنیفہ کے ان چالیس اصحاب میں سے تھے جو تدوین فقہ میں مشغول تھے اور تیس سال تک وہی مسائل مدونہ کو لکھتے رہے۔

[مقدمہ انوار الباری ۱/۱۹۴]

بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے ان کو کبار محدثین سے شرف تلمذ حاصل تھا تبع تابعین میں سے تھے۔

صحاح ستہ میں ان کی بہت سی احادیث موجود ہیں۔ معروف ناقدین نے ان کی توثیق کی ہے۔ (گوندلوی)

مسلک محدثین سے وابستہ تھے فقہ وحدیث کے جامع تھے۔

[تاریخ الثقات ص ۴۷۱]

رکنیت

امام یحییٰ کی ولادت ۱۲۰ھ میں ہوئی اور اسی سال مجلس تدوین فقہ کی تشکیل ہوئی۔ موصوف پیدا ہوتے ہیں پہلے دن قلم وقرطاس میں ہاتھ میں لے کر احناف کی اس علمی مجلس کی محرری کے لیے مجلس میں پہنچ گئے تھے یاللعجب۔

صحیح بات یہی ہے کہ امام یحییٰ نہ تو اس کمیٹی کے رکن تھے اور نہ ہی اس کمیٹی کا کوئی وجود تھا۔ (گوندلوی)

[ص: ۲۲۰۔۲۰۳]

۳۸۔امام یحییٰ بن سعید القطان

ولادت ۱۲۰ھ ۔ وفات ۱۹۸ھ

علامہ شبلی فرماتے ہیں:

امام یحییٰ قطان فن رجال کے بانی ہیں اور درس حدیث میں امام احمد، ابن مدینی وغیرہ کھڑے ہو کر ان سے حدیث کی تحقیق کرتے۔ اور درس میں یہ نماز عصر سے لے کر نماز مغرب تک برابر کھڑے رہتے۔

[سیرت النعمان ص ۳۱۲]

حدیث اور فقہ میں امام صاحب کے شاگرد اور تدوین فقہ کی مجلس کے رکن تھے۔

[مقدمہ انوار الباری ۱/ ۲۰۸]

علم حدیث اور نقد رجال کے مسلمہ امام اور قابل حجت امام ہیں۔

بالاتفاق ثقہ اور ثبت ہیں اور کتب صحاح کے مرکزی راویوں میں سے ہیں۔ (گوندلوی)

مسلک محدثین پر تھے ان کے عقائد وہی تھے۔ جو اہل سنت محدثین کرام اور ائمہ حدیث کے تھے ایمان کی کمی اور زیادتی کے بارے میں ان کا مذہب وہی تھا جو اہل حدیث کا ہے۔

[ص ۲۰۵]

رکنیت

امام یحییٰ قطان کا اپنا بیان ہے:

میں ۱۲۰ھ میں پیدا ہوا۔

[تہذیب التہذیب ۱۱/ ۲۱۹]

علامہ شبلی نے ان کا سن ولادت ۱۳۰ھ بتایا ہے۔

[سیرت النعمان ص ۳۶۲]

مجلس تدوین فقہ کی تشکیل ۱۲۰ھ میں ہوئی۔

بقول ارباب سیر پیدا ہوتے ہیں مجلس تدوین فقہ کے رکن بن گئے۔

اور بقول علامہ شبلی مجلس کے معرض وجود میں آنے کے دس سال بعد پیدا ہوئے۔

۱۴۵ھ یا ۱۴۶ھ میں مجلس اپنے انجام کو پہنچ گئی اورامام صاحب گرفتار ہو کر پس دیوار زنداں چلے گئے تھے اور جیل ہی میں ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔

لہٰذا ان کا مجلس تدوین فقہ کا رکن ہونا محض ایک افسانہ ہے۔ (گوندلوی)

[ص ۲۰۴ - ۲۰۷]

۳۹۔ قاضی ابو یوسف

ولادت ۱۱۳ھ - وفات ۱۸۲ھ

قاضی صاحب فقہ حنفیہ میں بہت مقام کے حامل تھے۔

بعض نے تو ان کو مجتہد مطلق کہا ہے۔

قاضی صاحب امام صاحب کے خاص تلامذہ میں سے تھے۔

۲۰ سال کی عمر میں امام صاحب کی صحبت اختیار کی اور امام صاحب کی حیات تک ان سے منسلک رہے۔

[مقدمہ انوار الباری ۱/ ۱۷۰]

بلا شبہ قاضی ابو یوسف نے اپنے استاد گرامی کی صحبت سے بہت استفادہ کیا مگر اس کے باوجود انہوں نے امام صاحب سے عقائد' اصول اور فروع میں اختلاف کیا۔ فقہ حنفیہ کی ہر کتاب کا ہر ورق بلکہ ہر صفحہ اس کا شاہد عدل ہے قاضی صاحب ابتداء میں اپنے استاد گرامی کی طرح مرجئ المذہب تھے۔ ان کے مرجئ المذہب ہونے کی وجہ سے قاضی شریک نے ان کی شہادت قبول کرنے

سے انکار کردیا تھا۔

[لسان المیزان:۶/۲۱۰]

مگر بعد میں قاضی صاحب نے مذہب ارجاء کو ترک کر کے مذہب اہل سنت کو اپنا لیا تھا۔قاضی صاحب نے بہت سے مسائل میں اپنے استاد گرامی سے اختلاف کیا ہے۔اور یہ اختلاف اس کا بین ثبوت ہے کہ قاضی صاحب تقلید کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔خطیب بغدادی کا بیان ہے: کہ قاضی صاحب فرمایا کرتے تھے ''ہم امام ابوحنیفہ سے فقہ کا درس لینے آتے مگر ہم دین میں ان کی تقلید نہیں کرتے تھے''۔(گوندلوی)

[تاریخ بغداد: ج ۱۳]

بعض آئمہ کرام نے ان کی توثیق کی ہے اور بعض نے ان پر جرح کی ہے۔

امام عبداللہ بن مبارک سے قاضی ابو یوسف اور امام محمد بن حسن کے بارے میں دریافت کیا گیا۔کہ ان دونوں میں سے بڑا عالم کون ہے۔تو امام ابن مبارک نے جواب میں فرمایا۔

یہ نہ کہو کہ ان دونوں میں بڑا عالم کون ہے

بلکہ یہ کہو کہ ان دونوں میں کذاب کون ہے

[الکامل:۶/۲۶۰۲]

رکنیت

قاضی ابو یوسف سنہ ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے۔کمیٹی سنہ ۱۲۰ھ میں قائم ہوئی۔اس وقت قاضی صاحب کی عمر سات سال تھی۔سنہ ۱۳۳ھ میں قاضی صاحب امام صاحب کے حلقہ تلمذ میں داخل ہوئے۔جب ان کی عمر ۲۰ سال تھی اور کمیٹی کو قائم ہوئے ۱۳ سال ہو چکے تھے۔

قاضی صاحب اپنے استاد کی نگاہ میں کذاب اور نا قابل اعتماد تھے۔اس لئے کہ قاضی صاحب کے امام صاحب سے اعتقادی اور فروعی اختلافات تھے۔(گوندلوی)

[ص ۲۰۸۔۲۱۱۔۲۲۱]

۴۰۔یوسف بن خالد سمی

ولادت ۱۲۳ھ ۔ وفات ۱۹۰ھ

مشہور عالم' فقیہ' محدث' امام صاحب کے تلمیذ خاص۔
مجلس تدوین فقہ کے رکن۔

[از مقدمہ انوار الباری ۱/۲۰۵]

فرقہ جہمیہ سے تعلق رکھتے تھے۔

[میزان الاعتدال ۴/۴۶۴]

مرجئی المذہب تھے۔

[کتاب المجروحین ۳/۱۳۱]

جرح وتعدیل

آئمہ جرح وتعدیل نے اس کو غیر ثقہ' کذاب' ضعیف اور خبیث کہا ہے۔ امام بخاری نے اس سے سکوت اختیار کیا ہے۔

[کتاب الضعفاء بخاری: ۲۸۰]

ابن سعد نے ضعیف بتایا ہے۔
امام نسائی نے غیر ثقہ کہا ہے۔
امام شافعی نے بھی غیر ثقہ کہا ہے۔

[میزان الاعتدال ۴/۴۶۴]

امام عجلی نے متروک الحدیث بتایا ہے۔
ابن معین نے جھوٹا' کذاب' خبیث اور اللہ کا دشمن' بہت بڑا زندیق کہا ہے۔ اور اس نے حدیث نہ لکھنے کی ترغیب دی ہے۔
امام ابوداؤد اور امام عمر بن علی دونوں فرماتے ہیں:
کذاب ہے۔ [تہذیب التہذیب ۱۱/۴۱۱-۴۱۲]
امام ابن حبان نے اس کو وضاع (حدیثیں گھڑنے والا) بتایا ہے۔

[کتاب المجروحین ۳/۱۳۱]

رکنیت

۱۲۳ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۹۰ھ میں وفات پائی۔ عمر ۶۷ سال تھی ان کی ولادت کے

وقت کمیٹی کو قائم ہوئے تین سال ہو چکے تھے۔ جو شخص فرقہ جہمیہ سے تعلق رکھتا ہو۔ اور آئمہ جرح وتعدیل نے ان کو خبیث' کذاب' متروک الحدیث اور نا قابل اعتماد قرار دیا ہو۔ تو ایسا شخص مجلس تدوین فقہ کا رکن کیسے ہو سکتا ہے۔ (گوندلوی)

[ص ۲۲۲۔۲۲۴]

مجلس تدوین فقہ کا انجام

شیخ الحدیث مولانا محمد یحییٰ گوندلوی کمیٹی کے بارے میں لکھتے ہیں:

بالآخر اس کمیٹی کا انجام وہی ہوا۔ جو کسی بھی پروپیگنڈا اور جھوٹ کی بنیاد پر قائم کی گئی چیز کا ہوتا ہے۔ اس کمیٹی کے چالیس ارکان کی عرق ریزی' محنت شاقہ' جہد بلیغ کو ردی سمجھ کر یا کسی اور وجہ سے بیکار کر دیا گیا۔ اور اس کے تحقیق شدہ اور مرتب کردہ ۱۳ لاکھ مسائل کو ایسے معدوم کر دیا گیا کہ آج صفحہ ارض پر ان کا کوئی وجود ہی نہیں اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ان کو بیکار سمجھ کر ضائع کیا گیا۔ بلکہ حقیقت یہی ہے کہ ایسی کمیٹی کا امام صاحب کی زیر نگرانی قیام وجود میں نہیں آیا۔ اس کمیٹی کو امام صاحب کے تقریبا چار سو سال بعد خیالی وجود میں متشکل کیا گیا۔ مگر چونکہ یہ سراسر افسانہ اور جھوٹ تھا۔ اس لئے جب بھی اہل علم اور اہل قلم نے اس کمیٹی کی نقاب کشائی کی تو پردہ کے پیچھے سوائے پروپیگنڈا کے کچھ نظر نہ آیا۔

[ص ۲۲۴۔۲۲۵]

شادی کی دوسری دس راتیں

یہ مولانا ابوانس محمد یحییٰ گوندلوی کی آخری تصنیف ہے۔اور یہ کتاب ایک تقلیدی عالم مولانا عبدالغنی طارق لدھیانوی (دیوبندی) کی کتاب ''شادی کی پہلی دس راتیں'' کا جواب ہے۔

کتاب کیا ہے۔جھوٹ اور خرافات کا پلندہ ہے۔تقلیدی مصنف نے اس کتاب میں افترا پردازی سے کام لیا ہے اور اہلحدیث مسلک رکھنے والے لوگوں کے بارے میں جو زبان استعمال کی ہے۔وہ ایک شریف آدمی کبھی استعمال نہیں کرسکتا۔کتاب میں لدھیانوی صاحب نے جولکھا ہے۔وہ آپ نمونہ کلام میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔اوراس کتاب کی فہرست پر بھی نظر ڈال لیں۔اوراس کے مولانا گوندلوی مرحوم نے ''احوال واقعی'' کے عنوان سے جو پیش لفظ لکھا ہے اس کو پڑھ کر آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔کہ لدھیانوی صاحب کا مبلغ علم کیا ہے۔اس سے آپ کو کتاب کے مندرجات کا بھی اندازہ ہو جائے گا۔

اس کتاب کے صفحہ آخر پر مولانا گوندلوی نے مفتی محمد شفیع دیوبندی کی ایک تقریر کا اقتباس نقل کیا ہے۔وہ بھی میں نے آخر میں درج کر دیا ہے تا کہ آپ کو اندازہ ہو سکے کہ دیو بندیوں کے جید عالم دین نے فقہ حنفی سے بیزاری کا اظہار کیا ہے۔

نمونہ کلام

ہم اختصار کے ساتھ مؤلف ''شادی کی پہلی دس راتیں'' کا اس کی کتاب سے نمونہ کلام پیش کرتے ہیں۔تا کہ قارئین کے سامنے اس کا اسلوب اور ذوق واضح ہو سکے۔

- چلغوزے کے درخت جیسی طویل اور کبوتری جیسی سفید دہن۔

[ص ۵]

- بد مذہب 'لا مذہب' بے مذہب اور خواہش پرست غیر مقلد۔

[ص ۷]

- شیطان علی الصبح بازار جاتا ہے اور اپنی دم اپنی دبر میں لے کر سات انڈے دیتا ہے۔

[ص ۷]

❁ (غیر مقلدین) شیطان کی اولاد ہیں۔

[ص ۸]

❁ دلہن پر خچر کے ابوامی کے بول کے قطرے پڑ گئے۔

[ص ۹]

❁ آپ کی میڈم جیسی ہزاروں کی بولتی بند کر دیتا ہوں۔

[ص ۱۵]

❁ میرا ختنہ جب ہوا تھا تو کھال جماعت اسلامی والے لے گئے تھے۔اب ختنہ کرانے کا نمبر بیوی کا ہے)۔اس کی کھال لشکر طیبہ والوں کو دیں گے۔

[ص ۱۸]

❁ چلو رفع رجلین کرو پھر کیا تھا سریرا اور صاحب سریر کی آوازوں سے غرفہ دلہن میں ہنگامہ برپا تھا گویا کہ زلزلہ آ گیا۔

[ص ۴۲]

❁ دلہن کا ہاتھ لحاف کی طرف اٹھتا گیا دیکھتے ہی دیکھتے دونوں لحاف میں گم ہو گئے۔

[ص ۵۵]

❁ پھر دونوں قہقہے لگا کر ہنستے ہنستے ایک راکب اور دوسرا مرکوب ہو گیا۔

[ص ۶۴]

زبان بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجئے دہن بگڑا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

آئینہ کتاب

اٹھارہویں رات

تقلید اور قرآن کریم

اصول تقلید اور کتاب وسنت کا رد

انیسویں رات

عقائد علماء دیوبند

علماء دیوبند مشکل کشا ہیں

قبور سے فیوض

فوت شدگان سے حاجت روائی

بیسویں رات

محاسن فقہ حنفی

حرام کو حلال میں تبدیل کرنا

فقہ حنفی کی سیر

محرمات ابدیہ سے نکاح

حنفی نماز

حنفی ہونے پر ندامت

احوال واقعی

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم............اما بعد

حال ہی میں ایک کتاب بنام ''شادی کی پہلی دس راتیں'' طبع ہوکر بازار پہنچی ہے کتاب کے ٹائیٹل پیج پر مولانا عبدالغنی طارق لدھیانوی رئیس مجلس تحقیقات علمیہ کا نام بالقاب کثیرہ بطور مؤلف مرقوم ہے۔موصوف لدھیانوی جامعہ حمیر اللبنات رحیم یارخاں کے نام سے ایک حنفی تعلیمی ادارہ چلارہے ہیں جس میں قوم کی بچیاں زیر تعلیم ہیں کتاب کیا ہے لدھیانوی کے ذہن کی عکاسی ہے اور پھر نام ہی بڑا کمال ہے جو واقعۃ لدھیانوی جیسے بچیوں کے معلم کے لئے انتہائی مناسب ہے۔

کتاب اول تا آخر احادیث رسول سے استہزاء مسلک حق اہلحدیث پر لعن طعن اور کذب اور افتراء کا مجموعہ ہے گویا کہ اس میں مؤلف نے اس محاورے کہ ''اتنی کثرت سے جھوٹ بولو کہ سچ کا گمان ہونے لگے۔'' کو خوب آزمایا ہے یہ کتاب محض اسی صفحات پر مشتمل ہے جس میں جھوٹ ' اکاذیب اور استہزاء کی سو سے زائد مثالیں ہوں گی۔

حنفی مذہب کے مسائل کو سیکس کے انداز میں حل کرنے کی ایک بھونڈی کوشش ہے۔اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ لدھیانوی اپنی زوجہ کے ساتھ تخلیہ کے لمحات لوگوں کے سامنے رکھنا چاہتا ہے یہ کتاب مؤلف کی بے غیرتی اور دیوثیت کی ایک نوشتہ داستان ہے جس سے اس کا سفلی پن ظاہر ہوتا ہے کسی شریف آدمی کا اس کتاب کا مطالعہ کرنا بڑے حوصلے کی بات ہے کیونکہ یہ مؤلف کے خانہ نہاں کی چغلی کرتی ہے یہ کتاب اس لائق تھی کہ اسے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جاتا مگر چونکہ اس میں بہت سی صحیح احادیث کو نشانہ مشق بنایا گیا ہے۔جن بنا پر احادیث کا دفاع کرنا ضروری تھا۔

ساری کتاب کا انداز شہوانی ہے اور اسی شہوانی مغلوبیت میں مسلک اہل حدیث پر افتراء اور جھوٹ کا ایک طوفان برپا ہے ہم نے اس کا احسن پیرایہ میں رد کیا ہے اور لچر زبان استعمال کرنے سے پوری طرح پرہیز کیا ہے البتہ فقہ کے حوالہ جات نقل کرتے وقت ان عبارات کا وہی ترجمہ کیا ہے جو عربی زبان کے عین مطابق اس ترجمہ میں جو ناگواری ہے وہ فقہ کے متن کی وجہ سے ہے ہماری طرف سے نہیں۔

ہم نے اپنی کتاب کو دو اجزاء میں تقسیم کیا ہے پہلا حصہ موصوف کی کتاب ''شادی کی پہلی دس راتیں'' کا حقیقت کشا رد ہے اور دوسرا جزء گیارہویں رات سے لے کر بیسویں رات تک ہے جس میں ہم نے موصوف کی فقہ کے مستند حوالوں کے ساتھ اصلیت ظاہر کی ہے کہ یہ فقہ کیا ہے اور کیسی تعلیم دیتی ہے؟

چونکہ موصوف نے اپنی کتاب کو مکالمہ کی شکل میں پیش کیا ہے لہذا ہم نے بھی گیارہویں رات سے لے کر بیسویں رات کو مکالمہ کی شکل میں پیش کیا ہے اور مؤلف کے انداز کو ہی اپنایا ہے ہاں اس میں جو لچر انداز ہے صرف اسے نظر انداز کیا ہے۔

موصوف نے تو اپنے ہر مکالمہ میں غلط بیانیوں' افترا پردازیوں سے کام لیا ہے مگر ہم نے وہی کچھ پیش کیا ہے جو ان کی فقہ میں ہے ہمارے پیش کردہ حوالہ جات کی جو شخص تحقیق کرنا چاہے گا اسے وہ ان کی عربی یا مترجم کتب میں باآسانی مل جائیں گے۔

میں عرض کردوں ہمیں اس طرز پر کتاب لکھنے کا قطعا شوق نہیں اگرچہ فقہ حنفی کے نام سے قیل وقال کا جو مجموعہ ہے وہ پہلے بھی ہمارے سامنے ہے ہم اس سے غافل نہیں تھے مگر ہم نے اس کی طرف توجہ نہیں کی اس لئے کہ یہ ان کے گھر کا سامان ہے یہ خود اسے استعمال کریں یا نہ کریں۔ ہمیں کتاب وسنت کی مصفی تعلیم چھوڑ کر اس متعفن ڈھیر ❶ کی طرف جانے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر لدھیانوی صاحب صحیح احادیث پر کیچڑ نہ اچھالتے تو ہم اس موضوع پر اپنے قلم کو حرکت نہ دیتے۔ عبدالغنی طارق لدھیانوی از خود لوگوں کو فقہ کے نام پر متعفن ڈھیر تک لایا ہے لہذا یہ شخص جیسے صحیح احادیث سے استہزاء کرنے کی وجہ سے اللہ اور رسول ﷺ کے ہاں بھی مجرم ہوگا۔ ان شاء اللہ ایسے ہی یہ احناف کے ہاں بھی مجرم ہے کیونکہ اس کی وجہ سے فقہ کی اندرونی کہانی جو محض کتابوں کے اوراق میں مستور تھی طشت از بام ہو گئی ہے۔ مؤلف سے گزارش ہے کہ اپنے جامعہ کی آخری کلاس میں جہاں ہدایہ سے کتاب النکاح اور کتاب الحدود پڑھاتے ہیں وہاں اس کے ساتھ اپنی اس کتاب کو بھی بطور نصاب شامل کرلیں اور پھر اس کی شرح اپنی علاقائی زبان میں کریں تو پھر دیکھیں کیا بنتا ہے طالبات کے جوتے ہوں گے اور لدھیانوی کا سر۔

لدھیانوی کو اس کتاب کا جواب خود اس کی طالبات سے ہی وصول ہو جائے گا۔ (ان شاء اللہ العزیز)

---

❶ واضح رہے کہ ہم نے کلیۃ فقہ حنفی کو متعفن قرار نہیں دیا اس کے وہ مسائل جو منصوص ہیں یعنی ان کی تائید کتاب وسنت سے ہوتی ہے وہ ہمارے سر آنکھوں پر۔ مگر وہ مسائل جو محض قیل وقال کا مجموعہ ہیں جن کی امام صاحب تک سند بھی نہیں ہے بلکہ ان میں اکثر کے قائل کا بھی صحیح علم نہیں اور فطرت سلیمہ پر ان کا پڑھنا یا سننا ناگوار گزرتا ہے انھیں متعفن ڈھیر کہا ہے جیسا کہ ان میں سے چند ایک جھلک قارئین اس کتاب میں بھی پڑھ لیں گے۔ از مؤلف

حنفیت کی ترجیح ثابت کرنے کے لئے ساری عمر ضائع کر دی۔ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی اپنی ایک تقریر میں فرماتے ہیں:

کہ ایک اہم واقعہ آپ کے گوش گزار کر دوں جو اہم بھی ہے اور برکت خیز بھی قادیان میں ہمارا ہر سال جلسہ ہوا کرتا تھا اور سیدی حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب بھی اس میں شرکت فرمایا کرتے تھے' ایک سال اسی جلسہ پر تشریف لائے' میں بھی آپ کے ساتھ تھا ایک صبح نماز فجر کے وقت اندھیرے میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت سر پکڑے ہوئے مغموم بیٹھے ہیں' میں نے پوچھا حضرت کیسا مزاج ہے؟ کہا ہاں ٹھیک ہی ہے میاں مزاج کیا پوچھتے ہو' عمر ضائع کر دی۔

میں نے عرض کیا حضرت آپ کی ساری عمر علم کی خدمت میں' دین کی اشاعت میں گزری ہے' ہزاروں آپ کے شاگرد علماء ہیں مشاہیر ہیں جو آپ سے مستفید ہوئے اور خدمت دین میں لگے ہوئے ہیں' آپ کی عمر اگر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی۔

فرمایا: میں تمہیں صحیح کہتا ہوں' عمر ضائع کر دی۔

میں نے عرض کیا: حضرت بات کیا ہے؟

فرمایا: ہماری عمر کا' ہماری تقریروں کا' ہماری ساری کدوکاوش کا خلاصہ یہ رہا ہے کہ دوسرے مسلک پر حنفیت کی ترجیح قائم کر دیں' امام ابوحنیفہ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں اور دوسرے آئمہ کے مسائل پر آپ کے مسلک کی ترجیح ثابت کریں' یہ رہا ہے محور' ہماری کوششوں کا' تقریروں کا اور علمی زندگی کا۔

اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کی؟ ابوحنیفہ ہماری ترجیح کے محتاج ہیں کہ ہم ان پر کوئی احسان کریں' ان کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام دیا ہے وہ مقام لوگوں سے خود اپنا لوہا منوائے گا' وہ تو ہمارے محتاج نہیں۔ اور امام شافعی' مالک اور امام احمد بن حنبل اور دوسرے مسالک کے فقہاء جن کے مقابلے میں ہم یہ ترجیح قائم کرتے آئے ہیں کیا حاصل ہے اس کا؟ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم زیادہ سے زیادہ اپنے مسلک کو "صواب محتمل الخطاء" (درست مسلک جس میں خطاء کا احتمال موجود ہے) ثابت کر دیں اور دوسرے مسلک کو "خطاء محتمل الصواب" (غلط مسلک جس کے حق ہونے کا

احتمال موجود ہے) کہیں اس سے آگے کوئی نتیجہ نہیں'ان تمام بحثوں' تدقیقات اور تحقیقات کا جن میں ہم مصروف ہیں۔

پھر فرمایا:

ارے میاں !اس کا تو کہیں حشر میں بھی راز نہیں کھلے گا کہ کون سا مسلک صواب تھا اور کون سا خطاء'اجتہادی مسائل صرف یہی نہیں کہ دنیا میں ان کا فیصلہ نہیں ہوسکتا' دنیا مین بھی ہم تمام تر تحقیق وکاوش کے بعد یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ بھی صحیح ہے اور وہ بھی صحیح' یا یہ کہ یہ صحیح ہے' لیکن احتمال موجود ہے کہ یہ خطاء ہو اور وہ خطاء ہے اس احتمال کے ساتھ کہ صواب ہو' دنیا میں تو یہ ہے ہی قبر میں بھی منکر نکیر نہیں پوچھیں گے کہ رفع یدین حق تھا یا ترک رفع یدین حق تھا؟ آمین بالجہر حق تھی یا بالسر حق تھی' برزخ میں بھی اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا اور قبر میں بھی یہ سوال نہیں ہوگا۔''

حضرت شاہ صاحب کے الفاظ یہ تھے۔

''اللہ تعالیٰ شافعی کو رسوا کرے گا نہ ابوحنیفہ کو نہ مالک کو نہ احمد بن حنبل کو' جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے علم کا انعام دیا ہے جن کے ساتھ اپنی مخلوق کے بہت بڑے حصے کو لگا دیتا ہے' جنہوں نے نور ہدایت چار سو پھیلایا ہے جن کی زندگیاں سنت کا نور پھیلانے میں گزاریں۔ اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو رسوا نہیں کرے گا کہ وہاں میدان محشر میں کھڑا کر کے یہ معلوم کرے کہ ابوحنیفہ نے صحیح کہا تھا یا شافعی نے غلط کہا تھا یا اس کے برعکس یہ نہیں ہوگا۔

تو جس چیز کو نہ دنیا میں کہیں نکھرنا ہے نہ برزخ میں، نہ محشر میں،اسی کے پیچھے پڑ کر ہم نے اپنی عمر ضائع کر دی اپنی قوت صرف کر دی اور جو صحیح اسلام کی دعوت تھی مجمع علیہ اور سبھی کے مابین جو مسائل متفقہ تھے اور دین کی جو ضروریات سبھی کے نزدیک اہم تھیں۔ جن کی دعوت انبیاء کرام علیہم السلام لے کر آئے تھے جن کی دعوت کو عام کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا تھا اور وہ منکرات جن کو مٹانے کی کوشش ہم پر فرض کی گئی تھی آج یہ دعوت تو نہیں دی جارہی یہ ضروریات دین تو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہورہی ہیں اور اپنے واغیار ان کے چہرے مسخ کر رہے ہیں اور وہ منکرات جن کو مٹانے میں ہمیں لگے ہونا

چاہیے تھا وہ پھیل رہے ہیں گمراہی پھیل رہی ہے الحاد آرہا ہے۔شرک و بت پرستی چل رہی ہے،حرام وحلال کا امتیاز اٹھ رہا ہے لیکن ہم لگے ہوتے ہیں ان فرعی وفروعی بحثوں میں۔حضرت شاہ صاحب نے فرمایا یوں غمگین بیٹھا ہوں اور محسوس کر رہا ہوں کہ عمر ضائع کردی۔''

[وحدت امت ص۲۹ تا ۳۲]

مولانا گوندلوی فرماتے ہیں:

عبارت مذکورہ کو اگر سرسری نظر سے بھی دیکھا جائے تو یہ واضح ہو جائے گا کہ اکابر دیو بند بطور مقلد اپنی گزشتہ عمر کی بربادی پر اظہار تاسف کرتے ہوئے مقلدین کے لیے ایک واضح راہ متعین کررہے ہیں۔کہ وہ اپنی عمر عزیز کو تقلید کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں ضائع کرنے کی بجائے کتاب وسنت کی ضیا پاشیوں سے منور کرکے اپنی نجات اخروی کا سامان پیدا کریں۔

[شادی کی دوسری دس راتیں ص ۱۲۸]

یہ کتاب دفاع حدیث اکیڈمی پاکستان نے اکتوبر ۲۰۰۸ء میں شائع کی۔صفحات کی تعداد (۱۲۸) ہے۔

باب (٤)

فتاویٰ

مسلمانوں کی اصلاح اور بہتری کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا اور انبیائے کرام کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ وہ لوگوں کو اس بات کا حکم دیں کہ وہ صرف ایک اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں کیونکہ وہ سارے جہانوں کا مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے طریق تبلیغ کی ہدایت فرمائی جس پر کاربند رہ کر امت مسلمہ اپنی گوناگوں خصوصیات کی حفاظت کر سکے گی۔ منجملہ انھیں چیزوں کے لیے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ایک معیار بتا دیا۔ جس پر جانچ کر وہ کھرے اور کھوٹے میں تمیز کر سکتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب کسی مسئلہ میں دشواری پیش آئی تھی تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسئلہ کے حل کی درخواست کرتے تھے۔ آپ ﷺ کبھی تو فوراً جواب دے دیتے یا آپ ﷺ وحی کا انتظار فرماتے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں کوئی آیت نازل کر دیتا۔ یا آپ کے دل میں کوئی بات ڈال دیتا تو آپ اس مسئلے کو حل فرما دیتے۔ یہی چیز ہے جس کے نام کی تصریح قرآن مجید کے اندر استفتاء اور افتاء کے ذریعہ کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ﴾. [النساء: ١٢٧]

''اور آپ سے لوگ عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں۔''

دوسری جگہ فرمایا:

﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾. [النساء: ١٧٦]

''لوگ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجیے کلالہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ تمھیں فتویٰ دیتا ہے۔''

یہاں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ استفتاء اور افتاء کا ماخذ قرآنی لفظ یستفتونك اور یفتکم ہے۔

فتویٰ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

فتویٰ کی اہل علم نے جو مختصر تعریف کی ہے۔

وہ یہ ہے:

’’کسی آدمی کا اسلامی امور کے سلسلے میں کسی ایسا مسلمان عالم سے حل دریافت کرنا۔ جو علوم شرعیہ کے اندر مکمل مہارت اور علوم لغویہ کے اندر مکمل استفادہ کی صلاحیت رکھتا ہوتا کہ وہ مسئلے کی شرعی حیثیت واضح کردے۔‘‘

[حیات ثنائی ص ۵۱۴]

افتاء کی مختصر تاریخ

افتاء کی ابتداء رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک ہی سے شروع ہوگئی تھی چنانچہ کتب حدیث کا عظیم حصہ آپ ﷺ کے فتاوی پر مشتمل ہے عہدی نبوی میں آپ ﷺ کی ذات بابرکات تھی۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ سے فتوی دریافت فرماتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد افتاء کی ذمہ داریاں آپ کے جانشینوں پر عائد ہوئیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد تک فتوی صرف امام وقت اور خلیفہ المسلمین دیتا تھا۔ عہد عثمانی میں جلیل القدر صحابہ کرام کو فتوی دینے کی اجازت ہوگئی تھی۔

فتوں کون دے سکتا ہے

فتوی دینا کوئی آسان کام نہیں بہرحال فتوی وہی عالم دین دے سکتا ہے جس کو تمام علوم اسلامیہ پر عبور حاصل ہو۔ عربی زبان پر بھی قدرت رکھتا ہو۔ اس کا مطالعہ وسیع ہو، جب اس کے سامنے کوئی مسئلہ آئے تو وہ نصوص کتاب وسنت سے اسے حل کرے۔ اگر کوئی صورت حل نہ دکھائی دے تو اسے خبر متواتر اور خبر آحاد پر پیش کرے۔ اگر اس سے بھی نہ ہو تو قیاس کرنے کی بجائے ظاہر کتاب کا رخ کرے۔ اگر بظاہر مماثلت نظر آجائے تو قیاس وخبر کی تخصیصات پر نظر ڈالے۔ اگر کوئی مخصص نہ پائے تو اسی پر فیصلہ صادر کردے۔

[حیات ثنائی ص ۵۲۱]

فتاوی علمائے اہلحدیث

برصغیر (پاک وہند) کے علمائے اہلحدیث نے کئی ایک فتاوی مرتب فرمائے۔ اور سائلین احکام شرع کو کتاب وسنت کی نصوص شرعیہ کی روشنی میں جوابات مرتب فرمائے۔

علمائے اہلحدیث نے جو فتاویٰ مرحمت فرمائے ہیں ان کی ایک اجمالی فہرست پیش خدمت ہے۔

فتاویٰ مولانا سید نواب صدیق حسن خان

۱۔ دلیل الطالب الی ارجح المطالب (فارسی)
۲۔ ہدایۃ السائل الی ادلۃ المسائل (فارسی)
۳۔ فتاویٰ امام المتقین (فارسی)
۴۔ اسئلہ اجوبہ بشاور (فارسی)
۵۔ حل الاسئلہ للمشکلہ (فارسی)
۶۔ الخطیب المنبر یہ (فارسی)

۷۔ فتاویٰ جامع المسائل	مولانا ابوالمعالی محمد علی مئوی
۸۔ فتاویٰ	مولانا حافظ عبداللہ محدث غازی پوری
۹۔ فتاویٰ سعیدیہ	مولانا محمد سعید محدث غازی پوری
۱۰۔ فتاویٰ نذیریہ	مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی
۱۱۔ فتاویٰ ثنائیہ	شیخ الاسلام مولانا ابوالوفاء ثناءاللہ امرتسری
۱۲۔ اسلامی فتاویٰ	مولانا عبدالسلام بستوی
۱۳۔ فتاویٰ اہلحدیث	مولانا حافظ عبداللہ محدث روپڑی
۱۴۔ فتاویٰ غزنویہ	مولانا عبدالجبار غزنوی
۱۵۔ فتاویٰ ستاریہ	مولانا عبدالستار صدری دہلوی
۱۶۔ مجموع الفتاویٰ	مولانا عبدالجبار غزنوی
۱۷۔ مجموعہ فتاویٰ	علامہ حسین بن محسن انصاری الیمانی
۱۸۔ فتاویٰ	مولانا ابوالطیب شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی
۱۹۔ فتاویٰ	مولانا عبدالمجید خادم سوہدروی

(اس کی کمپوزنگ مکمل ہو چکی ہے دیکھیے مولانا مرحوم کے پوتے حکیم محمد ادریس فاروقی صاحب کب اس کو پریس بھیجتے ہیں۔)

۲۰۔ فتاویٰ — مولانا محمد احمد میرپوری

۲۱۔ فتاویٰ اہلحدیث — مولانا علی محمد سعیدی

۲۲۔ فتاویٰ برکاتیہ — مولانا ابوالبرکات احمد مدراسی

۲۳۔ فتاویٰ ثنائیہ مدنیہ — مولانا حافظ ثناء اللہ مدنی

۲۴۔ فتاویٰ — شیخ الحدیث مولانا عبدالستار حماد

۲۵۔ فتاویٰ — مولانا مفتی عبیداللہ عفیف

۲۶۔ فتاویٰ — مولانا حافظ عبدالوہاب روپڑی

۲۷۔ فتاویٰ — مولانا حافظ عبدالمنان نورپوری

۲۸۔ فتاویٰ — مولانا مبشر احمد ربانی

۲۹۔ حضرت العلام مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی، استاد العلماء مولانا عبدالجبار محدث کھنڈیلوی، شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی، رحمہم اللہ اجمعین کے فتاویٰ ہفت روزہ الاعتصام لاہور میں شائع ہوتے رہے ہیں اگر ان کو جمع کیا جائے تو ایک جلد تیار ہوسکتی ہے۔

۳۰۔ فتاویٰ مولانا محمد یحییٰ گوندلوی

مولانا گوندلوی کے فتاویٰ ماہنامہ شمس الہدیٰ ڈسکہ اور بعد میں ماہنامہ تنویر الہدیٰ ڈسکہ میں احکام ومسائل کے عنوان سے شائع ہوتے تھے اور آپ سوال کا جواب قرآن وحدیث کے روشنی میں تفصیل سے دیتے تھے۔اور آپ کے جوابات قرآن وحدیث کے حوالہ سے مزین ہوتے تھے۔

ماہنامہ شمس الہدیٰ اور تنویر الہدیٰ میں جتنے فتاویٰ شائع ہوئے ہیں وہ سب میں نے شامل کر لیے ہیں مولانا عبدالعزیز سیال سوہدروی سے جو فتاویٰ موصول ہوئے ہیں ان کی تعداد (۵۱) ہے اور وہ بالکل مختصر ہیں اب آپ فتاویٰ ملاحظہ فرمائیں۔

احکام ومسائل

سوال: کیا اصحاب کہف کا کتا جنت میں جائے گا؟

جواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ قیامت کے دن ہر ذی روح نے دوبارہ زندہ ہونا ہے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں:

﴿وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ﴾.[التکویر:۵]

''جب وحوش کو اکٹھا کیا جائے گا۔''

وحوش میں ہر قسم کے چار پائے اور درندے شامل ہیں یہی اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن جیسے انسانوں اور جنوں کا حشر ہوگا اسی طرح درندوں اور چار پاؤں کا بھی حشر ہوگا۔

لیکن اس کا یہ حشر عارضی ہوگا تاکہ قصاص لیا جائے اور انصاف کے تقاضے پورے ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوقَ إِلَى أَهْلِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُقَادَ لِلشَّاةِ الْجَلْحَاءِ مِنَ الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ)).

[مسلم،ص۳۲۰ج۲ کتاب البر والصلۃ]

''قیامت کے دن تم لازماً حقوق ان کے اہل والوں کو ادا کرو گے حتی کہ ٹوٹے ہوئے سینگ والی بکری کا سالم سینگ والی بکری سے بدلہ لیا جائے گا۔''

اس حدیث سے یہ تو واضح ہے کہ بہائم اور وحوش کا بھی قیامت کے روز حشر ہوگا، جن سے ایک دوسرے کا قصاص لیا جائے گا لیکن قصاص کے بعد کیا ہوگا اس حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے، البتہ آثار صحابہ کرام واضح کرتے ہیں کہ جب قصاص کا مرحلہ پورا ہو جائے گا تو پھر یہ وحوش اور بہائم مٹی ہو جائیں گے۔

جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((تُحْشَرُ الْوُحُوشُ غَدًا أَيْ تُجْمَعُ حَتَّى يُقْتَصَّ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ فَيُقْتَصَّ لِلْجَمَّاءِ مِنَ الْقَرْنَاءِ ثُمَّ يُقَالُ لَهَا كُونِي تُرَابًا فَتَمُوتَ)).

[تفسیر قرطبی ۱۰/ ۱۹۷]

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی ایک دوسری روایت ہے:

((حَشْرُ الْبَهَائِمِ مَوْتُهَا وَحَشْرُ كُلِّ شَيْءٍ لِلْمَوْتِ غَيْرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ)).

[تفسیر درمنثور ۶/ ۳۱۹]

''وحوش کو قیامت کے دن جمع کیا جائے گا حتی کہ بعض سے بعض کا بدلہ لیا جائے گا ٹوٹے سینگ والی کا صحیح سینگ والی سے قصاص لیا جائے گا پھر ان کو کہا جائے گا کہ تم مٹی ہو جاؤ

ان بہائم کا حشر ہی ان کی موت ہوگی سوائے جن وانس کے باقی تمام کا حشر ان کی موت ہے۔"

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا:

((اِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُدَّتِ الْأَرْضُ مَدَّ الْأَيَّامِ اُحْشِرُ الدَّوَابُّ وَالْبَهَائِمُ وَالْوُحُوْشُ ثُمَّ يُوْضَعُ الْقِصَاصُ بَيْنَهُمَا قِيْلَ لَهَا كُوْنِيْ تُرَابًا)).

[تفسیر قرطبی ۱۰/۱۶۳]

اسی طرح کی روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے وہ فرماتے ہیں:

((يُحْشَرُ الْخَلَائِقُ كُلُّهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الْبَهَائِمِ وَالدَّوَابِّ وَالطَّيْرُ كُلُّ شَيْءٍ فَيَبْلُغُ مِنْ عَدْلِ اللّٰهِ اَنْ يَاْخُذَ بِالْجَلْجَاءِ مِنَ الْقَرْنَاءِ ثُمَّ يَقُوْلُ كُوْنِيْ تُرَابًا)).

[تفسیر در منثور ۶/۲۱۰]

ان تمام آثار کا مفہوم یہ ہے کہ قصاص کے بعد سوائے انسان اور جنوں کے تمام بہائم، دواب اور وحوش دوبارہ مٹی ہو جائیں گے گویا کہ انھوں نے نہ جنت میں جانا ہے اور نہ جہنم میں، اصحاب کہف کا کتا بھی ایک درندہ ہے جس کا قیامت کے دن حشر اس کے ہم جنس دوسرے کتوں کے ساتھ ہوگا جیسے تمام کتے قصاص کا مرحلہ گزر جانے کے بعد مٹی ہو جائیں گے اسی طرح یہ کتا بھی مٹی ہو جائے گا، اس کے استثناء کے لیے کوئی نص اور دلیل موجود نہیں جو کسی طرح بھی دوسرے کتوں کے حکم سے مستثنیٰ نہیں ہے۔

بعض مفسرین نے خالد بن معدان کی طرف یہ قول منسوب کیا ہے:

((لَيْسَ فِي الْجَنَّةِ مِنَ الدَّوَابِّ سِوَى كَلْبِ اَهْلِ الْكَهْفِ وَحِمَارِ الْعُزَيْزِ وَنَاقَةِ صَالِحٍ)).

[تفسیر مظہری ۷/۱۶۲ مترجم وحیاۃ الحیوان ۲/۲۶۲ بحث الکلب]

"چار پاؤں میں سے اصحاب کہف کے کتے عزیر کے گدھے اور صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے علاوہ کوئی جنت میں نہیں جائے گا۔"

یہ بے ثبوت قول ہے جس کی کوئی سند میرے علم میں نہیں ہے اگر بالفرض اس قول کی نسبت اس کے قائل کی طرف درست بھی ہوتی تو تب بھی صحابہ کرام کے مروی مذکورہ بالا آثار کی وجہ سے حجت نہیں

ہوسکتا اس لیے کہ خالد بن معدان تابعی اور تابعی کا قول بغیر دلیل کے حجت نہیں ہے۔ هذا من عندی والله اعلم بالصواب

سوال: فرض نماز کی جماعت کھڑی ہو تو نفل پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: جب فرض نماز کی جماعت کھڑی کی جائے تو اس وقت کسی قسم کی سنتیں یا نفل پڑھنا درست نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا صَلٰوةَ اِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ)).

[البخاری مع فتح الباری ۲/ ۲۴۸، مسلم ۱/ ۲۴۷، ترمذی مع تحفۃ الاحوذی ۲/ ۴۰۵ طبع بیروت]

''جب نماز کھڑی ہو جائے تو پھر صرف فرض نماز ہے۔''

''اقیمت'' کا معنی ہے'' اذا اشرع فی الاقامة ''جب اقامت شروع ہو جائے تو پھر کوئی نماز نہیں اس کی دلیل صحیح ابن حبان کی روایت کے الفاظ ہیں۔

((اِذَا اَخَذَ الْمُؤَذِّنُ فِی اِقَامَةِ الصَّلٰوةِ سَوَاءٌ كَانَتْ رَاتِبَةً اَمْ لَا لِاَنَّ الْمُرَادَ بِالْمَكْتُوْبَةِ الْمَفْرُوْضَةِ)).

[فتح الباری ۲/ ۱۴۹]

اس حدیث میں دلیل ہے کہ اقامت کے شروع ہو جانے کے بعد نفل نماز منع ہے خواہ وہ سنت راتبہ ہوں یا عام نفل۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ اگر فجر کی جماعت کھڑی ہو جائے تو فجر کی سنتیں پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں لیکن یہ خیال غلط ہے اس لیے کہ فجر کی سنتیں بھی نفل ہیں جیسا دوسرے نوافل کا حکم ہے اسی طرح فجر کا بھی وہی حکم ہے بلکہ بعض احادیث میں تو فجر کی سنتوں کے متعلق تصریح موجود ہے صحیح مسلم ۱/ ۲۴۷ میں ہے:

''رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز پڑھا رہے تھے ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اس نے مسجد کے ایک کونے میں کھڑے ہو کر دو رکعتیں پڑھیں اور پھر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز میں شامل ہو گیا رسول اللہ ﷺ نے جب سلام پھیرا تو فرمایا:

((يَا فُلَانُ بِاَيِّ الصَّلَاتَيْنِ اعْتَدَدْتَّ بِصَلٰوتِكَ وَحْدَكَ اَمْ بِصَلٰوتِكَ مَعَنَا)).

''اے فلاں شخص تو نے اپنی دونوں نمازوں میں سے کس نماز کو شمار کیا ہے کیا اس نماز کو جو

تو نے اکیلے پڑھی ہے یا اس نماز کو جو تو ہمارے ساتھ پڑھی ہے۔"

اسی طرح ایک شخص کو دیکھا جو فجر کی اقامت ہو جانے کے بعد سنتیں پڑھ رہا تھا آپ نے فرمایا:

((لَا يُوْشِكُ اَنْ يُّصَلِّيَ اَحَدُكُمُ الصُّبْحَ اَرْبَعًا)). [مسلم ۱/۲۴۷]

"قریب ہے کہ تمھارا ایک صبح کی چار رکعتیں (فرض) پڑھے۔"

ان تمام احادیث سے واضح ہے کہ اقامت شروع ہو جانے کے بعد کسی قسم کی کوئی نفل نماز پڑھنا درست نہیں، نفل نماز پڑھنے والا جس حالت میں بھی ہو تو جب اقامت شروع ہو جائے تو وہ اپنے نماز چھوڑ کر فرض نماز کی جماعت کے ساتھ ملے، اقامت کے بعد جو بھی نفل نماز پڑھی جائے گی وہ نماز نہ پڑھنے کے برابر ہے بعض حضرات بیہقی کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ اِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ اِلَّا رَكْعَتَيِ الصُّبْحِ)).

"جب نماز کھڑی کی جائے تو پھر کوئی نماز نہیں مگر صبح کی دو رکعتیں۔"

یہ روایت انتہا درجے کی نا قابل قبول ہے اس کا راوی عباد بن کثیر بصری متروک ہے امام احمد فرماتے ہیں اس نے جھوٹی روایات روایت کی ہیں یہی وجہ ہے کہ امام بیہقی اس روایت کے بعد فرماتے ہیں اس کی کوئی اصل نہیں۔

[ضعیف اور موضوع روایات ص ۲۵۰]

لہٰذا صحیح احادیث جن میں جماعت کھڑی ہو جانے کی صورت میں نفل پڑھنے کی ممانعت ہے یہ روایات ان کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔

والله اعلم بالصواب

سوال: سوتیلی ماں کی وراثت ایک آدمی نے اپنا پلاٹ بیوی کے نام لگوا دیا مگر اس بیوی سے اس کی کوئی اولاد نہیں بلکہ پہلی بیوی سے اولاد ہے کیا اس اولاد کو اپنی سوتیلی ماں سے کچھ وراثت ملے گی؟

جواب: سوتیلی والدہ کا ترکہ۔صورت مسئولہ کے مطابق جس خاوند نے اپنا پلاٹ بیوی کے نام لگوا دیا تو وہ پلاٹ اب خاوند کی ملکیت نہ رہا بلکہ بیوی کی ملکیت ہو گیا۔سوتیلی والدہ کے ورثہ کی حق دار سوتیلی اولاد نہیں۔لہٰذا اب ان کو اس سے بحیثیت ترکہ کچھ نہیں ملے گا۔والله اعلم بالصواب

سوال: آج کل بھائی اپنی بہنوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنا حصہ وراثت بھائی کے نام لگوائے

ورنہ وہ ناراض ہو جاتے ہیں شرعی اعتبار سے یہ ہبہ کرنا کیسا ہے؟ جبکہ بہنوں کی اپنی اولاد موجود ہو۔

(سائل حبیب الرحمٰن ڈسکہ)

جواب: ترکہ سے بہنوں کا حصہ بھائیوں کو دینا۔ ہمارا معاشرتی مسئلہ بن چکا ہے کہ ورثہ کی تقسیم کے وقت عموماً بیٹوں کے ساتھ بیٹیوں کے حصہ کو بوجھ سمجھا جاتا ہے اور ان کے حصہ کو ہڑپ کرنے کے لیے کئی قسم کے حیلے بہانے تراشے جاتے ہیں جن میں ایک حیلہ زیر بحث سوال میں بھی مذکور ہے۔ کہ اگر بہن نے حصہ لیا تو بھائی ناراض ہو جائے گا۔ واضح رہے کہ شریعت جس طرح والدین کے ترکہ میں بیٹوں کا حصہ مقرر کیا ہے اسی طرح بیٹیوں کا حصہ بھی مقرر کیا ہے۔ اللہ کریم نے وارثوں کے حصوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوْضًا﴾.

[النساء: ۷]

”مردوں کے لیے اس مال سے حصہ ہے جو والدین اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں (اسی طرح) عورتوں کے لیے اس مال سے حصہ ہے جو والدین اور قریبی رشتے دار چھوڑ جائیں خواہ یہ ترکہ تھوڑا ہو یا زیادہ ہر ایک کا طے شدہ حصہ ہے۔“

﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَ اِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَ لِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَهٗ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ فَاِنْ كَانَ لَهٗ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾.

[النساء: ۱۱]

”اللہ تعالیٰ تمھاری اولاد کے بارے میں تاکیداً حکم دیتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہوگا۔ اگر اولاد میں صرف لڑکیاں ہی ہوں اور وہ دو سے زائد ہوں تو ان کا ترکہ سے دو تہائی ہے۔ اور اگر ایک ہی ہو تو اس کا ترکہ نصف حصہ ہے۔ اگر میت کی اولاد بھی

ہو اور والدین بھی تو والدین میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے، اگر میت کی اولاد نہ ہو اور اس کے وارث صرف والدین ہوں تو ماں کا تہائی حصہ ہے اور اگر اس کے بہن بھائی ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ ہے۔ اور یہ تقسیم میت کا قرضہ اور اس کی وصیت ادا کرنے کے بعد ہو گی۔ تم یہ نہیں سمجھ سکتے کہ تمھیں فائدہ پہنچانے کے لحاظ سے تمھارے والدین اور تمھاری اولاد میں سے کون تمھارے قریب تر ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ حصے ہیں یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔"

ان دونوں آیات سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کا بھی جو حصہ مقرر کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علم اور حکمت کے مطابق ہے۔ جس میں نہ خطا ہو سکتی ہے نہ کسی قسم کا ذہول۔ لہٰذا ان حصوں میں کسی ایک کو کسی قسم کی کمی بیشی کرنے کا اختیار نہیں۔ لہٰذا والدین کے ترکہ میں بھائی کا اپنی بہن کے حصہ کو اپنے حق میں کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ اولاد ہونے دونوں آپس میں مساوی ہیں پھر اس پہ ناراضگی کی دھمکی بالکل فضول اور بے معنی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو حصہ لڑکی کو دیا ہے اگر اس لڑکی کا بھائی اس پر ناراض ہوتا ہے تو اس کی کوئی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ شریعت کے حکم بھائی کی ناراضگی سے مقدم ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

سوال: فرض نماز کے بعد لیٹ آنے والے نمازی دوبارہ جماعت کرانا شروع کر دیتے ہیں اور لوگ سنن ادا کر رہے ہوتے ہیں تو کیا ان کی سنن یا نوافل ادا کرنے والوں کی نماز ہو جاتی ہے۔

جواب: فرض جماعت کی موجودگی میں کسی قسم کی نفلی نماز خواہ وہ سنت مؤکدہ ہی ہو، نہیں ہو سکتی۔ رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز اقامت کے وقت ایک شخص کو سنتیں ادا کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

((أَالصُّبْحُ أَرْبَعًا أَالصُّبْحُ أَرْبَعًا)).

[البخاری، کتاب الاذان، ح: ٦٦٣۔ مسلم صلوۃ المسافرین ح: ۱۴۵۹]

"کیا فجر کی نماز چار رکعتیں ہیں۔"

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا صَلَاةَ اِلَّا الْمَكْتُوْبَةُ)).

[مسلم، صلاۃ المسافرین ح: ۱۶۴۴]

اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی مسجد میں فرض نماز کی دوبارہ جماعت ہوسکتی ہے لیکن اس کے کچھ تقاضے ہیں جن کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

❶ دوسری جماعت اتفاقاً ہو عادتاً نہ ہو۔

❷ پہلی جماعت میں شامل ہونے والوں کا خیال رکھنا چاہیے کہ ایسی جگہ جماعت کھڑی کی جائے جو نماز پڑھ چکے ہوں ان کے واپس جانے میں کوئی رکاوٹ نہ بنیں۔

❸ اور اہم صورت یہ ہے جو اس سوال میں مذکور ہے کہ اگر پہلی جماعت میں شامل حضرات فرض نماز کے بعد نوافل ادا کر رہے ہیں جب تک وہ فارغ نہ ہو جائیں۔ دوسری جماعت کھڑی نہیں کرنی چاہیے۔ اس لیے کہ فرض جماعت کی وجہ سے اس کی سنتیں وغیرہ بے کار ٹھہریں گے جیسا کہ اوپر احادیث صحیحہ میں ذکر ہو چکا ہے۔ جو ان کے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہے۔ لہٰذا دوسری جماعت کھڑی کرنے والوں پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ پہلے آنے والے حضرات کا پوری طرح خیال رکھیں۔ واللہ اعلم بالصواب

سوال: مسجد و مدرسہ کے لیے جب تعاون کی اپیل کی جاتی ہے تو بلا امتیاز لوگ چندہ دیتے ہیں ان میں سودی کاروبار کرنے والے بھی ہوتے ہیں ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟

جواب: مسجد اور دینی مدارس عبادتگاہیں بھی ہیں اور تعلیم و تربیت کے مراکز بھی ہیں جن میں حرام کے مال کا صرف جائز نہیں ہے نبی ﷺ فرماتے ہیں:

((اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ يُحِبُّ الطَّيِّبَ)).[مسلم]

''بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاکیزگی کو پسند فرماتا ہے۔''

سود کا مال حرام ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾.[البقرة: ٢٧٥]

''اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا ہے اور بیع کو حلال۔''

لہٰذا سود کی رقم کسی بھی اسلامی مصرف میں جائز نہیں۔ البتہ سوال یہ صورت کہ عام اپیل کے وقت اگر کوئی سود کی رقم دے دیتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے۔ بظاہر یہ صورت مذکورہ حکم سے مستثنیٰ ہے اس لیے کہ عام اپیل میں چونکہ علم نہیں ہوتا کہ معطی (دینے والا) چیز میں کس قسم کا مال دے رہا ہے آیا وہ اصل مال ہے یا سودی لہٰذا اسے حکم عام کے تحت ہی سمجھا جائے گا کیونکہ شریعت نے کریدنے کا حکم نہیں دیا۔

بلکہ ظاہری صورت پر حکم لگایا ہے البتہ اگر علم ہو کہ فلاں شخص نے صرف سود کی رقم ہی چندہ میں دینی ہے تو پھر اس سے چندہ لے کر مسجد اور مدرسہ میں صرف نہیں کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم بالصواب

سوال: ایک آدمی نے بیرون ملک جانے کے لیے ایجنٹ سے رابطہ کیا۔ تو ایجنٹ نے اسے ایک عیسائی خاتون کا خود کو ظاہر کر کے کاغذات کی تیاری کا کہا۔ بندہ نے اپنے کاغذات میں اپنے آپ کو عیسائی ظاہر کیا لیکن اس کے باوجود بیرون ملک نہ جا سکا۔ وہ اپنے اس فعل پر نادم ہے اللہ سے اس کی معافی چاہتا ہے کیا ایسے شخص کے لیے شریعت نے کوئی کفارہ تو تجویز نہیں کیا۔ سائل محمد عمران بن محمد اصغر ڈسکہ

جواب: موجودہ عیسائیت کفر کی بدترین صورت ہے کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ خود کو عیسائی ظاہر کر کے غیر ملک کا ویزہ حاصل کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ حَلَفَ عَلٰی مِلَّةٍ غَیْرِ الْإِسْلَامِ فَهُوَ كَمَا قَالَ)).

[بخاری، کتاب الادب، ح: ۶۰۴۷۔ مسلم، کتاب الایمان، ح: ۳۰۲]

اگر اس نے مسیحیت کو قبول کیا تھا تو اس کے مرتد ہونے میں کوئی شک نہیں وہ عملی طور پر تو مسلمان تھا لیکن اس نے اپنے آپ کو ظاہری طور پر عیسائی ظاہر کیا تھا تو تب بھی کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوا ہے۔ جس کا حل توبہ نصوح (پکی توبہ) ہے کسی قسم کا کفارہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

سوال: مدینہ منورہ میں کتنے دن قیام ضروری ہے اکثر لوگ آٹھ دن ٹھہرنا ضروری سمجھتے ہیں اور چالیس نمازیں پوری کرتے ہیں۔

جواب: مدینہ منورہ حرم نبوی ہے جس کے فضائل میں متواتر احادیث منقول ہیں اور اس میں سکونت اختیار کرنے کی متفق علیہ احادیث ہیں لیکن اس کے باوجود زیارت مدینہ اور اس میں قیام مناسک حج میں شامل نہیں ہے۔ اگر کوئی حاجی تکمیل مناسک کے بعد مدینہ منورہ کی زیارت کے بغیر لوٹ آتا ہے تو اس کا حج درست ہے بنابریں حاجی حسب وقت اور برائے آرام جتنے دن بھی ٹھہر سکتا ہے اس پر کوئی قید اور پابندی نہیں اور اسے مدینہ میں قیام کے لیے زیادہ وقت میسر ہے تو وہ اپنی مرضی سے چاہے جتنے دن وہاں رہ لے اور اگر وقت میں تنگی ہے تو ایک دن بھی ٹھہرنے کے لیے کافی ہے کیونکہ دوران حج مدینہ میں قیام کرنا حج کی شرط نہیں ہے۔ بعض حضرات اس کی شرط کے قائل ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ اگر مدینہ کی زیارت نہ کی جائے تو یہ جفا اور ظلم ہے وہ اپنے موقف میں

ابن عمرو رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ حَجَّ الْبَیْتَ لَمْ یَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ)).

''جو شخص بیت اللہ کا حج کرے اور میری قبر کی زیارت نہ کرے اس نے مجھ پر ظلم کیا۔''

لیکن یہ روایت من گھڑت ہے جو رسول اللہ ﷺ کی طرف ناحق منسوب کی گئی ہے اللہ کے رسول ﷺ اس حدیث کے بیان کرنے سے بری الذمہ ہیں اس روایت کو محمد بن محمد بن لقمان نے گھڑ کر جناب رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

[کتاب الموضوعات ۲/ ۱۲۸]

تفصیل کے لیے راقم الحروف کی کتاب ضعیف اور موضوع روایات حدیث نمبر ۱۵۶۰ طبع ثانی ملاحظہ ہو۔

سوال کا دوسرا حصہ ہے مسجد نبوی میں چالیس نمازیں پڑھنے کا اس میں کوئی شک نہیں کہ بیت اللہ کے بعد مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی بہت زیادہ فضیلت ہے جس کے بارے میں متواتر احادیث ہیں جن میں حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ مسجد نبوی میں نماز دوسری مساجد میں نماز کے مقابلہ میں ایک ہزار نماز سے افضل ہے لیکن اس میں چالیس نمازوں کے پڑھنے کی تحدید اور وہ بھی حج کے موقع پر جیسا کہ عام لوگ سمجھتے ہیں راقم الحروف کے نزدیک کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے جو اس کے قائل ہیں وہ جناب انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ صَلّٰی فِیْ مَسْجِدِیْ اَرْبَعِیْنَ صَلٰوۃً لَایَفُوْتُہٗ صَلٰوۃٌ کُتِبَتْ لَہٗ بَرَاءَۃٌ مِنَ النَّارِ وَنَجَاۃٌ مِنَ الْعَذَابِ مِنَ النِّفَاقِ)).

[مسند احمد ۳/ ۱۵۵۔ المعجم الاوسط للطبرانی ۶/ ۲۱۱]

''جس شخص نے میری مسجد میں چالیس نمازیں پڑھیں اس سے کوئی نماز فوت نہ ہوئی تو اس کے لیے آگ سے خلاصی، عذاب سے نجات اور نفاق سے برأت لکھ دی جاتی ہے۔''

اولاً یہ روایت ضعیف ہے امام طبرانی اس کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

(لم یرو ھذا الحدیث عن انس الا نبیط بن عمر تفرد بہ عبدالرحمن ابن

ابی الرجال....).

[الاوسط ۶/۲۱۲]

'''انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نبیط نے روایت کی ہے اور نبیط سے صرف عبدالرحمٰن بن ابی الرجال نے جس کا معنی یہ ہے کہ نبیط ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت صرف نبیط نے اور پھر اس سے صرف ابن ابی الرجال نے روایت کی ہے اور نبیط غیر معروف ہے۔''

علامہ البانی فرماتے ہیں:

(هذا سند ضعيف نبيط هذا لا يعرف الا فى هذا الحديث).

''یہ سند ضعیف ہے نبیط کا تذکرہ صرف اسی حدیث میں ہے۔''

اس روایت کے بارے میں الترغیب والترہیب ۲/۱۷ میں لکھا ہے اس کے راوی صحیح کے راوی اور علامہ ہیثمی نے کتاب مجمع الزوائد ۴/۸ میں رجالہ ثقات لکھا ہے۔ تو علامہ البانی فرماتے ہیں یہ درست نہیں۔ منذری کا اس روایت کے راویوں کو صحیح کے راوی کہنا بڑا واضح وہم ہے اس لیے کہ نبیط صحیحین کا تو کجا صحاح ستہ کی باقی چاروں کتابوں کا راوی بھی نہیں ہے۔ رہا ہیثمی کا قول کہ اس کے راوی ثقہ ہیں درست نہیں اس لیے کہ نبیط کو صرف ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے اور ان کا مجہول راویوں کی توثیق میں قاعدہ معروف ہے۔ علامہ ہیثمی نے بھی ابن حبان کے قول پر اعتماد کیا ہے۔

[الضعیفہ ۱/۲۶۶]

الغرض یہ روایت نبیط کے غیر معروف ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے جو قابل حجت نہیں۔ اس روایت میں حج کا ذکر نہیں ہے بلکہ عام حکم ہے لہٰذا اس روایت کو حج کے ساتھ منسلک کیا جا سکتا۔ الغرض تو مدینہ منورہ میں قیام کی کوئی حد مقرر ہے اور نہ مسجد نبوی میں چالیس نمازوں کے پڑھنے کا کوئی تعین ہے۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

سوال: احرام کہاں سے باندھا جائے حج یا عمرہ کرنے والا احرام کہاں سے باندھے۔ ہوائی سفر میں یلملم کا تعین مشکل ہے کئی دفعہ جہاز میں اعلان بھی نہیں ہوتا؟

جواب: حق یہی ہے کہ مقرر میقات سے احرام باندھا جائے ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَقَّتَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ ذَا الْحُلَيْفَةِ، وَلِأَهْلِ الشَّامِ الْجُحْفَةَ، وَلِأَهْلِ نَجْدٍ قَرْنَ الْمَنَازِلِ، وَلِأَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ، هُنَّ لَهُنَّ وَلِمَنْ أَتَى

عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِهِنَّ، مِمَّنْ أَرَادَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ)).

[البخاری، کتاب الحج، ح:۱۵۲۴]

''رسول اللہ ﷺ نے اہل مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ۔ اہل شام کے لیے جحفہ، اہل نجد کے لیے قرن المنازل اوراہل یمن کے لیے یلملم میقات مقرر کیے یہ ان کے لیے ہیں جو وہاں کے رہنے والے اوران لوگوں کے لیے ہیں جوان میقات سے گزرے خواہ وہ حج کا ارادہ رکھتا ہو یا عمرہ کا۔''

اس حدیث سے واضح ہوا کہ احرام مقرر میقات سے ہی باندھنا چاہیے صورت مسئولہ میں جوفکر خدشہ کیا گیا ہے کہ میقات سے حرام باندھنا مشکل ہے تو ایسی صورت میں یہ ہونا چاہیئے کہ طیارہ پر سوار ہونے سے پہلے احرام کی تیاری کر لینی چاہیے کہ احرام کی نیت سے غسل وغیرہ اورتہمید باندھ لی جائے اور جب طیارہ سے میقات کے گزرنے کا اعلان ہوتو کندے پر چادر رکھ کر احرام کا تلبیہ کہا جائے اس لیے کہ پاکستان سے جو بھی طیارے جدہ جاتے ہیں ان میں باقاعدہ میقات پر سے گزرنے سے پہلے اعلان ہوتا ہے اورمیقات پر پہنچنے سے پہلے سرخ بتی جلادی جاتی ہے اگر بالفرض ایسے نہ ہوتو جہاز کے عملہ سے دریافت کیا جاسکتا ہے وہ اس کی پوری رہنمائی کر دیتا ہے اگر یہ تمام صورتیں ممکن نہ ہوں تو پھر مجبوری کے پیش نظر میقات سے قبل احرام باندھنا درست ہے ابن المنذر فرماتے ہیں:

(اجمع أهل العلم على ان من احرام قبل الميقات انه محرم).

[الفقہ السنہ ۱/ ۵۸۰]

''تمام علماء کا اجماع ہے کہ جوشخص میقات سے پہلے احرام باندھا جائے۔''

اوراس کے لیے عذر تراشنے سے احتراز کیا جائے اور ناممکنہ صورت میں آکر کوئی شخص میقات سے پہلے بھی باندھ لیتا ہے تو ان شاء اللہ اس کا احرام درست ہوگا۔ هذا ما عندي والله اعلم بالصواب

سوال: تلبیہ کہاں سے پکارے اورکب تک؟

جواب: احرام باندھنے والے جب احرام باندھنے سے فارغ ہوجائے اورسواری پرسوار ہوجائے تو تلبیہ شروع کرے صحیحین میں ہے ابن عمر فرماتے ہیں:

((كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا أَدْخَلَ رِجْلَهُ فِي الْغَرْزِ وَاسْتَوَتْ بِهِ نَاقَتُهُ قَائِمَةً،

أَهَلَّ مِنْ عِندِ مَسْجِدِ ذِی الْحُلَیْفَةِ)) .

''رسول اللہ ﷺ جب سواری پر بیٹھ جاتے اورآپ ﷺ کی سواری سیدھی کھڑی ہوجاتی (ایک حدیث کے لفظ ہیں آپ کی سواری آپ کو لے کر کھڑی ہو جاتی) تو آپ ﷺ مسجد ذوالحلیفہ کے قریب تلبیہ سے آواز بلند کرتے۔''

تلبیہ جمرہ عقبہ کی کنکریاں پھینکنے تک جاری رکھنا چاہیے ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے فضل بن عباس کو سوار پر اپنے پیچھے سوار کیا تو انھوں نے فرمایا:

((لَمْ یَزَلِ النَّبِیُّ ﷺ یُلَبِّیْ فی روایة عنه: حَتّٰی رَمٰی جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ)).

[البخاری، کتاب الحج، ح:۱۵۴۴ مع فتح الباری ۲/۵۳۲]

''رسول اللہ ﷺ تلبیہ کہتے رہے حتیٰ کہ آپ نے جمرہ عقبہ کی کنکریاں پھینک لیں۔''

ایک دوسری روایت میں ہے فضل بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((اَفَضْتُ مَعَ النَّبِیِّ ﷺ فِیْ عَرَفَاتٍ فَلَمْ یَزَلْ یُلَبِّیْ حَتّٰی رَمٰی جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ یُکَبِّرُ مَعَ کُلِّ حَصَاةٍ ثُمَّ قَطَعَ التَّلْبِیَةَ مَعَ آخِرِهَا حَصَاةً)).

[ابن خزیمه: ٤/٢٨٢]

''نبی اکرم ﷺ تلبیہ کہتے رہے حتیٰ کہ آپ نے جمرہ عقبہ کیا آخری کنکری پھینک دی۔''

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ابن خزیمہ نے فرمایا: یہ حدیث صحیح ہے اور مجمل روایات کی تفسیر ہے معنی اس کا یہ ہے کہ آپ کنکریاں پھینکتے رہے حتیٰ کہ ان کا پھینکنا مکمل ہوگیا۔

[فتح الباری: ۳/۵۳۳]

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حاجی کو جمرہ عقبہ کی کنکریاں پھینکنے تک تلبیہ جاری رکھنا چاہیے۔اور اسے منقطع نہیں کرنا چاہئے۔ هذا ما عندی والله اعلم بالصواب

سوال: قبروں کے پاس کیا پڑھنا چاہیے؟ رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کے پاس کیا پڑھنا چاہیے؟

جواب: صرف مسنون درود وسلام پڑھنا چاہیے اس کے علاوہ صحابہ کرام سے کچھ ثابت نہیں۔هذا ما عندی والله اعلم بالصواب

سوال: قبر رسول کی طرف منہ کر کے دعا کرنا۔ کیا رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کی طرف منہ کر کے دعا کر سکتے ہیں اس کے علاوہ عام قبرستان میں جا کر دعا میں اپنا رخ قبروں کی طرف کرنا چاہیے یا قبلہ کی طرف؟

جواب: اولاً: بلاشبہ اہل قبور کے لیے استغفار کرنا اوران کے لئے فتنہ قبر سے محفوظ رہنے کی دعا کرنا ثابت ہے لیکن کسی قبر کی طرف منہ کر کے دعا کرنا جس سے دعا کرنے والے کی نیت قبولیت دعا کی ہو خالص بدعت بلکہ شرک ہے اس لئے کہ ایسا کرنے سے قبر کی حیثیت قبلہ کی سمجھی جائے گی اور دعا کی قبولیت کا ذریعہ اور سبب خیال کیا جائے گا جو صریحا ظلم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین سے قطعا ثابت نہیں کہ وہ قبر مبارک کی طرف منہ کر کے دعا کرتے تھے۔ اس لئے قبر مبارک یا کسی قبر کی طرف منہ کر کے دعا کرنا جائز نہیں۔

ثانیاً! دعا کے لئے اگرچہ قبلہ رخ ہونا شرط نہیں لیکن رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ آپ دعا کرتے وقت اکثر قبلہ کی طرف منہ کرتے جیسا کہ بدر کے موقع پر اسی طرح استسقاء کے لئے دعا کرتے وقت۔

[بخاری مع فتح الباری:۱۱/۱۴۴]

مکہ میں جب مشرکین کے خلاف دعا کی تو اس وقت بھی آپ ﷺ نے اپنا چہرہ انور قبلہ کی طرف کیا ہوا تھا۔ اس طرح آپ ﷺ نے جناب عبداللہ ذوالجادین کو جب دفن کیا تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا:

((فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ دَفْنِهِ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ رَافِعًا يَدَيْهِ)).

[فتح الباری:۱۱/۱۴۴]

''تو آپ ﷺ نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور ہاتھ اٹھائے۔''

یہ حدیث واضح ہے کہ قبرستان میں بھی دعا قبلہ رخ ہو کر کرنی چاہیے۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

سوال: نماز ظہر اور عصر میں امام کے پیچھے مقتدی قرات کر سکتا ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث سے وضاحت فرمائیں۔

جواب: مقتدی کو امام کے پیچھے صرف ایک صورت میں قرات کی ممانعت ہے جب امام جہری قرات کر رہا ہو۔ صورت فاتحہ تو ہر صورت میں مقتدی پر پڑھنی فرض ہے۔ اس کے بغیر نماز نہیں

ہوتی۔نماز ظہر اور عصر میں چونکہ قرات سری ہوتی ہے اس لئے مقتدی کو ان دونوں نمازوں میں قرات کرنا ضروری ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَقْرَءُ وْا بِشَیْءٍ مِنَ الْقُرْآنِ اِذَا جَهَرْتُ اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْآنِ)).

[ابوداؤد وسندہ صحیح]

''جب میں جہری آواز سے قرات کر رہا ہوں تو تم صرف سورت فاتحہ پڑھو۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سری نماز میں مقتدی کو امام کے پیچھے قرات کرنی چاہیے۔ **ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب**

سوال: مقتدی جب نماز کی دوسری یا تیسری رکعت میں شامل ہو تو وہ پہلی رکعت شمار کرے یا امام کی رکعت کے مطابق شمار کرے' نیز مقتدی اپنی باقی نماز کی رکعت سبحانک اللہ سے شروع کرے یا الحمد للہ سے۔

جواب: بعض حضرات کے نزدیک مسبوق (بعد میں جماعت کے ساتھ ملنے والا) کی بھی وہی رکعت ہوگی جو امام کی رکعت ہے۔لیکن اس پر کوئی دلیل نہیں۔صحیح یہی ہے کہ مسبوق جس رکعت میں ملے گا وہی اس کی پہلی رکعت ہوگی۔امام کی خواہ وہ دوسری' تیسری یا چوتھی رکعت ہو۔اس کی دلیل یہ کہ غزوہ تبوک میں ایک روز رسول اللہ ﷺ فجر کے وقت قضائے حاجت کے لئے نکلے تو واپس آتے آتے تاخیر ہوگئی جس پر جناب عبدالرحمٰن بن عوف نے نماز پڑھائی۔رسول اللہ ﷺ جب واپس تشریف لائے تو ایک رکعت ہو چکی تھی۔اور امام دوسری رکعت میں تھا تو رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد دوسری رکعت ادا فرمائی۔حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

((فَصَلّٰی مَعَ النَّاسِ الرَّكْعَةَ الْاٰخِيْرَةَ فَلَمَّا سَلَّمَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُتِمُّ صَلٰوتَهٗ)).

[البخاری]

''رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کے ساتھ دوسری رکعت پڑھی جب عبدالرحمٰن نے سلام پھیرا تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور اپنی نماز پوری کی۔''

اس سے واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو رکعت جماعت کے ساتھ پڑھی تھی وہ آپ کی پہلی

رکعت تھی اور جو سلام پھیرنے کے بعد اکیلے کھڑے ہو کر پڑھی تھی وہ نماز کی تکمیل یعنی دوسری رکعت تھی۔

نماز چونکہ ایک باترتیب عمل ہے جس کی ترتیب کو بغیر نص کے بدلنا جائز نہیں۔ اور کوئی ایسی دلیل نہیں کہ جس سے واضح ہوتا ہو کہ مسبوق اپنی نماز کی ترتیب بدل دے۔ لہذا مقتدی سلام پھرنے کے بعد اپنی نماز پوری کرے گا تو اس میں ثناء پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

سوال: کیا عورت غسل جنابت سے پہلے حالت جنابت میں اپنے بچے کو دودھ پلاسکتی ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

جواب: ہاں عورت حالت جنابت میں بچے کو دودھ پلاسکتی ہے۔ اس لئے کہ اس کے منع کرنے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عورت چونکہ اس حالت میں ناپاک ہوتی ہے اس لئے دودھ نہیں پلاسکتی۔ تو یہ واضح رہے کہ یہ خیال درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ جنابت کی نجاست حقیقی نہیں بلکہ حکمی ہے۔ جو صرف نماز پڑھنے سے منع کرتی ہے۔ باقی تمام امور میں اس کا حکم نجاست کا نہیں ہے۔ متفق علیہ حدیث میں ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دفعہ ایسے ہوا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا تو میں جنبی تھا۔ میں آپ ﷺ سے چھپ گیا جب میں دوبارہ آیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تو کہاں چلا گیا تھا؟ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواباً عرض کیا اللہ کے رسول ﷺ میں جنبی تھا تو میں نے پسند نہ کیا کہ میں طہارت (غسل) کے بغیر آپ ﷺ کے ساتھ بیٹھوں۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا:

((سُبْحَانَ اللّٰہِ اِنَّ الْمُسْلِمَ لَا یَنْجُسُ)).

[بخاری، ۱/۳۳۳۔ مسلم ۱/۲۸۲ بیروت]

''اللہ پاک ہے یقیناً مسلمان ناپاک نہیں ہوتا۔''

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مسلمان کسی بھی حالت میں نجس نہیں ہوتا۔ لہذا دودھ پلانے میں کوئی شرعی امر مانع نہیں ہے۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

سوال: درود ابراہیمی پڑھتے وقت جب قاری ''اللھم صل علی محمد'' پڑھے تو کیا اسے صلی اللہ علیہ وسلم کہنا چاہیے؟

جواب: درود ابراہیمی بذات خود مستقل درود ہے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے عرض کیا

کہ (کیف نصلی علیك) کہ ہم آپ پر کیسے صلوۃ (درود) بھیجیں؟ تو آپ ﷺ نے درود ابراہیمی کی تعلیم فرمائی تھی۔

[بخاری ومسلم]

لہٰذا اس درود کے پڑھتے وقت اسم محمد ﷺ پر صلی اللہ علیہ وسلم کہنے کی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ اس کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثبوت نہیں ہے۔ محدثین کرام نے کتب حدیث میں اسم مبارک پر ہر جگہ تقریباً صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے کا اہتمام کیا ہے لیکن جس محدث نے درود ابراہیمی میں وارد اسم مبارک پر صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے کا اہتمام نہیں کیا۔ ویسے بھی یہ ''ادخال الشیء فی الشیء من جنسہ'' کے زمرہ میں آئے گا۔ جب مناسب نہیں اور پھر درود ابراہیمی بذات خود ہر اعتبار سے کافی، وافی، شافی ہے جس کے ہوتے کسی دوسری صلوۃ کی ضرورت نہیں۔ هذا ما عندی والله اعلم بالصواب

سوال: جمعہ کے روز زوال کا حکم کیا ہے؟

جواب: مستند وصحیح احادیث میں ہے کہ نصف النہار سایہ کے ڈھلنے سے پہلے نماز پڑھنے کی ممانعت ہے ان احادیث کو بعض علماء نے عموم پر مستقل ہونے کی بناء پر جمعہ کو بھی عام ایام کے حکم میں سمجھا ہے۔ ان کے خیال کے مطابق جمعہ کے روز بھی زوال کا بھی یہی حکم ہے جو عام دنوں میں ہے۔ لہٰذا جمعہ کے روز بھی نصف النہار نماز پڑھنی جائز نہیں ہے لیکن بہت سے علماء کرام جن میں بعض نامور تابعین اور امام شافعی بھی ہیں ان کا خیال ہے کہ جمعہ کا دن اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ اس دن نصف النہار قبل از زوال نماز جائز ہے اس لیے ایسے دلائل موجود ہیں جو اس دن میں زوال کے حکم کو مستثنیٰ کرتے ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص جمعہ کے دن غسل کر کے خوشبو لگائے اور پھر مسجد کی طرف آئے تو دو کے درمیان تفریق نہ ڈالے پھر نماز پڑھے جو اس کے مقدر میں ہے۔''

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس روایت میں ہے کہ جو شخص جمعہ کے لیے اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ امام کے منبر پر (بیٹھنے) سے قبل نماز پڑھے۔ اس حدیث میں نمازی کو نماز کے پڑھنے سے امام کی آمد نے منع کیا ہے نصف النہار کے وقت نماز سے منع نہیں کیا۔''

[زاد المعاد ۱/۱۰۱ ملخصاً]

اس کے قریب قریب حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی اس حدیث کی شرح کی ہے۔فرماتے ہیں:

''نماز سے منع کرنے والی چیز امام کی آمد ہے۔''

[التلخیص ۱/۱۸۹]

حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں:

(النهى عن الصلوة عند استواء الشمس صحيح وخص منه يوم الجمعة بما روى من العمل الذى لا يكون مثله الا توفيقا و بالخير المذكور ايضا و بقى سائر الايام موقوفه على النهى).

[التمہید ۴/۱۹]

''جب سورج (سر کے اوپر) برابر ہو تو اس وقت نماز پڑھنے کی ممانعت درست ہے کہ اس وقت نماز نہیں پڑھنی چاہیے ہاں البتہ جمعہ کا دن اس ممانعت سے خاص ہے جس کی دلیل کا عمل ہے اور اس جیسا عمل توفیقی ہوتا ہے اور مذکورہ حدیث کی وجہ سے بھی (جمعہ کا حکم خاص ہے) باقی تمام دن ممانعت پر موقوف ہیں۔''

حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے عمل صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف جو اشارہ کیا ہے وہ یہ ہے ثعلبہ بن ابی مالک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں:

(انهم كانوا يصلون نصف النهار يوم الجمعة).

[التمہید ۴/۱۱۹ التلخیص ۱/۱۸۹]

''عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمعہ کے روز نصف النہار کے وقت نماز پڑھتے تھے۔''

ان نصوص سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جمعہ کے روز نصف النہار قبل از زوال نماز جائز ہے۔

هذا ما عندى والله اعلم بالصواب

سوال: بیت اللہ میں زوال کیا حکم ہے؟

جواب: بیت اللہ میں زوال کا حکم نہیں ہے بلکہ وہ مستثنیٰ ہے جس کی دلیل صحیح حدیث ہے کہ جناب جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

(يَا بَنِىْ عَبْدِ مَنَافٍ لَا تَمْنَعُوْا اَحَدًا طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ وَصَلّٰى اَيَّةَ سَاعَةٍ مِنْ لَيْلٍ وَنَهَارٍ).

[ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، مسند شافعی ۱/۲۷۳]

"اے عبد مناف کی اولاد! تم کسی ایک کو بیت اللہ کے طواف اور اس میں نماز پڑھنے سے رات اور دن کی کسی گھڑی اور وقت میں نہ روکو۔"

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

[المستدرک حاکم مع التلخیص ۱/ ۴۴۸]

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

سوال: کیا رہن شدہ چیز سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے؟ گروی زمین سے فائدہ اٹھانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الظهر يركب بنفقته اذا كان مرهونا ولبن الدر يشرب بنفقته اذا كان مرهونا وعلى الذي يركب ويشرب نفقته)).

[بخاری مع فتح الباری ۵/۱۴۳]

"گروی چارپائے پر سواری کی جا سکتی ہے اور گروی شدہ چارپائے کا دودھ پیا جا سکتا ہے جس نے سواری کرنی ہے یا دودھ پینا ہے خرچہ اس کے ذمہ ہے۔"

دوسری حدیث میں ہے:

((الرهن يركب بنفقته ويشرب لبن الدر اذا كان مرهونا)). [ایضا]

یہ حدیث محکم ہے میرے علم میں کوئی حدیث نہیں جو صحت میں اس کے مثل ہو۔ اور اس کی معارض ہو اور گروی چیز سے فائدہ اٹھانے سے منع کرتی ہو۔ ہاں البتہ زمین کے بارے میں سخت اختلاف ہے جمہور ائمہ اس کے حق میں نہیں وہ اسے ربا سمجھتے ہیں۔ لیکن راقم الحروف کے نزدیک زمین سے انتفاع کے منع پر کوئی واضح دلیل نہیں ہے لہذا مذکورہ رخصت والی روایت میں زمین بھی شامل ہے۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

سوال: شعر بلغ العلی بکمالہ درست ہے۔

جواب: بلغ العلی بکمالہ — کشف الدجی بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ — صلوا علیہ وآلہ

شیخ سعدی شیرازی کا کلام ہے۔ پہلا شعر بلغ العلی بکماله ، کشف الدجی بجماله مضموناً درست نہیں۔ نبی بلندیوں تک اپنے کمال سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب اور منصب نبوت سے پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَنْ نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾.

[الشوریٰ:۵۲]

دوسرے مقام پر ہے:

﴿وَإِنْ كُنتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ﴾.

اور فرمایا:

﴿وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى﴾.

یہ آیات اور اس مضمون کے متعلقہ دیگر آیات سے واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جو تمام انسانوں پر کمال حاصل ہے وہ آپ ﷺ کے منصب نبوت کی بناء پر ہے آپ ﷺ نے کائنات کو اسی نور نبوت سے منور کیا ہے۔ هذا ما عندی والله اعلم بالصواب

سوال: کیا جن شکل بدلتے ہیں اور کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟

جواب: علماء کام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا جن اپنی صورت کو مختلف صورتوں میں بدل سکتے ہیں یا نہیں۔ بہت سے علماء کا خیال ہے کہ یہ صورت بدل سکتے ہیں۔ اور اس پر متواتر اخبار ہیں کہ جن نے مختلف صورتیں بدلی ہیں لیکن علماء کا ایک گروہ ہے کہ وہ کہتے ہیں وہ محض تخیل ہے کوئی اپنی اصلی صورت سے دوسری صورت میں منتقل نہیں ہو سکتا۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ شکل تبدیل کر سکتے ہیں۔ لیکن اپنے اختیار سے نہیں بلکہ یہ ایسے منتقل ہوتے ہیں جیسا کہ جادو کے تخیل سے صورت بدل جاتی ہے۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابن ابی شیبہ نے صحیح سند سے روایت کی ہے کہ امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

(ان احدا لا يستطيع ان يتحول عن صورته التى خلقه الله عليها ولكن لهم سحرة كسحرتكم).

[فتح الباری ۶/۳۴۴]

''کوئی ایک اپنی صورت جس پر اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا ہے بدلنے کی طاقت نہیں رکھتا۔لیکن ان میں بھی جادوگر ہیں جیسا کہ تم میں جادوگر ہیں۔''

امیر المؤمنین نے جو فرمایا ہے وہی بات درست ہے کہ یہ اپنی اصلی جبلی صورت بدلنے پر قادر نہیں ہیں۔ ہاں جادو کے ذریعے تخیل ڈالتے ہیں۔جس سے ان کو دیکھنے والے کو اگر بالفرض نظر آئیں تو سمجھ لیتا ہے کہ اس نے اپنی صورت بدل کر کسی دوسری مخلوق کی صورت اختیار کر لی ہے۔اور احاطہ استطاعت میں رہتے ہوئے وہ نفع اور نقصان پہنچا سکتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جناب سلیمان علیہ السلام کے تذکرہ میں ذکر کیا ہے۔

﴿وَمِنَ الشَّيَاطِيْنِ مَن يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ﴾.

[الانبیاء:۸۲]

''بعض شیطان سلیمان علیہ السلام کے لیے غوطہ لگاتے اور اس کے علاوہ بھی کئی کام کرتے۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَ تَمَاثِيْلَ وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَ قُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ﴾.

[سبا:۱۳]

''جو کچھ سلیمان چاہتے وہ جنات تیار کر دیتے مثلاً قلعے اور مجسمے اور حوضوں کے برابر لگن اور چولہوں پر جمی ہوئی مضبوط دیگیں۔اے آل داود اس کے شکریہ میں نیک عمل کرو۔ میرے بندوں میں سے شکر گزار بندے کم ہی ہوتے ہیں۔''

تیسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾. [البقرہ:۱۰۲]

''شیطان ان میں سے کسی کو نقصان نہیں پہنچاتے تھے مگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ۔''

ان آیات سے واضح ہے کہ جن انسان کو نفع ونقصان پہنچا سکتے ہیں۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

سوال: آج کل ہمارے علاقے سمبڑیال اور اس کے گرد ونواح اور وزیر آباد میں کچھ لوگوں نے یہ کام شروع کر رکھا ہے کہ لوگوں سے راقم اس شرط پر لیتے ہیں کہ عرصہ دو ماہ دس دن بعد راقم دگنی واپس کر دیتے ہیں یعنی اگر کوئی شخص انھیں ایک لاکھ روپے جمع کرواتا ہے تو عرصہ دو ماہ دس دن بعد جمع کروانے والے شخص کو دو لاکھ واپس دیے جاتے ہیں اگر کوئی پانچ لاکھ جمع کروائے تو مقررہ مدت کے بعد اسے دس لاکھ کی رقم واپس ملتی ہے الغرض جتنی کوئی رقم جمع کرواتا ہے اس سے دوگنی اسے مل جاتی ہے اس کام میں معاشرے کے اکثر لوگ رقم دوگنی لینے کے لالچ میں ملوث ہو چکے ہیں اور بہت سے لوگ ملوث ہو رہے ہیں اور ان میں سے اکثر لوگ تو سود کی حرمت کے بارے میں صحیح طور پر معلومات نہیں رکھتے۔ صرف پیسے لینے والوں کے کہنے پر ہی مطمئن ہو کر اپنی رقم جمع کروا دیتے ہیں کہ ہمارا دوبئی میں سٹاک مارکیٹ میں حصص کے خرید وفروخت کا کاروبار ہے جہاں پر روزانہ کی بنیاد پر بہت زیادہ منافع ہوتا ہے اور اس منافع میں سے کچھ رقم خود رکھ لیتے ہیں کچھ جس نے پیسے جمع کروائے ہوں ان کو دے دیتے ہیں اور کچھ علاقے کے غرباء اور مساکین میں خیرات کرتے ہیں۔

جب رقم لینے والوں سے پوچھا جاتا ہے کہ آپ سود کا کاروبار کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں ہم لوگوں سے رقم اکٹھی کر کے کاروبار کرتے ہیں جس پر منافع دیتے ہیں لہذا یہ سود نہیں دوسرا وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ کاروبار ہمارا غربت کے خلاف جہاد ہے سود ہرگز نہیں ہے لیکن کاروبار تو رقم لینے والے کرتے ہوں گے رقم دینے والے تو کاروبار نہیں کرتے آپ مہربانی فرما کر قرآن وحدیث کی روشنی میں مکمل وضاحت فرمائیں۔ کہ کیا یہ کاروبار یا ایسا کرنا جائز ہے یا سود ہے یا کہ دونوں کے لیے سودی کاروبار ہے یا رقم دے کر ڈبل والے کے لیے۔ اور اگر سود ہے تو سود کی سزا جو قرآن وحدیث میں بیان فرمائی ہے اس کی بھی تفصیلا وضاحت فرمائیں تاکہ لوگ ایک بہت بڑی برائی سے بچ سکیں اور اگر جائز ہے تو لوگ اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔ (01-02-2007)

سائلین: ❶ ڈاکٹر محمد انور آف کورووال ❷ محمد سلیم آف سمبڑیال ❸ جمیل احمد رسولپورہ سمبڑیال

الجواب بعون الوہاب

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم اما بعد!

صورت مسئولہ سے تین باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

اوّلاً: رقم نقد روپوں میں ادا کر کے اسے دو ماہ دس دن مقررہ مدت پر دو گنا لینا۔

ثانیاً: اس رقم کو سود کے بجائے کاروبار کا نام دینا۔

ثالثاً: اس رقم سے حاصل ہونے والے منافع میں سے کچھ حصہ غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کرنا۔

سوال سے واضح ہے کہ ایک شخص ایک لاکھ روپے جمع کروا کے ستر (۷۰) دنوں کے بعد اسے دو لاکھ یعنی اصل رقم سے ڈبل کی صورت میں وصول کرتا ہے یہ صورت عین اور اصل سود کی ہے کچھ احباب نے زبانی کوائف بھی بیان کیے ہیں جن سے جوئے کا بھی شائبہ پڑتا ہے سود اور جوا دونوں اسلام میں حرام ہیں تاہم صورت مسئولہ کے مطابق ہم سود کے مسئلہ پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہیں:

سود کی تعریف

ائمہ اسلام نے سود کی یہ تعریف کی ہے:

(الزيادة على رأس المال قلت او كثرت).

[فقہ السنہ ص ۲۸]

''اصل رقم سے زیادہ وصول کرنا خواہ رقم کم ہو یا زیادہ سود کہلاتا ہے۔''

جاہلیت میں سود کی کئی صورتیں تھیں جن میں ایک صورت یہ تھی کہ ایک شخص کسی دوسرے کو مثلاً دس دینار دیتا ہے اور جب واپس لیتا تو اپنی رقم کے ساتھ پانچ دینار اضافی لیتا۔

[منہاج المسلم ص ۳۲۱]

اللہ تعالیٰ نے سود کی جملہ صورتوں کو حرام قرار دیا ہے چنانچہ فرماتا ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً﴾.

[آل عمران: ۱۳۰]

''اے ایمان والو! تم سود کو بڑھا چڑھا کر نہ کھاؤ۔''

اور فرمایا:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾. [البقرة: ۲۷۸]

''اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرو اور جو باقی سود ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایماندار ہو اگر تم

نے نہیں چھوڑا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کا اعلان ہے اور تم توبہ کرو تو تمھارے لیے تمھارے اصل مال ہیں نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔"

امام ابن کثیر اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

(لا تظلمون ای بأخذ الزيادة لا تظلمون أى بوضع رؤوس الاموال ايضا بل لكم ما بذلتم من غير زيادة عليه ولا نقص).

[تفسیر ابن کثیر ۱/۴۹۵]

"تم ظلم نہ کرو کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اصل مال سے زیادہ مال وصول نہ کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے گا معنی یہ ہے کہ تمھارا اصل مال واپس نہ ہو بلکہ تمھارے لیے وہی مال ہے جو تم نے خرچ کیا بغیر کسی اضافے اور بغیر کسی کمی کے۔"

اس آیت کریمہ سے واضح ہے کہ قرض کی واپسی کے وقت اپنی رقم سے زیادہ نہیں لینا چاہیے حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبہ مبارک میں فرمایا:

((ألا أن كل ربا كان فى الجاهلية موضوع عنكم كله لكم رؤوس اموالكم لا تظلمون ولا تظلمون)).

[تفسیر ابن ابی حاتم ۲/۵۵۱]

"خبردار جاہلیت کا تمام سود تم سے معاف ہے تمھارے لیے اصل مال ہیں نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔"

بلاشبہ اس حدیث مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ نے سود کی جو بھی جاہلیت میں صورت تھی اس کو حرام قرار دیا ہے اور اصل رقم سے زائد وصول کرنے کو سود قرار دیا ہے امام قتادہ جو معروف تابعی اور مفسر قرآن ہیں وہ مذکورہ آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

(اما الربح والفضل فليس لهم لا ينبغى ان يأخذوا منه شيئا).

[تفسیر ابن ابی حاتم ۲/۵۵۱]

"اصل رقم سے زائد منافع لینا ان کے لیے درست نہیں اور نہ ان کے لائق ہے کہ وہ منافع لیں۔"

سید سابق مصری فرماتے ہیں:

(ان اللہ لم یبح الا رد رؤوس الاموال دون الزیادۃ علیھا وھذا ما نزل فی ھذا الامر).

[فقہ السنہ ۳/۲۸۳]

''اللہ تعالیٰ نے صرف اس کا حکم دیا ہے کہ وہ اپنے اصل مال وصول کریں اور اصل مال سے زیادہ وصول نہ کریں یہ اللہ تعالیٰ کا آخری حکم ہے جو اس بارہ میں نازل ہوا ہے۔''

قرآن وحدیث کے دلائل سے لہذا اس کے بارہ میں جتنی تاویلیں کی جائیں سب باطل ہیں واضح ہو کہ قرض میں اپنی اصل رقم سے زائد وصول کرنا یہ بھی سود ہے اور ظلم ہے۔

موقف صحابہ رضی اللہ عنہم

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی موقف تھا کہ وہ ہر قرض جس سے نفع حاصل ہو وہ منع ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ انھوں نے اس قرض سے منع فرمایا جس سے فائدہ حاصل ہوتا ہو۔

[ارواء الغلیل ۵/۲۳۴]

اسی طرح عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ جس شخص نے دوسرے شخص سے قرضہ لینا ہو تو مقروض کوئی چیز اسے تحفہ میں بھی دے تو وہ بھی سود ہے ان کے الفاظ یہ ہیں:

فاذا کان لك علی عجل دین فأھدی لك حبلة من علف او شعیر او حبلة من تین فلا تقبلھما فان ذلك من الربا.

[السنن الکبری للبیہقی ۵/۳۴۹]

اس تمام بحث کا مطلب یہ ہے کہ سوالنامہ میں جس طرح رقم دینے اور پھر اسے دوگنا کر کے وصول کرنے کا ذکر ہے یہ قرآن وحدیث اور آثار صحابہ کی رو سے خالص سود ہے اور یہ جاہلیت کے سود کی وہی صورت ہے جسے ہم منہاج المسلم کے حوالہ سے ذکر کر آئے ہیں۔

سود لینے اور دینے کا جرم

اسلام فطری دین ہے وہ قطعاً ایسی چیز سے منع نہیں کرتا جس سے اہل ایمان کو فائدہ حاصل ہوتا ہو بظاہر انسانوں کی نظر میں سود سے فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ صرف رقم دینے پر محنت اور جہد ومشقت کے

بغیر منافع حاصل ہوتا ہے لیکن یہ منافع نہیں بلکہ خسارہ ہے اس لیے کہ بلاشبہ سود پوری انسانیت کے لیے نقصان دہ ہے اسی لیے تمام ادیان سماوی (یہودیت، عیسائیت اور اسلام) میں متفقہ طور پر حرام ہے اسلام دوسرے ادیان کے مقابلہ میں مفصل نصوص کا حامل ہے اس لیے اس میں احکام کو بہت مضبوطی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن وحدیث میں سود کی حرمت کے واضح نصوص اور دلائل موجود ہیں قرآن کریم کی آیات تو آپ نے ملاحظہ فرمالیں ہیں اب چند ایک احادیث بھی پیش خدمت ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ. قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، وَمَا هُنَّ؟ قَالَ الشِّرْكُ بِاللّٰهِ، وَالسِّحْرُ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ، وَأَكْلُ الرِّبَا، وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيْمِ، وَالتَّوَلِّيْ يَوْمَ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ)). [البخاری]

”سات چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں لوگوں نے کہا یا رسول اللہ وہ کونسی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو، کسی جان کا ناحق قتل کرنا جس کا اللہ تعالیٰ نے قتل حرام کیا ہے، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جنگ سے پیٹھ پھیر کا بھاگ جانا اور پاک دامن ایماندار غافل عورتوں پر تہمت لگانا۔“

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الربا تسعة وتسعون بابا ادناها كان يؤتی الرجل بأمه))

[فقہ السنۃ ۳/۲۸۳]

”سود کے ننانوے دروازے ہیں ان میں سب سے چھوٹا دروازہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کرے۔“

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((درهم ربا يا كلمه الرجل وهو ليلم اشد من ستة وثلاثين زنية)).

[مسند احمد واسنادہ صحیح]

”سود کا ایک درہم جسے آدمی کھاتا ہے اور اسے اس کا علم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک گناہ میں چھتیس زناؤں سے زیادہ سخت ہے۔“

صحابی رسول جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اکل الربا و مؤکله و کاتبه و شاهدیه وقال هم سواء)).

[مسلم]

''رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے اور کھلانے والے پر اور اس کی تحریر لکھنے والے پر اور اس کے گواہوں پر لعنت بھیجی ہے اور فرمایا یہ سب گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔''

مضاربت

سوال کی دوسری شق یہ ہے کہ یہ کاروبار میں مشارکت ہے جس کو مضاربت بھی کہا جاتا ہے تو واضح رہے کہ مضاربت بلاشبہ جائز ہے لیکن سوالنامہ میں جو تفصیل دی گئی ہے اس کے مطابق اسے مضاربت یا مشارکت شرعی کا نام نہیں دیا جاسکتا مضاربت میں روپیہ ایک کا ہوتا ہے اور محنت دوسرے کی ہوتی ہے اس میں منافع پر حصے مقرر ہوتے ہیں کہ کل منافع سے رقم آدھ منافع لے گا یا تیسرا حصہ اور پھر مضاربت میں کوئی مدت طے نہیں ہوتی فریقین جب چاہیں مضاربت ختم کرلیں پھر مضاربت میں نہ منافع کی شرح متعین ہوتی ہے کہ ایک لاکھ روپے کے ساتھ زائد ایک لاکھ منافع ملے گا نہ وقت تعین ہوتا ہے کہ منافع دو ماہ بعد ہوگا یا تین ماہ کے بعد بلکہ وہ کاروبار پر منحصر ہوتا ہے کہ مشارکت کے وقت جو منافع کا حصہ مقرر کیا ہے اس کے مطابق منافع ملے گا خواہ کسی وقت منافع کم آئے یا زیادہ۔ اس میں منافع فکس نہیں ہوتا بلکہ حصہ فکس ہوتا ہے جس میں کمی بیشی لازمی ہوتی ہے جبکہ زیر بحث مسئلہ میں منافع فکس ہے جتنے کوئی روپے جمع کرائے گا مقررہ مدت پر وہ دوگنا لے گا پھر مضاربت میں نقصان بھی ہوسکتا ہے تو ایسی صورت میں مالی نقصان تو رقم والے کا ہوگا اور عامل یعنی کاروبار کرنے والے کی محنت اور وقت ضائع ہوگا گویا کہ مضاربت میں عامل ایک اجیر اور مزدور کی حیثیت رکھتا ہے جاہلیت کے لوگ بھی اسے بیع کہتے تھے جس کی اللہ تعالیٰ نے تردید کی ہے جیسا کہ فرمایا:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾. [البقرة:٢٧٥]

''وہ کہتے ہیں کہ تجارت بھی سود کی قسم ہے اور اللہ تعالیٰ نے تجارت حلال کی ہے اور سود حرام کیا ہے۔''

جیسا کہ اس وقت کے مشرکین سود اور تجارت میں کچھ فرق نہیں سمجھتے تھے آج کل بھی تجدد پسند

طبقہ سود کو ایک کاروبار سمجھتا ہے۔

سوال کی تیسری شق یہ ہے کہ اس رقم سے حاصل شدہ منافع میں سے کچھ غریبوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے تو یاد رہے کہ سود سے حاصل ہونے والا مال حرام ہے حرام مال غریبوں میں تقسیم کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ اِلَّا طَيِّبًا)). [مسلم]

''اللہ تعالیٰ صرف پاک مال کو ہی قبول کرتا ہے۔''

اگر کاروبار والے یہ سمجھتے ہیں کہ اس حرام مال سے کچھ غریبوں کو دے دیں تو ہمارا مال پاک ہو جائیگا یہ خام خیالی ہے وہ حرام ہی رہے گا اس میں سے صدقہ کرنے سے پاک نہیں ہوگا۔

غربت کے خلاف جہاد

سودی کاروبار کرنے والے کہتے ہیں ہم غربت کے خلاف جہاد کر رہے ہیں۔

اوّلاً: تو یہ بات سرے سے ہی غلط ہے کہ سود سے غربت کا خاتمہ ہو۔ اگر سود سے غربت کا خاتمہ ہو سکتا تو اسلام اسے حرام قرار نہ دیتا۔

ثانیًا: اس سود سے مالی فائدہ تو اس نے ہی اٹھانا ہے جس کے پاس ضرورت سے زائد اتنے روپے ہیں کہ وہ سودیوں کو ہزاروں روپے دے کر بھی اپنے گھر کا نظام چلا سکتا ہو ظاہر ہے کوئی غریب تو اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ یہ فائدہ تو امیر لوگوں کو ہی پہنچے گا گویا کہ غربت کے خلاف جہاد نہیں ہے بلکہ امیر لوگوں کو ہی مضبوط کرنے کا ایک اور ذریعہ ہے۔

آخری گزارش

ہم نے دلائل سے واضح کر دیا ہے کہ سوال میں مندرج صورت اسی قسم کے سود کی ہے جو جاہلیت میں بھی رائج تھا اور قرآن وحدیث نے اسے حرام قرار دیا اور اس کے انجام (بدلے) سے بھی ڈرایا اسی طرح قیامت میں سود لینے والے جس حالت میں ہوں گے وہ کچھ اس طرح بیان کی ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِىْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ﴾. [البقرة: ٢٧٥]

''جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ اپنی قبروں سے حشر کے دن اس طرح سے اٹھیں گے جیسے وہ

شخص اٹھتا ہے جس کو آسیب نے لپیٹ کر دیوانہ بنادیا ہو۔''

لہٰذا جو شخص اس سودی کاروبار میں شامل ہو چکے ہیں ان کو چاہیے کہ وہ فوراً توبہ کر کے اپنی اصلی رقم واپس لے لیں اور سودی سلسلہ میں تعاون کرنے کے بجائے اس کو ختم کرنے میں عملی ثبوت مہیا کریں۔

ورنہ وہ سمجھ لیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جنگ کر رہے ہیں۔ هذا ما عندی والله اعلم بالصواب

سوال: اگر خاوند اپنی بیوی کے علاوہ ایسے الفاظ کہتا ہے مثلاً میرے گھر سے چلی جاؤ میری طرف سے تم فارغ ہو میرے علاوہ کسی اور کو ڈھونڈ لو تو ایسے الفاظ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: تین الفاظ ہیں طلاق، فراق اور سراح یہ وہ الفاظ ہیں جو صریح طلاق پر دلالت کرتے ہیں۔ جب کوئی خاوند اپنی بیوی کو ان الفاظ میں سے کوئی بھی لفظ کہے گا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ جو الفاظ ہیں وہ طلاق کنائی پر دلالت کرتے ہیں۔ کنائی کا معنی ہے کہ اس میں طلاق کا احتمال پایا جائے جیسا کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ تو مجھ سے بائن (جدا) ہے وغیرہ۔ تو ایسی صورت میں ہی حکم ہے کہ اس میں خاوند کی نیت کا اعتبار ہو گا۔ اگر وہ کہتا ہے کہ میرا ارادہ طلاق کا نہیں تو طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اور اگر اس کا ارادہ طلاق کا تھا تو خواہ وہ کوئی بھی لفظ بولے جس میں تفریق اور جدائی کا احتمال ہو تو ایک رجعی طلاق واقع ہو جائے گی۔ حضرت کعب بن مالک کے واقعہ میں طویل حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اسے کہا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے:

((ان تعتزل امرأتك)).

''تو اپنی بیوی سے جدا ہو جانا''

تو وہ کہنے لگے کیا میں طلاق دے دوں یا کیا کروں؟ تو فرمایا نہیں تو صرف اس سے الگ ہو جا اس کے قریب نہ جانا۔ اور ان کی بیوی سے فرمایا:

((الحقی بأهلك)).

''کہ تو اپنے اہل (میکے) چلی جا۔''

تو اس حدیث سے واضح ہے کہ طلاق کنائی میں قصداً اور نیت پر اعتبار ہوتا ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر خاوند کی نیت طلاق کی ہے تو ایک رجعی طلاق واقع ہو گئی ہے اگر

طلاق کی نیت نہیں تو پھر طلاق واقع نہیں ہوئی۔ یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔

سوال: اگر بچہ زندہ پیدا ہوا اور اس کے کان میں اذان کہنے سے پہلے ہی فوت ہو جائے تو اس کی نماز جنازہ کے متعلق کیا حکم ہے؟ اور اگر اذان کہنے کے بعد فوت ہو جائے تو اس کی نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟ نیز اس بات کی وضاحت فرمائیں کہ اگر فوت شدہ بچہ پیدا ہو تو اس کی نماز جنازہ کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب: سوال میں مذکورہ تمام صورتوں میں بچے کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ بچے کے کان میں اذان کہی جائے یا نہ کہی جائے تو اس کا نماز جنازہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ نماز جنازہ کا تعلق پیدائش کے ساتھ ہے۔ کہ جو بھی بچہ پیدا ہوتا ہے اگر وہ مرجاتا ہے تو اس کی نماز جنازہ پڑھنی چاہیے۔ اسی طرح وہ بچہ جو مردہ پیدا ہوتا ہے اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔ خواہ پیدا ہوتے وقت اس میں حیات کے آثار موجود ہوں یا پیدا ہی مردہ ہوا ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((والسقط يصلى عليه ويدعى لوالديه بالمغفرة والرحمة)).

[مسند احمد، ابوداود]

''ناقص بچے کی نماز جنازہ پڑھی جائے اور اس کے والدین کے لیے بخشش اور رحمت کی دعا کی جائے۔''

یہ حدیث صحیح ہے اور سقط سے مراد وہ بچہ ہے جو ناقص پیدا ہوا ہو۔ امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ فرماتے تھے بچے کی نماز جنازہ پڑھی جائے اگرچہ وہ پیدا ہوتے وقت چیخ نہ بھی مارے۔''

یہی امام ابن سیرین اور سعید بن مسیب کا مذہب ہے امام احمد اور امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں:

''بچے میں جب روح پھونکا جائے اور وہ (ماں کے پیٹ میں) چار ماہ دس کا ہو جائے تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے خواہ وہ پیدا ہوتے وقت چیخ نہ بھی مارے۔''

[عون المعبود ۳/۱۷۹]

رہی وہ حدیث جو جناب جابر رضی اللہ عنہ سے رویت کی ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''بچہ جب پیدا ہوتے وقت چیخ مارے تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے۔''

یہ حدیث ضعیف ہے اس کو ابن ماجہ نے ربیع بن بدر کے طریق سے ابوالزبیر سے انھوں نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے ربیع بن بدر سخت ضعیف اور ابوالزبیر مدلس ہے اور ترمذی نے یہی روایت اسماعیل مکی کے طریق سے روایت کی ہے اور وہ بھی ضعیف ہے. بہت سے راویوں نے جابر سے یہ روایت موقوفا روایت کی ہے الغرض مرفوعاً یہ حدیث کے نبی ﷺ نے فرمایا ہو کہ بچہ جب چیخ مارے تو اس کی نماز جنازہ پڑھو۔ ضعیف ہے جو اوپر والی صحیح حدیث کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

سوال: بارش کی صورت میں نماز مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھنے کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: بارش کی صورت میں نماز جمع کرنے کا کوئی واضح ثبوت نہیں۔ بلکہ بارش میں (الا صلوا فی الرحال) کہ تم نماز اپنے گھروں میں پڑھو کی اجازت ہے رہی یہ صورت جو آج کل ہمارے ہاں مروج ہوچکی ہے کہ بارش میں مغرب کے ساتھ عشاء کی نماز بھی ادا کرلی جاتی ہے۔ راقم الحروف کے علم کے میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ دوران سفر تو جمع تقدیم جائز ہے لیکن بارش میں جمع تقدیم کا کوئی ثبوت نہیں۔ **ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب**

سوال: دوران سفر قضاء شدہ نمازیں اپنے مقام پر پہنچ کر قصرادا کی جائیں گی یا مکمل؟

جواب: سفر کے دوران کی رہی ہوئی نماز جو قصر تھی جب ان کی قضاء گھر میں مقیم ہوکر دی جائے گی تو اس کی قضا سفر کی نہیں بلکہ اقامت کی ہے اب گھر پہنچنے پر وہ مسافر نہیں رہا تو اس سے قصر کی رخصت ختم ہوگئی ہے اور قصر کی رخصت سفر میں شرط ہے لہذا وہ اب گھر پہنچ کر پوری نماز ادا کرے گا۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء اسلام اس مسئلہ میں کہ سود کے مال کا صدقہ کرنا اور جس پر صدقہ کیا گیا ہے اس کا مسجد میں صرف کرنا جائز ہے؟

جواب: سود بلاشبہ حرام ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾. [البقرة:٢٧٥]

''اللہ تعالیٰ نے بیع حلال کی ہے اور سود حرام کیا ہے۔''

سود کے بارے میں جتنے حیلے ہوں یا اس کی جتنی بھی اقسام ہیں تقسیم کرلیں وہ بہرحال حرام ہے۔ وہ کسی صورت میں بھی حلال نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيمٍ﴾.

[البقرہ:٢٧٦]

''اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر گز گناہگار کافر پسند نہیں کرتا۔''

اور فرمایا:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَذَرُوا۟ مَا بَقِىَ مِنَ ٱلرِّبَوٰٓا۟ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾. [البقرة: ٢٧٨]

''اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرو اور سود میں سے جو باقی ہے اسے چھوڑ دو اگر تم ایماندار ہو۔''

اس آیت کریمہ نے واضح کیا کہ سود ترک کرنا لازم ہے اور جو ترک نہیں کرتا وہ ایمان سے محروم ہے اور اس کے ترک نہ کرنے پر وعید سنائی۔

﴿فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا۟ فَأْذَنُوا۟ بِحَرْبٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ﴾. [البقرة:٢٧٩]

''اگر تم سود سے باز نہیں آتے تو تم اللہ اور رسول کے ساتھ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔''

گویا کہ سود ایسا تہدیدی امر ہے کہ جو براہ راست اللہ اور رسول اللہ ﷺ سے جنگ کا اعلان ہے۔ لہٰذا اس میں شک نہیں کہ سود حرام ہے اور اس کا شمار خبیث مال میں سے ہے۔ صدقہ کے لیے شرط ہے کہ طیب اور پاک ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا)).

[مسلم، کتاب الزکوۃ ح:٢٣٤٦]

''اے لوگو! بلاشبہ اللہ تعالیٰ پاک ہے وہ پاک کو ہی قبول فرماتا ہے۔''

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من تصدق بعدل تمرة من كسب طيب ولا يقبل الله الا الطيب)).

[بخاری، کتاب الزکوۃ، ح:١٤١٠]

''جو شخص اپنے حلال مال سے کھجور کی قیمت کے برابر صدقہ کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ صرف حلال مال کو ہی قبول کرتا ہے۔''

ان دونوں احادیث سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ حرام مال کے صدقہ کو قبول نہیں کرتا۔ کیونکہ صدقہ

ایک عبادت ہے جس کی قبولیت کا انحصار اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول پر ہے جیسا کہ فرمایا:

﴿الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰی . وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤی . اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی﴾. [اللیل:۱۸-۲۰]

''وہ شخص جو اپنے مال کو تزکیہ کی خاطر دیتا ہے کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں کہ اس کا بدلہ دیا جائے گا مگر اللہ تعالیٰ کی رضا کی طلب کے لیے جو سب سے بڑا ہے۔''

چونکہ سود کا مال حرام ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا شامل نہیں ہو سکتی۔ اگر چہ سود سے صدقہ کرنے والے کی نیت درست کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ سود لینے والے پر حرام ہے اسی طرح سود خور جسے یہ مال دے گا اس کے لیے بھی حرام ہوگا۔

رہی سوال کی یہ شق کہ جسے سود کا مال دیا ہے وہ اس سے مسجد تعمیر کر سکتا ہے۔ تو یہ بھی درست نہیں اس لیے کہ مسجد حرام مال سے بنانی بالاتفاق جائز نہیں۔ بعض حضرات نے بریرہ رضی اللہ عنہا کے صدقے کی دلیل پکڑی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گوشت کو تناول فرمایا تھا جو اس پر صدقہ ہوا تھا حالانکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھانا حرام تھا۔ جب ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ صدقہ پہنچ جائے تو اس کی حیثیت بدل جاتی ہے۔ بس اسی خیال کے تحت مولانا احمد رضا خان صاحب نے فتاوی رضویہ میں سود کا روپیہ مسجد میں لگانا جائز قرار دیا ہے حالانکہ یہ بات سود کے بارے میں درست نہیں۔ صدقہ بریرہ رضی اللہ عنہا کے لیے جائز تھا اور اس کے لیے حلال تھا۔ گویا کہ اس نے حلال مال کو تحفہ میں دیا ہے۔ جبکہ سود ہر اعتبار سے حرام ہے وہ سود خور کے لیے بھی حرام ہے۔ اور جسے دیا گیا ہے اس کے لیے بھی حرام ہے تو لہذا وہ حرام ہی رہا ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہونے کی وجہ سے حلال نہیں ہوا۔ هذا ما عندی والله اعلم بالصواب

سوال: کیا مطلقہ عورت کی والدہ یا بیٹی سے نکاح ہو سکتا ہے؟

جواب: مدخولہ مطلقہ بیوی کی والدہ یا بیٹی سے کسی صورت میں نکاح نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے محرمات (یعنی جن سے نکاح حرام ہے) کے ضمن میں فرمایا:

﴿اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ﴾.

[النساء:۲۳]

''تمھاری عورتوں کی مائیں اور تمھاری ربائب جو تمھاری پرورش میں ہیں تمھاری بیویوں سے بشرطیکہ تم نے ان سے صحبت کی ہو اور اگر صحبت نہیں کی تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔''

ربائب ربیبة کی جمع ہے۔ جس کا معنی ہے بیوی کی وہ بیٹی جو کسی دوسرے خاوند سے ہو۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''بیوی کی والدہ (ساس) تو صرف خالی نکاح اور عقد سے ہی حرام ہو جاتی ہے۔ اگرچہ نکاح کے بعد صحبت نہ بھی ہو اور ربیبہ اس وقت تک حرام نہیں ہوتی جب تک اس کی والدہ سے دخول نہ ہوا ہو۔ اگر ربیبہ کی والدہ کو دخول سے پہلے طلاق ہو جاتی ہے تو صورت میں ربیبہ سے نکاح کرنا جائز ہے۔''

[تفسیر ابن کثیر ۱/ ۷۰۸]

صورت مسئولہ میں چونکہ اس کی وضاحت نہیں کہ مطلقہ مدخول بہا ہے یا غیر مدخول بہا ہے اگر غیر مدخول بہا ہے تو اس کی والدہ سے پھر بھی نکاح حرام ہے البتہ اس کی بیٹی سے نکاح جائز ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جمہور علماء کا یہی مذہب ہے کہ ربیبہ صرف خالی نکاح سے جس میں دخول نہ ہوا ہو حرام نہیں ہوتی۔ برخلاف مطلقہ کی والدہ کے کہ وہ صرف عقد سے ہی حرام ہو جاتی ہے۔ اس کہ بیٹی سے دخول ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ یہی آئمہ اربعہ، فقہاء سبعہ اور متقدمین اور متاخرین فقہاء کا مذہب ہے۔''

[تفسیر ابن کثیر ۱/ ۷۰۹]

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

سوال: نبیوں کے اجسام زمین پر حرام کر دیئے گئے ہیں کہ وہ ان کو کھائے۔ کیا یہ حدیث صحیح ہے اگر صحیح ہے تو انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں کس حال میں ہوتے ہیں؟ اور کیا سلام کہنے والے کا جواب لوٹاتے ہیں؟ کیا رسول اللہ ﷺ کی قبر پر جو درود پڑھا جاتا ہے آپ ﷺ اس سنتے ہیں اور اس کا جواب بھی لوٹاتے ہیں؟

جواب: صورت مسئولہ چند امور پر مشتمل ہے۔

اوّلاً: کیا یہ حدیث (ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء) صحیح ہے؟ اس کا جواب یہ

ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔لہٰذا یہ حدیث صحیح ہے۔

ثانیاً: انبیاء علیہم السلام کی قبر کی زندگی بھی برزخی زندگی ہے جس کا دنیاوی زندگی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔البتہ ان کی برزخی زندگی عام لوگوں سے قدرے مختلف ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میں نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔'' [مسلم]

جس سے ان کی برزخی زندگی کا مختلف ہونا ثابت ہوتا ہے۔بس ان کی زندگی کے بارے میں اس سے مزید تفصیل معلوم نہیں۔اور احوال برزخ کے بارے میں وہی بات کرنی چاہیے جس کی دلیل ہو رائے اور قیاس سے کام نہیں لینا چاہیے۔

ثالثاً: رسول اللہ ﷺ پر جو آپ کی قبر کے پاس درود پڑھا جائے آپ اسے سنتے ہیں کا کوئی ثبوت نہیں۔ اس بارے میں جو روایت پیش کی جاتی ہے کہ

((من صلى علي عند قبري سمعته ومن صلى علي نائيا ابلغته)).

''جو شخص مجھ پر میری قبر کے پاس درود بھیجتا ہے میں اسے سنتا ہوں اور جو دور مقام سے بھیجتا ہے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔''

یہ من گھڑت ہے اس کا راوی محمد بن مروان السدی الصغیر کذاب تھا۔حدیثیں وضع کرتا تھا۔

[تاریخ بغداد۳/۲۹۳]

امام عقیلی فرماتے ہیں:

''اس حدیث کی کوئی اصل نہیں اور نہ ہی یہ حدیث محفوظ ہے۔''

[ضعفاء۴/ ۱۳۷]

حافظ خطیب بغدادی فرماتے ہیں:

''ابن نمیر نے فرمایا: اس حدیث کو چھوڑ دو مروان بن محمد کوئی شے نہیں۔''

[تاریخ بغداد۳/۱۹۲]

هذا ما عندي والله اعلم بالصواب

سوال: کیا خلع کے بعد رجوع ہوسکتا ہے؟

جواب: خلع کے بعد رجوع کے بارے میں کوئی نص راقم الحروف کے علم میں نہیں ہے اگرچہ بعض علماء کے نزدیک خلع ایک رجعی طلاق ہے لہٰذا ان کے نزدیک دوران عدت رجوع ہوسکتا ہے لیکن

اس پر بھی کوئی دلیل نہیں کہ خلع ایک رجعی طلاق ہے۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''خلع فسخ ہے طلاق نہیں، یہ ابن عباس، عثمان، ابن عمر اور ربیع اور ان کے چچا (جو کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے) کا مذہب ہے اور کسی ایک صحابی سے صحیح ثابت نہیں کہ یہ طلاق ہے۔''

امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں طاؤس سے روایت کی ہے:

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

(الخلع تفريق ليس بطلاق).

''خلع تفریق اور جدائی ہے طلاق نہیں ہے۔''

پھر امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ان آثار کا جواب دیا ہے جو بعض صحابہ کی طرف منسوب ہیں کہ خلع طلاق ہے کہ وہ تمام آثار ضعیف ہیں اور پھر طویل بحث کے بعد فرمایا ہے:

(وقد ثبت بالنص والاجماع انه لا رجعة فى الخلع).

[زادالمعاد ۴/ ۳۶ طبع دارالفکر]

''دلیل اور اجماع سے ثبات ہے کہ خلع میں رجوع نہیں ہے۔''

سوال: جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اس کی عدت کتنی ہے اور اس کی عدت کے احکام کیا ہیں۔

جواب: جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اگر وہ حاملہ نہیں تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا﴾. [البقرة:٢٣٤]

''تم میں سے جو فوت ہو جاتے ہیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جاتے ہیں تو وہ عورتیں اپنے نفسوں میں چار ماہ دس دن کا انتظار کریں۔''

اگر عورت حاملہ ہے تو اس کا خاوند فوت ہو جاتا ہے تو ایسی صورت میں ان کی عدت وضع حمل ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾.

''اور حاملہ عورتیں ان کی عدت یہ ہے کہ وہ بچہ جن لیں۔''

اگر چہ یہ آیت عدت طلاق کے بارے میں ہے۔لیکن حدیث میں متوفی عنھا (بیوہ) حاملہ کی عدت بھی یہی قرار دی ہے۔ جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا باہم مذاکرہ ہوا کہ متوفی عنھا حاملہ کی عدت کیا ہے؟ابن عباس فرمانے لگے وہ چار ماہ دس دن عدت گزارے۔ابوسلمہ رضی اللہ عنہما کہنے لگے نہیں بلکہ اس کی عدت وضع حمل ہے۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی تائید کی اور ابوسلمہ کہتے ہیں انہوں نے مجھے ام المؤمنین کے پاس بھیجا تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''سبیعہ اسلمی نے اپنے خاوند کی وفات کے چند دن بعد بچے کو جنم دیا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نیا نکاح کرنے کی اجازت دے دی۔''

[ترمذی و بخاری مختصرا]

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی یہ حدیث سن کر اپنے موقف سے رجوع کر لیا اور یہی موقف جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور آئمہ اعلام کا ہے۔

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((المتوفى عنها زوجها لا تلبس المعصفر من الثياب ولا لمشققة ولا الحلي ولا تخضب ولا تكتحل))

[ابوداؤد]

''جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے وہ رنگے ہوئے کپڑے اور سرخ کپڑے اور زیورات نہ پہنے۔اور نہ مہندی اور رنگ دار کوئی چیز لگائے اور نہ سرمہ پہنے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے عدت کے دوران اس پر ہر قسم کی زیب وزینت لگانا اور خوشبو استعمال کرنی جائز نہیں۔ہاں البتہ جب وہ ماہواری سے فارغ ہو تو تھوڑی سی خوشبو استعمال کر سکتی ہے۔

[بخاری ومسلم]

اسی طرح عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ متوفی عنھا خاوند کے گھر عدت گزارے۔ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ کا خاوند فوت ہو گیا۔تو اس نے اجازت چاہی کہ وہ عدت اپنے میکے گزارے تو

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((امکثی فی بیتك حتی یبلغ الکتاب اجله))

[موطا' ترمذی]

''اپنے گھر میں عدت گزارو۔''

البتہ دن کے وقت اگر کوئی ضرورت ہو تو وہ گھر سے باہر جاسکتی ہے۔نافع فرماتے ہیں جناب ابن عمر کی ایک بیٹی کا خاوند فوت ہوگیا۔تو وہ دن کے وقت ابن عمر کے گھر آجاتی اور جب رات ہوتی تو وہ اپنے گھر لوٹ جاتی۔اسی طرح جناب عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے بارے میں بھی مروی ہے کہ وہ متوفی عنہا کو دن کے وقت گھر سے نکلنے کی اجازت دیتے تھے۔ابراہیم نخعی بھی فرماتے ہیں: دن کے وقت نکلنے میں کوئی حرج نہیں۔البتہ وہ رات اپنے گھر میں گزارے۔

[المحلی ابن حزم ۷/ ۴۸]

ایک مجلس کی تین طلاقیں

سوال: میرا اسمی محمد اکرم کا فہمیدہ بی بی سے پانچ سال پہلے نکاح ہوا تھا' تین سال تک تو ہم خوشی خوشی ساتھ رہتے رہے۔اس دوران دو بچے بھی پیدا ہوئے' پھر ایک رشتہ کرنے کے بارہ میں میرا اپنی بیوی سے اختلاف ہوگیا۔بات طوالت پکڑتی گئی بالآخر میں نے ایک ہی بار اشٹام پر تین طلاقیں لکھ کر بیوی کو فارغ کردیا۔جب رشتے داروں کو پتہ چلا تو وہ صلح کرانے کی کوشش میں لگ گئے۔تو ہم نے ایک مولوی صاحب سے فتویٰ لیا تو وہ کہنے لگے حلالہ کے بغیر ان کی صلح نہیں ہوسکتی۔جس پر ہم مزید پریشان ہوئے۔کیا اب ہماری صلح ہوسکتی ہے؟

جواب: بشرط صحت سوال صورت مسؤلہ کے مطابق یہ ایک رجعی طلاق ہوئی ہے۔اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں تین طلاقیں ایک ہوتی تھیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((کَانَتِ الطَّلَاقُ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاَبِیْ بَکْرٍ وَثِنْتَیْنِ مِنْ خَلَافَةِ عُمَرَ طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً)).

[مسلم:۱/ ۴۷۸]

''رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں اور اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ کی

خلافت کے ابتدائی دو سال میں تین طلاقیں ایک شمار کی جاتی تھیں۔''

ہمارے لئے رسول اللہ ﷺ کے دور کا عمل قابل اتباع ہے۔تو اس حدیث سے واضح ہے کہ رسول اللہ کے زمانہ میں تین طلاقوں کو ایک شمار کیا جاتا تھا۔اور وہ ایک رجعی طلاق ہوتی تھی۔جس کے بعد خاوند کو رجوع کرنے کا حق ہوتا تھا۔جیسا کہ حسن یا صحیح حدیث میں ہے کہ رکانہ (معروف صحابی ہیں) نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((راجع امراتك))

''اپنی بیوی سے رجوع کرلو۔''

تو وہ کہنے لگا میں نے تو تین طلاقیں دی ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((قد علمت راجعها))

''مجھے معلوم ہے رجوع کرلو۔''

چنانچہ اس نے رجوع کرلیا۔

[مسند احمد]

لہذا ان دونوں احادیث کی روشنی میں ایک رجعی طلاق ہوئی ہے۔جس میں خاوند کو شرعاً حق حاصل ہے کہ اگر عدت نہیں گزری تو بلا کسی کفارہ کے وہ اپنی بیوی کو اپنے گھر آباد کرسکتا ہے۔

عورت کی چار صورتیں ہیں:

1. اگر عورت حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔جب تک وضع حمل نہیں ہوتا وہ عورت عدت میں ہے۔خواہ یہ مدت کم از کم ہو یا زیادہ سے زیادہ ہو۔یعنی اگر طلاق کے پہلے دن وضع حمل ہو جاتا ہے تو عدت ختم ہو جاتی ہے۔یا پھر طلاق کے نو ماہ بعد وضع حمل ہوتا ہے تو یہ دورانیہ حمل عدت کا ہی ہو گا۔
2. مطلقہ حاملہ نہیں عادت کے مطابق ماہواری بھی آتی ہے تو اس کی عدت تین ماہواریاں ہیں۔
3. مطلقہ کو حمل کے علاوہ کسی وجہ سے حیض نہیں آتا تو اس کی عدت تین مہینے ہے۔
4. اگر عورت کو صحبت اور دخول سے پہلے طلاق ہو جاتی ہے تو اس پر کوئی عدت نہیں۔

[الاحزاب:۴۹]

اگر عدت کے دوران صلح ہو جاتی ہے تو بہتر ورنہ عدت گزر جانے کے بعد پھر اسی مطلقہ سے نیا

نکاح ہوسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾.

[البقرة:۲۳۲]

''جب تم عورتوں کو طلاق دو تو وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو ان کو منع نہ کرو یہ کہ وہ اپنے خاوندوں سے نکاح کریں۔ جب وہ آپس میں اچھے طریقہ سے راضی ہوں۔''

یہ آیت کریمہ طلاق رجعی کے بارے میں ہے جیسا کہ صحیح بخاری اور تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

هذا ما عندی والله اعلم بالصواب

فجر سے پہلے اذان کہنا

سوال: ہمارے محلہ کی مسجد کے مؤذن فجر کی اذان وقت سے کچھ پہلے دیتے ہیں۔ ان سے اس بارے میں کئی دفعہ بات ہوئی ہے مگر وہ اپنی روش پر قائم ہیں۔ کیا وقت سے پہلے اذان کہنی درست ہے؟

جواب: واضح رہے کہ اذان نماز کے وقت کی اطلاع ہے۔ اور نماز کے اوقات مقرر ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ان الصلوة كانت على المومنين كتابا موقوتا﴾

''مومنوں پر نماز وقت پر فرض کی گئی ہے۔''

اگر اذان وقت سے پہلے کہی جائے تو اس کا مطلب ہے کہ اس نماز کی طرف دعوت دی جارہی ہے جس کا ابھی وقت نہیں ہوا۔

رسول اللہ ﷺ کے دور میں قطعا ثابت نہیں کہ اذان نماز کے وقت سے پہلے ہو جاتی تھی۔ خصوصا فجر کے بارے میں تو بہت سی صحیح احادیث مروی ہیں کہ فجر کی اذان وقت سے پہلے نہیں ہوتی تھی۔

جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ان بلالا يؤذن بليل فكلوا واشربوا حتى ينادى ابن ام مكتوم قال

و کان رجلا اعمی لا ینادی حتی یقال له اصبحت اصبحت)).

[بخاری' کتاب الاذان' حدیث ۶۱۷]

''بلال رات کو اذان کہتے ہیں تم کھاؤ پیو حتی کہ ابن ام مکتوم اذان کہیں۔ اور ابن ام مکتوم نابینا آدمی تھے وہ اس وقت تک اذان نہیں کہتے تھے حتی کہ ان سے کہا جاتا تو نے صبح کی ہے تو نے صبح کی ہے۔''

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں بلال رات کے وقت (فجر کی پہلی اذان) کہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((کلوا واشربوا حتی یوذن ابن ام مکتوم فان لا یوذن حتی یطلع الفجر)).

[بخاری' کتاب الصوم' حدیث ۱۹۱۸]

''تم (بلال کی اذان کے بعد) کھاؤ اور پیو حتی کہ ابن ام مکتوم اذان کہیں۔ بلا شبہ وہ اذان نہیں کہتے تھے حتی کہ فجر طلوع ہو جاتی۔''

ان دونوں احادیث اور اس کے متعلقہ دیگر متعدد احادیث سے واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اذان فجر کے وقت سے پہلے نہیں ہوتی تھی۔

اور یہی ہمارے لئے مسنون ہے۔ لہٰذا ایسے مؤذن کو سختی سے روکنا چاہیے۔ کہ وہ وقت سے پہلے اذان نہ کہے اگر وہ نہیں مانتا تو ایسے مؤذن کو اذان کہنے سے روک دینا چاہیے۔ کیونکہ وہ سنت کی مخالفت پر اصرار کر رہا ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر وقت سے پہلے اذان ہو جائے تو وہ کفایت کر جاتی ہے۔ امام ترمذی نے مذکورہ بالا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کرنے کے بعد اس کے متعلقہ علماء کے مذاہب بیان کئے ہیں۔ کہ بعض علماء کا خیال ہے کہ وہی اذان کفایت کر جاتی ہے دوبارہ لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ اور بعض اہل علم کا خیال ہے کہ اگر فجر کی اذان رات کے وقت کہی جائے تو دوبارہ اذان کہنی چاہیے۔ امام مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(لم اقف علی حدیث صحیح صریح یدل علی الاکتفاء فالظاھر عندی قول من قال بعد الاکتفاء)

[تحفۃ الاحوذی ۱/۶۳۱]

''میں نے کسی صحیح حدیث پر اطلاع نہیں پائی جو دلالت کرتی ہو کہ (وقت سے پہلے رات کے حصہ میں) کہی گئی اذان کفایت کرتی ہو۔لہٰذا میرے نزدیک کفایت نہ کرنے کا قول درست ہے۔''

اولیاء کا دنیا میں دیدارِ الٰہی سے مشرف ہونا

سوال: سیالکوٹ سے ایک دوست نے بذریعہ فون دریافت کیا ہے کہ کیا اولیاء اللہ تعالی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔اس سوال کا پس منظر یہ ہے کہ ہمارے محلّہ کے خطیب صاحب اکثر اپنے خطبات میں اولیاء کی کرامتیں بیان کرتے ہیں۔ایک خطبہ میں انہوں نے پیر جیلانی صاحب کے فضائل بیان کرتے ہوئے کہا کہ پیر صاحب اللہ تعالی کے دیدار سے مشرف ہوئے تھے۔کیا ان کا قول درست ہے اور کیا قرآن وحدیث کی رو سے دنیا میں اولیاء اللہ تعالیٰ کا دیدار کر سکتے ہیں؟

جواب: کوئی شخص بھی اپنی اس دنیاوی زندگی میں اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کرسکتا۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ﴾.

[الانعام:۱۰۳]

''اللہ تعالیٰ کو آنکھیں نہیں پاسکتیں اور وہ آنکھوں کو پالیتا ہے۔''

یہ ایک اصول بیان کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کو اس دنیا میں کوئی نہیں دیکھ سکتا۔اس کی مزید تفصیل صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((واعلموا انه لن يرى منكم احد ربه حتى يموت)).

[مسلم،ح۲۹۳۱۔ابوداود،ح۴۳۱۸۔ترمذی ح۲۲۳۶]

''تم میں سے کوئی شخص اپنے رب کو فوت ہونے سے پہلے ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔''

اس حدیث میں وارد حکم ہر عام وخاص کے لیے ہے۔اولیاء تو ایک طرف حتی کہ انبیاء علیہم السلام بھی اس حکم سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا:

﴿رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ﴾.[الاعراف:۱۴۳]

''اے اللہ! مجھے اپنا آپ دکھاؤ تاکہ میں تجھے دیکھ لوں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو مجھے ہرگز

نہیں دیکھ سکتا۔“

جناب ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا' کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((هُوَ نُوْرٌ انّٰى اَرَاهُ))

[مسلم' کتاب الایمان]

”اللہ تعالیٰ نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں۔“

ام المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

”جس شخص کا یہ گمان ہے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ تو اس نے بہت بڑا جھوٹ بولا ہے۔“

[بخاری ومسلم مختصرًا]

سورۃ الاعراف کی آیت کریمہ سے واضح ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام رؤیت کی خواہش رکھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکے۔ اسی طرح جیسا کہ مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنی حیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکے۔ تو اب سوال یہ ہے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام اور خاتم النبیین ﷺ جن کا مرتبہ پیر صاحب سے بہت بلند ہے ان کو تو رؤیت حاصل نہیں ہوئی۔ پیر صاحب کو کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ دنیا میں کوئی ایماندار اللہ کو نہیں دیکھ سکتا صرف تنازع خاص نبی اکرم ﷺ کے بارے میں ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے یا نہیں۔ جمہور ائمہ کا اسی پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اللہ تعالیٰ کو دنیا میں اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ اس پر صحیح احادیث، آثار صحابہ رضی اللہ عنہم اور ائمہ مسلمین کے اقوال دلالت کرتے ہیں۔“

[فتاوی ابن تیمیہ ۲/۳۳۵ وفتاوی اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیہ والافتاء ۲/۱۹۱]

کیا پیر صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ﴾ سے مستثنیٰ قرار دے کر اپنے دیدار سے مشرف کیا ہوگا؟ واللہ یہ سب جھوٹ ہے، پیر صاحب نے قطعاً دیدار الٰہی کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ یہ تمام من گھڑت حکایتیں ہیں۔ جو ان کی وفات کے بعد ان کی طرف منسوب کر دی ہیں۔ حضرت پیر ایسی

حکایات مکذوبہ سے بری الذمہ ہیں۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

سوال: ایک عورت نے اپنے خاوند سے خلع لینے کے لیے عدالت میں دعوی کیا ہے عدالت نے اس کے خاوند کو نوٹس بھیجے اور مقررہ تاریخوں میں سے کسی تاریخ کو بھی اس کا خاوند عدالت میں حاضر نہیں ہوا۔ عدالت نے عورت کے حق میں فیصلہ دے دیا ہے بعدازاں یونین کونسل میں اس عورت نے دعوی دائر کیا ہے یونین کونسل نے بھی عورت کے حق میں فیصلہ دیا ہے اب تقریباً چھ مہینوں کے بعداب وہ آپس میں گھر بسانا چاہتے ہیں ان حالات میں قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

جواب: کیا خلع طلاق ہے یا فسخ ہے؟ اس بارہ میں علماء کرام کی دو رائے ہیں:

❶ ایک تو یہ ہے کہ خلع طلاق بائنہ ہے ❷ دوسرا یہ کہ خلع فسخ ہے، طلاق نہیں۔

اور یہی موقف زیادہ صحیح ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے خلع کا ذکر طلاق والی آیت کے بعد کیا ہے جیسا کہ فرمایا:

﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ لا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْھِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِہٖ تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلَا تَعْتَدُوْھَا وَ مَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾. [البقرۃ:۲۲۹]

’’اگر تمھیں ڈر ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت رہائی پانے کے لیے کچھ دے ڈالے، اس میں دونوں پر گناہ نہیں، یہ اللہ کی حدود ہیں خبردار ان سے آگے نہ بڑھنا اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے تجاوز کر جائیں وہ ظالم ہیں۔‘‘

طلاق کے ضمن میں فرمایا:

﴿وَ بُعُوْلَتُھُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّھِنَّ فِیْ ذٰلِکَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا﴾. [البقرۃ:۲۲۸]

’’ان کے خاوند اس مدت میں انھیں لوٹا دینے کے پورے حقدار ہیں اگر ان کا ارادہ اصلاح کا ہو۔‘‘

لیکن خلع کے بارے میں رجوع کا ذکر نہیں کیا۔

سید سابق مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(وقد ثبت بالنص والاجماع انه لا رجعة فی الخلع).

[فقہ السنۃ ۲/۲۷۳]

''نص اور اجماع سے ثابت ہے کہ خلع میں رجوع نہیں ہے۔''

لہٰذا صورت مسئولہ کے موافق اب خلع والی عورت سے رجوع درست نہیں ہے۔

هذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

سوال: جنبی حالت میں قرآن کریم کی تلاوت یا ذکر اذکار کے متعلق قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں، نیز یہ بھی سنا ہے کہ جنبی حالت میں اگر ذکر اذکار کریں تو فرشتوں کو تکلیف محسوس ہوتی ہے اس کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: حالت جنابت میں قرآن کریم کی تلاوت کے بارے میں سخت اختلاف ہے۔

جمہور ائمہ کا یہی موقف ہے کہ اس حالت میں قرآن کریم کی تلاوت نہیں کرنی چاہیے جناب عبداللہ بن ابی بکر جو مشہور تابعی ہیں فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن حزم کی طرف خط لکھا جس میں یہ الفاظ بھی تھے:

(ان لا یمس القرآن الا طاھر).

''قرآن کو صرف طاہر ہی چھوئے۔''

❶ اس روایت کی صحت کے بارے میں اختلاف ہے حافظ ابن حجر نے بلوغ المرام میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث معلول ہے بعض ائمہ اسی بناء پر کہتے ہیں اس حالت میں قرآن کریم پڑھنے کی ممانعت میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔ احتیاط یہی ہے کہ قرآن کریم کی تلاقت سے پرہیز کیا جائے۔

❷ حالت جنابت میں ذکر اذکار سے ممانعت کی کوئی صحیح روایت نہیں بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

(کان رسول اللہ ﷺ یذکر اللہ علی کل احیانہ).[مسلم]

''رسول اللہ ﷺ ہر وقت میں اللہ کا ذکر کرتے تھے۔''

ظاہر ہے اس میں حالت جنابت بھی شامل ہے۔

❸ رہی یہ بات کہ اگر جنبی حالت جنابت میں ذکر اذکار کرے تو فرشتوں کو ان اذکار کے لکھنے میں تکلیف محسوس ہوتی ہے بلا دلیل اور بے اصل ہے۔

هذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

سوال: آج کل شادی بیاہ کے موقعہ پر اکثر لڑکیوں نے مہندی یا نیل پالش وغیرہ لگائی ہوتی ہے اور جب ان سے نکاح نامے پر دستخط کے لیے کہا جاتا ہے تو وہ کسی اپنی سہیلی سے کہتی ہیں کہ تم میرے دستخط کردو، ان دستخطوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: اگر منکوحہ کی رضامندی اور اجازت کے ساتھ کوئی اس کی سہیلی اس کی طرف سے دستخط کرتی ہے تو یہ دستخط درست ہوں گے اور نکاح صحیح ہوگا۔ اس لیے کہ نکاح میں کنواری لڑکی کی طرف سے صرف سکوت ہی اس کی رضا ہوتی ہے۔ تو اگر وہ کسی اپنی سہیلی کو اپنی طرف سے دستخط کرنے کو کہتی ہے تو بالکل درست ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ولا تنكح البكر حتى تستأذن قالوا يا رسول الله ! و كيف اذنها قال ان تسكت)). [بخاری ومسلم]

''کنواری لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے' انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ اس کی اجازت کیسے ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا خاموش رہنا (اس کی اجازت ہے)۔''

اگر وہ مطلقہ یا بیوہ ہے تو' وہ جب زبان سے اپنی سہیلی کو اپنی طرف سے دستخط کرنے کا کہے گی تو یہ اس کی طرف سے اجازت ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(لا تنكح الايم حتى تستامر).

[بخاری ومسلم]

''بیوہ یا مطلقہ کا نکاح نہ کیا جائے یہاں تک کہ اس سے مشورہ لیا جائے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نکاح اول مقصود کنواری ہو تو سکوت ہے' اور بیوہ یا مطلقہ ہو تو اس کی اجازت اور اس سے مشورہ ہے۔ کسی دوسرے کی طرف سے اس کی اجازت کے ساتھ دستخط کرنے کا مطلب اس کا حکم اور اس کی رضا ہوتی ہے۔

سوال: مسافر امام قصر نماز عشاء پڑھا رہا ہے اور بعد میں آنے والے مسافر مقتدی نے مغرب کی نماز ابھی پڑھنی ہے' کیا مسافر مقتدی امام کے پیچھے مغرب کی نماز پڑھ سکتا ہے؟

جواب: یہ سوال امام اور مقتدی کی نیت کے متعلق ہے کہ کیا فرض نماز میں الگ الگ نیت ہو سکتی ہے یا

دونوں کی نیت کا ایک ہونا ضروری ہے۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ فرض نماز میں امام اور مقتدی کی نیت کا ایک ہونا ضروری ہے وہ اس پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''نماز جب کھڑی کی جائے تو پھر کوئی نماز نہیں مگر وہی جو کھڑی کی گئی ہے۔''

مگر یہ روایت ضعیف ہے جس میں ایک راوی مجہول ہے لہذا قابل اعتماد نہیں۔

دوسرے ائمہ کے نزدیک کسی بھی نماز میں خواہ فرض ہو یا نفل امام اور مقتدی کی نیت کا متحد ہونا ضروری نہیں ہے۔اس لیے کہ اس پر کوئی دلیل نہیں۔

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قرآن وسنت،اجماع اور قیاس سے کوئی ایسی دلیل موجود نہیں کہ جو امام اور مقتدی کی نیت کے ایک ہونے کو واجب قرار دیتی ہو۔لہٰذا یہ خیال رہے کہ امام اور مقتدی دونوں کی نیت کا ایک ہونا باطل ہے۔

[المحلی ۲/۴۱۱]

نمازوں کی ادائیگی میں ترتیب ضروری ہے جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے خندق کے دن جب مشرکین نے آپ کو مصروف رکھا تو نماز عصر کا وقت گزر گیا آپ ﷺ پہلے نماز عصر ادا فرمائی اور پھر نماز مغرب۔

[بخاری ومسلم]

قضا شدہ نماز کو باترتیب پڑھا تھا لہذا صورت مسئولہ کے مطابق اگر آدمی مسجد میں اس وقت آتا ہے جب نماز عشاء کھڑی ہو چکی ہے تو اس نے ابھی نماز مغرب پڑھنی ہے تو وہ مغرب کی نماز کی نیت کرکے جماعت کے ساتھ شامل ہو جائے اور بعد ازاں نماز عشاء پڑھے۔صحابی رسول ابو درداء رضی اللہ عنہ ایک روز مسجد دمشق میں تشریف لے گئے تو عشاء کی جماعت شروع ہو چکی تھی تو وہ مغرب کی نماز کی نیت کرکے جماعت میں شامل ہو گئے پہلے نماز مغرب پڑھی اور پھر نماز عشاء پڑھی۔

[المحلی ۲/۲۲۳ مسئلہ نمبر ۴۹۴]

امام عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے رفقاء نے بھی فتوی دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

''وہ شخص جو سفر میں مغرب کو عشاء تک مؤخر کرتا ہے اس پر واجب ہے کہ وہ پہلے مغرب کی نماز پڑھے اگر وہ امام کے ساتھ شامل ہوا ہے جو عشاء کی نماز پڑھ رہا ہے تو وہ مغرب

کی نماز کی نیت کرے اور تیسری رکعت میں بیٹھ جائے تو اس کی نماز درست ہوگی۔''

[فتاوی اللجنۃ الدائمہ ۸/ ۱۳۹]

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

سوال: دوران نماز سلام کا جواب دینے کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر آدمی نماز میں مشغول ہو اور کوئی دوسرا شخص اسے سلام کہے تو وہ کلام سے جواب نہ دے بلکہ انگلی کے اشارے کے ساتھ جواب دے تو درست ہے۔

صہیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نماز پڑھ رہے تھے تو میں نے آپ کو سلام کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی انگلی کے اشارہ کے ساتھ جواب دیا:

[ترمذی، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ]

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''میں نے جناب بلال سے دریافت کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہتے اور آپ حالت نماز میں ہوتے تو کیسے ان کو جواب لوٹاتے تو انھوں نے فرمایا: ہاتھ کے اشارہ کے ساتھ۔

[ترمذی، ابوداود]

اس بارے میں اور بھی بعض احادیث مروی ہیں جن سے واضح ہے کہ حالت نماز میں سلام کا جواب صرف ہاتھ کے اشارے کے ساتھ لوٹانا چاہیے۔ مزید تفصیل راقم الحروف کی شرح صحیح سنن الترمذی ۱/ ۲۵۹ میں ملاحظہ فرمائیں۔

سوال: میت کے سوگ میں کتنے دن گزارنے چاہئیں اور کس دن سے لے کر کس دن تک؟ اور یہ بھی وضاحت فرمائیں کہ میت والے گھر میں کتنے دن تک چولہا نہیں جلانا چاہیے؟

جواب:

❶ مروجہ سوگ کا تو کوئی ثبوت نہیں اس لیے کہ مرد کے لیے سوگ ہے ہی نہیں۔ البتہ عورت کے لیے سوگ ہے کہ وہ اپنے عزیز واقارب پر تین دن تک سوگ کرے۔ اور اگر خاوند فوت ہوگیا ہے تو پھر چار ماہ دس دن اس پر سوگ لازم ہے۔

❷ سوال کی دوسری شق ہے کس دن سے لے کر کس دن تک؟ اگر عورت کو خاوند کی وفات کا اسی دن علم

ہو جاتا ہے تو اسی دن سے اس کا سوگ ہوگا۔ ورنہ جس دن اسے خبر ہوگی اس دن سے سوگ شمار کیا جائے گا۔

❸ تیسری شق ہے کہ میت کے اہل خانہ کتنے دن چولہا نہ جلائیں چولہا نہ جلانا۔ نہ صدمے میں شامل ہے اور نہ سوگ میں یہ خودساختہ رسم ہے۔ لہٰذا چولہا جلانے میں کوئی حرج نہیں خواہ میت گھر میں موجود ہو۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا کا لڑکا فوت ہو گیا تو انھوں نے اپنے خاوند ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو اس کی موت کی خبر نہ دی اور معاملے کو چھپائے رکھا ابوطلحہ گھر آئے تو انھوں نے بچے کے بارے میں پوچھا تو ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا سکون میں ہے، اسی رات ہمبستری بھی کی اور پھر بعدازاں بچے کی موت کی خبر دی، جب اس واقعہ کی خبر رسول اللہ ﷺ کو دی تو انھوں نے ان کے حق میں دعا فرمائی۔

[بخاری]

معلوم ہوا کہ گھر میں کھانا تیار کرنا اور آگ نہ جلانا شرعاً اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

سوال: کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ اور ہاتھ دھو کر تولیے وغیرہ سے صاف نہ کرنے کے متعلق وضاحت فرمائیں؟

جواب: کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا نہ مستحب ہے نہ سنت ہے بلکہ اس کا تعلق ہاتھ کی صفائی سے ہے اگر ہاتھ پہلے ہی صاف ہوں تو ازسرنو دھونے کی ضرورت نہیں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں:

(كان سفيان الثورى يكره غسل اليد قبل الطعام).

[ترمذی مع تحفۃ الاحوذی ۵/۵۹۳]

''امام سفیان ثوری کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا پسند فرماتے تھے۔''

اور یہی امام احمد بن حنبل کا مؤقف تھا کہ کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا مستحب نہیں۔ اگر ہاتھ صفائی کے قابل ہیں تو پھر ضرور دھو لینے چاہئیں تاکہ ہاتھوں کے جراثیم کھانے کے ساتھ شامل ہو کر پیٹ میں داخل نہ ہوں۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

سوال: آج کل ہم بعض بینروں کو دیکھتے ہیں کہ ان پر لکھا ہوا ہے کہ (ہم تو کوچہ محبوب کے کتوں کا ادب بھی اپنا ایمان سمجھتے ہیں) کیا مدینے کے کتوں کا ادب کرنا ایمان کا جزء ہے؟

جواب: یہ عقیدت میں انتہاء درجہ کا غلو ہے جو ایمان کی بربادی کا سبب ہے بنی اسرائیل اپنے اکابر

کے بارہ میں غلو کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ﴾.

''تم دین میں غلو نہ کرو۔''

لیکن پاکستان کے کچھ حضرات غلو کی انتہائی پستی کو پہنچ گئے ہیں کہ کتوں کے ادب کو بھی اپنا ایمان سمجھنے لگے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے کتوں کو قتل کرنے کا حکم فرمایا تھا۔

جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((امرنا رسول الله ﷺ بقتل الكلاب)).

[مسلم، ح ۱۵۷۲]

''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں کتوں کے قتل کا حکم فرمایا۔''

اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يا ابا رافع اقتل كل كلب بالمدينة)).

[مسند احمد، ۶/۶، ۳۹۱]

''ابو رافع! مدینہ کے تمام کتوں کو قتل کر دو۔''

اگر مدینہ منورہ کے کتوں کا ادب ایمان کا حصہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ان کے قتل کرنے کا حکم نہ فرماتے۔ ویسے بھی کتا نجس جانور ہے اس کا ادب ایمان کا حصہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ جس گھر میں موجود وہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ اہل بدعت تو محض ادب کی حد تک نہیں رہتے بلکہ ان میں سے بعض تو خود کو سگ مدینہ کہلانا فخر سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے غلو سے محفوظ رکھے جو ایمان کی بربادی کا باعث ہے۔ اور ہمارے ان بھائیوں کو ان کی عظمت کو سمجھنے کی اور اس کو برقرار رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

لہٰذا یہ تحریر انتہائی گھٹیا انسانی عظمت کے خلاف ہے کیونکہ کسی چیز کا ایمان کا حصہ ہونا شرعی امر ہے اور شریعت نے کہیں نہیں کہا کہ تم مدینے کے کتوں کا ادب کرو اس میں تمھارا ایمان ہے۔ یہ محض جھوٹ ہے جس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

هذا ما عندي والله اعلم بالصواب

سوال: ایک آدمی نے ایک مکان خرید کر اسے کرائے پر دے دیا ہے اور یہ مکان اس کے ذاتی استعمال میں نہیں اس مکان کی مالیت سے زکوۃ ادا کی جائے گی یا کرائے سے یا دونوں سے؟ قرآن

وحدیث سے وضاحت فرمائیں۔

جواب: کرائے کے مکان پر زکوۃ نہیں بلکہ اس کے کرائے پر زکوۃ ہے بشرطیکہ اس کا کرایہ ایک سال پورا ہونے پر نصاب زکوۃ کو پہنچتا ہو تو ایسی صورت میں اس مکان کے کرائے کی رقم پر جو سال پورا ہونے کے وقت موجود ہے اس پر اڑھائی فیصد کے حساب سے زکوۃ نکالی جائے گی۔ اگر وہ رقم سال کے پورا ہونے کے وقت مقرر نصاب سے کم ہے تو پھر اس پر زکوۃ نہیں ہوگی۔ یہی فتوی سعودیہ الجنۃ الدائمہ للبحوب العلمیہ والافتاء ۹/۳۳۲ کا ہے۔

هذا ما عندی والله اعلم بالصواب

سوال: ایک آدمی کے پاس ایک یا دو پلاٹ ہیں جو اس کے استعمال میں نہیں ہیں ان پلاٹوں کی زکوۃ کا کیا طریقہ ہوگا؟ جب فروخت کرے اس وقت زکوۃ ادا کرے گا یا ان پلاٹوں کی مالیت سے ہر سال زکوۃ ادا کرے گا؟

جواب: اگر پلاٹوں کے مالک نے یہ پلاٹ برائے تجارت خریدے ہیں تو ہر سال ان کی قیمت پر اگر وہ نصاب کو پہنچے تو زکوۃ ہوگی اس لیے کہ نہ تو وہ زراعت والی زمین ہے اور نہ تجارت والی۔ اگر اپنی ضرورت اور رہائش بنانے کے لیے خریدے ہیں تو پھر ان پر زکوۃ نہیں ہوگی۔

هذا ما عندی والله اعلم بالصواب

سوال: نماز جنازہ میں مذکر ومؤنث کی ضمائر کی تفریق کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے قرآن وحدیث سے وضاحت فرمائیں۔

جواب: نماز جنازہ کی دعاؤں میں عموماً ضمیر مذکر وارد ہوئی ہے اگرچہ ابو درداء رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے (اللھم انت ربھا....الخ) ضمیر مؤنث بھی منقول ہے مگر وہ روایت ضعیف ہے۔ راقم الحروف کی نظر میں کوئی روایت نہیں جس میں منقول ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے عورت کی نماز جنازہ پڑھاتے ہوئے ضمیر مونث استعمال کی ہو۔ اور نہ ہی اکابر اور سلف سے اس بارے میں قدر اطمینان تفصیل موجود ہے میت مذکر کی ہو یا مؤنث کی دعا اس کے منقول اور ماثور الفاظ کے ساتھ ہی ادا کرنا چاہیے۔ الا یہ کہ کوئی دلیل مل جائے جس میں مؤنث اور مذکر کے لیے علیحدہ علیحدہ ضمیروں کا ذکر موجود ہو۔ اسی طرح السلام علیکم میں بھی مذکر ومؤنث کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ السلام علیکم ہی کہا جائے گا؟ مخاطب خواہ مذکر ہو یا مؤنث۔ حالانکہ ''کم'' جمع مذکر حاضر کی ضمیر ہے۔ لیکن یہاں وحدت، تثنیہ، جمع

تذکیر وتانیث کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا، سب کے لیے السلام علیکم ہی کہا جاتا ہے۔

هذا ما عندی والله اعلم بالصواب

سوال: ایک شخص باجماعت نماز کی آخری رکعت میں شامل ہوا ہے ایک رکعت باجماعت ادا کی بقیہ نماز کس ترتیب سے شروع کرے گا۔

جواب: مقتدی مسبوق امام کے ساتھ جس رکعت میں شامل ہوگا وہ اس کی پہلی رکعت ہوگی امام کی خواہ دوسری یا تیسری یا چوتھی رکعت ہو۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا سَمِعْتُمُ الإِقَامَةَ فَامْشُوْا إِلَى الصَّلَاةِ، وَعَلَيْكُمْ بِالسَّكِيْنَةِ وَالْوَقَارِ وَلَا تُسْرِعُوْا، فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوْا)).

[بخاری مع فتح الباری ۲/ ۱۱۷]

''جب تم اقامت سنو تو نماز کی طرف چلو اور تم پر چلنے میں سکونت اور وقار لازم ہے اور تیزی کے ساتھ نہ چلو۔ جو تم امام کے ساتھ نماز پالو اسے پڑھو اور جو تم سے فوت ہو جائے اسے پورا کرو۔''

اس مدت میں مسبوق کو حکم ہے کہ وہ اسے امام کے سلام کے بعد ادا کرے جو اس سے ایک رکعت یا زیادہ رکعتیں رہ گئی ہیں۔ اور اسے اتمام سے تعبیر کیا ہے تو اس حدیث سے واضح ہے کہ مسبوق نے جو امام کے ساتھ رکعت پائی ہے وہ اس کی پہلی رکعت ہے اور جو اس سے رہ گئی ہے وہ آخری ہے تو صورت مسئولہ کے مطابق مسبوق اگر امام کے ساتھ رکعت ملی ہے تو وہ امام کی تو آخری رکعت ہوگی مگر اس کی پہلی رکعت ہوگی۔ اس حدیث کا مفہوم بہت سے ائمہ اعلام نے یہی سمجھا ہے۔

جناب ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

(ما ادركت فهو اول ركعتك).

[بیہقی ۲/ ۲۹۸]

''جو رکعت تو امام کے ساتھ پائے وہ تیری پہلی رکعت ہوگی۔''

اسی طرح جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

(ما ادركت من آخر صلاة الامام فاجعله اول صلوتك).

[بیہقی ۲/ ۲۹۹]

’’امام کے ساتھ تو آخر نماز میں شریک ہوا ہے تو اسے تو اپنی نماز کا ابتداء بنائے۔‘‘

امام زہری، سعید بن مسیب سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

(ان السنة اذا ادرك الرجل ركعة من صلوة المغرب مع الامام ان يجلس مع الامام فاذا سلم الامام قام فركع الثانية فجلس فيها و تشهد ثم قام فركع الثالثة فتشهد فيها ثم سلم).

[بیہقی ۲/۲۹۹]

’’سنت طریقہ یہ ہے کہ جب آدمی امام کے ساتھ مغرب کی نماز کی ایک رکعت پائے تو امام کے ساتھ تشہد بیٹھے جب امام سلام پھیرے تو وہ کھڑے ہو کر دوسری رکعت پڑھے اور پھر تشہد بیٹھے پھر تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو تو تیسری رکعت ادا کرے۔ اور تشہد بیٹھ کر سلام پھیر دے۔‘‘

هذا ما عندی والله اعلم بالصواب

سوال: داڑھی کی کتنی مقدار ضروری ہے؟ بعض علماء کا خیال ہے کہ داڑھی کی مقدار صرف ایک مٹھی ہے اور مٹھی سے زائد کا کٹوانا جائز ہے کیا یہ خیال درست ہے؟

جواب: داڑھی تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اور اسلام میں اس کا رکھنا واجب اور فرض ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکماً فرمایا ہے:

((خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ، اَوفِرُوا اللِّحٰی، وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ. فی روایة: وَاَعْفُوا اللِّحٰی)).

[بخاری ومسلم]

’’تم مشرکوں کی مخالفت کرو داڑھیوں کو بڑھاؤ اور لبوں کو کاٹو۔‘‘

اوفروا وفر سے امر کا صیغہ ہے جس کا معنی کثرت اور بہتات ہے تو اوفروا کا معنی ہے کہ داڑھیوں کو بڑھاؤ اور زیادہ کرو۔ دوسری روایت میں اعفوا کا لفظ ہے اور یہ بھی عفا سے امر کا صیغہ ہے لغات حدیث کے امام ابوعبیدہ فرماتے ہیں:

(اعفاء اللحية ان توفر حتى تكبر يقال عفا الشعر اذا كبروزاد).

[غریب الحدیث ۱/۱۴۸]

''اعفاء کا معنی ہے داڑھی کو بڑھایا جائے تا کہ وہ بڑی ہو جائے۔''

علامہ عبدالرؤف مناوی فرماتے ہیں:

(اعفاء اللحية اى اكثارها بلا نقص وامراد عدم التوض لها بشیء).

[فیض القدیر ۳/۳۱۶]

''اعفاء اللحیہ کا معنی ہے بغیر کسی نقص اور کمی کے داڑھی کو بڑھانا اور اس میں سے کوئی بال نہ کاٹنا۔''

ان ائمہ لغات کی تصریح کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے فرمان کا یہ معنی ہے کہ داڑھی کو جیسی ہے اسی حالت پر رہنے دو اس میں کانٹ چھانٹ نہ کرو۔ چونکہ داڑھی بڑھانے کے بارے میں متواتر احادیث میں جو جناب ابن عمر رضی اللہ عنہما (بخاری ومسلم) عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما (بیہقی فی شعب الایمان) انس رضی اللہ عنہ (شرح معانی الاثار) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (مسند البزار) عائشہ رضی اللہ عنہا (مسلم) ابوامامہ رضی اللہ عنہ (مسند احمد) ابن عباس رضی اللہ عنہما (طبرانی الاوسط، مجمع الزوائد ۵/ ۱۶۸) سے مروی ہیں ان میں سے بعض میں اعفوا اور بعض میں وفروا اور بعض میں افروا اور بعض میں ارخوا کا لفظ ہے معنی تمام کا ایک ہی ہے کہ داڑھی کو نہ کاٹو بلکہ اسے اس کی حالت پر رہنے دو۔

مٹھی سے زائد کاٹنے والوں کا مؤقف داڑھی کے متعلق جتنی مرفوع اور متفق علیہ احادیث ہیں ان تمام میں داڑھی کو اس کی اصل حالت پر رکھنے کا حکم ہے البتہ ابن عمر کا موقف عمل ہے کہ حج اور عمرہ کے وقت داڑھی کو مٹھی کی مقدار سے زائد کاٹ دیتے تھے۔ بس یہی ایک دلیل ہے جسے یہ حضرات اپنے موقف میں پیش کرتے ہیں اور عذر یہ پیش کرتے ہیں کہ ابن عمر داڑھی بڑھانے کی روایت کے راوی ہیں وہ بڑے متبع سنت تھے ان سے حدیث کی مخالفت کا تصور نہیں ہو سکتا۔

لہٰذا ان کا یہ عمل بتاتا ہے کہ داڑھی کی مقدار مٹھی کے برابر ہے اس لیے کہ کسی بھی روایت میں یہ نہیں کہ جناب ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ فرمایا ہو کہ مٹھی سے زائد کاٹنے کا عمل سنت نبوی ﷺ کے مطابق کر رہا ہوں بلکہ ان کا اپنا عمل ہے جس میں کئی قسم کے احتمال ہو سکتے ہیں۔ اور پھر محدثین کا اصول ہے کہ راوی کی بیان کردہ روایت قابل قبول ہوتی ہے اس کا عمل جو اس روایت کے خلاف ہو قابل قبول نہیں۔

حافظ ابوبکر خطیب بغدادی فرماتے ہیں:

(اذاروى عن شيخ حديثا يقتضى حكما من الاحكام فلم يعمل به لم

یکن حرجا منه).

[الکفایہ ص۱۱۴]

''جب کسی شیخ کے طریق سے کوئی حدیث مروی ہو جو کسی حکم کا تقاضا کرتی ہو تو وہ شیخ اس پر عمل نہیں کرتا تو یہ کوئی اس کی طرف سے جرح نہیں ہے۔''

امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(وعمل العالم وفتياه علی وفق حديث رواه ليس حكما بصحته ولا مخالفته قدح فی صحته ولا فی رواته).

[تقریب مع التدریب ۱/۳۱۵]

''عالم کا عمل اور فتویٰ اس روایت کے موافق جو اس نے روایت کی ہے وہ اس روایت کی صحت پر حکم نہیں ہے۔ اور اس طرح عالم کی اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف عمل اور فتویٰ اس حدیث کی اور راویوں کی صحت میں کوئی قدح اور عیب نہیں ہے۔''

امام نواب صدیق حسن خان فرمات ہیں:

(ولا یضر الحديث الصحيح علی الراوی له بخلاقه).

[حصول المومول ص۵۹]

''راوی کا اپنی روایت کے خلاف عمل صحیح حدیث کو کوئی مضر نہیں۔''

امام رامھر مزی نے تو اس پر تمام فقہاء کے اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

(ولا يلزمه ايضا ان يترك رواية ما لا يفتی به وعمل هذا مذاهب جميع الفقهاء الامصار).

[المحدث الفاصل ص۳۲۲]

''راوی کا اپنی روایت کے مطابق فتویٰ نہ دینے سے اس روایت کا ترک کرنا اور چھوڑنا لازم نہیں آتا تمام علاقوں کے فقہاء کا یہی موقف ہے۔''

امام شافعی اس کی وجہ اور علت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(كيف تترك كلام المعصوم الی من ليس بمعصوم).

[دراسات فی الجرح والتعدیل ص۲۴۳]

''معصوم نبی کے کلام کو غیر معصوم کے مقابلہ میں ترک نہیں کیا جاسکتا۔''

الغرض ابن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل سے متواتر حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ جس سے اس معنی میں کوئی تاویل کی جاسکے۔ یا اس کا کوئی نیا مفہوم نکالا جاسکے۔ حدیث میں جو حکم ہے کہ تم داڑھی کو اس کی حالت پر چھوڑ دو۔ یعنی اس میں کوئی کانٹ چھانٹ نہ کرو۔ وہ اپنی اصلی صورت پر قائم ہے اسے بدلا نہیں جاسکتا۔ لہٰذا جن حضرات کا مٹھی سے زائد داڑھی کاٹنے کے جواز کا موقف ہے وہ غلط ہے۔ هذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

سوال: کیا خطبہ جمعہ میں رسول اللہ ﷺ کا نسب نامہ بیان کرنے کا کتاب وسنت میں ثبوت ہے؟

آج کل بہت سے خطباء حضرات آپ کے نسب نامہ کو آپ کے والد حضرت عبداللہ سے لے کر حضرت آدم علیہ السلام تک بیان کرتے ہیں اور اگر ان سے پوچھا جائے کہ آپ خطبہ جمعہ میں کیوں سناتے ہیں؟ تو وہ کہتے ہیں اس میں فضیلت اور ثواب ہے قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

جواب: یہ قطعا ثابت نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے کسی ایک خطبہ میں بھی اپنے نسب نامہ کو بالتسلسل بیان فرمایا ہو۔

یا پھر آپ ﷺ کی وفات کے بعد خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے اپنے خطبوں میں یہ نسب نامہ بیان کیا ہو حالانکہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ علم الانساب کے جاننے میں بڑے ماہر تھے۔ مگر ان سے یہ قطعا منقول نہیں کہ وہ اپنے خطبہ میں آپ ﷺ کے نسب شریف کو بیان کرتے تھے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اکرم ﷺ سیدنا اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی اولاد میں سے تھے جیسا کہ صحیح احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں مگر جناب اسماعیل علیہ السلام تک نسب نامہ میں بہت سا اختلاف ہے۔

امام محمد بن عبدالوہاب فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کے نسب نامہ معد بن عدنان تک کی صحت تو معلوم ہے اور عدنان سے اوپر مختلف فیہ ہے مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ عدنان جناب اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں تھے۔''

[مختصر سیرت الرسول ص ۱۵ ط الریاض]

علامہ صفی الرحمٰن مبارکپوری الرحیق المختوم ص ۴۹ پر فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ کا نسب شریف

تین اجزاء میں ہے:

❶ ایک جزء تو جس کی صحت پر اہل السیر اور انساب کا اتفاق ہے وہ ہے جناب عبداللہ سے لے کر عدنان تک۔

❷ اور دوسرا جزو ہے جس میں اختلاف ہے بعض اس میں متوقف ہیں اور بعض اس کے قائل ہیں اور وہ عدنان سے لے کر سیدنا ابراہیم تک ہے۔

❸ تیسرا جزو وہ ہے جس کے بارے میں ہمیں شک نہیں کہ اس میں بعض امور غیر صحیح ہیں اور وہ جناب ابراہیم سے لے کر آدم علیہ السلام تک ہے۔

امام ابن جوزی بھی تسلیم کرتے ہیں کہ عدنان اور اسماعیل علیہ السلام تک ناموں میں اختلاف ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ سے لے کر عدنان تک نسب نامہ بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

(عدنان من ولد اسماعيل بن ابراهيم بغير شك غير ان اهل النسب يختلفون في الاسماء ما بين عدنان و اسماعيل وربما جرى منهم في اكثر الاسماء تصحيف او اختلاف).

[تلقیح فہوم اہل الاثر ص۸]

”عدنان بلاشبہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں ہاں! لیکن نسب عدنان سے اور اسماعیل کے درمیان ناموں میں سے اختلاف کرتے ہیں بسا اوقات ان سے اکثر ناموں میں تصحیف (غلطی) یا اختلاف واقع ہوا ہے۔“

ان ائمہ محققین کی تحقیق سے واضح ہوا کہ جناب عدنان سے لے کر اسماعیل علیہ السلام تک آپ کے نسب نامہ میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف افراد میں نہیں بلکہ ان کے اسماء میں ہے کہ فلاں کا نام کیا تھا اور فلاں کا نام کیا تھا۔ جناب ابراہیم سے اوپر نسب نامہ تاریخ میں ویسے ہی محفوظ نہیں۔

تو معلوم ہوا کہ غیر محقق امر کو بیان نہیں کرنا چاہیے ویسے بھی خطبہ جمعہ وعظ تذکرہ کے لیے ہوتا ہے جیسا کہ جناب جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيُذَكِّرُ النَّاسَ)).[مسلم]

”رسول اللہ ﷺ خطبہ میں قرآن کی تلاوت فرماتے اور لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے۔“

لہٰذا خطبہ جمعہ میں قرآن کریم کی تلاوت اور احادیث صحیحہ جو قرآن کی تفسیر بیان کرتی ہوں جن میں وعظ ونصیحت ہو وہی بیان کرنے چاہئیں۔ اِدھر اُدھر کی باتوں سے خطبہ کو پاک رکھنا چاہیے۔ خطبہ جمعہ میں نہ تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے نسب نامہ کو بیان فرمایا ہے اور نہ ہی خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔ هٰذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

سوال: خودکشی کرنے والے شخص کی نماز جنازہ کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے۔ قرآن وحدیث سے وضاحت فرمائیں۔

جواب: خودکشی ایک ناقابل معافی جرم ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''خودکشی کرنے والا ہمیشہ ہمیشہ آگ میں رہے گا۔''

[بخاری ومسلم]

رسول اکرم ﷺ کے زمانہ میں ایک شخص نے خودکشی کی تو آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ نہ پڑھائی۔

[مسلم۔ح:۹۷۸]

نسائی کی روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

(أما انا فلا اصلی علیه).

[نسائی، ح:۱۹٦٦]

''میں اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھوں گا۔''

اس حدیث کی بناء پر جمہور ائمہ کا خیال ہے کہ بڑا امام اس کی نماز جنازہ نہ پڑھائے تاکہ لوگوں کو عبرت حاصل ہو۔ مگر امام نووی نے فرمایا اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے اور یہی امام اوزاعی کا مذہب تھا۔ جمہور ائمہ نے خودکشی کرنے والے کو مدیون پر قیاس کیا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے مدیون کی ابتداءً نماز جنازہ نہیں پڑھائی تھی بلکہ فرمایا تھا:

((صلوا علی صاحبکم)).

''تم اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھو۔''

مگر راقم کے نزدیک خودکشی کرنے والے کو مدین پر قیاس کرنا درست نہیں اس لیے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو مدیون کی نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت فرمائی تھی۔ مگر راقم الحروف کے علم میں نہیں کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھنے کا کہا ہو یا اجازت دی۔ هٰذا

ما عندی واللہ اعلم بالصواب

سوال: کسی کی نظر لگنے کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے اور اس کا شرعی علاج کیا ہے قرآن وحدیث سے وضاحت فرمائیں۔

جواب: آنکھ کا لگنا بالکل درست ہے عہد نبوی میں اس کی کئی مثالیں ہیں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((العین حق)):[مسلم]

''آنکھ کا لگنا حق ہے۔''

1. ایک علاج یہ ہے کہ جب نظر لگ جائے تو اگر پتہ ہو کہ فلاں شخص کی نظر لگی ہے تو اسے غسل کرا کر اس کا پانی مریض پر بہایا جائے۔[مسلم]

ایک روایت میں وضو کا بھی ذکر ہے۔[مؤطا]

2. دوسرا علاج یہ ہے کہ دم کیا جائے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((امر النبی ﷺ ان نسترقی من العین)).

[بخاری ومسلم]

''نبی کریم ﷺ نے ہمیں حکم فرمایا کہ نظر لگنے پر دم کریں۔''

ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر میں ایک بچی دیکھی جسے نظر لگی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو دم کرو۔''

[بخاری ومسلم]

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ جنوں اور نظر لگنے سے تعوذ طلب کرتے جب معوذتین (سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) نازل ہوئیں تو آپ نے تمام دم ترک کر دیے۔ صرف ان دونوں سورتوں سے دم کرتے تھے۔''

[ترمذی، اسنادہ صحیح]

جس سے واضح ہوتا ہے کہ نظر لگنے پر ان دونوں سورتوں سے دم کرنا چاہیے۔ ھذا ما عندی

واللہ اعلم بالصواب

سوال: مہمان اور میزبان کے آداب کیا ہیں؟

جواب: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ فَلْیُکْرِمْ ضَیْفَهُ)).

[بخاری ومسلم]

''جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔''

ایک روایت میں ہے اس کی دستور کے مطابق عزت کرے، لوگوں نے کہا دستور سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک دن اور ایک رات اور فرمایا: مہمان نوازی تین دن ہے اور جو اس کے بعد ہے وہ صدقہ ہے اور مہمان کے لیے حلال نہیں کہ وہ میزبان کے پاس ٹھہرا رہے حتی کہ اسے تنگی اور تکلیف میں ڈال دے۔

[بخاری ومسلم]

یہ حدیث مہمان اور میزبان کے آداب کو ظاہر کرتی ہے کہ میزبان اپنے مہمان کی پر تکلف خدمت ایک دن اور ایک رات کریں اور اس پر میزبانی کا حق زیادہ سے زیادہ تین دن تک ہے اس کے بعد مہمان کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے اور میزبان شرعی طور پر میزبانی کے حق سے عہدہ براء ہو جاتا ہے اب اس کی مرضی ہے کہ وہ میزبانی کرے یا نہ کرے۔ اسی طرح مہمان کے لیے بھی لازم ہے کہ وہ تین دن سے زیادہ اپنے مہمان کے پاس نہ ٹھہرے اگر اس نے ٹھہرنا ہی ہے تو پھر وہ اپنا تمام انتظام خود کرے۔

سوال: ایک شخص لاولد فوت ہوا، اس کا ایک بھائی اس کی زندگی میں فوت ہو چکا تھا اس کے تین بھائی زندہ ہیں اس کی زندگی میں فوت ہونے والے کے اہل خانہ اس کی وراثت میں حصے دار ہیں؟

جواب: مذکورہ صورت میں جو بھائی پہلے فوت ہو چکا ہے اس کے اہل خانہ بعد میں فوت ہونے والے بھائی کے وارث نہیں بنیں گے۔ لہٰذا ان کو اس کے ترکے سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

سوال: صف بندی کے لئے مقتدیوں کو کب کھڑا ہونا چاہیے؟ قرآن وحدیث سے وضاحت فرمائیں۔

جواب: عہد نبوی ﷺ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز کے لئے دو طرح سے کھڑے ہوتے۔

❶ اول تو رسول اللہ ﷺ کے مسجد میں آنے سے پہلے صف باندھ لیتے۔ جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((ان الصلوة کانت تقام لرسول اللہ ﷺ فیاخذ الناس مصافهم قبل ان یاخذ النبی ﷺ مقامه)) [مسلم]

''رسول اللہ ﷺ کے لئے نماز کھڑی کی جاتی لوگ رسول اللہ ﷺ کے مصلیٰ پر کھڑے ہونے سے پہلے صفیں بنا لیتے۔''

امام شوکانی لکھتے ہیں:

(فیه جواز قیام المومنین و تعدیل الصفوف قبل خروج الامام.)

[نیل الاوطار ۳/ ۲۱۷]

''اس حدیث میں جواز ہے کہ مقتدی امام کے آنے سے پہلے کھڑے ہو جائیں اور صفیں درست کر لیں۔''

❷ دوسری صورت یہ ہے کہ امام کو مصلیٰ کی طرف آتے ہوئے دیکھ کر کھڑا ہو جانا چاہیے۔ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اذا اقیمت الصلوة فلا تقوموا حتی ترونی)).

[بخاری: ح ۶۳۷]

''جب نماز کے لیے اقامت کہی جائے تو تم جب تک مجھے نہ دیکھ لو تو کھڑے نہ ہو۔''

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

''اکثر اسی طرف گئے ہیں کہ جب امام مسجد میں موجود ہو تو لوگ کھڑے نہ ہوں حتی کہ اقامت کہنے والا اقامت سے فارغ ہو جائے جناب انس ﷺ جب اقامت کہنے والا ''قدقامت الصلوة'' کہتا تو کھڑے ہوتے۔''

سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جب اقامت کہنے والا 'اللہ اکبر' کہے تو کھڑا ہونا واجب ہو جاتا ہے اور جب 'حی علی الصلوة'' کہے تو صفیں درست کرنی واجب ہیں۔''

مگر جب امام مسجد میں موجود نہ ہو تو جمہور اسی طرف گئے ہیں کہ مقتدی نماز کے لیے کھڑے نہ ہوں حتی کہ امام کو آتے ہوئے دیکھ لیں۔ ان آثار سے کھڑے ہونے کی کیفیت ظاہر ہے کہ جب امام مسجد میں موجود ہوتا تو لوگ اقامت شروع ہوتے ہی کھڑے ہو جاتے اور جب امام موجود نہ ہوتا تو اقامت ہو جاتی تو جب تک امام مسجد میں نہ آتا کھڑے نہ ہوتے۔

امام مالک اس بارے میں فیصلہ کن بات کرتے ہیں انھوں نے فرمایا:

((أما قيام للناس حتى تقام الصلوة فانى لم اسمع فى ذلك بحد قيام له الا انى ارى ذلك على قدر طاقة الناس فان منهم الثقيل و الخفيف ولا يستطيعون ان يكونوا كرجل واحد)).

[مؤطا، باب ماجاء فی النداء للصلوۃ ص ۴۲]

''لوگ نماز کے لیے کب کھڑے ہوں اس کی کتنی حد ہے میں نے اس کے بارے میں کچھ نہیں سنا۔ میرا خیال ہے کہ یہ لوگوں کی طاقت پر منحصر ہے ان میں بوڑھے او جوان سبھی ہوتے ہیں اور ایسا ممکن نہیں کہ وہ ایک ہی شخص کی طرح ہوں۔''

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ اس بارے میں کوئی حدیث نہیں کہ اقامت کے کس کلمہ پر کھڑے ہوں اور نہ ہی اس بارے میں کوئی حد مقرر ہے لہٰذا حسب استطاعت جب بھی لوگ کھڑے ہوں درست ہے۔

شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میں نے کسی حدیث میں یہ ترتیب نہیں دیکھی کہ امام اور مقتدی شروع تکبیر سے اپنی اپنی جگہ کھڑے ہوں یا جب مکبر ''حی علی الصلوۃ'' پر پہنچے۔ یہ علماء کی ذہنیت ہے جس پر عمل کرنا واجب ہے نہ حرام۔''

[فتاوی ثنائیہ ۱/۴۸۶]

نوٹ: ہمارے ہاں احناف کے ایک فرقہ کا یہ عمل ہے کہ اقامت کے وقت امام مصلی پر اور مقتدی اپنی اپنی صف پر بیٹھ جاتے ہیں۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں، بلکہ اب یہ عمل ایسے عام رواج پا گیا ہے کہ گمان ہوتا ہے یہ طریقہ سنت ہے۔ ایک ایسے عمل پر دوام اور اصرار کرنا جس کا رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثبوت نہیں محض بدعت ہے۔

هذا ما عندى والله اعلم بالصواب

سوال: جمعہ کی کتنی اذانیں ہیں؟ قرآن وحدیث سے وضاحت فرمائیں۔

جواب: رسول اللہ ﷺ اور شیخین ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے دور میں جب امام منبر پر بیٹھتا تو ایک ہی اذان ہوا کرتی تھی۔ امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں جب لوگوں کی تعداد بڑھ گئی تو امیر المؤمنین عثمان نے زوراء مقام پر (پہلی) اذان کہنے کا حکم جاری کیا۔ [بخاری]

اس حدیث سے واضح ہے کہ یہ پہلی اذان مقام زوراء پر ہوتی تھی اور یہ مقام مسجد نبوی سے باہر

بازار میں تھا۔جیسا کہ امام بخاری نے وضاحت کی ہے:

(الزوراء موضع بالسوق بالمدینة).

[بخاری ۱/۱۲۴]

اس حدیث میں اس اذان کے کہنے کی علت بیان ہوئی ہے کہ لوگوں کی تعداد زیادہ ہوگئی اور آبادی بڑھ گئی جیسا کہ ''عمدۃ القاری'' میں ہے:

(تباعدت المنازل و كثر الناس).

علامہ احمد شاکر مصری شرح ترمذی میں فرماتے ہیں:

''اس اذان کا پس منظر یہ ہے کہ مدینہ میں اس دور میں مسجد نبوی کے علاوہ (جامع) مسجد نہ تھی۔تمام لوگ مسجد نبوی میں جمعہ پڑھتے تھے تعداد بہت زیادہ ہوچکی تھی کہ مسجد کے دروازے کے پاس کہی جانے والی اذان سب لوگ نہیں سن سکتے تھے تو عثمان رضی اللہ عنہ نے اس اذان کا اضافہ محض اس لیے کیا کہ بازار والے بھی اذان سن لیں۔''

ظاہر ہے کہ اس اذان کا حکم کوئی مستقل اذان کا نہ تھا بلکہ صرف ضرورت کے پیش نظر تھی۔یہی وجہ ہے کہ جناب علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں کوفہ میں صرف ایک ہی اذان ہوتی تھی۔

[تفسیر قرطبی ۱۸/۸۸]

جس کا واضح مطلب ہے کہ جناب علی رضی اللہ عنہ اذان کو مستقل نہ سمجھتے تھے ابن عمر رضی اللہ عنہما تو اس اذان کو بدعت کہتے تھے۔

[ابن ابی شیبہ ۲/۱۴۰]

ابن زبیر رضی اللہ عنہ بھی جب خطبہ ارشاد فرماتے تو ان کے لیے ایک ہی اذان کہی جاتی۔

[مصنف عبدالرزاق ۲/۲۰۶]

راقم الحروف اس اذان کو بدعت نہیں کہتا اس لیے کہ یہ خلیفہ راشد رضی اللہ عنہ کے حکم سے جاری ہوئی تھی۔البتہ یہ جس ضرورت کے پیش نظر شروع ہوئی تھی اب اس امر کی ضرورت نہیں رہی۔جیسا کہ امام احمد شاکر مصری فرماتے ہیں:

''اب مساجد بہت زیادہ تعمیر ہوچکی ہیں مینار بھی بن چکے ہیں (لاؤڈ سپیکر) کا بھی انتظام ہے تو ہم ایک ہی اذان کو کافی سمجھتے ہیں۔''

[شرح ترمذی ۲/۳۹۳]

امام عبیداللہ مبارکپوری شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں:

''میں کہتا ہوں کہ اگر آج بھی کسی شہر میں اذان عثمانی کی حاجت ہو جیسا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں تھی تو اسے کسی بلند جگہ یا مینار یا کسی مکان کی چھت پر مسجد کے باہر دینے میں کوئی قباحت نہیں۔ امام کے آنے سے پہلے جیسا کہ عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں ہوتا تھا اور بغیر ضرورت وحاجت کے صرف ایک ہی اذان پر اکتفا کیا جائے اور وہ امام کے آنے پر دی جائے یہی میرے نزدیک متعین ہے۔''

[مرعاۃ المفاتیح ۴/۴۹۲ حدیث اور اہل تقلید از داود ارشد ۲/۵۵۶]

راقم الحروف کے نزدیک سنت نبوی پر عمل کرنا افضل ہے مگر خلیفہ راشد کا عمل بدعت نہیں۔ لہٰذا جو ایک ہی اذان پر عمل کرتا ہے وہ بہتر ہے اور جو اذان عثمان ؓ پر بھی عمل کرتا ہے اس میں بھی جواز کا پہلو ہے گو اس کا ترک بہتر ہے کیونکہ سنت رسول ﷺ کو سنت خلیفہ پر ترجیح ہے۔

هذا ما عندي والله اعلم بالصواب

سوال: مسافر کتنی مسافت اور کتنے روز تک نماز قصر ادا کر سکتا ہے؟

جواب: انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((كان اذا خرج مسيرة ثلاثة اميال او ثلاثة فراسخ (شك شبعة) صلى ركعتين)). [مسلم، ح:١٥٨٣]

''رسول اللہ ﷺ جب تین میل یا تین فرسخ کے سفر کے لیے نکلتے تو دو رکعتیں پڑھتے۔''

ایک عربی فرسخ تین میل کا ہوتا ہے موجودہ تقریباً ۱۸ کلومیٹر بنتے ہیں۔ چونکہ امام شعبہ جو اس حدیث کے راوی ہیں ان کو شک گزرا ہے کہ تین میل ہیں یا فرسخ۔ لہٰذا احوط امر یہی ہے کہ تین فرسخ مراد لیے جائیں لہٰذا جب سفر تقریباً ۱۸ کلومیٹر کا ہو تو نماز قصر کرنی جائز ہے۔

مدت قصر

اگر قیام کا ارادہ انیس دن تک ہے تو قصر جائز ہے اور اگر اس سے زیادہ ہو تو قصر نہیں بلکہ پوری نماز پڑھنی ہوگی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((أقام النبي ﷺ تسعة عشر يوما ما يصلى ركعين)).

[بخاری مع الفتح ۲/۵۶۱ ح:۱۰۸۰]

''رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں انیس دن قیام کیا اور نماز قصر کرتے رہے ہم جب انیس دن تک سفر کرتے ہیں تو نماز قصر پڑھتے ہیں اور اگر سفر اس سے زیادہ مسافت کا ہو تو ہم پوری پڑھتے ہیں۔''

ہاں جب سفر سے واپسی پر کوئی رکاوٹ حائل ہو جائے تو پھر قصر کے لیے کوئی مدت مقرر نہیں ہے بلکہ جب تک رکاوٹ دور نہ ہو جائے نماز قصر کی جا سکتی ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما آذربائیجان میں چھ مہینے تک قصر کرتے رہے اس لیے کہ وہاں برف باری کی وجہ سے رکاوٹ پیدا ہو چکی تھی۔

[فقہ السنہ ۱/ ۲۵۰]

هذا ما عندي والله اعلم بالصواب

سوال: مطلقہ عورت کو عدت کہاں گزارنی چاہیے؟ قرآن وحدیث سے وضاحت فرمائیں۔

جواب: طلاق رجعی کی صورت میں اپنے خاوند کے گھر عدت گزارے گی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا﴾. [الطلاق: ۱]

''اے نبی! (اپنی امت سے کہو کہ) جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہو تو ان کی عدت (کے دنوں کے آغاز) میں انھیں طلاق دو اور عدت کا حساب رکھو اور اللہ سے جو تمھارا پروردگار ہے ڈرتے رہو نہ تم انھیں ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ (خود) نکلیں ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ کھلی برائی کر بیٹھیں۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں جو شخص اللہ کی حدوں سے آگے بڑھ جائے اس نے یقیناً اپنے اوپر ظلم کیا، تم نہیں جانتے شاید اس کے بعد اللہ تعالیٰ کوئی نئی بات پیدا کر دے۔''

ہاں طلاق بتہ جس میں رجوع کی گنجائش نہ ہو اس صورت میں خاوند کے ذمہ نہ رہائش ہے اور نہ خرچہ۔

[بخاری ومسلم]

اکثر فقہاء کا یہی خیال ہے کہ تیسری طلاق کے بعد بھی نان اور نفقہ خاوند کے ذمہ ہے جب تک

عدت ختم نہیں ہوتی۔ مگر یہ صحیح حدیث کے خلاف ہے فاطمہ نامی عورت کو اس کے خاوند نے یمن سے تیسری طلاق بھیجی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لاسکنی ولا نفقة)).

''اب خاوند کے ذمہ بیوی کے لیے نہ رہائش ہے اور نہ خرچہ''

سوال: حکومتی امن کمیٹی کے ممبران کو انتظامیہ کے ساتھ ماتمی جلوسوں میں شرکت کے لیے پابند کیا جاتا ہے شرعی طور پر اس کی کیا حیثیت ہے؟

جواب: ماتمی جلوس غیر شرعی ہے اس لیے کسی بھی طریقہ سے ان میں شرکت جائز نہیں۔ البتہ ملک میں امن وامان کی فضا قائم رکھنے کے لیے اصلاحی میٹنگوں میں جانا اور اس میں کوئی قباحت نہیں۔ رہی شرکت والی بات تو یہ گناہ میں شریک ہونے کے مترادف ہے ایسی کمیٹیوں کا قیام جن کے ذریعے اسلامی عقائد پر زد آتی ہو میں شرکت بذات خود گناہ ہے اور

((من سن سنة سيئة)).

جس نے غلط طریقہ رائج کیا اس پر بھی اتنا ہی گناہ ہے جتنا کہ عمل کرنے والے پر۔

سوال: نومولود بچے کے کان میں اذان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: نومولود بچے کے کان میں اذان مسلمانوں کا ایک متوارث عمل ہے جس پر کسی دور میں انکار معلوم نہیں ہے گویا کہ یہ تمام مسلمانوں کا اجماعی عمل ہے اور اجماع کے ساتھ جب روایات خواہ ضعیف ہی ہوں کی تائید ہوتی ہو تو اس کے جائز ہونے میں شک نہیں رہ جاتا۔ اجماع بذات خود حجت ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لا تجتمع امتی علی ضلالة)).

''میری امت گمراہی میں جمع نہیں ہوسکتی۔''

هذا ما عندی والله اعلم بالصواب

سوال: مرزائی کی نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے اور غلطی سے مرزائی کی نماز جنازہ میں شرکت کی شرعی حیثیت کیا ہے۔

جواب: مرزائی مرزا قادیانی کو اپنا نبی مانتے ہیں لہٰذا ان کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے پھر مرزا قادیانی کے عین اللہ اور ابن اللہ وغیرہ ہونے کے دعوے بھی موجود ہیں۔ جس سے اس کے کفر

اورالحاد میں کوئی شک باقی نہیں رہ جاتا۔نماز جنازہ مسلمان میت کے حق میں بخشش کی دعا ہوتی ہے۔اس لیے کسی بھی مسلمان کو قادیانی کافر ہو یا دوسرا کافر کسی کی نماز جنازہ میں شریک ہونا جائز نہیں ہے۔کیونکہ یہ صرف مسلمانوں کا حق ہے۔اگر کوئی غلطی سے شریک ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے اس پر کوئی مالی کفارہ اور تاوان نہیں ہوگا۔

سوال: غیر مسلم کی تیمارداری کے متعلق قرآن وحدیث سے وضاحت فرمائیں۔

جواب: غیر مسلم کی تیمارداری میں کوئی حرج نہیں ہے رسول اکرم ﷺ ایک یہودی بچے کی تیمارداری کے لیے اس کے گھر تشریف لے گئے تھے۔جس سے واضح ہے کہ غیر مسلم کی تیمارداری کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

[صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب اذا اسلم الصبی فمات ہل یصلی علیہ ۴/ ۲۸۰ رقم الحدیث ۱۳۵۶۔سنن ابی داود ۳/ ۲۴۸۔صحیح ابن حبان ۱۱/ ۲۴۲۔مسند احمد ۳/ ۳۲۷]

هذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

فتاوی مولانا گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ موصولہ

از مولانا ابوعمر عبدالعزیز سیال سوہدروی

درج ذیل فتاوی مولانا ابوعمر عبدالعزیز صاحب سیال سوہدروی سے ملے ہیں۔ جواہوں نے مختلف اوقات میں مولانا گوندلوی مرحوم سے دریافت کئے تھے۔ (عراقی)

سوال: کیا قبل از رکوع ہاتھ اٹھا کر قنوت ثابت ہے؟

جواب: مرفوع روایات سے ثابت نہیں۔

سوال: کیا عمل صحابی دلیل بن سکتا ہے؟

جواب: دین اسلام میں صحابی کا عمل جواز بن سکتا ہے۔ دلیل نہیں بن سکتا۔ اگر مقابل میں کوئی مرفوع روایت نہ ہو۔

سوال: نماز جنازہ میں ہر تکبیر پر ہاتھ اٹھانا کس روایت سے ثابت ہے۔

جواب: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ [فتح الباری ۳/۱۹۰ تحقیق ابن باز رحمۃ اللہ علیہ]

سوال: کیا ٹی وی ڈراموں اور فلموں میں کام کرنے والوں کی کمائی جائز ہے۔

جواب: ان کی کمائی جائز نہیں۔

سوال: کیا غیر مسلم کی غیبت کرنا جائز ہے۔

جواب: اخلاقیات کا دائرہ بہت وسیع ہے اس لیے غیر مسلم کی غیبت جائز نہیں۔

سوال: نماز میں ہاتھ باندھنے والی روایت کس کتاب میں ہے۔

جواب: یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ جلد اول میں ہے۔ حدیث نمبر ۳۹۳۸۔

حدثنا وكيع عن موسى بن عمير عن علقمة بن وائل بن حجر عن ابيه قال رأيت النبى ﷺ وضع يمينه على شماله فى الصلوة.

سوال: کیا تحیۃ المسجد کے نوافل کے لیے وضو کرنے کے لیے بیٹھا جا سکتا ہے۔

جواب: جی ہاں! وضو کے لیے بیٹھ سکتے ہیں۔

سوال: اگر والد بیٹے کو سگریٹ لانے کے لیے کہے تو کیا کرنا چاہیے۔

جواب: انکار کردے کیونکہ سگریٹ پینا حرام ہے اور مکروہ بھی ہے۔

سوال: کیا جاندار کے کارٹون بنائے جاسکتے ہیں۔

جواب: کارٹون بنانا دوہرا گناہ ہے ایک شکل بنانا اور دوسرا اس کو بگاڑنا۔

سوال: کیا بوڑھے مرد وخواتین حجاج آپس میں گلے مل سکتے ہیں۔

جواب: جو محرمات میں آتے ہیں وہ گلے مل سکتے ہیں۔

سوال: کسی کا اصل نام عرفیت میں بدلا جاسکتا ہے۔

جواب: پیار سے کوئی اچھا نام رکھا جاسکتا ہے۔

سوال: کیا مساجد کے مدارس کے نام بزرگوں کے ناموں پر رکھ سکتے ہیں یا نہیں۔

جواب: جی ہاں رکھ سکتے ہیں۔

سوال: نماز کے بعد سر پر ہاتھ رکھ کر دعا پڑھنا کس کتاب میں ہے۔

جواب: یہ روایت سنن الکبریٰ للنسائی (۲۶۲/۸) میں ہے۔

سوال: کیا قرض دینے والا اپنے نصاب کے مطابق زکوۃ دے گا۔

جواب: قرض جلد ملنے کی امید ہو تو ہر سال زکوۃ ادا کرے گا۔لیکن جلد ملنے کی امید نہ ہو تو قرض ملنے پر پچھلے سالوں کی زکوۃ اکٹھی ادا کرے گا۔

سوال: روزہ کی حالت میں اگر احتلام ہو تو کیا روزہ ٹوٹ جائے گا۔

جواب: اس حالت میں روزہ کی قضا ہوگی۔

سوال: اذان میں ''حی علی خیر العمل'' کے الفاظ کس کتاب میں ہیں۔

جواب: یہ الفاظ کنز العمال (۳۴۲/۸) حدیث نمبر ۲۳۱۷ میں ہیں لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔

سوال: کیا اذان کے بعد سحری کھانے سے روزہ ہو جائے گا۔

جواب: روزہ نہیں ہوگا۔

سوال: کیا نمازی کے آگے کچھ فاصلہ سے گزرا جاسکتا ہے۔

جواب: ایسی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔

سوال: کیا فارمی مرغی کا گوشت حلال ہے۔

جواب: جی ہاں حلال ہے۔

سوال: کیا تہجد کی اذان میں تثویب درست ہے۔

جواب: درست نہیں، لیکن گنجائش ہے۔

سوال: کیا فجر کی اذان میں تھویب بہتر ہے۔

جواب: جی ہاں، بہتر ہے۔

سوال: کیا تہجد کی اذان کے بعد درود اور دعا پڑھنا جائز ہے۔

جوب: جی ہاں! بالکل جائز اور دوست ہے۔

سول: کیا نماز کا وقت ہو جانے پر اذان سے قبل سنتیں ادا کر سکتے ہیں۔

جواب: جی ہاں اذان سے قبل سنتیں ادا کر سکتے ہیں۔

سوال: ایک عیسائی عورت بچوں سمیت مسلمان ہو گئی پھر اس نے ایک مسلمان سے شادی کر لی کیا یہ نکاح جائز ہے۔

جواب: جی ہاں، یہ نکاح بالکل درست ہے۔

سوال: کیا غیر شرعی کھیلوں کے سامان کی خرید و فروخت جائز ہے۔

جواب: ایسی خرید و فروخت نا جائز ہے۔ اور اس کے اسباب پیدا کرنا بھی نا جائز ہے۔ امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: اسباب پیدا کرنے والے سامان غلط اور نا جائز ہیں۔

سوال: کیا خطبہ جمعہ میں خلیفہ وقت (حکمرانوں) کا نام لیا جا سکتا ہے۔

جواب: یہ بدعت ہے اور نا جائز ہے۔

سوال: کیا حفاظ کی دستار بندی مشروع ہے۔

جواب: دستار بندی کی رسم شرع سے ثابت نہیں۔

سوال: کیا نماز جمعہ کے بعد دو رکعتیں گھر میں پڑھنا کیسا ہے۔

جواب: یہ سنت سے ثابت ہے۔

سوال: کیا مسبوق کے سورۃ فاتحہ پڑھنے سے امام رکوع سے اٹھ جائے تو اس کی رکعت ہو گی یا نہیں۔

جواب: مسبوق کی رکعت نہیں ہو گی۔

سوال: اگر مقتدی کے درود شریف پڑھنے سے پہلے امام سلام پھیر دے تو کیا مقتدی کی نماز ہو جائے گی۔

جواب: جی ہاں، مقتدی کی نماز مکمل ہو جائے گی۔

سوال: کیا خطبہ نکاح کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ثابت ہے۔

جواب: ثابت نہیں۔

سوال: ہاتھ اور پاؤں کے ناخنوں اور سر کے بالوں کا زمین میں دفن کر دینے کے بارے میں کوئی روایت ثابت ہے۔

جواب: ایسی کوئی روایت ثابت نہیں۔

سوال: کیا داڑھی کا خط بنوانا جائز ہے۔

جواب: ناجائز ہے اور ایسا کرنا درست نہیں۔

سوال: کیا کسی بھی مسنون دعا میں ہاتھ اٹھایا جا سکتا ہے۔

جواب: جی ہاں ایسا کیا جا سکتا ہے۔

سوال: کیا میت کو دفنانے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ثابت ہے۔

جواب: عام دلیل سے استدلال کی وجہ سے گنجائش ہے مگر ثابت نہیں۔

سوال: کیا اسماء الحسنیٰ میں ''یا'' ندائیہ لگا کر دعا کرنا جائز ہے۔

جواب: بالکل جائز اور درست ہے۔

سوال: طلاق کنائی کیا ہوتی ہے۔ اور کیا کنایہ سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

جواب: اشارے سے طلاق کے الفاظ کہنا یا دل میں اس کی نیت رکھ کر ایسے الفاظ ادا کرنا، جس میں طلاق کے صریح الفاظ نہ ہوں، کنایہ سے طلاق دینا ہوتا ہے اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

سوال: کیا کسی بدعقیدہ یا بدعی آدمی کا جنازہ پڑھنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے اس کے متعلق کوئی روایت ہے۔

جواب: یہ باطل ہے ایسی کوئی روایت نہیں عبداللہ بن ابی کا جنازہ پڑھا گیا۔

سوال: کیا کسی غیر مسلم کے انتقال کا اعلان مسجد میں کرنا جائز ہے۔

جواب: ہرگز نہیں۔ ایسا کرنا مکروہ و ناجائز ہے۔

سوال: کیا شہادت پر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنا درست ہے۔

جواب: جی ہاں بلا کراہت پڑھنا جائز ہے۔

سوال: پراپرٹی کا کاروبار کیسا ہے۔

جواب: یہ کاروبار بالکل جائز ہے۔

سوال: دوسجدوں میں انگلی سے اشارہ کرنے والی روایت کیسی ہے۔

جواب: یہ روایت سفیان ثوری کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اوراگر روایت کا ظاہر نہ ملے تو مدلس کی تدلیس قبول نہیں ہوتی۔

سوال: وضوکرنے بعد اگر کپڑے تبدیل کرلیں تو کیا وضو قائم رہتا ہے۔

جواب: جی ہاں قائم رہتا ہے۔

سوال: کیا رکوع سے قبل اور بعد میں قنوت پڑھنا درست ہے۔

جواب: دونوں طرح جائز ہے۔

سوال: دعائے افتتاح ''انی وجہت وجہی.. الی الآخر''بطورنیت پڑھ سکتے ہیں۔

جواب: یہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور صحیح ہے اسے پڑھنا درست ہے۔

سوال: طبقات المدلسین میں کیا پہلے طبقہ کی روایات قابل قبول ہیں۔

جواب: یہ اصطلاح حافظ ابن حجر کی ہے اور اس بات میں اختلاف ہے۔

سوال: طلاق دینے کے لیے الفاظ کہنے اور لکھنے کے سوا کوئی اور طریقہ بھی ہے۔

جواب: جی نہیں کوئی اور طریقہ نہیں ہے۔

سوال: کیا وضو میں ایک ہاتھ سے سر کا مسح جائز ہے۔

جواب: ایک ہاتھ سے مسح جائز نہیں یہ امام شافعی کا قدیم قول ہے۔

سوال: اگر شوہر کسی بیماری یا کسی اور عذر کی بناپر قطع تعلقی کرے تو کیا اس سے ظہار واقع ہوجائے گا۔

جواب: جی نہیں، ظہار منہ سے قسمیہ الفاظ ادا کرنے سے ہوتا ہے۔

سوال: بعض قصاب مرغی ذبح کرکے فوراً ڈبے میں پھینک دیتے ہیں کیا ایسا کرنا درست ہے۔

جواب: اس سے جانور کو تکلیف ہوتی ہے۔ اس لیے ایسا کرنا درست نہیں ہے۔

سوال: عبادت میں کمی بیشی سے کیا مراد ہے۔

جواب: ہر عبادت توفیقی ہوتی ہے جتنی شریعت نے اجازت دی ہے اتنی ہی عبادت وقفہ کے ساتھ کرنی چاہیے۔ عبادت میں کمی کرنا درست نہیں اور اس میں زیادتی بدعت کا باعث بنتی ہے۔

سوال: کیا تسبیح کے دانوں پر ذکر اذکار کرنا درست ہے۔

جواب: سنت سمجھ کر نہ پڑھیں، مطلقاً پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

سوال: کیا مسافر مقیم امام کی اقتداء میں دو رکعت ادا کرسکتا ہے۔

جواب: نہیں مسافر پوری نماز ادا کرے گا۔

سوال: کیا قنوت وتر میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جائز ہے۔

جواب: قنوت وتر میں قبل از رکوع اور بعد از رکوع ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا درست ہے۔

سوال: اگر کوئی شخص غیر شرعی امور کے لیے دوکان یا جگہ کرایہ پر مانگتا ہے تو اس کو دوکان یا جگہ کرایہ پر دی جاسکتی ہے۔

جواب: کسی بھی غیر شرعی امور کے لیے دکان یا جگہ کرایہ پر نہیں دینا چاہیے۔

سوال: کیا مسجد میں داخل ہوتے ہی سلام کہہ سکتے ہیں۔ چاہے مسجد میں کوئی آدمی موجود ہو یا نہ ہو۔

جواب: مسجد میں داخل ہو کر سلام کہنے میں کوئی حرج نہیں۔

سوال: فطرانہ نقدی کی صورت مین دیا جاسکتا ہے۔

جواب: جی ہاں لیکن غذائی شکل میں دینا زیادہ بہتر ہے۔

سوال: کیا بغیر وضو قرآن مجید کی تلاوت کی جاسکتی ہے۔

جواب: بغیر وضو کے تلاوت قرآن جائز اور درست ہے۔ کیونکہ تقدس الفاظ کا ہو گا نہ کہ اوراق کا۔ لیکن حالت جنابت میں تلاوت جائز نہیں۔

سوال: کیا بچے کے کان میں اذان دینے والی روایات ضعیف ہیں۔

جواب: اگرچہ اس مسئلہ کے بارے میں جملہ روایات سخت ضعیف ہیں لیکن یہ متواتر عمل ہے اور اجماع امت بھی ہے لہٰذا اذان دینے میں کوئی قباحت نہیں لیکن اقامت نہ کہی جائے۔

سوال: کسی محدث نے ذات کے وسیلہ کا کوئی باب باندھا ہے۔

جواب: قطعاً نہیں ایسا کوئی بیوقوف محدث ابھی پیدا نہیں ہوا۔

❁ ❁ ❁

باب ۵

مقدمات وتقریظات

مولانا گوندلوی مرحوم نے بیشتر دیگر مصنفین کی کتابوں پر مقدمات وتقریظات لکھیں۔ان میں راقم کو جو کتابیں دستیاب ہوئی ہیں۔ان کے مقدمات اور تقریظات کو بھی شامل کتاب کیا گیا ہے۔تفصیل درج ذیل ہے۔

نام کتاب	نام مصنف
۱۔ مقام حدیث	عبدالرشید عراقی
۲۔ برہان الحدیث	عبدالرشید عراقی
۳۔ احسن الابحاث بجواب عمدۃ الاثاث	مولانا محمد صفدر عثمانی
۴۔ قیامت کب آئے گی	مولانا عبدالغفار منصور
۵۔ انسداد زنا کاری کے لیے اسلام کی حفاظتی تدابیر	مولانا محمد منیر قمر
۶۔ مسلمان کون	مولانا جاوید اقبال سیالکوٹی

❁ ❁ ❁

مقام حدیث پر مقدمہ

مقام حدیث راقم آثم کی تصنیف ہے۔ جو ۲۰۰۴ء میں ''جامعہ تعلیم القرآن والحدیث'' ساہووالہ نے شائع کی۔ اس پر مولانا ابوانس محمد یحییٰ گوندلوی رحمہ اللہ نے ایک جامع وعلمی اور تحقیقی مقدمہ لکھا جو ۳۶ صفحات پر محیط ہے۔

اس مقدمہ میں مولانا گوندلوی رحمہ اللہ نے جن عنوانات کے تحت مقام حدیث کو اجاگر کیا ہے ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

سنت وحی ہے۔: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرض ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم: تاریخ اسباب وانکار

منکرین حدیث کا مقام: قرآن وحدیث میں تعارض، یہ اصول باطل ہے۔

خبر آحاد اور حدیث: ائمہ مذاہب کے اقوال راجح اور حدیث مرجوح

شیعیت اور معصومیت ائمہ: صوفیہ حضرات قادیانی اور حدیث رسول

تقلید اور انکار حدیث: حدیث کا کلی انکار کرنے والے۔ اس گروہ کے اعتراضات کا جائزہ

تدوین حدیث: تدوین حدیث سے ممانعت

کیا قرآن کریم کافی ہے حدیث اور عجمی سازش: حدیث میں تعارض

حدیث کی حیثیت تاریخ جیسی ہے: کذاب راویوں کا کردار

قرآن مجید ایک واضح اور کھلی ہوئی کتاب ہے۔ اس میں کسی قسم کا غموض وخفا نہیں ہے۔ لیکن اس میں اسلام کی تعلیمات کی پوری تفصیلات اور جزئیات کا احاطہ نہیں کیا گیا۔ اس لئے اس کے بہت سے احکامات مجمل بیان کئے گئے ہیں۔ جن کی توضیح وتشریح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وعمل سے فرمائی ہے اور آپ کا کام محض کلام الٰہی کو لوگوں تک پہنچانا نہیں تھا۔ بلکہ اس کی تشریح وتبیین بھی آپ کے ذمہ تھی۔ ارشاد الٰہی ہے۔

''اور ہم نے تمہاری طرف نصیحت (قرآن) اتاری تاکہ لوگوں کے لئے جو اتارا گیا ہے۔ اس کو ان سے کھول کر بیان کرو۔ شاید اس پر غوروفکر کریں۔''

[النحل: ۴۴]

حدیث کے ذریعہ ہی آیات کا شان نزول، اور ان کی تفسیر، احکام القرآن کی تشریح وتوضیح اور

اجمال کی تفصیل معلوم ہوتی ہے۔اس کے علاوہ پیغمبر اسلام ﷺ کی حیات طیبہ اوراخلاق وعادات مبارکہ' اسلام کا غلبہ' حکومت الہیہ کا قیام' اس کا نظام وغزوات وغیرہ کی تفصیل کا ذریعہ صرف حدیث ہے۔اگر حدیث کو نظر انداز کر دیا جائے تو اسلام کی بہت سی تعلیمات اور تاریخ اسلام کے بہت سے گوشے مخفی رہ جائیں گے۔اس لئے حدیث نبوی اسلام اور اسلامی تاریخ کا بہت بڑا قیمتی سرمایہ ہے۔اوراس پران کی عمارت قائم ہے۔

حدیث قرآن ہی کی شرح ہے۔قرآن مجید باوجود اپنی جامعیت اور جملہ علوم ضروریہ پر حاوی ہونے کے چونکہ زیادہ ایمان وعقائد اوراصول دین بیان کرتا ہے۔اس لئے اس کی حیثیت ایک بنیادی قانون اور دستور اساسی کی ہے۔اب اسے تفصیلی شکل دینا اوراس کی دفعات کی وضاحت کرنا یہ دراصل حدیث کا کام ہے۔

اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیث مصطفیٰ برجاں مسلم داشتن

قرآن مجید کی حیثیت متن کی ہے۔اور جو متن خود اپنے بیان کے مطابق محتاج شرح ہو۔اگراس کی شرح ضائع ہو جائے تو بلاشبہ وہ متن بھی باوجودیکہ اس کا ایک ایک حرف محفوظ ہے۔ضائع ہونے کے برابر ہے۔یہی وجہ ہے کہ علماء اسلام نے کبھی بھی قرآن مجید کو حدیث سے آزاد ہو کر نہیں دیکھا۔امام اوزاعی نے امام مکحول سے نقل کیا ہے۔

(الکتاب احوج الی السنة من السنة الی الکتاب).

"کتاب اللہ سنت کی اس سے کہیں زیادہ محتاج ہے جتنی کہ سنت کتاب اللہ کی محتاج ہے۔"

[جامع بیان العلم:۲/۱۹]

مقدمہ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم.

اس میں کسی مسلمان کو شک اور تردد نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد ﷺ کو دو چیزیں کتاب وحکمت سے نوازا ہے اللہ کریم فرماتے ہیں:

﴿وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَا اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ﴾.

[البقرہ:۲۳۱]

’’تم اللہ کی نعمت کو یاد کرو جو تم پر ہے اور جو اس نے تم پر کتاب اور حکمت میں سے نازل کیا وہ تم کو اسی کی نصیحت کرتا ہے۔‘‘

اور کتاب وحکمت کی تعلیم ہی منصب جلیلہ میں شامل تھی۔

﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾.

[آل عمران:۱۶۴]

’’نبی ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ اس سے پہلے یہ ظاہر گمراہی میں تھے۔‘‘

اس میں کسی مسلمان کو اختلاف نہیں کہ کتاب سے مراد قرآن کریم ہے اسی طرح جمہور اور کبار مفسرین کا اتفاق ہے کہ حکمت سے مراد دین کی معرفت، تفہیم اور سنت ہے جیسا کہ امام شافعی نے اپنی کتاب ’’الرسالہ‘‘ میں اس کی توضیح فرمائی ہے۔

قرآن کریم میں حکمت کا لفظ جب کتاب کے ساتھ مل کر آتا ہے تو وہاں عموماً کتاب سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد سنت ہے جیسا کہ معروف تابعی اور قابل اعتماد ثقہ محدث اور مفسر امام قتادہ فرماتے ہیں:

’’حکمت سے مراد سنت اور شریعت کا بیان ہے۔‘‘

[تفسیر قرطبی ۱/۱۲۴]

سنت وحی ہے

اس میں تمام ائمہ اہل سنت کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو قرآن کریم کے معانی اور تفسیر بھی بذریعہ وحی سکھائے ہیں اللہ کریم فرماتے ہیں:

﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ﴾.

[القیامہ:۱۶]

’’اے نبی (وحی کے نزول کے وقت) آپ اپنی زبان کو حرکت نہ دیں۔‘‘

تا کہ آپ اس کے (پڑھنے میں) جلدی کریں اس کا جمع کرنا اور اس کی قرأت ہمارے ذمے ہے جب ہم اس کی قرأت کریں تو آپ اس کے پیچھے قرأت کریں پھر ہم پر اس کا بیان ہے۔

ان آیات پر غور وتدبر کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح رسول اللہ ﷺ کی طرف وحی کرنے اور پھر اسے آپ کے سینہ اطہر میں جمع اور محفوظ کرنے کا ذمہ لیا تھا اس طرح اس وحی کے بیان کا بھی ذمہ لیا تھا اگر حدیث بذریعہ وحی نہ ہوتی تو اللہ کریم اس کی توضیح اور بیان کا ذمہ نہ لیتے اور بات صرف قرأت تک رہنے دیتے۔قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا اور اس کے اولین مخاطب بھی عرب تھے۔جن کی مادری زبان بھی عربی تھی اور وہ عربی کو اچھی طرح سمجھتے تھے بلکہ وہ خود کو بڑے فصیح وبلیغ گردانتے تھے اور فی الواقع وہ اپنی زبان میں پوری طرح مہارت رکھتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ بسا اوقات قرآن کریم کے کئی مقامات کی تفہیم کے لیے رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرتے اور آپ سے ان مقامات کا حل طلب کرتے جیسا کہ ظلم کے لفظ کے بارے میں صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: ''یہاں ظلم کا معنی شرک ہے۔''

[بخاری، کتاب الایمان ص ۱۱ دار السلام]

حالانکہ یہ لفظ اتنا عام ہے کہ اس کے لغوی معنی سے عرب کا بچہ بچہ واقف اور آشنا تھا لیکن بعض مقامات میں یہ لفظ چونکہ لغوی معنی سے ہٹ کر استعمال ہوا ہے اور اس کے معنی کی جب تک رسول اللہ ﷺ نے وضاحت نہ فرمائی تھی صحابہ کرام کو اس کی سمجھ نہیں آئی تھی اللہ کریم فرماتے ہیں:

﴿فَإِنَّمَا يَسَّرْنَٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنذِرَ بِهِ قَوْمًا لُّدًّا﴾.

[مریم: ۹۷]

''ہم نے قرآن کو صرف آپ کی زبان کے ذریعے سے آسان کیا ہے تا کہ آپ اس کے ذریعے پرہیزگاروں کو (جنت کی) بشارت دیں اور جھگڑالو قوم کو (جہنم کے عذاب سے)ڈرائیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے خود بھی وضاحت فرمائی ہے کہ حدیث بھی وحی ہے جیسا کہ فرمایا:

((الا انی اوتیت القرآن ومثله معه)).

[ابوداود کتاب السنہ، ح: ۴۶۰۴]

''تم آگاہ رہو کہ میں قرآن اور اس کے ساتھ اس کی مثل دیا گیا ہوں۔''

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت فرض ہے

پھر حدیث کے وحی ہونے پر وہ تمام آیات شاہد عدل ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اتباع کا حکم ہے جیسا کہ قرآن کریم کے متعدد مقامات پر ﴿اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول﴾ کا حکم موجود ہے اور یہ حکم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں حکماً کوئی فرق نہیں بلکہ یہ دونوں اطاعتیں ایک جیسی ہیں اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بلاشبہ اللہ کی اطاعت ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَن يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾.

''جو شخص رسول کی اطاعت کرتا ہے بلاشبہ وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔''

اگر کوئی کہے کہ رسول کی اطاعت سے مراد قرآن ہے لہٰذا اس سے حدیث مراد نہیں تو ہم اس سے کہیں گے یہ تمھارا مغالطہ ہے اللہ کریم نے کہاں فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت صرف ان امور میں ہے جو قرآن میں مذکور ہیں خارج از قرآن نہیں یہ قرآن کا نظریہ تو نہیں بلکہ تمھارا اختراعی نظریہ ہے پھر تمھارا یہ موقف اللہ کریم کے صریحاً خلاف ہے اللہ کریم فرماتے ہیں:

﴿وَمَآ اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾.

[الحشر:]

''رسول تم کو جو دے اسے پکڑ لو اور جس سے منع کرے تو اس سے باز آ جاؤ۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لفظ قرء نہیں فرمایا کہ رسول تم پر جو پڑھے اسے لے لو بلکہ اتی کا لفظ فرمایا ہے جو قرء سے عام ہے جس کا معنی پڑھنا نہیں بلکہ دینا ہے جس میں قول اور فعل دونوں شامل ہیں اسی لیے تو اس کے جواب میں خذوہ فرمایا جس کا معنی پکڑنا ہے پکڑنے کی دو صورتیں ہیں قولاً پکڑنا یا فعلاً پکڑنا اس میں قول کی تخصیص بلا دلیل ہے بلکہ جیسے یہ لفظ قول پر بولا جاتا ہے اس سے بڑھ کر فعل پر بولا جاتا ہے پھر یہ اتی کا سارا سلسلہ وحی کے تابع ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی خواہش پر منحصر نہیں جیسا کہ فرمایا:

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰی﴾.

[النجم:۳-۴]

''رسول اپنی خواہش سے نہیں بولتے مگر وہ وحی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔''

ان جملہ آیات سے واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا قول اور فعل دونوں وحی کے تابع تھے۔ دین کے معاملے میں رسول اللہ ﷺ اپنی خواہش اور مرضی سے کچھ نہیں کرتے تھے آپ ﷺ اللہ کے مامور بندے تھے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا آپ ﷺ اس کے مطابق عمل کرتے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتے۔

صحابہ کرام اور حدیث رسول

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حدیث رسول کی حجت کے قائل تھے امت تک حدیث کا تمام تر ذخیرہ صحابہ کرام کے ذریعے ہی پہنچا ہے۔اس سے دیگر مذاہب کے تمام اصحاب محروم ہیں تو اس سے واضح ہے کہ صحابہ کرام کو سنت سے محبت اور پیار تھا اور وہ اسے دین ہی سمجھتے تھے اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی کو روا نہیں جانتے تھے۔

صحابہ کرام کے فتوؤں سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے فتوؤں کی بنیاد کتاب وسنت پر رکھتے تھے اگر کسی موقعہ پر حدیث کا علم نہ ہونے کی وجہ سے کوئی فتوی خلاف سنت صادر ہو جاتا تو جب بھی اس بارہ میں حدیث کا علم ہو جاتا تو وہ اپنے فتوے سے رجوع کر لیتے اور حدیث پر عمل کرتے بلکہ اپنے فتوے سے علی الاعلان برأت کا اظہار کرتے اور اس میں کسی قسم کا عذر یا شرم محسوس نہیں کرتے تھے۔

اسی طرح یہ تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ صحابہ کرام کسی فعل کو خلاف سنت ہوتے دیکھ کر اس کے کرنے والے کی راہنمائی سنت کی طرف کرتے اگر وہ پھر بھی باز نہ آتا تو اس کی سرزنش کرتے اور اگر وہ پھر بھی باز نہ آتا تو اس سے مقاطعہ کرتے۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمھارا ایک اپنی بیوی کو مسجد میں جانے سے منع نہ کرے'' تو ایک شخص کہنے لگا ہم تو منع کریں گے عبداللہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے میں نے تجھ سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کی ہے اور تو کہتا ہے ہم منع کریں گے اس کے بعد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے تاحیات کلام نہیں کیا۔

[مسلم، کتاب الصلوۃ، ۱/ ۳۲۸]

یہ شخص جس نے کہا تھا کہ ہم اپنی عورتوں کو مسجد میں جانے سے ضرور روکیں گے وہ عبداللہ کا اپنا بیٹا بلال تھا۔

[مسلم کتاب الصلوۃ ۱/ ۳۲۸]

عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو کنکریاں پھینکتے دیکھا تو اسے منع کیا اور فرمایا رسول

اللہ ﷺ نے منع کیا ہے لیکن وہ باز نہ آیا اور کنکریاں پھینکتا رہا تو ابن مغفل رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے تجھ سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کی ہے لیکن تو باز نہیں آیا میں تجھ سے کبھی کلام نہیں کروں گا۔

[البخاری مع الفتح ۴/ ۶۰۷]

اور یہ شخص عبداللہ بن مغفل کا کوئی قریبی عزیز تھا۔

[مسلم ۳/ ۱۵۴۸ ترکی]

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث بیان کی تو انھوں نے تاویل کی تو عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اس علاقہ میں نہیں رہوں گا جس علاقہ میں تیری حکومت ہے اور پھر شام سے مدینہ منورہ آ گئے۔

[ابن ماجہ، مقدمہ ۲/ ۱۹]

ان واقعات سے واضح ہے کہ صحابہ کرام کو سنت سے بڑی محبت تھی اور وہ کسی بھی صورت میں اس کی مخالفت برداشت نہیں کرتے تھے بلکہ اگر وہ روکنے کے باوجود سنت کی مخالفت سے باز نہ آتا خواہ وہ کتنا قریبی عزیز حتی کہ اپنا بیٹا بھی ہوتا تو اس سے مقاطعہ کر لیتے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ سنت سے انحراف اور اس کے ترک کو گمراہی سے تعبیر کرتے تھے جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے نبی کے لیے ہدایت کی سنتیں مشروع قرار دی ہیں اور اگر تم اپنے گھروں میں نماز پڑھو جس طرح نماز میں پیچھے رہنے والا پڑھتا ہے تو تم اپنے نبی کی سنت کے تارک ہو جاؤ گے اور اگر تم سنت کو ترک کرو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔''

[مسلم ص ۴۵۳ طبع ترکی]

ایک حدیث کے الفاظ ہیں: ''تم کافر ہو جاؤ گے۔''

[ابوداود مع عون ۱/ ۲۱۶]

لہٰذا جو شخص کہتا ہے کہ صحابہ کرام سنت کو دین کا حصہ نہیں سمجھتے تھے وہ مفتری کذاب اور بہتان طراز ہے اس نے صحابہ کرام کے سر پر ایسا الزام تھوپا ہے جس سے وہ یقیناً بری تھے۔

تاریخ اسباب وانکار

کبار صحابہ کرام خصوصاً خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے دور مسعود میں تمام لوگ عامل بالسنہ تھے بلکہ اس کا تصور بھی ناممکن اور محال تھا کہ اس دور میں کوئی شخص سنت کی حجت کا منکر ہو البتہ صحابہ کرام کے بالکل آخری دور میں چند اصحاب اٹھے جیسا کہ معبد الجہنی، غیلان دمشقی اور یونس الاسواری تھے جنھوں

نے تقدیر کے معاملے میں اصول سے انحراف کیا پھران کے طریقہ پر واصل بن عطاء اور عمرو بن عبید چلے جب صحابہ کرام کو ان کے غلط نظریات کا علم ہوا تو ان سے علیک سلیک ختم کر دیا اور قطع تعلق فرمالیا یہ بدعتی حضرات حرمین سے دور تھے جس کی وجہ سے ان کے نظریات لوگوں میں پھیلنے لگے۔

جناب علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلافات نے بھی اپنا رنگ دکھایا کہ ان دونوں کے درمیان سے ایک تیسرے گروہ نے جنم لیا جس سے اسلام کی ساکھ کو بہت نقصان پہنچا۔ ان حالات میں مسلمان تفریق وتشتت کا شکار ہو گئے اور ملت واحدہ کئی فرقوں میں تقسیم ہو گئی بعد میں ان فرقوں نے مستقل مذہبی فرقوں کی صورت اختیار کر لی اور ہر ایک نے اپنے الگ الگ قانون وضع کر لیے۔

سوائے اہل سنت اہل حدیث کے باقی یہ جملہ فرقے چونکہ بدعت کی پیداوار تھے جن کا منہج کتاب وسنت سے ہٹ کر تھا لہٰذا ان کو ایسے اصولوں کی ضرورت تھی جن سے یہ اپنا الگ وجود قائم رکھ سکیں۔ اگر وہ بعینہ کتاب وسنت پر عمل کرتے تو پھر ان کا وجود باقی نہیں رہ سکتا تھا۔ کیونکہ قرآن تفرقہ کی اجازت نہیں دیتا قرآن چونکہ تحریری صورت میں موجود تھا جس میں کسی قسم کی تحریف یا کمی وبیشی ممکن نہ تھی کیونکہ اس دور میں ایک ایک علاقہ میں ہزاروں کی تعداد میں حفاظ کرام موجود تھے اگر وہ قرآن میں تحریف کرتے تو ان کی تحریف پکڑی جاتی اور لوگوں میں بدنام ہو جاتے جس سے ان کا مشن ادھورا رہ جاتا البتہ قرآن کریم کے بہت سے مقامات مجمل ہیں ان کی تفسیر حدیث کے بغیر ممکن نہیں اور حدیث کے بغیر ان کی مصنوعی تحریف کا احتمال باقی رہتا ہے لہٰذا ان تمام فرقوں نے حدیث کو تختہ مشق بنایا جس سے حدیث کے انکار کے دروازے کھل گئے۔

منکرین حدیث کی اقسام

منکرین حدیث کو دو گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

اولاً: حدیث کا جزوی انکار کرنے والے

ثانیاً: حدیث کا کلی انکار کرنے والے

جزوی انکار کرنے والوں میں شیعہ، معتزلہ، جہمیہ، مرجیہ، مقلدین، قادیانی اور وہ حضرات ہیں جو خود کو روشن خیال تصور کرتے ہیں۔ یہ روشن خیال لیے دراصل معتزلہ عقائد کے ہی حامل ہیں۔ جزوی انکار کرنے والے حضرات حدیث کے بارے میں مندرجہ ذیل نظریات رکھتے ہیں۔

۱۔ جو حدیث قرآن کے معارض ہو گی قابل رد ہے۔

۲۔ حدیث خبر احاد سے مروی ہے جو ظن ہے جو ظن میں حق و باطل دونوں کا احتمال ہوتا ہے قرآن متواتر ہے جو یقینی ہے لہٰذا جو حدیث قرآن کے معارض ہوگی وہ قابل قبول نہیں ہے۔

۳۔ حدیث احکام میں تو معتبر ہے لیکن عقائد میں قابل حجت نہیں کیونکہ عقیدہ کی بنیاد ظن پر نہیں بلکہ یقین پر ہوتی ہے۔

۴۔ ہر گروہ نے اپنے ائمہ کے اقوال کو راجح قرار دیا ہے اور حدیث کو ان کے مقابلہ میں عملاً مرجوح۔

یہ چاروں اصول ایسے ہیں جو ان تمام حضرات کے ہاں مشترکہ ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

قرآن وحدیث میں تعارض

آج بھی یہ نظریہ قائم ہے کہ ہر حدیث جو قرآن کے معارض ہوگی خواہ وہ سند کے لحاظ سے صحت کے اعلیٰ درجے کو پہنچتی ہو رد کر دی جائے گی اس نظریہ کا آغاز بعض زنادقہ اور ملحدین نے کیا لیکن اس کو تقریباً تمام بدعتی مذہبی فرقوں نے تسلیم کیا جن میں شیعہ، معتزلہ، جہمیہ، خوارج اور متاخرین فقہاء عراق ہیں اور اس کے لیے ایک وہ موضوع روایت کا سہارا لیتے ہیں۔

((ما اتاكم عنى فاعرضوه على كتاب الله وان خلف كتاب الله فلم اقله)).

"تمھارے پاس میری کوئی حدیث آئے تو اسے کتاب اللہ پر پیش کرو اور اگر وہ کتاب اللہ کے موافق ہے تو وہ میری حدیث ہے اور اگر کتاب اللہ کے مخالف ہے تو وہ میری حدیث نہیں ہے۔"

پھر اس من گھڑت روایت کی آڑ میں حدیث کے رد کرنے کا ایک مستقل اصول وضع کر لیا مشہور شیعہ محدث کلینی (م ۳۲۹) اپنی سند کے ساتھ ابو عبداللہ (جعفر) کی طرف منسوب قول ذکر کرتا ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

(كل حديث لا يوافق من القرآن فهو زخرف).

[الاصول من الکافی ۱/ ۶۹]

"ہر حدیث جو قرآن کے موافق نہ ہو وہ باطل ہے۔"

پھر اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کی طرف یہ حدیث منسوب کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((يا ايها الناس ما جاء كم عنى يوافق كتاب الله فانا قلته وما جاء كم

يخالف كتاب الله فلم اقله)).

''اے لوگو جو تمھارے پاس میری حدیث آئے وہ کتاب اللہ کے موافق ہو تو وہ میری حدیث ہے اور کتاب اللہ کے خلاف ہو تو وہ میری حدیث نہیں ہے۔''

[الاصول من الکافی ۱/۶۹]

متاخرین احناف نے بھی اس اصول کی کو اپنی کتابوں میں بڑی کثرت سے استعمال کیا ہے اور متعدد صحیح احادیث کو اس اصول کی وجہ سے رد کیا ہے۔ صاحب ہدایہ متفق علیہ حدیث لا تحرم المصة و لا المصتان کو اسی اصول کے تحت رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(رواه مردود بالكتاب او منسوخ).

[ہدایہ ۱/۳۲۹]

''یہ حدیث کتاب اللہ کی وجہ سے مردود ہے یا منسوخ ہے۔''

اور یہ اصول ان کی عام اصول کی کتابوں میں پایا جاتا ہے جیسا کہ اصول الشاشی اور اصول السرخسی وغیرہ۔ احناف میں اصول فقہ پر لکھنے والوں میں اکثر حضرات علم حدیث سے کما حقہ واقف نہ تھے بلکہ ان میں سے بہت سے ایسے بھی لوگ ہیں جو معتزلہ عقائد کے حامل تھے یا معتزلہ سے متاثر ضرور تھے۔ جس کا اعتراف شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اور مولانا عبدالحی لکھنوی نے اپنی کتاب الرفع والتکمیل ص ۳۸۶ میں کیا ہے یہی وجہ ہے کہ احناف کے اصول فقہ میں حدیثی رنگ کے بجائے اعتزال کا رنگ زیادہ نمایاں ہے۔

[مقلدین ائمہ کی عدالت میں ص ۲۴۰]

یہ اصول باطل ہے

ہم مقالہ کے آغاز میں بدلائل ثابت کر آئے ہیں کہ حدیث بھی وحی ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کی طرف فرماتے تھے جب یہ وحی ہے تو اس کا قرآن کے ساتھ اختلاف کیسے ہو سکتا ہے:

﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾.

بلاشبہ کوئی صحیح حدیث قرآن کریم کے خلاف اور معارض نہیں۔ صرف ذوق فہم یا سوء فہم کا نتیجہ ہے یا وہ حدیث جس کو آیت کریمہ کے معارض ٹھہرایا جا رہا ہے کہ ''ماله وما عليه'' یعنی پیش منظر اور پس منظر سے جہالت کا نتیجہ ہے کیونکہ حدیث قرآن کی تفسیر ہے جو قرآن کے معنی اور مطالب کی توضیح کرتی

ہے اور یہ تو ممکن نہیں کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی وحی کو نہ سمجھ پائے ہوں یا آپ نے عمداً قرآن کریم کی مخالفت کی ہو اور اپنی طرف سے اس کی غلط تفسیر کر دی ہو ایسی سوچ تو کفر سے کسی درجہ کم نہیں ہے امام ابن القیم ان کے اس اصول پر گفتگو کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

''سنت کا قرآن سے تعلق تین طرح کا ہے ایک یہ کہ کلیۃً قرآن کے موافق ہو تو اس صورت میں قرآن اور سنت کا توارد ایک طرح کا ہوگا دوسرا یہ کہ سنت قرآن کی تفسیر ہو تیسرا یہ کہ سنت قرآن کے اس حکم کو واجب کرتی ہو جس سے قرآن کریم خاموش ہے بس یہی تین صورتیں ہیں چوتھی صورت موجود نہیں اور ان تینوں صورتوں میں سنت کا قرآن کریم سے کسی اعتبار سے تعارض نہیں ہے جو سنت سے زائد ہو وہ نبی کریم کی طرف شریعت ہے جس کی اطاعت واجب ہے اور اس کی معصیت اور نافرمانی حلال نہیں ایسی سنت کتاب اللہ پر تقدیم نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری ہے جو اس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے اگر اس صورت میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت نہ کی جائے تو اطاعت کا کوئی معنی اور مفہوم باقی ہی نہیں رہتا اور وہ اطاعت جو آپ کے ساتھ مخصوص ہے ختم ہو کر رہ جاتی ہے اگر آپ کی اطاعت صرف اسی امر میں ہے جو قرآن کریم کے موافق ہو تو اس سے زائد میں نہیں تو پھر اطاعت خاص نہ ہوئی حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾.

''جو شخص رسول کی اطاعت کرتا ہے بلاشبہ وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔''

اہل علم کے لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ حدیث کو قبول نہ کریں جو کتاب اللہ سے زائد ہے (پھر اس پر امام موصوف نے درجنوں مثالیں دے کر آخر میں فرمایا ہے) اگر اس کا رد کرنا درست ہے جو کتاب اللہ سے زائد ہے تو پھر وہی سنت باقی رہے گی جو بظاہر قرآن کے موافق ہو گی اور اکثر سنن رد ہو کر رہ جائیں گی۔''

[اعلام الموقعین ۲/۲۲۱]

خبر آحاد اور حدیث

معتزلہ اور متکلمین حضرات نے اور ان کے بالتبع بعض احناف نے حدیث کو ظن کا درجہ دیا ان کا

اس کے بارے میں موقف یہ ہے کہ حدیث آحاد کے طریق سے مروی ہے جو ظن کا فائدہ دیتی ہے اور ظن شریعت میں حجت نہیں ہے پھر اس اصول کی آڑ میں یہ نظریہ قائم کیا گیا کہ حدیث احکام میں تو حجت ہے عقائد میں حجت نہیں اس اصول کے وضع کا مقصد بھی اپنے نظریات کا تحفظ تھا اگر وہ عقائد میں سنت کو حجت تسلیم کرتے تو ان کے نظریات ہی ختم ہو جاتے اس اصول کی وجہ سے انھوں نے صفات باری تعالیٰ کے بارے میں صحیح احادیث کی اولاً تاویلات کیں اور بالآخر انکار کر دیا امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام عثمان دارمی، امام ابن خزیمہ، امام ابن مندہ، امام ابونعیم اصبہانی اور امام بیہقی اور دیگر بہت سے محدثین کرام نے اس اصول کا کتاب وسنت کی روشنی میں جائزہ لیا اور اسے نصوص صحیحہ کے منافی اور متضاد پایا۔ اور نقل اور عقل کے ذریعے ثابت کیا کہ اگر اس اصول کو اپنایا جائے تو بہت سے دینی اور دنیاوی امور اور معاملات میں خلل پیدا ہو جائے گا کیونکہ اکثر دینی امور اور دنیاوی معاملات کا اصل خبر آحاد ہے اور یہ بھی واضح کیا کہ شریعت نے حدیث کے حجت ہونے میں عقیدہ اور احکام میں تفریق نہیں کی یہ تفریق ان بدعتیوں کی اپنی ایجاد کردہ ہے اس بارے میں مزید تفصیل عقیدہ اہلحدیث ص ۶۳ طبع ثانی میں ملاحظہ فرمائیں۔

ائمہ مذاہب کے اقوال راجح اور حدیث مرجوح

تمام فرقوں پرستوں کے ہاں یہ اصول نہایت مقبول ہے کہ وہ اپنے ائمہ مذاہب کے اقوال کو حدیث نبوی پر ترجیح دیتے ہیں اور یہی چیز تفریق وتشتت کا باعث بنی ہے کہ ہر گروہ نے عملاً اپنے امام کو معصوم سمجھا اور پھر اس کی ہر بات کو حق مانا خواہ وہ کتاب اللہ کے دلائل قاطعہ اور احادیث صحیحہ کے نصوص واضحہ کے صریحاً متضاد اور مخالف ہو۔

آیئے! اس سلسلہ میں ہم معروف فرقوں کے رویہ اور عمل کو ملاحظہ کرتے ہیں جس سے واضح ہو جائے گا کہ ہم نے جو دعوی کیا ہے وہ بلا دلیل نہیں بلکہ اس کا حقیقت کے ساتھ گہرا تعلق ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔

شیعیت اور معصومیت ائمہ

شیعہ حضرات نے اس اصول کی بنیاد رکھی کہ حدیث وہی قابل قبول ہوگی جو ان کے مزعومہ ائمہ معصومین کے طریق اور واسطہ سے مروی ہوگی اور ہر وہ حدیث قابل رد ہوگی جو ان کے ائمہ کے اقوال

کے خلاف ہوگی۔ ان کا یہ اصول اس مفروضہ پر قائم ہے کہ ائمہ اہل بیت اطہار معصوم ہیں جو ہر قسم کی خطا سے مبرا اور پاک ہیں اور شریعت کے علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ معصوم سے منقول ہے لہٰذا روایت حدیث کے لیے ضروری ہے کہ وہ بطریق معصوم مروی ہو اور جو حدیث معصوم سے مروی نہیں یا معصوم کے علم کے خلاف ہے تو وہ مردود ہے۔

ابو جعفر کی طرف منسوب قول ہے کہ انھوں نے سلمہ بن کہیل اور حکم بن عتیبہ سے فرمایا تم مشرق اور مغرب کے چکر لگالو۔

فلاتجدان علما صحیحا الا شیئا خرج من عندنا اهل البیت.

''تم صحیح علم وہ ہی پاؤ گے جو ہمارے اہل بیت کے ہاں سے صادر ہوا ہے۔''

مزید فرماتے ہیں: تم دائیں اور بائیں طرف چلے جاؤ۔

(و الله لا یؤخذ العلم الا من اهل البیت نزل علیهم جبریل).

[الاصول من الکافی ۱/۴۰۰]

تو علم ہمارے اہل بیت سے ہی حاصل ہوگا جن پر جبریل نازل ہوا تھا۔

ابو عبداللہ کی طرف منسوب ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

(فما جاء من عندهم فهو صواب و ما جاء من عند غیرهم فهو لقاط).

''جو ان ائمہ سے منقول ہے وہ درست ہے۔ اور جو ان کے غیر منقول ہے وہ ردی اور بے کار ہے۔''

ان کے اقوال حجت کیوں ہیں اور یہ معصوم کیوں ہیں تو ان کے خیال میں ائمہ اہل بیت بھی رسول کے مقام ومرتبہ پر فائز ہوتے ہیں اگرچہ ظاہری نزاکت سے بچتے ہوئے رسول کے درمیان اور معصومین کے درمیان اتنا فرق ضرور رکھا گیا ہے کہ ان پر رسول یا نبی کے لفظ کا استعمال نہیں ہوتا باقی تمام خواص رسول اور نبی والے ہیں جیسا کہ ابو عبداللہ (باقر) کی طرف منسوب قول ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

(ان الائمة بمنزلة رسول الله ﷺ الا انهم لیسوا بانبیاء و لایحل لهم من النساء ما یحل لنبی ﷺ فأما خلا ذلك فهم فیه بمنزلة رسول الله).

[الاصول من الکافی ۱/۲۷۰]

”بلاشبہ ائمہ رسول اللہ کے منزلہ ومرتبہ پر ہیں مگر وہ نبی نہیں ہیں ان کے لیے اتنی عورتیں حلال نہیں ہیں جتنی رسول اللہ ﷺ کے لیے حلال تھیں اس کے علاوہ دیگر معاملات میں وہ رسول اللہ ﷺ کے ہم مرتبہ ہیں۔“

پھر یہ ائمہ بھی ملہم من اللہ ہیں فرشتے ان سے بھی ہم کلام ہوتے ہیں جیسا کہ ابوالحسن فرماتے ہیں:

(الائمة علماء صادقون مفهمون محدثون).

[الاصول من الکافی ۱/۲۷۱]

”ائمہ علماء صادقین ہیں جو ملہم اور محدث ہیں۔“

محدث کس کو کہتے ہیں اس کی تفسیر بھی ان کے الفاظ میں سنیے۔

يحدث به ملك. [ایضًا]

”اس سے فرشتہ ہم کلام ہوتا ہے۔“

فرشتہ کس کیفیت اور انداز سے ان ائمہ سے ہم کلام ہوتا ہے اس کی کیفیت اور ماہیت بھی ابوعبداللہ کی طرف منسوب ایک قول سے ملاحظہ کریں فرماتے ہیں:

انه يسمع الصوت ولا يرى الشخص انه يعطى السكينة والوقار حتى يعلم انه كلام ملك.

[الاصول من الکافی ۱/۲۷۱]

”امام فرشتے کی آواز سنتا ہے لیکن اس کی شخصیت نہیں دیکھتا امام کو سکینت اور وقار سے نوازا جاتا ہے جس سے وہ جان لیتا ہے کہ یہ فرشتے کا کلام ہے۔“

بسا اوقات تو ان کو فرشتے کی بھی ضرورت نہیں رہتی بلکہ روح ان کا مصاحب ہوتا ہے جو ان کی صحیح رہنمائی کرتا ہے ابوعبداللہ کی طرف منسوب قول میں ہے:

خلق من خلق الله اعظم من جبريل وميكائيل كان مع رسول الله ﷺ يخبره ويسدده وهو مع الئمة من بعد.

[الاصول من الکافی ۱/۲۷۳]

”روح اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے جو جبریل اور میکائیل سے بھی بڑی ہے یہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھی آپ کو خبر دیتی اور درستی کی طرف رہنمائی کرتی پھر آپ کے بعد یہ

روح ائمہ کے ساتھ ہوگی۔"

اس روح سے مشرف صرف رسول اللہ ﷺ اوران کے بعد ائمہ ہوئے ہیں جیسا کہ ابوعبداللہ کی طرف منسوب ہے۔

لم یکن مع احد ممن مضی غیر محمد وھو مع الائمہ یسددھم.

[الاصول من الکافی ۱/۲۷۳]

"یہ روح رسول اللہ ﷺ سے قبل کسی کے ساتھ نہ تھی اور وہ اب ائمہ کے ساتھ ہے جو ان کی درست رہنمائی کرتی ہے۔"

ان تمام مفروضہ اقوال سے واضح ہے کہ نبی کا مخزن علم اوران کے ائمہ معصومین کا مخزن علم ایک ہی ہے جس طریقہ سے نبی اللہ تعالیٰ سے علم حاصل کرتے تھے ائمہ بھی اسی طریقہ سے حاصل کرتے ہیں اس نظریے سے مقصد واضح ہے کہ ائمہ کے نام جو بات بھی منسوب ہوگی اسے الہام اوروحی کا درجہ حاصل ہوگا اوراس کے خطا ہونے کا احتمال باقی نہیں رہے گا اور نہ ہی اسے چیلنج کیا جاسکے گا عصمت اور محدث کا ان کے ہاں جو مفہوم ہے وہ تب ہی درست ہوسکتا ہے کہ معصوم وہ ہے جس سے خطا سرزد نہ ہو اور محدث وہ ہے جس سے فرشتہ ہم کلام ہو اور فرشتہ سے علم پا کر کلام کرے اس لیے وہ صرف اسی حدیث کو قبول کرتے ہیں جو ان کے ائمہ کی طرف منسوب ہو جن حضرات نے ان کے عقائد میں تحقیق کی ہے انھوں نے بھی یہی نتیجہ نکالا ہے جیسا کہ تاریخ المذاہب کے مؤلف فرماتے ہیں:

ان الشیعة الامامیة یذکرون ان اقوال المتھم سنة ویذکرون ان السنة لا تروی الا عن امامی ولا یقبل احادیث السنی الا بقیود معینة.

[تاریخ المذاہب ۲/۶۰]

شیعہ اپنے ائمہ کے اقوال کو سنت قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ احادیث وہی قابل قبول ہوں گی جنھیں ہمارے ائمہ نے روایت کیا ہو۔

ولا یؤمنون بالعلم ولا بالحدیث الا اذا روی عن ھؤلاء الائمة.

[فجر الاسلام ص ۲۷۱]

احادیث وہی قابل قبول ہوں جو شیعہ کے ائمہ کے طریق سے روایت کی جائیں۔

وان یرفضوا ما روی من غیرھم.

اور شیعہ ائمہ کے علاوہ تمام کی روایت کردہ احادیث کو چھوڑ دیں۔

ان کے اس اصول سے کتنی احادیث کا انکار لازم آئے گا اور کتنی باقی رہ جائیں گی جو قابل حجت ہوں گی ظاہر ہے ائمہ اہل بیت میں سے صرف علی حسن اور حسین رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے مشرف ہوئے ہیں جنھوں نے براہ راست رسول اللہ ﷺ سے حدیث سنی ہے اور ان میں سے بھی جناب حسین رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ کوئی ایسی حدیث مروی نہیں ہے جسے انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہو اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت یہ کمسن بچے تھے حسن رضی اللہ عنہ سے بھی چند ایک احادیث مروی ہیں جن کی تعداد ممکن ہے ایک درجن تک بھی نہ پہنچی ہو۔ ہاں امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ سے علم کا ایک وافر حصہ مروی ہے لیکن اس کے باوجود وہ اسلام کی مکمل تعلیم کے مقابلہ میں عشر عشیر بھی نہیں گویا اس اصول کی روشنی میں وہ احادیث جو ان ائمہ کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام سے مروی ہیں جو ہزاروں کی لاتعداد میں ہیں وہ ناقابل حجت اور ناعمل ٹھہریں گی۔

صوفیہ حضرات

دوسری صدی ہجری میں زاہدین کے نام سے ایک گروہ اٹھا جو بعد میں چل کر صوفیہ کے نام سے موسوم ہوا عام لوگ اس گروہ کے حاملین کو ترک دنیا اور زہد کی نظر سے دیکھتے تھے جس سے ان کے بارے میں لوگ بڑے اچھے خیالات رکھتے تھے اور ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اوائل میں ان کا شغل عبادت میں انہاک اور دنیا سے بے رغبتی تھا آہستہ آہستہ یہ گروہ وحدت الوجود اور حلول جیسے مخصوص عقائد کا حامل ہو گیا جو غیر اقوام عیسائیوں پارسیوں اور ہندوؤں سے مستعار لیے گئے تھے بالآخر یہ لوگ اپنے مخصوص عقائد کی وجہ سے ایک مستقل مکتب فکر کی صورت اختیار کر گئے اسلام میں خانقاہی نظام اور قبر پرستی جسے توحید شکن نظریات ان کی وجہ سے پروان چڑھے۔

تصوف ایک مستقل مذہب ہے جو شیعت اور نصرانیت سے مرکب مغلوب ہے جس نے اسلام کے نام سے صحیح اسلامی عقائد کی بیخ کنی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔

اس فکر کے حامل حضرات زیادہ تر شیعیت کے نظریات رکھتے ہیں یا ان کے قریب قریب تھے اس لیے روایت حدیث میں ان کا طریقہ اور منہج اہل تشیع جیسا تھا جس طرح انھوں نے اپنے نظریات کی ترویج کی خاطر روایت حدیث میں جھوٹ بولنے میں کوئی کمی نہیں کی بلکہ مطلب برابری کے لیے ہزاروں روایات گھڑ کر انھیں رسول اللہ ﷺ کے نام ناحق تھوپ دیا اسی طرح صوفیہ حضرات نے اپنے

عقائد واعمال کی تائید میں ہزاروں حدیثیں ناحق رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دیں۔امام مسلم نے امام یحییٰ بن سعید القطان سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

لم نر الصالحين في شيء اكذب منهم في الحديث.

[مسلم مقدمہ ص ۷ اطبع ترکی]

''ہم نے صالحین (زاہدین) حضرات سے زیادہ جھوٹ بولنے والا نہیں دیکھا۔''

یہ تو متقدمین صوفیہ تھے بعدازاں ان میں سے متاخرین حضرات نے جو گل کھلائے ہیں اس باب میں ان کی کوئی نظیر نہیں ملتی اور اپنے اکابر کی تقدیس میں یہ شیعہ حضرات سے بھی چار قدم آگے نکل گئے۔شیعہ اپنے چند ائمہ کے بارے میں عصمت اور الہام کا نظریہ رکھتے ہیں لیکن ان حضرات کا تو اپنے ہر بڑے صوفی کے بارے میں یہ نظریہ قائم کیا ہے:

خضتنا بحرا ووقف الانبياء على ساحله.

[الفکر الصوفی ص ۵۸]

''ہم تو علم کے سمندر میں غوطہ زن ہوئے ہیں اور انبیاء اس کے کنارے پر کھڑے رہے ہیں۔''

پھر یہی نہیں بلکہ انھوں نے بھی اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ علم حاصل کرنے کا دعوی کیا۔

ابو یزید بسطامی علماء شریعت کا رد کرتے ہوئے کہتا ہے:

اخذتم علمكم ميتا عن ميت، واخذنا علمنا عن الحي الذى لا يموت يقول امثالنا حدثني قلبي عن ربي وانتم تقولون حدثني فلان واين هو؟ قالوا: مات عن فلان وأين هو؟ قالوا: مات.

[الفکر الصوفی ص ۹۹]

''تم نے اپنا علم مردوں کے ذریعے حاصل کیا ہے اور ہم نے اپنا علم اللہ سے حاصل کیا ہے جو کبھی نہیں مرے گا ہم کہتے ہیں میرے دل نے مجھ سے بیان کیا میرے رب سے اور تم کہتے ہو مجھ سے فلاں نے بیان کیا ہے جب پوچھا جاتا ہے وہ کہاں ہے تو جواب آتا ہے وہ مر گیا ہے اس سے فلاں نے بیان کیا وہ کہاں ہے تو وہ کہتے ہیں وہ بھی مر گیا ہے۔''

ابویزید نے کتنے واشگاف الفاظ میں کہا ہے کہ ہم نے علم بذریعہ سند حاصل نہیں کیا بلکہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا ہے گویا کہ ان کے ہاں سند کا کوئی مقام نہیں۔ حالانکہ سند اسلام کے امتیازات میں سے ہے جس پر اہل اسلام کو فخر حاصل ہے جبکہ یہ صرف اس کا انکار ہی نہیں کرتے بلکہ اسے مذاق سمجھتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ حدیث کو اپنے مقاصد کی تکمیل میں ایک بڑی رکاوٹ سمجھتے ہیں اور انھیں یہ معلوم ہے کہ حدیث کے ہوتے ہوئے ان کے تصوف کا چراغ نہیں جلے گا جیسا کہ جنید کہتے ہیں:

احب للمبتدئ لا یشغل قلبه بهذه الثلاث والا تغیرت حاله: التکسب وطلب الحدیث والتزوج احب للصوفی ان لایقرأ ولا یکتب لانه أجمع لهمه.

”میں ابتدائی صوفی کے لیے پسند کرتا ہوں کہ اس کا دن تین باتوں سے مشغول نہ ہو ورنہ اس کی حالت بدل جائے گی روزی کمانا، حدیث کا طلب کرنا اور نکاح کرنا۔ اور میں صوفی کے لیے پسند کرتا ہوں کہ وہ نہ لکھے اور نہ پڑھے۔ اس لیے کہ (جاہل رہنے سے) وہ اپنے مقصد کو اچھی طرح پالے گا۔“

معروف صوفی ابوسلیمان دارانی لکھتا ہے:

اذا طلب الرجل الحدیث او سافر فی طلب المعاش او تزوج فقد رکن الی الدنیا.

[الفکر الصوفی ۱۰۰]

”آدمی جب حدیث طلب کرتا ہے یا معیشت کی خاطر سفر کرتا ہے نکاح کرتا ہے تو وہ دنیا کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔“

ظاہر ہے جب وہ حدیث کی طلب کو دنیا کی طرف میلان اور تصوف سے دوری کا سبب سمجھتے ہیں تو وہ حدیث کو قابل عمل کیسے سمجھیں گے؟

قادیانی اور حدیث رسول

قادیانی بھی تقریباً ان تمام عقائد نظریات اور اصول کے حامل ہیں جو صوفیہ حضرات کے ہیں

اس گروہ کا سرغنہ مرزا غلام احمد قادیانی ہے جس نے انیسویں صدی عیسوی کے آخری عشرہ میں کئی قسم کے دعوے کیے اور بالآخر کھل کر نبوت کا اعلان کر دیا۔ اپنے دعوؤں سے پہلے یہ حنفی مذہب کا مناظر اور صوفی مشرب کا حامل تھا اور آخر تک اس کا پابند رہا لہٰذا حدیث کے بارے میں انھوں نے شیعہ اور صوفیہ کے اصول کو پوری طرح اپنایا بانی گروہ نے اپنے بارے میں اعلان کیا:

۱۔ جو شخص حکم ہو کر آیا ہے اس کو اختیار ہے کہ حدیثوں کے ذخیروں میں سے جس انبار کو چاہے خدا سے علم پا کر قبول کرے اور جس ڈھیر کو چاہے خدا سے علم پا کر رد کرے۔

[تحفہ گولڑویہ ص ۱۴]

۲۔ علماء مخالفین کا میری نسبت اور کوئی بھی عذر نہیں بجز اس بے ہودہ عذر کے جو ایک ذخیرہ رطب ویابس حدیثوں کا انھوں نے جمع کر رکھا ہے ان کے ساتھ مجھے ناپنا چاہتے ہیں حالانکہ ان حدیثوں کو میرے ساتھ ناپنا چاہیے۔

[تحفہ گولڑویہ ص ۶۸]

مرزا محمود احمد اپنے والد متنبی مرزا غلام احمد کے الہام اور احادیث میں موازنہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''احادیث تو بیسیوں راویوں کے پھیر سے ہمیں ملی ہیں اور الہام براہ راست اس لیے (مرزا کا الہام) مقدم ہے نہ کہ اس لیے وہ رسول اللہ ﷺ کے قول سے معتبر ہے بلکہ اس لیے کہ ان راویوں سے معتبر ہے مسیح موعود سے جو باتیں ہم نے سنی ہیں وہ حدیث کی روایت سے معتبر ہیں۔''

[قادیانی کافر کیوں ص ۵۹]

۴۔ اب کوئی قرآن نہیں سوائے اس قرآن کے جو حضرت مسیح موعود نے پیش کیا اور کوئی حدیث نہیں سوائے اس حدیث کے جو حضرت مسیح موعود کی روشنی میں نظر آئے اور کوئی نبی نہیں سوائے اس نبی کے جو حضرت مسیح موعود کی روشنی میں دکھائی دے اس طرح رسول اللہ ﷺ کا وجود اس ذریعہ سے نظر آئے گا کہ حضرت مسیح موعود کی روشنی میں دیکھا جائے گا اگر کوئی آپ سے علیحدہ ہو کر دیکھنا چاہے تو اسے کچھ نہ آئے گا ایسی صورت میں اگر کوئی قرآن کو بھی دیکھے گا تو وہ بھی یھدی من یشاء والا قرآن نہ ہوگا بلکہ یضل من یشاء والا ہوگا اسی طرح حدیثوں کو اپنے طور پر پڑھیں گے تو مداری کی پٹاری سے زیادہ وقعت نہ رکھیں گے حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں: حدیثوں کی کتابوں کی مثال تو مداری کے پٹارے کی ہے جس طرح مداری جو چاہتا ہے وہ نکال لیتا ہے اسی طرح ان

سے جو چاہو وہ نکال لو۔

[قادیانی کافر کیوں ص ۵۹]

مرزا صاحب اور اس کے بیٹے کے مذکورہ اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے نظریات کے خلاف آمدہ حدیث کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے بلکہ وہ اسی حدیث کو قبول کرتے تھے جو اس کے نظریات یا دعوؤں کے موافق ہے۔ ان کا یہ نظریہ شیعہ اور صوفیہ کا ہی چرایا ہوا ہے فرق یہ ہے کہ شیعہ اپنے ائمہ کے بارے میں اور صوفیہ اپنے اکابر صوفیہ کے بارے میں اس قسم کا نظریہ رکھتے ہیں جبکہ مرزا ایسا نظریہ خود اپنی ذات کے بارے میں رکھتا تھا۔ پھر اس پر مستزاد یہ کہ پہلے دونوں گروہ رواۃ کی وجہ سے اپنے خلاف کوئی حدیث قبول نہیں کرتے جبکہ مرزا اپنے خلاف حدیث کو رواۃ کے اعتبار سے رد نہیں کرتا بلکہ متن کو ہی تسلیم نہیں کرتا۔ وہ حدیث کا موازنہ اپنی ذات سے کرتا تھا۔ یہ نہیں تھا کہ وہ اپنی ذات کا موازانہ حدیث سے کرتا گویا کہ حدیث کے رد کرنے میں یہ اتنی ڈھٹائی اور بے شرمی ہے کہ جس کی پہلے مثال نہیں ملتی۔

تقلید اور انکار حدیث

تقلید نے چوتھی صدی ہجری میں مسلمانوں میں اپنے پنجے گاڑھے اس کا حملہ اتنا زور آور تھا کہ اکثریت کو اپنی رو میں بہا کر لے گئی اور اکثر اس کی زد میں آ گئے اور اس کا شکار ہو گئے تقلید کی بنیاد تعصب اور جہالت پر تھی جس میں ایک ہی درس دیا گیا کہ مقلد کے لیے بس اس کے امام کا قول کافی ہے قرآن وسنت پر عمل کرنا مقلد کا وظیفہ نہیں بلکہ اس کا وظیفہ اپنے امام کے قول پر عمل کرتا ہے اس نظریہ نے اقوال ائمہ کو حدیث کے بالمقابل لا کھڑا کیا جس سے بہت سے مفاسد پھیلے اور کئی خرابیاں پیدا ہوئیں۔ جیسے جیسے تقلید کا مرض سرایت کرتا گیا کتاب وسنت طاق نسیان ہوتی گئی برصغیر میں مسلمانوں کی اکثریت مقلدین احناف کی ہے اور تقلید بھی جامد قسم کی۔ اس لیے کہ یہاں کے مسلمان عموماً اپنے دین کی حقیقی تعلیمات سے ناواقف ہیں پھر قبر پرستی اور خانقاہی نظام نے اسلامی تعلیمات کا حلیہ ایسا بگاڑا کہ جس سے کتاب وسنت کی حقیقی صورت معدوم ہو گئی۔

فقہ حنفی کے بہت سے مسائل صحیح حدیث کی بجائے آراء وقیاس کے گرد گھومتے ہیں جس سے اس فقہ کا بہت سے مسائل میں صحیح احادیث سے اختلاف ہونا فطری بات ہے اب اگر حدیث پر عمل کیا جاتا ہے تو یہ بات تقلید کے خلاف ہے کیونکہ تقلید تو کسی غیر نبی کی بات کو بلا دلیل بغیر کسی چوں چراں کے قبول کرنے کا نام ہے۔ لہٰذا ہر دور کے مقتدر مقلدین حضرات نے اپنے آئمہ کے اقوال کے خلاف مروی

احادیث کی ایسی تاویلات کی ہیں جن سے اصل مفہوم ہی بدل گیا ہے۔ پھر احناف کے اصولیین میں سے بہت سے سرکردہ حضرات ایسے تھے جو عقائد میں معتزلی تھے لہذا انہوں نے اصول حنفیہ میں معتزلہ کے اصولوں کو ایسے ضم کیا ہے کہ اب وہ اصول فقہ حنفی کا جز ولاینفک بن چکے ہیں اس کے لئے اگر بعض صحابہ کو غیر فقیہ کہنا پڑا تو وہ اس سے چونکے نہیں بلکہ بلا جھجک کہہ دیا کہ اگر ابو ہریرہ اور انس کی حدیثیں (ان کے) قیاس کے خلاف ہوئیں تو اسے ترک کر دیا جائے گا جیسا کہ مصراۃ والی حدیث ہے تا کہ رائے کا دروازہ بند نہ ہو۔

[الحسامی: ص ۷۵۔ اصول شاشی: ص ۱۲۳]

شاید ان کے اس قسم کے اصول کو ہی مدنظر رکھتے ہوئے مذاہب عالم کے معروف مؤرخ اور سکالر علامہ شہرستانی نے ان کے بارے میں کہا ہے:

''اصحاب الرائے عراقی ہیں جو ابو حنیفہ کے اصحاب اور شاگرد ہیں بسا اوقات یہ قیاس جلی کو خبر احاد پر مقدم کرتے ہیں۔''

[الملل والنحل: ۱۸۸ ط ایران]

قیاس جلی کے نام سے یہ اصول دراصل تقلید کے تحفظ کے لئے تریاق ہے کیونکہ ان کے ہاں اصول دین ان کے آئمہ کے اقوال ہیں حدیث نہیں۔ پاکستان کے کے ایک معروف حنفی مفتی فرماتے ہیں:

''حدیث کا ضعیف ہونا غیر مقلدوں کے لئے قیامت ہے کیونکہ ان کے مذاہب کا دارومدار ان روایتوں پر ہی ہے روایت ضعیف ہوئی تو ان کا مسئلہ بھی فنا ہوا مگر حنفیوں کے لئے کچھ مضر نہیں کیونکہ حنفیوں کے دلائل یہ روایتیں نہیں۔ ان کی دلیل صرف قول امام ہے۔''

[جاء الحق: ۹/۲]

مفتی صاحب نے اپنے موقف کو واشگاف الفاظ میں بیان کر دیا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے اتنی بڑی بات کیوں کہہ دی تو اس کی حقیقت شاہ ولی اللہ محدث کی تحقیق میں ملاحظہ کریں شاہ صاحب فرماتے ہیں:

(واشتعالهم في علم الحديث قليل قديما وحديثا)

[الانصاف: ص ۷۔ داستان حنفیہ: ص ۳۲]

''ان کا ماضی اور حال میں احادیث کے ساتھ اشتعال کم رہا ہے۔''

حدیث میں اشتغال کم ہونے کی وجہ بھی شاہ صاحب بیان کررہے ہیں:

"ان کے پاس احادیث اور آثار کا اتنا ذخیرہ نہیں تھا کہ وہ فقہ کا استنباط ان اصولوں پر رکھتے جن کو محدثین نے پسند کیا ہے۔"

[حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۲]

ظاہر ہے احادیث کی کم دستیابی کی وجہ سے مسائل کے حل کے لیے قیاس اور رائے سے کام لینا پڑا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت سے مسائل میں حدیث اور قیاس کا تعارض ہو گیا اب چاہیے تو یہ تھا کہ ایسے اقوال جو احادیث صحیحہ سے متعارض ہیں علم ہونے پر ان کو ترک کر دیا جاتا اور احادیث پر عمل کیا جاتا لیکن انھوں نے اس کے برعکس قیاس کو اہمیت دی اور احادیث کو ائمہ کے اقوال سے متعارض سمجھتے ہوئے ترک کر دیا جس کے لیے انھوں نے یہ اصول وضع کیے۔

۱۔ کتاب اللہ پر زیادتی منسوخ ہے اس اصول کے ضمن میں مشہور حدیث نص نہیں بن سکتی۔

۲۔ زیادہ سندوں والی حدیث قابل قبول نہیں قبول کا تعلق راوی کے فقیہ ہونے کے ساتھ ہے۔

۳۔ ہر آیت یا حدیث جو ہمارے مذہب کے خلاف ہو اس کی تاویل کی جائے گی یا اسے منسوخ سمجھا جائے گا۔

[اصول الکرخی ص ۱۴]

۴۔ عامی ایسا نہیں جو دلائل کو پرکھ سکے ایسے شخص کو اگر اتفاقاً کوئی حدیث ایسی نظر آجائے جو بظاہر اس کے امام مجتہد کے مسلک کے خلاف معلوم ہوتی ہو تب بھی اس کا فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنے امام اور مجتہد کے مسلک پر عمل کرے۔

۵۔ اگر مقلد کو یہ اختیار دے دیا جائے کہ وہ کوئی حدیث اپنے امام کے مسلک کے خلاف پاکر امام کے مسلک کو چھوڑ سکتا ہے تو اس کا نتیجہ شدید افراتفری اور سنگین گمراہی کے سوا کچھ نہیں۔

[تقلید کی شرعی حیثیت ص ۸۷]

۶۔ دو صحیح احادیث آپس میں مخالف ہوں۔

۷۔ علماء کا عمل اس حدیث کے خلاف ہو۔

۸۔ علت کا حکم ختم ہو جائے۔

۹۔ حدیث پر عمل کرنے سے دین میں حرج واقع ہو۔

[عقیدہ اہلحدیث ص ۹۶ طبع ثانی]

مذکورہ تمام اصول بلکہ پروگرام اپنے ائمہ کی آراء جو احادیث کے معارض ہیں کو تحفظ فراہم کرنا مقصود ہے ان اصولوں کی وجہ سے انکار حدیث کے نظریہ کو تحریک ہوئی اوران خود ساختہ اصولوں سے شیعہ حضرات کے خرافات صوفیوں کے شطحات قادیانیوں کے مغالطات اور تقلیدی جمود وتعصّبات معرض وجود میں آئے اگر ان اصولوں کو نہ اپنایا جاتا تو اامت مرحومہ تفرقہ بازی کے بجائے ایک ہی جسم کی طرح ملت واحدہ ہوتی اور اصبحتم بنعمته اخوانا والا منظر آج بھی تر وتازہ ہوتا۔

حدیث کا کلی انکار کرنے والے

برصغیر میں انگریزی اقتدار کے دوران جہاں مذہب کے نام سے بہت سے فتنوں نے سر اٹھایا وہاں انکار حدیث کا فتنہ بھی رونما ہا اس کا آغاز عبداللہ چکڑالوی اور حافظ اسلم جیراجپوری کے ہاتھ ہوا اگر چہ تقلید کی وجہ سے اس سے قبل بھی برصغیر میں علم حدیث کو اتنی اہمیت حاصل نہ تھی جتنی اقوال رجال کو تھی تاہم حدیث کا کلیۃ انکار نہیں کیا جاتا اقوال کی تائید میں بسا اوقات حدیث بطور استشہاد پیش کی جاتی تھی لیکن ان حضرات نے زیر لب حدیث کی حجت کا انکار کردیا آغاز میں تو کھل کر اس کا اظہار نہ کرتے تھے بلکہ تشکیک پیدا کرتے پھر آہستہ آہستہ انھوں نے اپنے موقف میں وسعت پیدا کرنی شروع کردی اور کھل کر انکار کردیا۔ ان حضرات کا طریقہ واردات تمسخرانہ تھا۔ یہ کسی ایک روایت کو لیتے جس کا تعلق معجزات یا ازدواجی معاملات سے ہوتا تو اس کی اپنی طرف سے ایسی فاحشانہ شرح کرتے جس سے عوام کے ذہنوں میں نفرت پیدا ہوجاتی اور پھر اپنی اسی شرح کو بنیاد بنا کر پورا ذخیرہ حدیث کا تمسخر اڑاتے۔

چکڑالوی اور جیراجپوری تو قدرے دینی علوم سے واقف تھے لیکن ان کے جتنے بھی ہمسفر تھے یا ان کے بعد اس نظریہ کے حامل چلے آرہے ہیں ان کا علمی حدود اربعہ یہ ہے کہ یہ لوگ علم حدیث بلکہ عربیت سے ہی واقف نہ تھے ان کا مواد مستشرقین کی بعض کتابیں ہیں جو انھوں نے تعصب کی آگ بھڑکانے کے لیے اسلام کے خلاف لکھی ہیں یا پھر اردو میں لٹریچر ہے جو روشن خیالی کے نام سے معرض وجود میں آیا ہے۔ اور یہ بھی ان حضرات کا تحریر کردہ ہے جو اسلام کی بنیادی تعلیم سے نابلد ہیں۔ اوران کا مواد بھی اسلام دشمنی پر مبنی مستشرقین کی کتابیں ہیں ان حضرات میں حدیث کی امہات الکتب کے سمجھنے کی نہ استعداد ہے اور نہ اصل ماخذ تک رسائی ہے اس کے باوجود حدیث کے بارہ میں بڑی بے شرمی اور ڈھٹائی کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں انہوں نے حسب منشاء چند احادیث کا خاکہ اپنے ذہنوں میں بیٹھایا ہوا ہے جن کا زیادہ تر تعلق ازدواجی مسائل اور تاریخی واقعات سے ہے۔ بس یہی ان کا مبلغ علم ہے اس سے

زیادہ حدیث کے بارہ میں نہ ان کا علم ہے اور نہ اس کے حصول کی کوشش کرتے تھے اس لئے کہ ذہن میں خلوص کے بجائے بلیدگی ہے۔ راقم الحروف کو اس گروہ کے کئی افراد سے کئی بار گفتگو کا موقع ملا ہے اور ہمیشہ یہی تاثر رہا ہے۔ بلکہ ہر بار اس میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ کہ یہ لوگ جن احادیث پر اعتراض کرتے ہیں ان کے مالہا اور ماعلیھا یعنی پس منظر اور پیش منظر سے بھی واقف نہیں ہوتے۔ مثلاً ایک شخص بڑے جذباتی انداز میں کہنے لگا کہ بخاری میں ہے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے غسل کا طریقہ دریافت کیا تو انہوں نے غسل کر کے دکھایا۔ میں نے اس سے کہا کہ تو نے یہ حدیث بخاری میں اسی طرح پڑھی ہے وہ کہنے لگا ہاں حدیث اسی طرح ہے۔ میں نے کہا جاؤ بخاری میں دیکھو یہ حدیث کس طرح ہے۔ وہ پوچھنے والا کون تھا اور ام المومنین رضی اللہ عنہا نے کس طرح سے اسے غسل کر کے دکھایا تھا وہ کہنے لگا آپ بتا دیں میں نے کہا پوچھنے والے وہ دو تھے ایک عائشہ رضی اللہ عنہا کا رضاعی بھائی تھا اور دوسرا ابوسلمہ عائشہ کا رضاعی بھانجا تھا اور یہ دونوں ہی عائشہ رضی اللہ عنہا کے محرم تھے۔ جناب عائشہ نے پردہ میں غسل کیا تھا اور ان کو صرف سر کے غسل کا طریقہ دکھایا تھا۔ تو وہ خاموش ہو گیا۔

[بخاری: کتاب الغسل ص ۵۶ دارالسلام]

اسی طرح ایک اور صاحب تھے جو سکول ٹیچر تھے ان کا دعوی تھا کہ مولوی حضرات میرے اعتراضات کا جواب نہیں دے سکتے۔ مجھ سے ایک دوست نے کہا گوندلوی صاحب اس شخص کے پاس چلنا ہے وہ بڑے چیلنج کرتا ہے ہم اس کے پاس پہنچے اور اس سے گفتگو شروع ہوئی وہ کہنے لگا بعض حدیثیں خلاف عقل اور فطرت ہیں پھر اس نے کہا بخاری میں حدیث ہے کہ بندروں کے ایک جوڑے نے زنا کیا تو دوسرے بندروں نے اسے رجم کر دیا۔ میں نے کہا کیا یہ حدیث تو نے بخاری میں اسی طرح پڑھی ہے تو وہ کہنے لگا نہیں فلاں کتاب میں سے پڑھی ہے میں نے کہا بخاری میں یہ حدیث رسول نہیں ہے یہ تو ایک تابعی کا مشاہدہ ہے جو اس نے خود کیا تھا۔ لیکن تم اسے حدیث رسول سمجھ رہے ہو لیکن اسے اعتبار نہیں آرہا تھا وہ اپنی بات پر اصرار کرنے لگا تو میں نے اسے بخاری سے جو ہم ساتھ لے کر گئے تھے یہ واقعہ نکال کر سامنے رکھ دیا ہمارے پاس عربی ایڈیشن تھا میں نے کہا یہ پڑھو وہ کہنے لگا مجھے عربی نہیں آتی۔ میں نے کہا آپ پہلے عربی سیکھیں پھر حدیث کے کسی ماہر استاد سے حدیث پڑھیں اور پھر اس پر اگر اعتراض کی گنجائش ہو تو ضرور کریں ورنہ اندھیرے میں تیر چلانے کا فائدہ نہیں۔

بخاری میں یہ واقعہ اس طرح ہے کہ عمرو بن میمون جو حضرمی تابعی تھے وہ فرماتے ہیں میں نے دور جاہلیت میں دیکھا کہ ایک بندریا کے اردگرد بہت سے بندر جمع ہیں وہ اسے رجم کر رہے ہیں اس لئے کہ اس

نے زنا کیا تھا۔ میں نے بھی بندروں کے ساتھ مل کر اسے رجم کیا۔

[بخاری، مناقب الانصار، ص: ۷۸۷ دارالسلام]

میں نے کہا اس میں عقل کے خلاف کون سی بات ہے پھر یہ ایک واقعہ ہے جو ہو چکا ہے جس کی تکذیب ممکن نہیں کیونکہ اس کا مشاہدہ کرنے والا ثقہ اور بااعتماد شخص ہے اگر ثابت شدہ واقعات کی تکذیب عقل کے ذریعے کر دی جائے تو پھر قرآن میں بہت سے واقعات کی لازم آئے گی جیسا کہ لاٹھی کا سانپ بن جانا، مسیح کا مردوں کو زندہ کرنا اور ایک لاٹھی مارنے سے پتھر سے بارہ چشموں کا جاری ہونا تو کیا ان تمام حقائق کی اس لئے تکذیب کر دی جائے کہ یہ عقل نا سدید میں نہیں آتے۔ ماضی میں ہونے والے واقعات کے ثبوت کے لئے معیار عقل نہیں بلکہ ثقہ راویوں کی نقل ہوتی ہے۔

اس گروہ کے اعتراضات کا جائزہ

جیسے عرض کیا جا چکا ہے کی اس گروہ کی فن حدیث کے بارہ میں معلومات صرف سنی سنائی باتوں پر ہیں حقائق کا ادراک نہیں ہے۔ اس لئے ان کے اعتراضات بھی مستعار ہیں جن میں ان کی اپنی کاوش شائد کچھ نہیں۔ ان کے اعتراضات کا محور اور مخزن متعصبین مستشرقین کی حدیث کے بارہ میں ہرزہ سرائی ہے یا پھر معتزلہ کے اعتراضات کی قطع برید ہے ان کے جو اعتراضات سامنے آئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ حدیث کی تدوین تیسری صدی ہجری میں ہوئی ہے۔

۲۔ رسول اللہ نے کتابت حدیث سے منع فرمایا تھا۔

۳۔ قرآن کافی ہے حدیث کی ضرورت نہیں۔

۴۔ حدیث کو عجمیوں نے قرآن کے خلاف ایک سازش کے تحت جمع کیا۔

۵۔ احادیث میں باہم تعارض ہے۔

۶۔ حدیث محض اسلامی تاریخ ہے اس کی شرعی حیثیت نہیں۔

۷۔ بعض راویوں نے حدیث میں من گھڑت روایات شامل کر دی ہیں جن سے یہ تمام ذخیرہ مشکوک ہو گیا ہے۔

بنیادی اعتراضات یہی ہیں لیکن انہوں نے کچھ اور بھی اعتراضات کئے ہیں جن کا تعلق ان ہی بنیادی اعتراضات سے ہے ان کی مستقل حیثیت نہیں ہے۔ آیئے اب ہم ان اعتراضات کا جائزہ لیتے

ہیں اوران کوحقائق کے میزان میں رکھ کران کا علمی و تاریخی تجزیہ پیش کرتے ہیں تاکہ ان کی حقیقت واضح ہوجائے۔ وباللہ التوفیق

ا۔تدوین حدیث

سادہ لوح عوام کوحدیث سے متنفر کرنے کے لئے منکرین حدیث کے پاس ان کے خیال میں سب سے بڑا حربہ یہی اعتراض ہے جس کے ذریعے وہ عوام میں تاثر دیتے ہیں کہ دیکھو جی بخاری فلاں سن کو ہوا اور مسلم فلاں وقت میں ہوا اور فلاں اور فلاں محدث اس اس سن کو ہوا ان سے پہلے کسی نے حدیث کونہیں لکھا تھا۔اگر حدیث کی دین میں ضرورت ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے بھی لکھتے جیسا کہ انہوں نے قرآن کریم کولکھ دیا تھا۔ہم اس اعتراض کے دفعیہ میں واضح طور پر کہتے ہیں ان کا یہ اعتراض ہی لغو اور باطل ہے۔جس کا حقائق کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اگر کہا جائے کہ یہ اعتراض ان کا تاریخ تدوین حدیث سے نادانی کا ایک بہت بڑا ثبوت ہے یا پھر یہ تاریخی جھوٹوں میں سے بہت بڑا جھوٹ ہے تو اس میں مبالغہ نہیں۔اس لئے کہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں آپ کی اجازت کے ساتھ حدیث قلم بند کیا کرتے تھے۔جن میں عبداللہ بن عمرو بن عاص سر فہرست تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حدیث لکھنے کا سلسلہ تسلسل کے ساتھ چل نکلا اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حدیث کی تحریر وحفاظت کا بیڑا اٹھایا۔جن میں عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، جابر بن سمرہ، ابو بکر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سرفہرست ہیں پھر تابعین کے دور میں یہ سلسلہ ایک مکتب کی حیثیت اختیار کر گیا تھا اکثر تابعین جن میں حسن، مکحول، زہری وغیرہم ہیں۔تمام نے الگ الگ حدیث کے صحیفے تحریر کئے جو بیسوں کی تعداد میں تھے تفصیل کتاب ''مقام حدیث'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

۲۔تدوین حدیث سے ممانعت

منکرین حضرات اس اعتراض کو بھی بڑے شوخ انداز سے پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت حدیث سے منع کیا تھا لہذا حدیث لکھنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت لازم آتی ہے اور پھر اس اعتراض کی بنیاد وہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو ہی بناتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم مجھ سے قرآن کریم کے علاوہ کچھ نہ لکھا کرو اور جس نے مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ لکھا ہے وہ اسے مٹادے۔'' لہٰذا حدیث کے مرقوم مجموعوں کو ختم کر دینا چاہیے۔

یہ اعتراض بھی اسلامی اصولوں سے ناواقفگی کا نتیجہ ہے اگر ممانعت ایسی ہوتی جیسا کہ یہ حضرات باور کرار ہے ہیں تو محدثین کرام اس حدیث پر ضرور عمل کرتے اور کتابت حدیث کے عمل سے باز رہتے کیونکہ تدوین حدیث میں حصہ لینے والے حضرات بلاشبہ حدیث کے بہت بڑے عامل تھے اور وہ ہر صحیح حدیث کو دین سمجھتے تھے اور اس پر عمل جزوایمان اور ترقی درجات یقین کرتے تھے۔ بلاشبہ یہ حدیث صحیح ہے لیکن یہ منسوخ ہے جس کی تاریخ تدوین وتحریر کی اجازت والی احادیث ہیں جیسا کہ آپ نے فتح مکہ کے موقع پر جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا اس کے بارے میں فرمایا تھا:

"اکتبوا لابی شاۃ".

[بخاری کتاب العلم ص۳۰ دارالسلام]

''ابوشاہ کو یہ خطبہ لکھ دو۔''

اور جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا وہ اسی حدیث میں موجود ہے جس کا اکثر حصہ آپ کی حدیث پر مبنی ہے اور یہ خطبہ تدوین حدیث کی اجازت میں ایک نص ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔ ثانیاً منکرین حضرات حدیث کے لکھنے کی ممانعت میں جو دلیل پیش کرتے ہیں وہ کوئی قرآن کریم کی آیت نہیں بلکہ حدیث ہے اور حدیث ان کے ہاں حجت نہیں لہٰذا ان کا اس حدیث کو اپنے موقف میں پیش کرنا درست نہیں۔ جب ان کے لیے حجت صرف قرآن ہے تو پھر وہ دلیل بھی قرآن سے پیش کریں تو قرآن اس بارے میں خاموش ہے اور لکھنے کی ممانعت نہیں کرتا۔

کیا قرآن کریم کافی ہے؟

ان کے من جملہ اعتراضات میں سے جس کو یہ اپنے موقف میں بڑا وزنی سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں ہر چیز کی تفصیل موجود ہے لہٰذا جب قرآن کریم میں ہر چیز کی تفصیل موجود ہے تو پھر ماخذ حدیث کی ضرورت نہیں ہم کہتے ہیں بلاشبہ قرآن میں ہر چیز کا بیان موجود ہے لیکن یہ کہاں ہے کہ اس بیان کو سمجھنے کے لیے تم رسول کے محتاج نہیں ہو بلاشبہ قرآن کریم مفصل کتاب ہے لیکن ہم اس کی شرح کے لیے رسول اللہ ﷺ کے محتاج ہیں یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾.

[النحل:۴۴]

''ہم نے تجھ پر ذکر نازل کیا ہے تا کہ آپ لوگوں کے لیے بیان کریں جو ان کی طرف

نازل کیا گیا ہے۔"

اوراس تفسیر کو ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾[الاحزاب:۲۱]قرار دیا گیا ہے۔ کہ تمھارے لیے رسول اللہ ﷺ میں بہتر نمونہ ہے اگر قرآن کی تبیین اور تفصیل کے لیے رسول اللہ ﷺ کی ضرورت نہ ہوتو تو اللہ تعالیٰ رسول اللہ کو یہ ذمہ داری کیوں سونپتے اور آپ کو بہتر اسوہ قرار نہ دیتے۔ معلوم ہوا کہ تبیان کا وہ معنی جو منکرین حدیث نے سمجھ رکھا ہے کہ قرآن کی تفصیل اور شرح کے لیے رسول اللہ ﷺ کی ضرورت نہیں۔

صحابہ کرام جو نزول وحی کے شاہد عدل تھے وہ بھی قرآن کی شرح کے لیے رسول اللہ ﷺ سے رجوع کرتے اور اس بارے میں آپ سے استفسار کرتے اور پھر آپ کی فرمودہ تفصیل کو بلا چون وچرا قبول کرتے اور اس میں کوئی پس وپیش نہ کرتے حالانکہ وہ اہل زبان تھے اور اپنی زبان کو دوسروں سے زیادہ سمجھتے تھے۔ حیرت ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی رسول ﷺ کو مفسر فرمائیں اور صحابہ کرام بھی رسول اللہ ﷺ کو مفسر کا درجہ دیں لیکن یہ حضرات رسول اللہ ﷺ کو مفسر کا درجہ نہیں دیتے اگر ان کو کسی موقعہ پر کسی آیت کی تفسیر مطلوب ہوتی ہے تو یہ آیت کے ایک جملہ پر دو دو تین سطروں کے قوسین (Brackets) ڈالتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ تو مفسر نہیں تھے جبکہ یہ جو فی الحقیقت قرآن کی زبان سے بھی ناواقف ہیں مفسر ہیں گویا کہ ان کے خیال میں اللہ تعالیٰ نے جو کام اپنے رسول ﷺ کے ذمہ نہیں لگایا تھا وہ کام انھیں سونپ دیا ہے تاکہ یہ دل کھول کر اللہ کی کتاب سے تمسخر اور تعلب کر سکیں۔

قرآن کے یہ نام نہاد مفسر اسلام کے اہم اور بنیادی فریضہ نماز کے بارے میں اتنی الجھن کا شکار ہوئے ہیں کہ اس کی رکعات کی تعداد، ادائیگی کا طریقہ تو ایک طرف بنیادی طور پر نمازیں کتنی ہیں کا قرآن سے تعین نہیں کر سکے اس گروہ کے بانی مبانی چکڑالوی اور جیراجپوری کا خیال ہے کہ نمازیں پانچ فرض ہیں۔ (دیکھیے صلوۃ قرآن از چکڑالوی اور تعلیمات از جیراجپوری) ان کے بعد یہ گروہ اختلاف کا شکار ہو گیا اور پانچ کے بجائے صرف تین کا قائل ہے پھر یہ تین کونسی ہیں بعض کہتے ہیں فجر، ظہر اور مغرب ہیں اور بعض کا خیال ہے۔ فجر، ظہر اور عشاء فرض ہیں۔

[رسالہ اقیموا الصلاۃ]

ان کا ایک چوتھا گروہ کہتا ہے کہ دو نمازیں فرض ہیں اور ہندوستان میں اب بھی اس گروہ کے چند حضرات موجود ہیں جو کہتے ہیں نمازیں چھ فرض ہیں اور پاکستان میں منکرین حدیث کا سب سے بڑا اور نمائندہ گروہ پرویزی ہے جس کا سرغنہ غلام احمد پرویز تھا اور یہی وہ شخص ہے جس نے علم حدیث سے

نابلد ہونے کے باوجود حدیث بلکہ اسلام کے بارے میں تمسخرانہ رویہ اپنایا وہ تو صاف کہتا ہے نماز، حج اور زکوۃ سب فضول چیزیں ہیں اور اسلام کی ذلت ورسوائی اور پستی کا سبب ہے۔

یہ نتیجہ ہے قرآن کو رسول اللہ ﷺ کے اسوہ کے بغیر سمجھنے کا کہ اس کے بغیر قرآن تو سمجھ نہیں آ سکتا البتہ گمراہی ضرور گھر کر لیتی ہے غالباً ۱۹۸۱ء یا ۱۹۸۲ء کی بات ہے راقم ان دنوں دارالحدیث محمدیہ حافظ آباد میں مدرس تھا جو گوجرانوالہ کے قریب فیروز والا میں منکرین حدیث کے ساتھ ان کے ڈیرے میں جو ایک راجباہ کے کنارے پر ہے۔ گفتگو ہوئی جس میں اہل حدیث کی طرف سے شیخ الحدیث مولانا عبدالحمید ہزاروی اور مولانا عبدالرحمٰن خطیب فیروز والا اور راقم الحروف شامل تھے اور منکرین حدیث کی طرف سے کافی حضرات تھے جن میں زیادہ تر سکول ٹیچر تھے۔ منکرین نے اعتراض کیا کہ قرآن کریم میں سے پانچ نمازوں کا ثبوت دو۔ میں نے اس سوال کے جواب میں کہا کہ تمھارا یہ سوال ہی غلط ہے اس لیے کہ ہمارا موقف ہے کتاب وسنت دونوں حجت ہیں تم ہم سے مطالبہ کرو کہ قرآن وحدیث سے پانچ نمازیں ثابت کرو اگر ہم ثابت نہ کر سکیں تو ہمارا موقف غلط ثابت ہوگا تم بتاؤ قرآن کریم میں کتنی نمازیں ہیں جن کو فرض قرار دیا گیا ہے ان میں سے ایک شخص کہنے لگا تین ہیں میں نے پھر کہا ان کے نام اور اوقات بیان کرو جس سے وہ بڑی الجھن میں پھنس گئے میں نے کہا چلو اس بات کو چھوڑو تم بتاؤ ان میں ہر ایک نماز کی رکعتیں کتنی ہیں اس پر وہ مزید پریشان ہو گئے میں نے پھر کہا کہ چلو یہ اعتراض چھوڑ دیتے ہیں تم بتاؤ نماز شروع کیسے کرنی ہے تو ان میں سے ایک صاحب نے کہا: ﴿رب ادخلنی مدخل صدق﴾ سے۔ میں نے کہا اس کی دلیل بیان کر دو وہ دلیل کہاں سے بیان کرتا قرآن تو اس بارے میں خاموش ہے۔ اور حدیث ان کے ہاں حجت نہیں، ان کے لیے یہ موقع بڑا پریشان کن تھا۔ سامعین یہ سب منظر دیکھ رہے تھے ان سے کوئی بات نہیں ہو رہی تھی بالآخر کہنے لگے ہم تو عالم نہیں ہیں ہم اب تمھارے مقابلے میں کسی عالم کو لائیں گے اس واقعہ کو ربع صدی گزرنے کو ہے لیکن آج تک نہ وہ کسی عالم کو لائے اور نہ ہی آئندہ ممکن ہے۔

الغرض قرآن کریم مفصل کتاب ہے لیکن اس کی تفصیلات سمجھنے کے لیے ہم رسول کریم ﷺ کی ذات گرامی کے محتاج ہیں اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کو قرآن کی تفسیر کا منصب اسی ذات باری تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے جس نے آپ پر حق کے ساتھ اس کتاب مبین کو نازل کیا ہے۔

حدیث اور عجمی سازش

منکرین حدیث نے یہ بھی واویلا کیا ہے کہ حدیث کو عجم کی مفتوح قوموں نے جمع کیا ہے جس

سے ان کا مقصد اسلام کی صحیح تعلیم کو گہنا کرنا تھا تا کہ وہ حدیث کے نام سے دین میں جس قسم کی چاہیں تحریف کرسکیں اور انھیں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

ہم اس کے جواب میں یہی عرض کر سکتے ہیں:

﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا﴾.

جن حضرات نے اولین تدوین حدیث کا فریضہ سرانجام دیا اور مسلمانوں نے اسے قابل اعتماد تسلیم کیا ہے ان تمام حضرات میں ایک بھی عجمی نہ تھا۔ بلکہ تمام کے تمام عربی تھے دور صحابہ کرام سے لے کر امام شافعی تک تمام حدیث جمع کرنے والے جن میں خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں جنھوں نے سرکاری طور پر حدیث کے جمع کا اہتمام کیا تھا اور یہ ڈیوٹی بھی عرب علماء کرام سے براہ راست فیض یافتہ تھے کے ذمہ لگائی تھا پھر امام احمد بن حنبل سے لے کر امام حاکم ۴۰۵ھ تک جتنے حدیث کے نامور مؤلف گزر رہے ہیں ان میں نوے فیصد محدثین عربی تھے خواہ وہ خراسان یا دوسرے علاقوں میں رہتے تھے جیسا کہ امام مسلم، امام نسائی، امام ابوداود اور امام ترمذی ہیں یہ تمام حضرات عربی النسل تھے ائمہ صحاح میں صرف امام بخاری اور امام ابن ماجہ غیر عربی ہیں آپ ان کے بھی اساتذہ کی فہرست الٹا کر دیکھ لیں ان میں بھی نوے فیصد سے زائد عربی شیوخ ہیں۔

تدوین حدیث نہ کوئی عجمی سازش تھی اور نہ کوئی سلام کو بدلنے کی تحریک تھی اور نہ ہی تدوین حدیث سے عربوں کو کوئی نقصان اور عجمیوں کو کوئی فائدہ پہنچا ہے۔ اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو جس دور میں سازش تیار کی گئی تھی اس دور کے لوگ اس سازش سے پوری واقف ہوتے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ آپ معتزلہ ، متکلمین اور دیگر تمام فرقوں حتیٰ کہ شیعوں کی بھی جملہ کتابیں ٹٹول لیں آپ کو اس سازش کا کہیں نام ونشان نہیں ملے گا ان فرقوں نے محدثین کے خلاف محاذ آرائی کا بازار گرم کیے رکھا ہے لیکن اس کے باوجود وہ اس سازش سے مطلع نہیں ہو سکے اس سازش نے سب سے پہلے نقاب اٹھانے والے یہی حضرت جناب جیراجپوری ہیں جنھوں نے ہندوستان میں بیٹھ کر بیسویں صدی عیسوی میں اس سازش کا انکشاف کیا۔

دراصل یہ نہ کوئی سازش تھی اور نہ کسی عجمی محدث نے اس سازش کے تحت حدیث جمع کی بلکہ جس نے بھی اس میدان میں قدم رکھا اس نے اسے دین سمجھ کر جمع کیا اور اسے دینی امانت کے طور پر پوری دیانت داری کے ساتھ دوسروں تک پہنچایا سازش کا ہوا ذہنی بالیدگی یا رجال حدیث سے ناواقفی کا شاخسانہ ہے۔

حدیث میں تعارض

یہ حضرات پورے زور وشور سے ڈھنڈورا پیٹتے ہیں کہ احادیث اس لیے قابل اعتماد نہیں کہ ان میں آپس میں بڑا تعارض ہے اگر یہ قابل حجت ہوتیں تو ان میں تعارض نہ ہوتا پھر چند احادیث کو ان کے خیال میں باہم متعارض ہیں یا ان کے مفاہیم کو الٹ پلٹ کر کے سادہ لوح عوام میں جو دینی علوم سے زیادہ واقف نہیں ہوتے اپنی طرف سے متعارض بنا کر پیش کرتے ہیں جس سے عوام میں منفی سوچ پیدا ہوتی ہے یا منفی سوچ کا رجحان جنم لیتا ہے راقم الحروف کہتا ہے ان کا یہ شور شرابا حققیت سے کوسوں دور ہے اوران کے غلط ذہنوں کی منفی سوچ ہے ورنہ صحیح احادیث میں تعارض نہیں ہے بھلا ان میں تعارض کیسے ممکن ہو جبکہ وہ وحی الٰہی ہیں اور وحی میں تعارض ناممکن ہے یہ جسے تعارض کہتے ہیں وہ ان کے سوء فہم کا اور شرعی اصولوں سے ناواقفی کا نتیجہ ہے۔ ائمہ محدثین کرام نے پوری دیانتداری کے ساتھ احادیث کو جمع کیا اور اس کے لیے بڑی کاوشیں کیں ہیں اور اس کے لیے ایسے اصول بیان کر دیے ہیں جن کے بعد تعارض کے باب میں ذرا برابر تردد نہیں رہتا امام ابوبکر حازمی نے کتاب الاعتبار میں راجح اور مرجوح کی پچاس وجہیں اور اسباب ذکر کیے ہیں جن کے مطالعہ سے روز روشن کی طرح اس باب میں محدثین کی وسعت علمی کا پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے صرف احادیث جمع ہی نہیں کیں بلکہ ان کی تحقیق میں بھی پوری محنت کی ہے۔

یہ حضرات جس کو تعارض باور کراتے ہیں وہ تعارض نہیں ہوتا بلکہ وہ مختلف وجوہ ہیں جن کو ان کی عقل سمجھنے سے قاصر ہے یا تو ان دونوں احادیث میں سے ایک ناسخ ہوتی ہے اور دوسری منسوخ جیسا کہ آگ سے پکی ہوئی چیز کھا کر وضوء کرنے کی احادیث ہیں اور ان کے برعکس وضو نہ کرنے کی احادیث میں پہلی منسوخ ہیں اور دوسری ناسخ ہیں یا کسی فعل میں جواز کی دو صورتیں یا دو طریقے ہوں گے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں رفع یدین کبھی کندھوں تک اور کبھی کانوں تک کرتے تو اس میں تعارض نہیں بلکہ دونوں طرح سے جواز ہے کانوں تک ہاتھ اٹھا لو یا کندھوں تک دونوں طریقے مسنون ہیں یا کچھ ظاہری تعارض کی صورت بن جاتی ہے لیکن جب تحقیق کی جاتی ہے تو جو صحیح صورت ہوتی ہے واضح ہو جاتی ہے کہ معارض روایات کا محل الگ الگ ہوتا ہے جنھیں عدم بصیرت کی وجہ سے ایک سمجھ لیا جاتا ہے اور یہ صورت قرآن کریم میں بھی کئی مقامات پر پائی جاتی ہے جو ظاہری طور پر متعارض نظر آتی ہے لیکن وہ متعارض نہیں ہیں۔ بلکہ ان ہر دو آیات کا معنی ومفہوم ایک

دوسری سے الگ ہوتا ہے جیسا کہ آیت کلالہ ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں:

﴿وَ اِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّ لَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِی الثُّلُثِ﴾.

[النساء:١٢]

''اگر مرد ہو جو کلالہ کا وارث بنا ہے یا عورت ہو اور اس کے لیے بھائی ہو یا بہن تو ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے اگر وہ زیادہ تعداد میں ہوں تو وہ ثلث میں شریک ہوتے ہیں۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِی الْكَلٰلَةِ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ وَ اِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّ نِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾.

''وہ تجھ سے فتوی طلب کرتے ہیں کہہ دو اللہ تعالیٰ تم کو کلالہ کے بارے میں فتوی دیتے ہیں کہ اگر مرد مر جائے اور اس کی اولاد نہ ہو اور اس کی بہن ہو تو بہن کے لیے نصف ہے جو اس کے بھائی نے چھوڑا ہے اسی طرح کلالہ اگر بہن مر جائے تو اس کی اولاد نہ ہو تو بھائی کے لیے نصف ہے اگر دو بہنیں ہوں تو ان کے لیے دو ثلث ہے جو اس نے چھوڑا ہے اگر بھائی بہنیں ملے جلے ہوں تو مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا۔''

اب غور فرمائیں پہلی آیت میں کلالہ کا وارث سدس کا حصے دار ہے جبکہ دوسری آیت میں نصف کا اور اگر بھائی اور بہنیں زیادہ تعداد میں ملے جلے ہوں تو تمام کو ثلث میں برابر شریک کیا ہے اور دوسری آیت میں جب زیادہ تعداد میں بھائی اور بہنیں مخلوط ہوں تو ایک مرد دو عورتوں کے برابر حصہ دار ہے ان دونوں آیات میں بظاہر تعارض ہے لیکن تعارض نہیں ہے بلکہ ہر دو آیات کا مفہوم الگ الگ ہے ایک آیت میں حقیقی بہن مراد ہے تو دوسری میں علاتی (باپ ایک ہو، مائیں الگ الگ) بہن مراد ہے اس طرح کئی اور مقامات ہیں جن میں بظاہر تعارض ہے جن میں چند ایک کی ہم نشاندہی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا:

﴿اِنَّ عِبَادِیْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ﴾.

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

﴿هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ﴾.

''میں نے جو قتل کیا ہے وہ شیطان کے عمل سے ہے۔''

ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ کے مخلص بندے تھے انھوں نے قتل کے فعل کو شیطان کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ وہ قتل ان کے ہاتھوں سے ہوا تھا جس سے واضح ہے کہ قتل کرتے وقت موسیٰ علیہ السلام شیطان کے تسلط میں تھے اس طرح فرمایا:

﴿وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسَاكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا﴾.

''اور کہا جائے گا آج کے دن ہم بھول گئے ہیں جیسا کہ تم اس دن کی ملاقات کو بھول گئے تھے۔''

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسٰى﴾.

[طٰہٰ:۵۲]

''فرمایا اس کا علم میرے رب کے پاس ہے کتاب میں نہ اس کے علم سے کوئی شے غیب ہے اور وہ بھولے گا۔''

اور فرمایا:

﴿وَنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَعْمٰى﴾.

[طٰہٰ:۱۲۴]

''قرآن سے اعراض کرنے والے کو ہم اندھا کر کے اٹھائیں گے۔''

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ﴾.

''آج تیری نظر بڑی تیز ہے۔''

الغرض اس قسم کی متعدد آیات ہیں جن کو دیکھ کر ملحدین نے شور ڈالا ہے کہ قرآن میں بھی تعارض ہے اللہ تعالیٰ امام احمد بن حنبل پر رحم فرمائے انھوں نے ملحدین کے رد میں ایک رسالہ تحریر فرمایا جس کا نام رد الملحدین ہے جس میں انھوں نے ان کے تمام اعتراض کے بخیئے ادھیڑ کر رکھ دے اور ثابت کیا کہ

قرآن کریم میں کوئی ادنی سا بھی تعارض نہیں ہے۔

تعارض کی ایک صورت یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ ایک حدیث صحیح ہے اور اس کے معارض کسی ضعیف روایت کو لے آتے ہیں جس کو محدثین کرام نے سند درست نہ ہونے کی وجہ سے نا قابل حجت قرار دیا ہے تو چونکہ ان کی علم حدیث سے کماحقہ شناسائی نہیں تو اس بنا پر تعارض کی رٹ لگا دیتے ہیں حالانکہ صحیح اور ضعیف میں تعارض نہیں ہوتا تعارض کے لیے ضروری ہے کہ دونوں مساوی درجہ کی ہوں۔ صحیح اور ضعیف دونوں درجہ میں مساوی نہیں ہوتیں صحیح واجب العمل ہوتی ہے اور ضعیف اس کے مقابلے میں ساقط اور نا قابل عمل ہوتی ہے۔ الغرض تعارض والے اعتراض کی کوئی حیثیت نہیں اگر ظاہر کو مدنظر رکھ کر تعارض ثابت کرنا ہے تو پھر یہ تعارض قرآن پر بھی وارد ہوتا ہے لیکن چونکہ دونوں وحی الٰہی سے ہیں اس لیے تعارض سے مبرا اور پاک ہیں اللہ کریم فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾.

''اگر یہ اللہ کے غیر کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت سے اختلاف پاتے۔''

حدیث کی حیثیت تاریخ جیسی ہے؟

چودھویں صدی ہجری میں ان حضرات نے ایک بڑا انوکھا انکشاف کیا کہ حدیث کی حیثیت تشریعی نہیں بلکہ تاریخی ہے اس سے زیادہ سے زیادہ تاریخ کا فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے یہ ایسی بات ہے جو ان سے پہلے کسی نے کہی اور تفریق نہیں کی کہ حدیث کا مقام اور حیثیت تشریعی نہیں بلکہ محض تاریخی ہے۔ اگر یہ حضرات تاریخ سے گذشتہ واقعات کا ذکر کرنا مراد لیتے ہیں تو اس میں شک بھی کیا ہے کہ حدیث سلامی تاریخ کا سب سے مفصل ماخذ ہے اس کے ذریعے پوری اسلامی تاریخ محفوظ ہوئی ہے لیکن اس سے کب لازم آتا ہے کہ تاریخی واقعات محفوظ کرنے سے اس کی تشریعی حیثیت باقی نہیں رہی۔ تاریخی واقعات کے گزر جانے کے بعد رقم ہوتی ہے جبکہ تشریعی احکام کا پہلے ہی موجود ہوتا ہے اس لیے حدیث کی تشریعی حیثیت اس کی تاریخی شریعیت سے مقدم ہے اگر تاریخ کے لیبل کے ساتھ حدیث کی تشریعی حیثیت ختم ہو جاتی ہے تو ان مفتیان منکرین حدیث کا قرآن کریم کے بارے میں کیا فتوی ہے کہ قرآن کریم بھی سابقہ امم کے واقعات بیان کرتا ہے جیسا کہ آدم علیہ السلام سے لے کر مسیح علیہ السلام تک کے واقعات قرآن کریم نے تکرار کے ساتھ بیان کیے ہیں جس کی بناء پر منکرین قرآن (کفار مکہ) کہا کرتے تھے:

﴿اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾.

[الانعام:۲۵]

''یہ قرآن پہلی قوموں کے واقعات ہیں۔''

تو کیا اس سے قرآن کی تشریعی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ کفار کا نظریہ ہے کہ ''قرآن پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں'' وہ بھی اس نظریہ کی آڑ میں قرآن کریم کی تشریعی حیثیت سے منکر ہو گئے تھے اسی طرح یہ حضرات ہیں انھوں نے اس نظریہ میں صرف ایک لفظ میں قرآن کے بجائے حدیث کی ترمیم کر کے اس باطل نظریہ کا دوبارہ احیاء کیا ہے جس کی بناء پر انھوں نے قرآن کریم کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا یہ لوگ بھی حدیث کو تاریخ کا نام دے کر حدیث کی جو اصل حیثیت ہے اس کو قبول کرنے سے منکر ہوتے ہیں اس میں شک بھی کونسا ہے کہ حدیث کی تشریعی حیثیت سے انکار براہ راست قرآن کریم بلکہ اسلام کے بنیادی اور عملی ڈھانچے کا انکار ہے کیونکہ حدیث کے بغیر قرآن کے کسی حکم اور فریضہ پر علی وجہ عمل کرنا ممکن نہیں۔

کذاب راویوں کا کردار

منکرین حضرات نے اپنے اس مفروضے کو بھی انکار حدیث کا سبب بنایا ہے کہ کچھ کذاب راویوں نے اپنی طرف سے روایات گھڑ کر رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دی ہیں جس سے تمام ذخیرہ حدیث مشکوک ہو کر رہ گیا ہے اب یہ معلوم کرنا آسان نہیں کہ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کی فرمودہ ہے یا کسی کذاب راوی کی ہرزہ رسائی ہے پھر اس مفروضے کی آڑ میں بعض متفق علیہ احادیث کو اپنے نظریہ کا محمل بناتے ہیں جیسا کہ کذبات ثلاثہ اور ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے بارے میں احادیث ہیں۔

راقم الحروف کہتا ہے اگر محدثین کرام ان کذاب راویوں کے بارے میں تفصیل مہیا نہ کرتے تو آج ان کذب راویوں کے کذب سے کوئی ایک واقف نہ ہوتا اللہ کریم ان محدثین پر اپنی لاکھوں رحمتیں نازل فرمائے جنھوں نے حفاظت حدیث میں وہ کارنامہ انجام دیا جس سے تمام سابقہ بلکہ مابعد کی قومیں بھی محروم ہیں اس بارے میں اگر محدثین کی ثمر آور کاوشوں کو خراج تحسین پیش نہ کیا جائے تو ناانصافی ہوگی ہمیں اعتراف ہے کہ بعض غلط کاروں نے حدیث نبوی میں من گھڑت روایات شامل کرنے کی ناپاک جسارت کی تھی لیکن کیا وہ اس میں کامیاب ہوئے؟ یہ سوال یقیناً بڑا اہم ہے جس کا منکرین حدیث کے پاس اپنے موقف کے اثبات میں کوئی جواب نہیں بلکہ تحقیق کی روشنی میں جواب نفی میں آئے گا جب بھی

کوئی شخص محدثین کی اس بارے میں کاوشوں اور جہود کو پرکھے گا تو وہ لامحالہ یہی اقرار اور اعتراف کرے گا کہ کذاب راوی اپنے مشن میں پوری طرح ناکام اور نامراد ہوئے تھے محدثین کرام نے ان کے اس مشن کی دھجیاں فضا میں اڑا دی ہیں۔ حدیث میں کذب کی ابتداء سبائیوں نے کی تھی ان کے کچھ سیاسی مقاصد تھے وہ ان کی تکمیل کے لیے سمجھتے تھے کہ جب تک اسلام کا سہارا نہ لیا جائے ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے قرآن کریم میں تو تحریف ان کے بس کی بات نہ تھی کیونکہ وہ محفوظ ہو چکا تھا البتہ حدیث پوری طرح ابھی تک قید تحریر میں نہیں آئی تھی لہٰذا انھوں نے حدیث کے نام سے وضع کا پھندا شروع کیا محدثین کرام نے بروقت ان کے اس قبیح دھندے پر مطلع ہو کر اسے پوری طرح ناکام بنا دیا امام مالک فرماتے ہیں:

(لا تکلمهم ولا تروعنهم فانهم یکذبون).

[میزان الاعتدال ۱/۱۵]

''تم ایسے لوگوں سے کلام بھی نہ کرو اور نہ ان سے روایت لو بلاشبہ یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔''

امام حماد بن سلمہ جو قدماء محدثین میں سے ہیں فرماتے ہیں:

کانوا علی وضع الاحادیث.

''یہ لوگ حدیث کے وضع کرنے پر جمع ہوتے ہیں۔''

[تدریب الراوی ۱/۲۴۱]

ان کے بعد زنادقہ نے اس کار شر میں حصہ ڈالا اور کچھ دیگر گروہ تھے جن میں صوفیہ حضرات سر فہرست ہیں وضع حدیث کا ارتکاب کیا لیکن یہ تمام گروہ محدثین کرام کی نظر میں تھے اور ان کی وضع کی ہوئی روایات ان کے علم میں تھیں۔

محدثین نے جس حدیث کو سنا یا پڑھا اس کی تحقیق میں تہہ تک پہنچنے اور ہر جعلی اور من گھڑت حدیث بلکہ ایک ایک حرف کو الفاظ نبوی سے جدا اور الگ کیا امام ثوری نے کیا ہی خوب فرمایا:

ان هم الرجل ان یکتب فی الحدیث وهو فی جوف بیت اظهره الله.

[الموضوعات الکبیر ص ۱۹]

''اگر کوئی اپنے گھر میں بیٹھ کر من گھڑت روایت لکھنے کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے

ظاہر کر دیتا ہے۔"

محدثین کی انھیں کاوشوں کا تذکرہ ایوان خلافت میں بھی ہوتا ہے خلیفہ ہارون الرشید ایک زندیق کو قتل کرنے لگا تو زندیق کہنے لگا امیر المؤمنین میں نے چار ہزار حدیثیں وضع کی ہیں ان کو آپ کیسے ختم کریں گے۔ خلیفہ نے فرمایا:

این انت یا زندیق عن عبداللہ بن المبارك و ابن اسحاق الفرازی ینخلانه فیخرجانه حرفا حرفا."

[الموضوعات الکبیر ص ۱۹]

"اے زندیق تو عبداللہ بن مبارک اور ابن اسحاق فراری سے کہاں بھاگ کر جائے گا وہ تو تیری وضع کی ہوئی روایات کا ایک ایک حرف باہر نکال پھینکیں گے۔"

خلیفہ ہارون الرشید کے اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ جو کام حکومت کا رعب دبدبہ اور تلوار نہ کر سکی وہ کام محدثین کی کاوش نے کر دکھایا اور ان کذابوں کی پھیلائی ہوئی روایات کو صحیح احادیث سے الگ کر دیا اگر کسی محدث سے کسی روایت کی جانچ و پرکھ اور تحقیق و تمحیص میں تساہل ہو گیا تو دوسرے محدث نے اس روایت کو تنقید و تحقیق کے ترازو میں تول دیا ورنہ جس قدر واضعین حدیث نے اسلام کو من گھڑت روایات سے پراگندہ کرنے کی ناپاک سعی کی تھی اس سے اسلام محفوظ نہ رہتا بلکہ ایک مرکب مغلوب ہوتا۔ جس میں ہر کسی کو تصرف و تحرف کا اختیار حاصل ہوتا مگر محدثین نے حدیث کی حفاظت کر کے ان کے تمام تشکیکی اور تحریفی حربوں کو ناکام بنا دیا۔ یہ سب کچھ محدثین کی ثمر آور کوششوں سے ممکن ہوا امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یہ وہی شخص جان سکتا ہے جو سنن پر حاوی ہو اور سنن اس کے خون اور گوشت میں مخلوط ہو گئی ہوں اور ان پر اسے ملکہ حاصل ہو۔ رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال کے پہچاننے میں پوری مہارت ہو گویا کہ اس کی ملابست رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام سے ہے۔"

[المنار المنیف ص ۴۴]

اس میں کوئی شک نہیں کہ محدثین کرام کے شب و روز حدیث کی حفاظت و اشاعت کے لیے وقف تھے اور حدیث سے ایسی ملابست تھی کہ انھوں نے باطل روایات کو صحیح احادیث سے الگ کرنے میں کوئی کسر اور کمی نہیں چھوڑی آج کوئی ایک ایسی روایت موجود نہیں جو من گھڑت ہو اور اس کی محدثین

نے نشاندہی نہ کی ہو بلکہ ایسے واضح اصول ثبت کردیے ہیں کہ جن کی روشنی میں اگر آج بھی کوئی شخص اپنی طرف سے کوئی روایت گھڑ کر رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرتا ہے تو وہ فورا پکڑی جاتی ہے اورحدیث کے ساتھ تمسک رکھنے والے فورا اس کے من گھڑت ہونے کی نشاندہی کر دیتے ہیں۔فجزاھم اللہ احسن الجزاء.

الغرض منکرین حدیث قدیم تھے یا جدید ان تمام کے حدیث کے حجیت کے بارے میں اعتراضات گردوغبار سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے جو بھی ان اعتراضات کی تہہ پہنچے گا وہ ضرور اس کی گواہی دے گا کہ یہ جملہ اعتراضات عبث اور باطل ہیں جن کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

❁ ❁ ❁

برہان الحدیث پر مقدمہ

برہان الحدیث راقم آثم کی تصنیف ہے۔ جو محدث اکیڈمی چوک دالگراں لاہور نے شائع کی ہے۔ اس کتاب میں حدیث کی تعریف' حدیث کی شرعی اہمیت' حجیت حدیث' حدیث قرآن ہی کی شرح ہے۔ حدیث امت کے لئے صحیح میزان و معیار ہے۔ کتابت حدیث، تدوین حدیث، اطاعت رسول ﷺ، قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کے فرائض منصبی، انکار حدیث اور دفاع حدیث پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی نے اس پر ایک جامع علمی اور تحقیقی مقدمہ تحریر فرمایا ہے۔ مقدمہ میں مولانا گوندلوی اطاعت رسول، تاریخ انکار حدیث، حدیث کے بارے میں مقلدین احناف کا رویہ، حدیث اور روایات پر روشنی ڈالی ہے۔

مقدمہ پیش خدمت ہے۔

مقدمہ

قال اللہ تعالی: ﴿وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا﴾.

''اگر تم رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔''

قرآن کریم نے اطاعت رسول کی ایک سے زیادہ بار بہت زور دیا ہے اس لیے کہ یہی اصل دین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں کوئی فرق نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾.

''جو شخص رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو عین اپنی اطاقت قرار دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بظاہر رسول اللہ ﷺ کسی بات کا حکم دیتے ہیں لیکن حقیقت میں اس کی ذمام اللہ تعالیٰ کی وحی پر ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کی مرضی کارفرما نہیں ہوتی بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر ماموروپابند ہوتے ہیں جیسا کہ فرمایا:

﴿مَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى. اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾.[النجم]

''رسول اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے وہ تو اللہ تعالیٰ کی وحی ہوتی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔''

سنت ہی اطاعت ہے

اس آیت نے واضح کر دیا کہ سنت کا ماخذ وحی الٰہی ہے اس لیے قرآن کریم میں جہاں اطاعت رسول کا حکم ہے وہاں سے رسول اللہ ﷺ کی کامل اتباع جو آپ کے اقوال وافعال اور تقاریر پر مشتمل ہے، مراد ہے۔اس کے علاوہ اطاعت اور اتباع کا اگر کوئی نیا مفہوم نکالا جائے۔تو یہ قرآن کریم کی تحریف معنوی ہوگی۔اس لیے کہ یہ تو ممکن نہیں کہ جس کی اطاعت کی جارہی ہے اس کے اقوال وافعال کو اطاعت سے خارج کیا جائے۔جب کہ آپ کے افعال واقوال قابل عمل نہ ہوں گے۔تو پھر آپ کی اطاعت کس معنی میں ہوگی۔

موقف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

یہی وجہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین حدیث کی حجیت کے قائل تھے۔بلکہ وہ حدیث کو دین کی اساس سمجھتے تھے۔ان میں سے کوئی بھی ایسا نظر نہیں آتا۔جو حجیت حدیث کا قائل نہ ہو۔جس سے واضح ہو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اطاعت کا یہی معنی سمجھا تھا کہ اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی اتباع ہے۔وہ اپنی آراء کو سنت پر پیش کرتے تھے۔اگر سنت کے موافق ہے تو خوشی کا اظہار کرتے اور مخالف معلوم ہوتی تو اپنے رائے کو ترک کر کے فوراً حدیث کی طرف رجوع کرتے۔

انکار حدیث کا آغاز

عہد صحابہ میں برابر حدیث کو حجت سمجھا جاتا تھا اور اس میں عقائد اور احکام میں تفریق نہیں کی جاتی تھی۔تابعین کے آخری دور میں واصل بن عطا نے ایک بدعتی گروہ کی بنیاد رکھی۔جس کو تاریخ اسلام

میں معتزلہ کا نام دیا جاتا ہے۔اس گروہ نے عقائد کو اپنی عقل پر پرکھا۔عقیدہ کے جو مسائل ان کی عقل کے معیار پر پورے اترتے، ان کو تو بلا چون وچراں قبول کر لیتے۔مگر وہ احکام جو ان کے خیال میں ان کی عقول سے ٹکراتے تھے۔ان کا انکار کر دیتے۔وہ آیات جو ان کی نظر میں خلاف عقل ہے۔ان کی تاویل ضروری سمجھی۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کو مجسم ماننا پڑتا ہے۔جو الوہیت کے خلاف ہے حالانکہ یہ ان کا اپنا قائم کردہ مفروضہ ہےاور اس تاویل پر ان کے پاس کوئی دلیل بھی نہیں ہے۔عقائد کے متعلقہ وہ احادیث جو ان کے زعم میں خلاف عقل ہیں۔ان کی اولا تاویل کرتے اور اگر تاویل سے بھی عقل اور نقل میں موافقیت پیدا نہ کر سکے۔تو ان احادیث کا انکار کر دیا گویا کہ انکار حدیث کا یہ پہلا قدم تھا۔جس میں عقائد اور احکام میں تفریق کے اصول کو مدنظر رکھ کر عقائد کے متعلقہ احادیث کا انکار کر دیا۔پھر اسی سے انکار حدیث کا ایک دروازہ کھل گیا اور تقلیدی جمود نے بالآخر اس تفریق کو ختم کرتے ہوئے احکام کی احادیث سے انکار کی داغ بیل رکھی۔تقلیدی جمود سے لے کر آج تک طرح طرح کے حیلے بہانوں سے اپنے تقلیدی مذہب کے خلاف آمدہ صحیح احادیث کا انکار کیا گیا۔

انکار حدیث نئے زاویہ سے

عہد صحابہ سے لے کر تدوین حدیث کے تمام ادوار میں حدیث کی صحت کے لیے سند کو لازم شرط قرار دیا گیا ہے۔اس کی وجہ یہ تھی کہ عہد صحابہ کے بالکل آخری عشرہ میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہو چکے تھے۔جنھوں نے روایت حدیث میں کذب بیانی سے کام لیا گو ان کی تعداد نہایت قلیل تھی۔تاہم اس کے اثرات بھیانک تھے۔جس کی وجہ سے صحابہ کرام نے قبول روایت میں سخت قسم کی شرائط عائد کر دی۔ جس سے مقصد حدیث میں کذب بیانی سے روکنا تھا۔پھر تابعین نے بھی صحابہ کی ان شرائط کو برقرار رکھا۔بلکہ حالات کے پیش نظر ان شرائط میں میں مزید سختی کر دی۔پھر مستقل طور پر اصول حدیث کی تدوین ہوئی۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی معروف کتاب ''الرسالہ'' میں اس سلسلہ میں بہت سے اصول ذکر کیے۔تیسری صدی ہجری تدوین حدیث کا سنہری دور تھا۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ومسلم رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر بہت سے محدثین کرام نے رواۃ حدیث کے مراتب کو سامنے رکھ کر ضعیف اور صحیح میں امتیاز کیا۔امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اپنی سنن انہی اصولوں پر مرتب کی جو حدیث ضعیف ہے اس کے ضعف کو واضح کیا تاکہ صحیح اور ضعیف میں فرق ہو جائے۔صحیح احادیث پر عمل کیا جائے اور ضعیف روایات کو ترک کر دیا جائے۔متاخرین محدثین خصوصاً امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے

میں بہت دقت نظری سے کام لیا۔امام ابن حزم نے تو ہر باب کے متعلقہ تمام ضعیف روایات پر محدثانہ اور ناقدانہ کلام کیا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ صحیح احادیث تو واجب العمل ہیں جن سے سرموانحراف نہیں۔مگر ضعیف راویوں کی روایت کردہ حدیث خصوصا جب وہ صحیح احادیث کے معارض ہو تو اس کو ترک کر دیا جائے۔

مقلدین کا حال

تقلیدی مذہب اراء الرجال پر قائم ہے۔اس لیے اکثر مقام پر ان کی آراء کا صحیح حدیث سے ٹکراؤ ہو جاتا ہے۔تو اس ٹکراؤ سے بچنے کے لیے احکام میں ضعیف روایات کو صحیح احادیث کے مقابل پیش کر کے صحیح احادیث کو ترک کر دیا گیا اور ضعیف روایات پر عمل کیا گیا۔جس کے عملی نمونے نصب الرایہ اور تخریج کی دوسری کتابوں میں مشاہد کیے جاسکتے ہیں اور پھر اس کے جواز کے لیے مختلف حربے استعمال کیے جاتے ہیں مگر یہ طریق نہایت خطرناک ہے اس کے صحیح اور ضعیف کا معیار ہی ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔یقینی صحت والی احادیث واجب الترک ٹھہرتی ہیں اور ضعیف روایات جو اس لائق ہیں کہ انھیں رد کیا جائے واجب العمل بن جاتی ہیں۔

حدیث اور روایت

روایت اور درایت میں تقابل کا اصول متاخرین فقہاء کا ایجاد کیا ہوا ہے کہ منکرین حدیث اپنی دریدہ دہنی سے ایک متفق علیہ حدیث جس کی صحت میں پندرہ صدیوں تک کبھی اختلاف نہیں ہوا۔محض درایت (عقل) کی درانتی سے کاٹنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

جیسا کہ رخصتی کے وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے بارے میں متواتر حدیث ہے۔وہ آج کل ان عقل پسندوں کے فعل کے جبڑوں میں ہے۔وہ صرف اس صحیح حدیث کا انکار نہیں کرتے' بلکہ اس کی آڑ میں صحیح حدیث کا تمسخر اڑاتے ہیں۔ان کی پوری کوشش ہے کہ اسلام کے اس اساسی ماخذ کو اپنی آراء کا ملعب بنا کر اس کی اہمیت کو ختم کر دیا جائے۔تاکہ قرآن کریم میں ان کو اپنی من مرضی کا موقع ہاتھ آسکے۔

برہان الحدیث

ان منکرین حدیث کے ردعمل کے خلاف ایک عمدہ دستاویز ہے۔جس میں مؤلف گرامی نے ان کے پیدا کردہ شکوک وشبہات کا علمی اور تاریخی جائزہ لیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ تمام شکوک وشبہات ان

کے اپنے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ جن کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ علمی اور تاریخی شواہد تمہارے ان شکوک وشبہات کی زبردست تردید کرتے ہیں۔ قرآن کریم صرف حجیت حدیث کا اعلان نہیں کرتا بلکہ حدیث پر تمسک اور عمل کو لازم قرار دیتا ہے اور ﴿مَن يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ کہہ کر حدیث کے منکرین کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی سخت وعید سناتا ہے۔

برہان الحدیث گو مختصر رسالہ ہے لیکن جامعیت ایسی ہے کہ اس میں تمام موضوعات کا پوری طرح احاطہ کیا گیا ہے۔ جس میں منکرین حدیث کے تمام اعتراضات کا دندان شکن جواب دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ حدیث رسول کی عظمت اور اس کی حجت پر بہت سے نصوص موجود ہیں۔ کوئی بھی خالی الذہن ہوکر پڑھنے والا اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اس رسالہ کے مؤلف جماعت اہلحدیث پاکستان کے معروف ادیب اور مذہبی مؤرخ عبدالرشید عراقی صاحب ہیں۔ جن کو علم حدیث سے ایک خاص لگاؤ ہے۔ ان کے علم میں جب بھی کسی صحیح حدیث پر کوئی اعتراض آتا ہے، تو وہ اس کے دفاع کیے بغیر نہیں رہتے۔ جو ان کے محبّ سنت اور فدائی رسول (ﷺ) ہونے پر زبردست دلیل ہے یہی وجہ ہے کہ دفاع سنت میں اس سے قبل بھی ان کی کتب ''مقام حدیث، عظمت حدیث، جامعین حدیث، اسلام میں سنت کا قیام اور برصغیر میں علم حدیث'' وغیرہم منظر عام پر آچکی ہیں۔

موصوف گرامی کا قلم انتہائی شائستہ اور اسلوب نہایت عمدہ ہے۔ قاری جیسے جیسے اس کو پڑھے گا وہ اس کے دل ودماغ پر اتر جائے گا اور حق جو کے لیے ایک جلا پیدا کرے گا۔

دعا ہے کہ اللہ کریم برہان الحدیث کے مؤلف کو دفاع سنت کی مزید توفیق بخشے اور ان کے عمل کو ذریعہ نجات بنائے۔ (آمین ثم آمین)

ابوانس محمد یحییٰ گوندلوی
مدیر جامعہ تعلیم القرآن والحدیث
ساہووالہ ضلع سیالکوٹ
۸ جولائی ۲۰۰۷ء

❁ ❁ ❁

احسن الابحاث بجواب عمدۃ الاثاث پر نظر ثانی

مقلدین احناف کو تقلید شخصی نے اس حد تک بدحواس کر دیا ہوا ہے کہ انھیں اصل حقائق پر پردہ ڈالتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا خوف بھی نہیں آتا۔ مقلدین اپنے امام کی تقلید تو کرتے ہیں لیکن امام صاحب جو کہہ گئے ہیں۔ان پر عمل نہیں کرتے۔امام صاحب کا مشہور قول ہے:

صحیح حدیث میرا مذہب ہے۔

اور دوسرا قول ہے:

جب رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث مل جائے تو اس وقت میرے قول کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کرو۔

مقلدین احناف طلاق ثلاثہ فی مجلس واحد کو تین شمار کرتے ہیں اور اپنے اس دعوی میں کئی قسم کی تاویلیں کرتے ہیں حالانکہ طلاق ثلاثہ فی مجلس واحد ایک طلاق ہے۔صحابہ وتابعین سے لے کر ہر دور میں علماء کی ایک جماعت ایسی رہی ہے۔جو ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک طلاق رجعی قرار دیتی آرہی ہے۔اہلحدیث بھی یہی فتوی دیتے ہیں یہ مسلک قرآن وحدیث کے مطابق ہے لیکن برا ہو تقلیدی جمود کا کہ علمائے احناف کی اکثریت اس کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں اور اس کے خلاف آئے دن کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے ہیں۔

انھیں لوگوں میں ایک دیوبندی عالم مولانا سرفراز صفدر صاحب ہیں جو کہ فن مغالطہ کے امام اور مجموعہ تضادات ہیں اور حیلوں اور بہانوں سے کام لے کر حنفی موقف کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں انھوں نے طلاق ثلاثہ کے موضوع پر عمدۃ الابحاث کے نام سے کتاب مرتب کی ہے جس میں انھوں نے عجیب وغریب قسم کے کرشمے دکھائے ہیں اور انصاف کا جی بھر کر خون کیا ہے۔

طلاق ثلاثہ فی مجلس واحد میں تین طلاق شمار کرنے کو کئی حنفی علماء بھی اچھا نہیں سمجھتے۔ اور اسے خلاف سنت قرار دیتے ہیں۔ان علماء میں ایک مولانا سیف اللہ رحمانی بھی ہیں وہ لکھتے ہیں:

بدترین صورت ایک ہی دفعہ تین طلاق دینے کی ہے تین طلاقیں ایک ہی دفعہ دے دینا سخت گناہ اور معصیت ہے۔اس کو حدیث میں دین کا مذاق اڑانے کے مانند قرار دیا گیا ہے۔رسول اللہ ﷺ کو ایک بار ایک شخص کے بیک وقت تین طلاقیں دینے کی اطلاع دی گئی تو آپ ﷺ جوش غضب میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ میں ابھی تمھارے درمیان موجود ہی ہوں اور کتاب اللہ کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔آپ ﷺ اس قدر خفا تھے کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں اس کو قتل نہ کر ڈالوں۔

[سنن نسائی ۲/ ۹۹ الثلاث المجموعہ ومافیہ من التغلیظ عن محمود بن لبید]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو ایسے شخص کو کوڑے بھی لگائے۔

[السنن الکبری للبیہقی ۷/ ۳۳۴ طلاق وتفریق ص ۳۲]

مولانا سرفراز صاحب کی کتاب ''عمدۃ الابحاث'' تضادات اور مغالطات کا مجموعہ ہے۔مولانا محمد صفدر عثمانی جماعت اہلحدیث کے بلند پایہ عالم ہیں مسائل شرعیہ کی تحقیق میں ید طولی رکھتے ہیں آپ نے عمدہ الابحاث کا عالمانہ، فاضلانہ اور محققانہ جامع جواب دیا ہے اور مولانا سرفراز صاحب کے فنی مغالطوں کی قلعی کھولی ہے مولانا عثمان صاحب کا انداز تحریر سلجھا ہوا اور طریق تنقید محققانہ ہے جو طعن وتشنیع سے مبرا اور پاک ہے۔

مولانا عثمانی صاحب کے جواب کی ممتاز علمائے اہلحدیث نے تعریف وتوصیف کی ہے ان علماء میں مولانا اللہ بخش ملتانی، مولانا حافظ محمد الیاس اثری، مولانا محمد یحییٰ گوندلوی، مولانا حافظ صلاح الدین یوسف اور مولانا مبشر احمد ربانی شامل ہیں۔ان علماء کا متفقہ فیصلہ ہے:

مولانا سرفراز صفدر صاحب کی کتاب عمدۃ الابحاث کا جواب بنام احسن الابحاث (جو مولانا محمد صفدر عثمانی صاحب نے دیا ہے) انتہائی عمدہ ہے اور دلائل قاہرہ وبراہین ساطعہ سے مزین ہے اور تقلیدی عالم نے جو اعتراضات کیے ہیں اور مولانا عثمانی صاحب نے جو جوابات دیے ہیں ان سے حق کا متلاشی مطمئن ہو جاتا ہے۔

شیخ الحدیث مولانا ابوانس محمد یحییٰ گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائیہ کے عنوان سے کتاب کا تعارف کرایا ہے۔مولانا حافظ محمد الیاس اثری اور مولانا حافظ صلاح الدین یوسف صاحبان نے تقاریظ لکھی ہیں۔مولانا اللہ بخش ملتانی نے نظر ثانی فرمائی ہے۔اور مولانا ابوالحسن مبشر احمد ربانی صاحب نے پیش لفظ لکھا ہے۔اب آپ مولانا گوندلوی کا ''ابتدائیہ'' ملاحظہ فرمالیں۔

ابتدائیہ

اسلام بلاشبہ زوجین کے باہمی تعلقات پر ہی زور دیتا ہے لیکن اگر حالات ناگزیر ہو جائیں جن میں جدائی اور افتراق کے بغیر کوئی چارہ ہی باقی نہ رہے تو ایسے موقع پر اسلام طلاق کا اصول بتاتا ہے۔ جاہلیت میں طلاق کی کوئی تحدید اور تعیین نہ تھی۔ خاوند جب چاہتا بیوی کو طلاق دے دیتا اور جب چاہتا رجوع کر لیتا وہ اس کے لئے خود کو کسی قانون اور قاعدے کا پابند نہیں سمجھتا تھا۔ لیکن اسلام نے اس میں حد بندی کر دی جیسا کہ اللہ کریم فرماتے ہیں۔

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ﴾.

''طلاق دو بار ہے یا تو بیوی کو اچھے طریقہ سے روک لینا ہے یا اچھے طریقہ سے چھوڑ دینا ہے۔''

رجعی طلاق دو بار ہے، اس کے بعد جب وہ تیسری طلاق دے گا تو اب خاوند کو رجوع کا حق باقی نہیں رہے گا۔ اب دونوں کے راستے ایک دوسرے سے جدا ہو چکے ہیں، عورت آزاد ہے کہ مقررہ عدت پوری کر کے وہ اپنے کسی نئے رفیق حیات کا انتخاب کرے اور ولی کے ذریعہ اس کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو جائے۔

''مرتان'' کا لفظ جیسا کہ مفسرین حضرات نے اس کی توضیح کی ہے کہ یہ لفظ دو مختلف مواقع چاہتا ہے کہ دو طلاقیں ایک بار نہیں بلکہ دو مختلف موقعوں پر دی جائیں جیسا کہ تفسیر کبیر رازی، فتاویٰ ابن تیمیہ، اغاثۃ اللهفان ابن القیم اور احناف میں سے علامہ عینی وغیرہ نے تشریح کی ہے۔

قرآن مجید میں کہیں تین اکٹھی طلاقوں کا ذکر نہیں کیا، بلکہ مرتان کہہ کر درمیان میں کچھ اور احکام ذکر کر کے پھر تیسری طلاق کا ذکر کیا ہے جس سے واضح ہے کہ تین اکٹھی طلاقیں اللہ تعالیٰ کی حکمت اور منشا کے خلاف ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اگرچہ بعض حضرات تین اکٹھی طلاقیں دینے پر جسارت کر لیتے

تھے لیکن کسی ایک صحیح حدیث سے معلوم نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ نے ان تینوں کو تین ہی قرار دے کر اس کی بیوی کو فارغ کر دیا ہو، بلکہ صحیح احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ان تینوں کو ایک رجعی قرار دیا ہے۔

تین کو تین قرار دینے والے اس مسئلہ میں مضطرب ہیں، بعض تو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ خلافت عمر کا مسئلہ ہے اور بعض کہتے ہیں نہیں بلکہ یہ رسول اللہ ﷺ کے دور کا ہی مسئلہ ہے اور اس میں کئی قسم کے تضادات ہیں۔ آپ اس مسئلہ میں مجوزین ثلاثہ کی تین چار کتابیں پڑھ کر دیکھ لیں آپ کو تضادات کا ایک تلاطم خیز سمندر نظر آئے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس اس مسئلہ میں کتاب اللہ اور سنت مرفوعہ صحیحہ سے کوئی دلیل موجود نہیں جس کی وجہ سے ان کو اضطرابی کیفیت سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس سلسلہ کی ایک کتاب ہے۔ ''عمدۃ الاثاث'' جسے احناف دیوبند کے معروف عالم مولانا سرفراز خاں صفدر (گوجرانوالہ) نے تحریر کیا ہے اور انھوں نے اپنے موقف کو ثابت کرنے کی بھرپور سعی کی ہے لیکن وہ بھی اس بارے میں تضادات کا شکار ہوئے ہیں۔

مولانا ابوالانعام صفدر عثمانی حفظہ اللہ تحقیق میں ید طولی رکھتے ہیں اور احباب کا حلقہ بھی وسیع ہے اس لیے احباب نے مولانا عثمانی صاحب سے اصرار کیا کہ اس کتاب کا تحقیقی جائزہ لینا چاہیے اور اس بارے میں جو حنفی احباب کی خوش فہمیاں ہیں وہ دور ہونی چاہییں۔ چنانچہ انھوں نے اس کا جائزہ لیا اور خوب لیا۔ مولانا گکھڑوی کے تضادات کے علاوہ ان کے دلائل کا ضعف اور سقم بیان کیا اور واضح کیا کہ حق وہی ہے جو جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارکہ اور کامل دور صدیقی میں اور دور فاروقی کے ابتدائی تین سالوں میں تھا۔ اس پر مسکت دلائل دیے ہیں جس سے قاری پر از خود حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

عثمانی صاحب کا انداز تحریر سلجھا ہوا اور طریق تنقید محققانہ ہے جو طعن و تشنیع سے مبرا اور پاک ہے۔

دعا ہے کہ اللہ کریم مولانا عثمانی کی اس کوشش کو حق اور باطل کے مابین ما بہ الامتیاز بنائے۔ آمین یا الہ العالمین۔

کتبہ ابوانس محمد یحییٰ گوندلوی

مدیر جامعہ تعلیم القرآن والحدیث ساہووالہ۔ سیالکوٹ

۳ شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ۔ ۱۹ ستمبر ۲۰۰۴ء

”قیامت کب آئے گی“ پر مقدمہ

یہ کتاب فضیلۃ الشیخ عبدالغفار منصور کی تالیف ہے۔ اور اس پر نظر ثانی شیخ الحدیث مولانا ابوانس محمد یحییٰ گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے۔ اور اس کی تہذیب وتسہیل مولانا ابوعمر اشتیاق اصغر نے کی ہے۔

یہ کتاب ۱۴۴ صفحات پر محیط ہے۔ اور ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۰۰۵ء میں دارالاندلس لاہور نے شائع کی۔

کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے اس کے پہلے حصہ میں قیامت کی چھوٹی چھوٹی نشانیاں بیان کی گئی ہیں اور دوسرے حصہ میں قیامت کی بڑی بڑی علامات کا تذکرہ ہے مؤلف نے ضعیف اور بے اصل روایات کی بجائے آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ سے کتاب مزین کی ہے۔

اس کتاب کا ابتدایہ مولانا محمد یحییٰ گوندلوی نے تحریر فرمایا ہے اور اس پر نظر ثانی بھی کی ہے ابتدائیہ میں مولانا گوندلوی نے منکرین قیامت کا قرآن کی روشنی میں جائزہ لیا ہے۔ اور ”قیامت کب آئے گی“ کتاب میں ان پیشگوئیوں کو جمع کیا گیا ہے جن کا وجود قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں پایا جاتا ہے۔

مولانا گوندلوی نے جو ابتدائیہ تحریر فرمایا ہے وہ ملاحظہ فرمائیں۔

ابتدائیہ

نحمده و نصلي على رسوله الكريم. أما بعد!

اس میں کوئی شک نہیں کہ قیامت کے برپا ہونے پر تمام مذاہب سماویہ کا ایمان ہے، تورات سے لے کر قرآن کریم تک منزل من اللہ کتب اس حادثہ کے وقوع پذیر ہونے کی اجمالی اور مفصل شہادتیں دیتی ہیں مگر قرآن کریم نے اس مسئلے کو پوری شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس لیے کہ نزول قرآن کے وقت اکثر لوگ قیامت کا انکار کرتے تھے ان کے نزدیک قیامت کا برپا ہونا اور مردوں کا اپنی اپنی قبروں سے دوبارہ جی اٹھنا ناممکن اور محال تھا۔ ان کے خیال میں جو جسم موت کی وجہ سے گل سڑ جائے اور مٹی کے ساتھ مل کر مٹی ہو کر اپنا وجود کھو بیٹھتے ہیں اس میں دوبارہ زندہ ہونے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس نظریے کا ذکر فرمایا ہے۔

﴿قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ﴾. [یونس:۷۸]

”(قیامت کا منکر) کہتا ہے جب ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا۔“

پھر وہ اس مفروضہ پر یقین کی حد تک جم گئے جیسا کہ سورۃ نحل میں ہے۔

﴿وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَن يَمُوتُ﴾. [النحل:۳۸]

”اور (اس پر) اللہ کے نام کی پختہ قسمیں کھاتے ہیں کہ جو بھی مر جاتا ہے اللہ اس کو دوبارہ زندہ نہیں کرے گا۔“

یہ کسی ایک فرد کا مسئلہ نہیں تھا بلکہ کفار کا ایک اجماعی عقیدہ تھا کہ مرنے کے بعد ہم دوباہ زندہ نہیں ہوں گے جیسا کہ سورۃ تغابن میں ہے:

﴿زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَن لَّن يُبْعَثُوا﴾. [التغابن:۷]

”کافروں نے یہی یقین کرلیا کہ ان کو ہرگز دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا۔“

پھر یہ صرف عوام الناس کا نظریہ نہیں تھا بلکہ ملحد فلاسفہ نے بھی عقلی موشگافیوں میں کھو کر قیامت کا انکار کیا، جس کی بنیاد تعلیمات الٰہیہ سے بے نیازی اور عقل کو معیار کل قرار دینا تھا۔ پھر ان میں بھی لوگ مختلف نظریات کے حامل تھے، بعض نے تو دنیا کے فنا ہونے ہی کا انکار کر دیا، ان کے نزدیک دنیا کا یہ

سلسلہ تا ابد الآباد اپنی اس روش اور ڈگر پر چلتا رہے گا مگر کچھ فلسفیوں نے ازلی اور حادث کی اصطلاح وضع کر کے عالم کے حادث ہونے کا اقرار کیا اور پھر تسلیم کیا کہ حادث کے لیے فنا ہے۔

مگر عرب کی زمین ان عقلی موشگافیوں سے ناواقف تھی، ان کے پاس قیامت کے انکار پر کوئی معقول وجہ اور دلیل نہ تھی بلکہ یہ ایک موروثی نظریہ تھا جسے وہ لوگ نسل بعد نسل اپنے اکابر سے اپنائے ہوئے تھے۔ اس کی بین وجہ یہ تھی کہ اہل عرب تک انبیاء کی تعلیم کما حقہ نہیں پہنچی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کے بعد حجاز میں کوئی نبی پیدا نہیں ہوا تھا۔ عرصہ طویل گزر جانے کی وجہ سے لوگ اصل تعلیم سے بیگانہ ہو چکے تھے ان کے نزدیک آباؤ واجداد کی تقلید ہی ان کے لیے کافی تھی جسے وہ کسی صورت بھی چھوڑنا گوارا نہیں کرتے تھے، جب بھی ان کے سامنے کوئی صحیح نظریہ آتا تو وہ یہ کہہ کر انکار کر دیتے۔

﴿بَلْ نَتَّبِعُ مَا اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَ نَا﴾. [البقرۃ:۱۷۰]

”بلکہ ہم تو اس کی پیروی کرتے ہیں جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا۔“

سورۃ زخرف میں ہے:

﴿بَلْ قَالُوْا اِنَّا وَجَدْنَا آبَائَنَا عَلٰی اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰی اٰثَارِهِمْ مُهْتَدُوْنَ﴾.

[الزخرف:۲۳]

”بے شک ہم نے اپنے بڑوں کو ایک طریقہ پر پایا اور بے شک ہم ان کے آثار کی پیروی کرتے ہیں۔“

بنا بریں وہ انہی باتوں کو دہراتے رہتے تھے جو انھوں نے اپنے آباؤ اجداد سے ورثہ میں پائی تھیں۔

مگر اسلام نے ان کے تمام شکوک وشبہات بلکہ ان کے باطل موروثی نظریات کو طشت از بام کیا اور قیامت کے قائم نہ ہونے پر جو وہ دلائل دیتے تھے ان تمام کو غلط ثابت کیا۔ ان کے ایک ایک اعتراض کا تفصیلی جواب دیا اور اس کے لیے جو طرز اختیار کی وہ فلسفیوں کی باریکیوں اور گنجلک نکات کے بجائے بالکل سیدھا طریقہ ہے، جس کو عالم تو عالم ایک عام سا آدمی بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے اور اس کے لیے ایسی عام فہم مثالیں پیش کیں جن سے اس مسئلہ کے سمجھنے میں کسی قسم کی الجھن باقی نہیں رہتی۔ مثلاً کفار کا نظریہ کہ ہڈیوں کو بوسیدہ ہو جانے کے بعد دوبارہ کون زندہ کرے گا، کا دفعیہ اس طرح فرمایا:

﴿قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِىٓ أَنشَأَهَآ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ﴾.

[یٰس:۷۹]

''کہ دیجیے ان ہڈیوں کو دوبارہ وہی پیدا کرے گا جس نے ان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اور وہ سب قسم کا پیدا کرنا جانتا ہے۔''

کفار نے یہ نظریہ اس لیے قائم کرلیا تھا کہ ان کے خیال میں دوبارہ زندہ کرنا قدرت الٰہی سے بعید ہے تو اس وہم کا قلع قمع ان الفاظ سے فرمایا:

﴿وَهُوَ الَّذِى يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُۥ وَ هُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلٰى فِى السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضِ وَ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾.

[الروم: ۲۷]

''وہی ہے جس نے مخلوق کی ابتداء کی تھی اور وہ پھر دوبارہ لوٹائے گا اور یہ اس پر بہت آسان ہے اور اس کے لیے آسمانوں اور زمین میں بلند مثال ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔''

مشرکین جس کو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید جانتے ہیں درحقیقت وہ مکمل طور پر اس کی قدرت میں ہے وہ اس لیے کہ کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا مشکل ہوتا ہے یا کہ وجود سے وجود کو قائم کرنا؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے لیے یہ دونوں کام مشکل نہیں۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ بَلْ هُمْ فِى لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ﴾.

[قٓ:۱۵]

''کیا ہم پہلی بار پیدا کر کے تھک گئے ہیں؟ (نہیں) بلکہ وہ نئی تخلیق کے بارے میں شک میں ہیں۔''

اور سورۃ یٰس میں ہے:

﴿أَوَلَيْسَ الَّذِى خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰىٓ أَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُم بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيمُ﴾.

[یس:۸۱]

''کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ (دوبارہ) ان کی مثل پیدا کرے؟ کیوں نہیں اور وہ پیدا کرنے والا، جاننے والا ہے۔''

کفار کے اعتراضات کا جواب دینے کے بعد قیام قیامت پر ایک عام فہم مثال یوں بیان فرمائی کہ اگر انسان اپنے تکوینی اطوار اور دنیاوی زندگی کے مراحل کو سامنے رکھے تو قیامت کا تسلیم کرنا قطعاً شبہ میں نہیں رہ سکتا۔ فرمایا:

﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ وَ نُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا﴾. [الحج:۵]

''اے لوگو! اگر تم کو (مرنے کے بعد) جی اٹھنے میں کچھ شک ہو تو ہم نے تمھیں (پہلی بار بھی تو) پیدا کیا تھا (یعنی ابتداء میں) مٹی سے، پھر اس سے نطفہ بنا کر، پھر اس سے خون کا لوتھڑا بنا کر، پھر اس سے بوٹی بنا کر جس کی بناوٹ کامل بھی ہوتی ہے اور ناقص بھی تاکہ تم پر (اپنی خالقیت) ظاہر کر دیں اور ہم جس کو چاہتے ہیں میعاد مقرر تک پیٹ میں ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر تمھیں بچہ بنا کر نکالتے ہیں، پھر تم جوانی کو پہنچتے ہو تو بعض (قبل از پیری) مرجاتے ہیں اور بعض (شیخ فانی ہو جاتے ہیں اور بعض بڑھاپے کی) نہایت خراب عمر کی طرف لوٹائے جاتے ہیں کہ (بہت کچھ) جاننے کے بعد بالکل بے علم ہو جاتے ہیں۔''

اس آیت میں انسان کی مرحلہ وار پیدائش اور زندگی کے ہر دور کو قیامت کے قائم ہونے کی دلیل ٹھہرایا ہے کہ جو اللہ انسان کو ان مراحل سے گزار کر دنیا میں لے آتا ہے اور پھر دنیاوی زندگی کے کے مراحل سے گزار کر آخر اس کو فوت کر لیتا ہے وہ یقیناً اس کے دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ اس استدلال کے بعد پھر ایک عام سی مثال بیان فرما دی جس کا مشاہدہ ہر شخص اپنی عمومی زندگی میں کرتا ہے۔ فرمایا:

﴿وَ تَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ وَ اَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِيْجٍ. ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَ اَنَّهٗ

عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ. وَّ اَنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ لَّا رَیْبَ فِیْهَا وَ اَنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ﴾.

[سورۃ الحج: ۵۔۷]

''آپ زمین کو بنجر دیکھتے ہیں، پس جب ہم اس پر پانی اتارتے ہیں تو وہ حرکت کرتی ہے اور پھول جاتی ہے اور طرح طرح کی بارونق چیزیں اگاتی ہے۔ یہ اس لئے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ حق ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرے گا اور بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور بلاشبہ قیامت آنے والی ہے جس میں کوئی شک نہیں اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ زندہ کرے گا ان کو، جو قبروں میں ہیں۔''

کتنا عام فہم استدلال ہے کہ جو اللہ بنجر زمین کو دوبارہ زندہ کر دیتا ہے اور زمین میں پڑے ہوئے خشک بیج پانی کی وجہ سے ہری بھری انگوریوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں، وہی اللہ قبروں میں پڑے ہوئے ان مردوں کو جب چاہے گا زندہ کر دے گا اور یہ کام اس پر کچھ مشکل نہیں، اس کی قدرت میں ہے۔

الغرض قیامت کے وقوع کو ایسے بدیہی اور نظری دلائل سے ثابت کیا ہے جن کا انکار ممکن نہیں۔

آثار قیامت

پھر قیامت کوئی عام سا واقعہ نہیں بلکہ کائنات کی فنا اور پھر نئی زندگی کا ایک عظیم حادثہ ہے جس سے بڑھ کر کوئی اور حادثہ نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی ہولناکیوں کی خبر دیتے ہوئے فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ. یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ کُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ کُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَ تَرَی النَّاسَ سُکٰرٰی وَ مَا هُمْ بِسُکٰرٰی وَ لٰکِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِیْدٌ﴾. [الحج: ۱۔۲]

''اے لوگو! تم اپنے رب سے ڈرو بلاشبہ قیامت کا زلزلہ بہت بڑا ہے جس دن تو دیکھے گا کہ غافل ہو جائے گی ہر دودھ پلانے والی اس سے جس کو اس نے دودھ پلایا ہے اور ہر حمل والی اپنا حمل وضع کر دے گی اور تو لوگوں کو بے ہوش دیکھے گا اور حالانکہ وہ بے ہوش نہیں ہوں گے اور لیکن اللہ تعالیٰ کا عذاب بڑا سخت ہوگا۔''

ایسی کیفیت صرف انسانوں پر طاری نہیں ہوگی بلکہ بحر و بر، ارض وسماء اور پہاڑ بھی فنا کی کیفیت

سے دوچار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ. وَحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً. فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ. وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ﴾.

[الحاقہ:۱۳-۱۶]

''جب صور میں ایک ہی پھونک ماری جائے گی اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھالیا جائے گا تو اس دن قیامت واقع ہو جائے گی اور آسمان پھٹ جائے گا اور وہ اس دن بہت کمزور ہوگا۔''

اور سورۃ قارعہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ. وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنفُوْشِ﴾.

[القارعة:٤-٥]

''جس دن لوگ بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح اور پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی طرح ہوجائیں گے۔''

سورہ انفطار میں ہے:

﴿اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ. وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ. وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ. وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ﴾.

[الانفطار:۱-۳]

''جب آسمان پھٹ جائے گا جب ستارے بکھر جائیں گے جب سمندر جوش ماریں گے اور جب قبروں کو اکھاڑا جائے گا۔''

بلاشبہ اس حادثہ کے وقوع سے سارا نظام درہم برہم اور زیر وزبر ہو جائے گا سارا نظام ارضی اور نظام فلکی تباہ ہو جائے گا۔

اسلام آخری دین ہے اس لیے اسلام نے اس عظیم حادثہ کی تفصیلات بھی آخری حد تک مہیا کی ہیں۔ چونکہ قیامت کوئی اتفاقی حادثہ نہیں کہ جو بلا پروگرام واقع ہو جائے بلکہ اس کا ایک باقاعدہ وقت مقرر ہے جس سے پہلے کچھ ایسے آثار اور علامتیں ہیں جو اس عظیم حادثہ کے لیے مقدمہ کی حیثیت رکھتی ہیں، جن کے ظہور سے قیامت کا وقوع قریب نظر آتا ہے۔

اسلام نے اس کے اہم آثار کی قبل از وقوع خبریں دی ہیں جو پیش گوئی کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان آثار میں سے بہت سے آثار وقوع پذیر ہو چکے ہیں۔ان آثار کا وقوع جہاں قیامت کے قائم ہونے کی دلیل ہے وہاں یہ آثار رسول اکرم ﷺ کی صداقت کے بھی شاہد عادل ہیں۔ وہ ایسے کہ جس وقت ان آثار کے واقع ہونے کی پیشین گوئی کی گئی تھی اس وقت نہ دنیا میں ایسے حالات تھے اور نہ سائنس کی ترقی ہی عروج پر تھی۔ کہ اندازے سے آئندہ حالات کی خبر دی جاتی۔ بلکہ ظاہری وسائل نہ ہونے کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے جن پیشین گوئی کا اظہار کیا تھا وہ بارہ تیرہ صدیاں گزرنے کے بعد منصۂ شہود میں آئی ہیں اور یہ آثار اس بات پر دلائل قطعیہ ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کی زبان سے نکلے ہوئے کلمے بھی غلط ثابت نہیں ہو سکتے۔

ابوانس محمد یحییٰ گوندلوی
مدیر جامعہ تعلیم القرآن والحدیث
ساہووالہ۔سیالکوٹ

انسدادِ زنا کاری کے لیے اسلام کی حفاظتی تدابیر

یہ مولانا محمد منیر قمر صاحب ترجمان سپریم کورٹ الخبر (سعودی عرب) کی تصنیف ہے۔ اس کی ترتیب وتبییض مولانا غلام مصطفیٰ فاروق آف ریحان چیمہ نے کی ہے اور مقدمہ مولانا ابوانس محمد یحییٰ گوندلوی نے لکھا ہے۔

یہ کتاب مارچ ۲۰۰۱ء میں مکتبہ کتاب وسنت ریحان چیمہ تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ نے شائع کی۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيْلًا﴾. [بنی اسرائیل:۳۲]

''اور زنا کے قریب نہ جاؤ کیونکہ وہ بے حیائی اور برا راستہ ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ زنا نہ کرو بلکہ یوں فرمایا: کہ زنا کے قریب بھی نہ جاؤ مختصرا یہ کہ ہر وہ چیز جو انسان کو شہوت کی انگیخت کا سبب بن سکتی ہے وہ زنا کا راستہ ہے۔

ڈاکٹر محمد لقمان سلفی ﷾ فرماتے ہیں:

''اس آیت کریمہ میں زنا سے منع کیا گیا ہے جو نسل کے خلط ملط ہونے کا اور بالآخر نسل انسانی کی تباہی کا سبب بن سکتا ہے زنا وہ بدترین فعل ہے جو فطرت سلیم، عقل اور شریعت ہر اعتبار سے گناہ عظیم ہے اور سوسائٹی پر اس کے نہایت خطرناک نتائج اور برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ مسلمان مردوں اور عورتوں کی عزت محفوظ نہیں رہتی۔ ان کا نسب اور ان کی نسل خطرے میں پڑ جاتی ہے جو اس فعل بد کا مرتکب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق آخرت میں اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔''

[تیسیر الرحمٰن لبیان القرآن ۱/۸۰۶۔۸۰۷]

مولانا گوندلوی نے اپنے مقدمہ میں اس امر کی وضاحت کی ہے کہ اسلام کی تعلیم نے ایک ایسا انقلاب برپا کیا کہ ایک اجڈ اور جاہل قوم مہذب بن گئی۔ اور اس کے ساتھ اس کی بھی نشاندہی کی ہے کہ جو شخص بے حیائی کا راستہ اختیار کرے گا وہ قیامت کے روز سزا کا مستوجب ہوگا۔ مولانا گوندلوی کا مقدمہ پیش خدمت ہے۔

مقدمہ

دعوت اسلامی کا آغاز جس دور میں ہوا تھا اس وقت کے حالات کچھ اس طرح تھے کہ معاشرہ پوری طرح جرائم کی لپیٹ میں تھا۔ انسانیت پر حیوانیت غالب آچکی تھی عفت وعصمت کی جگہ فحاشی اور بے حیائی نے لے رکھی تھی، ہوس وخواہشات نے انسانی اقدار مضمحل کر چھوڑی تھیں۔ انسان اپنے خالق ومعبود سے روگردانی کر کے شیطان کے راستہ پر چل نکلا تھا۔ بلاشبہ انسان تو موجود تھا لیکن اس میں انسانیت مفقود ہو چکی تھی ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ نے امام الرسل ہادی کامل حضرت محمد ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾.

[الجمعۃ:۲]

''وہی اللہ جس نے ناخواندوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر آیات کی تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ اس سے پہلے بڑی واضح گمراہی میں تھے۔''

چنانچہ اسلام کی تعلیم سے ایک ایسا انقلاب برپا ہوا جس نے عرب معاشرہ کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ ایک گنوار معاشرہ مہذب ترین معاشرہ بن گیا اور انسان دوبارہ انسانیت سے معمور ہو گیا برائی اور بے حیائی کی جگہ عفت وعصمت نے لے لی۔ عداوت ودشمنی کے بجائے اخوت ومودت کی فضا قائم ہوئی اور اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ کا حقیقی منظر عیاناً سامنے آیا۔

یہ بات تو واضح ہے کہ اسلام فحاشی وبے حیائی کے سخت خلاف ہے اور ایمانداروں کو اس سے سختی سے منع کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْىِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾.

[النحل:۹۰]

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمھیں عدل، احسان اور قریبی رشتہ داروں کو دینے کا حکم کرتا ہے

اور بے حیائی، برائی اور سرکشی سے منع کرتا ہے وہ تمھیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔''

اور فرمایا:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيْلًا﴾. [بنی اسرائیل:۳۲]

''اور زنا کے قریب نہ جاؤ کیونکہ وہ بے حیائی اور بہت برا راستہ ہے۔''

بلکہ بے حیائی کی طرف دعوت دینے والوں کو دنیا وآخرت میں سخت عذاب کی تنبیہ کرتا ہے اور وعید سناتا ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾.

[النور:۱۹]

''وہ لوگ جو چاہتے ہیں کہ ایمانداروں میں بے حیائی پھیلے، ایسے لوگوں کے لیے دنیا اور آخرت میں سخت عذاب ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو۔''

یہ وعید اس لیے کہ شیطان کی بھرپور کوشش ہے کہ وہ انسانوں کو بے حیائی کے رستہ پر چلائے کیونکہ اس میں اس کے مشن کی آبیاری کا وافر سامان موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اسی مشن سے متنبہ کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾.

[النور:۲۱]

''اے ایماندارو! تم شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو جو شخص اس کے قدموں کی پیروی کرتا ہے تو وہ اس کو بے حیائی اور برائی کا حکم کرتا ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ اسلام بے حیائی کو نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ایسا کرنے والوں کو سخت سزائیں مقرر کرتا ہے تاکہ معاشرہ بے حیائی کے گھمبیر سے بچ جائے کیونکہ عفت وعصمت سے عاری معاشرہ نہ تو فطری معاشرہ کہلا سکتا ہے اور نہ ہی انسانی بلکہ وہ حیوانیت اور بہیمیت سے لبریز ہوتا ہے جس میں عزت اور شرافت کا وجود باقی نہیں رہتا۔

فاضل جلیل مولانا محمد منیر قمر سیالکوٹی کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ ان کی پچاس کے قریب علمی تصانیف خود ان کا تعارف ہیں۔

زیر نظر کتاب ''جنسی بے راہ روی اور اسلام کی بے مثال انسدادی تدابیر'' موصوف کے ریڈیائی مقالات کا مجموعہ ہے جو ریڈیو ام القیوین متحدہ عرب امارات کی اردو سروس میں نشر ہوتے رہے ہیں جن کو فاضل عزیز مولانا غلام مصطفیٰ فاروق نے نہایت جانفشانی سے جمع کر کے عمدہ اسلوب میں ترتیب دیا ہے۔

یہ کتاب بھی مؤلف موصوف کی دیگر کتابوں کی طرح اپنے موضوع پر ایک علمی دستاویز ہے جس میں مؤلف نے اسلامی نکتہ نظر سے فحاشی اور بے حیائی اور اس کے مضمرات ومفاسد پر گفتگو فرمائی ہے اور ایسی سیر حاصل بحث کی ہے کہ موضوع کا کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا۔

کتاب کے پڑھنے سے مؤلف کی علمی وسعت اور مطالعہ کی گہرائی اور اسلامی تشخص سے لگاؤ عیاں ہوتا ہے اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مسلم معاشرہ کو صحیح اسلامی معاشرہ اور اس کے تشخص میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کی نظر میں مسلم معاشرہ تب ہی صحیح معاشرہ کا تصور پیش کر سکتا ہے جب کامل طور پر معاشرہ کو شیطانی چالوں سے پاک اور اس کی تدابیر سے دور رکھا جائے۔ چنانچہ وہ بار بار فحاشی اور بے حیائی کے اسباب ومفاسد پر روشنی ڈالتے ہیں اور ان سے بچاؤ کی تدابیر پیش کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں صحیح معاشرہ وہی کہلانے کا حقدار ہے۔ جس میں عصمت وعفت کا پوری طرح خیال رکھا جائے اور فحاشی اور بے حیائی سے پوری طرح بچا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ فاضل موصوف نے اپنی اس تصنیف میں موضوع کے مالہ وماعلیہ پر خامہ فرسای فرما کر امت مسلمہ کو ان کے اصل معاشرہ کی طرف توجہ دلائی ہے کہ مسلمان کا تشخص اسلامی معاشرہ ہے نہ کہ گناہ اور برائیوں سے آلود یورپ کا معاشرہ۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کی کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور امت مسلمہ کے لیے ہدایت وراہنمائی کا سبب بنائے۔

آمین یا اله العالمین.

کتبہ ابوانس محمد یحییٰ گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ

مدیر جامعہ تعلیم القرآن والحدیث ساہووالہ۔ سیالکوٹ

۲۱ جنوری، ۲۰۰۰ء

مسلمان کون؟

مؤلف مولانا جاوید اقبال سیالکوٹی۔مقدمہ مولانا محمد یحییٰ گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ اوردن رات میں پانچ نماز پڑھنا، اور اگر مال نصاب کو پہنچ گیا ہے تو اس میں سے زکوۃ ادا کرنا اور ماہ رمضان کے روزے رکھنا اور اگر بیت اللہ جانے کی طاقت ہے راستہ طے کرنے کا کرایہ موجود ہے پاس خرچہ موجود ہے تو اللہ کے گھر کا زندگی میں ایک مرتبہ حج کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے۔

۱۔توحید

اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات، صفات اور اس کے حقوق میں یکتا ماننا نہ اس کی ذات میں کسی کو شریک کیا جائے نہ اس کی صفات میں اور نہ اس کے حقوق میں کسی کو شریک کیا جائے۔

توحید تمام اعمال صالحہ کی اصل ہے اگر توحید نہیں تو اعمال صالحہ بیکار ہیں توحید نہیں تو ایمان نہیں۔

۲۔نماز

﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا﴾.

[النساء:۱۰۳].

''بے شک نماز مومنوں پر وقت پر پڑھنا فرض ہے۔''

﴿اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكَاةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾.

[النور:۵٦]

''اور نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔''

۳۔زکوۃ

﴿اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكَاةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾.

[النور:۵٦]

''اورنماز قائم کرو،زکوٰۃ ادا کرو اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کروتا کہ تم پر رحم کیا جائے۔''

۴۔حج

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾.

[آل عمران:۹۷]

''لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ جواس کے گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس گھر کا حج کرے۔''

۵۔روزہ

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ [البقرة:۱۸۳]

''اے ایمان والو! تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تا کہ تم تقوی اختیار کرو۔''

﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾.[البقرة:۱۸٤]

''جوشخص اس مہینے میں حاضر ومقیم ہو پس وہ اس مہینے کے روزے رکھے۔''

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی نے اپنے مقدمہ میں اسلام کے پانچوں بنیادی ارکان کی قرآن وسنت ،اقوال صحابہ وتابعین وائمہ اسلام کی روشنی میں وضاحت کی ہے کہ اسلام کے ان پانچ ارکان پر اسلام کی عمارت قائم ہے۔

مقدمہ

﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَاللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾.

اسلام ایسا دین ہے جو فطرت کے عین موافق ہے جس کے چند اصول وضوابط ہیں جن کو اپنانے اوران پر عمل کرنے سے ہی کوئی شخص اس دین کا حامل کہلانے کا مستحق ہوتا ہے اور وہ پانچ اصول ہیں اورانھیں پانچوں پر اسلام کی عمارت قائم ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((بُنِیَ الْإِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ)).

''اسلام کی پانچ بنیادیں ہیں (۱) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوۃ ادا کرنا (۴) حج کرنا (۵) رمضان کے روزے رکھنا۔''

جو شخص ان پانچوں اصولوں یا ان میں سے کسی ایک کا اعتقادا یا عملا انکار کرتا ہے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ توحید ورسالت کا منکر کافر ہے جس کے کفر میں ذرہ برابر شک نہیں اسی طرح باقی چاروں ارکان کے بارے میں بھی اس حد تک اتفاق ہے کہ جو شخص ان میں سے کسی ایک کا اعتقادًا منکر ہے وہ بھی کافر ہے البتہ جو شخص ان چاروں ارکان میں سے کسی ایک کو عملی جامہ نہیں پہنا تا آیا وہ کافر ہے یا کبیرہ گناہ کا مرتکب ہے مرجیہ حضرات اس کے کفر کے قائل نہیں البتہ جمہور ائمہ کرام اس کے بھی کفر کے قائل ہیں بلاشبہ حق جمہور ائمہ کے ساتھ ہے معروف تابعی محدث ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ترك الصلوة كفر لايختلف.

''نماز کا ترک کرنا ایسا کفر ہے جس میں اختلاف نہیں۔''

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

كان رأى اهل العلم من لدن النبي ﷺ الى يومنا هذا ان تارك الصلوة عمدا من غير عذر حتى يذهب وقتها كافر.

[کتاب الصلوۃ، ابن قیم ص ۳۲]

''نبی اکرم ﷺ کے دور سے لے کر ہمارے دور تک علماء کی یہی رائے ہے کہ نماز کا بلا عذر عمدًا تارک کافر ہے۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوۃ کے خلاف جہاد کا اعلان کیا تھا اور فرمایا تھا:

واللہ لاقاتلن من فرق بن الصلوۃ والزکوۃ.

[البخاری ۱/ ۱۸۸]

''میں ضرور ہر شخص سے قتال کروں گا جو نماز اور زکوۃ میں تفریق کرتا ہے۔''

یہ قطعاً ثابت نہیں کہ ان لوگوں نے اعتقاد زکوۃ کا انکار کیا تھا بلکہ وہ لوگ عملاً زکوۃ کے منکر ہوئے تھے جس کی دلیل یہ ہے کہ وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں زکوۃ ادا کیا کرتے تھے اگر وہ زکوۃ کے اعتقادی طور پر قائل نہ ہوتے تو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں بھی زکوۃ ادا نہ کرتے۔ پھر تمام صحابہ کرام نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے موقف سے اتفاق فرمایا اور مانعین زکوۃ کو مرتد سمجھ کر ان کے خلاف تلوار اٹھائی۔

کتاب ''**مسلمان کون؟**'' مولانا جاوید اقبال سیالکوٹی کی تصنیف لطیف ہے جس میں انھوں نے کتاب وسنت کے صریح نصوص ودلائل، صحابہ کرام کے اقوال، ائمہ تابعین عظام اور ان کے بعد سے لے کر دور حاضر کے ائمہ کرام وعلماء کبار سے ثابت کیا ہے کہ اسلام کے ارکان خمسہ میں سے کسی ایک رکن کا تارک خواہ وہ اعتقادی تارک ہے یا عملی ہر دو صورتوں میں دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

مسلمان آج جس اکثریت کے ساتھ عملی کوتاہی کا شکار ہیں اور ارکان اسلام کے بارے میں جس سستی کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں ان کے لیے یہ کتاب یقیناً منارہ نور ثابت ہوگی۔

ہر وہ شخص جو تعصب اور عناد سے ہٹ کر بصیرت کے ساتھ اس کتاب کا مطالعہ کرے گا وہ یقیناً ارکان خمسہ کی اہمیت اور فرضیت سے واقف ہو کر کما حقہ ان پر عمل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ مؤلف کی کاوش کو قبول فرمائے اور اس کتاب کو حق کی طرف راہنمائی کرنے والی بنائے۔

انہ قریب مجیب.

کتبہ ابوانس محمد یحییٰ گوندلوی

مدیر جامعہ تعلیم القرآن والحدیث ساہووالہ۔ سیالکوٹ

تقریظ

تحریک ختم نبوت۔تصنیف ڈاکٹر محمد بہاؤ الدین

تحریک ختم نبوت ڈاکٹر بہاؤ الدین ﷾ کی تصنیف ہے۔اوراس کی اس وقت آٹھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔پاکستان میں اس کتاب کی طباعت کی سعادت مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور کو حاصل ہوئی ہے۔اور ہندوستان میں مکتبہ ترجمان اردو بازار دہلی نے شائع کی ہے۔

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر ایک جامع تقریظ لکھی ہے جو پیش خدمت ہے۔(عراقی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

انیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر کے پہلے عشرے میں ہندوستان سے اسلامی مملکت مغلیہ کی بساط انگریزوں کے ہاتھوں لپیٹ دی گئی۔جس سے برصغیر میں اسلامی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔اور مسلمان سیاسی طور پر نظروں سے اوجھل ہو گئے مگر مجاہدین کی جماعت نے اس تبدیلی کو قبول نہ کیا اور وہ اسلامی حکومت کے احیاء کے لیے برسرپیکار رہے۔مگر وسائل کی قلت اور بعض سرکردہ نوابوں اور چودھریوں کی غداری سے مجاہدین اپنے مشن میں کامیاب نہ ہو سکے۔نتیجۃً انگریز برصغیر کا ہمہ مقتدر حکمران بن گیا۔انگریز نے اقتدار پر قبضہ تو جما لیا۔مگر صرف قبضہ ہی اقتدار کے لیے کافی نہیں ہوتا۔جب تک عوام ساتھ نہ دے۔تو اس کے لیے ضروری تھا کہ عوام کو حکومت کا گرویدہ بنایا جائے تاکہ اقتدار کو دوام حاصل ہو۔اقتدار چونکہ مسلمانوں کے ہاتھ سے انگریز نے چھینا تھا۔اس لیے اسے زیادہ خطرہ مسلمانوں سے تھا۔لہٰذا اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ کسی طریقہ سے مسلمانوں پر ایسا تسلط قائم کرے کہ مسلمان کسی لحاظ سے بھی اقتدار پر قبضہ کرنے کی صلاحیت اور قدرت نہ پانے پائیں۔مسلمانوں کا اپنے دین سے ایمانی اور جذباتی رشتہ ہوتا ہے۔جب تک وہ رشتہ قائم رہتا ہے کوئی بھی مسلمان کفر کے سامنے سرنگوں نہیں ہوتا یہی ایمان کی وہ رمق ہے جس سے کفار مضطرب ہوتے ہیں۔

عیسائیت کی اسلام سے تصادم کی تاریخ صدیوں پر محیط ہے،ان دونوں مذہبوں کا تصادم خود رسول اللہ ﷺ کے دور سے شروع ہو چکا تھا۔اور آج تک جاری ہے اس لیے انگریز اس سے بخوبی

واقف تھا کہ مسلمان میں جب تک اپنے دین سے وابستگی قائم ہے۔
اس وقت تک اس کو زیر نہیں کیا جا سکتا۔ جس کا اسے صلیبی اور ہلالی جنگوں میں کافی تجربہ ہو چکا تھا۔ اب اس کے سامنے مسلمانوں کو مفتوح کرنے کے لیے کئی منصوبے تھے۔ جن میں ایک اہم منصوبہ مسلمانوں کو ان کے دین سے بیگانہ کرنا تھا۔ سرکردہ سیاسی حضرات تو پہلے ہی اس کی جھولی میں جا گرے تھے۔ اب مذہبی اور دینی قوتیں تھیں۔ جن سے انگریز کو زیادہ خطرہ لاحق تھا۔ ان قوتوں کو دبانے کے لیے تعلیم نصاب میں تبدیلی کے ساتھ علمائے سوء کو طمع اور لالچ دے کر اپنا ہمنوا بنانا تھا۔ اس کے لیے انھیں جو احباب میسر آئے۔ انھوں نے ایک طرف دولت جمع کرنے کے لالچ اور دوسری طرف سرکاری مراعات حاصل کرنے کے لیے ان کی ہر جگہ اور ہر معاملہ میں حمایت کی۔ علمائے سوء نے انگریزوں کے حق میں فتوے جاری کیے۔ اور اس کی ساتھ اپنی ثقافت کو پس پشت ڈال کر ان کی ثقافت کو اپنا لیا۔

بیسویں صدی مسلمانوں کے لیے عظیم فتنے لے کر نمودار ہوئی۔ ان فتنوں میں ایک نہایت سنگین اور بھیانک فتنہ مرزا غلام احمد قادیانی کا دعوی نبوت تھا۔ مرزا نے انیسویں صدی کے آخری عشرہ میں مجدد، مہدی اور مسیح موعود ہونے کا دعوی کیا۔ شیخ الاسلام مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی نے مرزا کی مختلف کتابوں کو سامنے رکھ کر ایک استفتاء تیار کیا۔ جس میں مرزا کی باحوالہ ایسی عبارتیں جمع کیں۔ جو اسلامی تعلیمات کے متصادم نظر آئیں۔ پھر انھوں نے یہی استفتاء حضرت میاں محمد نذیر حسین محدث دہلوی کی خدمت میں پیش کر کے اس پر فتوی طلب کیا۔ حضرت میاں صاحب اس وقت پورے برصغیر میں حدیث کے سب سے بڑے شیخ اور استاد تھے عالم اسلام سے لوگ ان سے حدیث پڑھنے کے لیے آتے جس بنا پر شیخ الکل کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت میاں صاحب نے اس استفتاء کا بغور مطالعہ کیا۔ اور قرآن وحدیث کی روشنی میں تفصیلی جائزہ لیا۔ پھر ایک مدلل فتوی تحریر فرمایا۔ جس میں انھوں نے مرزا کو کافر قرار دیا۔

میاں صاحب کا یہ فتوی مرزا کی تکفیر پر پہلا فتوی تھا۔ جو نہایت مؤثر ثابت ہوا۔ اس لیے کہ میاں صاحب کی شخصیت ایک مسلمہ شخصیت تھی، علم وفضل، تقوی اور پرہیزگاری کے اعتبار سے میاں صاحب کا تمام برصغیر میں بہت بڑا مقام تھا۔ ہر صاحب بصیرت میاں صاحب کو احترام کی نگاہ سے دیکھتا تھا یہی وجہ ہے کہ اس اولین تکفیری فتوی کے بعد مرزا صاحب بوکھلا اٹھے۔ اور سب وشتم پر اتر آئے۔ اس تکفیری فتوی کے بعد مرزا نے جو بھی کتاب تحریر کی اس میں حضرت میاں صاحب اور مولانا بٹالوی

صاحب کو شنیع القاب سے یاد کیا۔

ادھر مولانا بٹالوی نے برصغیر کے طول وعرض میں اس تکفیری فتوی کی تشہیر کی۔اور بلا امتیاز مسلک نامور علماء کرام (جن میں علماء اہلحدیث،بعض علماء دیوبند،بعض علماء بریلوی حتی کہ شیعہ بھی شامل تھے) کی تصدیق طلب کی جس سے یہ فتوی علماء ہند کا متفقہ فتوی قرار پایا۔

چونکہ اس فتوی کے اصل محرک مولانا بٹالوی تھے اس لیے مرزا نے اس کا ذمہ دار حضرت میاں صاحب اور مولانا بٹالوی کو ٹھہرایا جیسا کہ لکھتے ہیں:

"اس تکفیر کا بوجھ نذیر حسین دہلوی کی گردن پر ہے مگر تاہم دوسرے مولویوں کا گناہ یہ ہے کہ انھوں نے اس نازک امر تکفیر میں اپنی عقل اور اپنی تفتیش سے کام نہیں لیا بلکہ نذیر حسین کے دجالانہ فتوی کو دیکھ کر جو محمد حسین بٹالوی نے تیار کر لیا تھا بغیر تحقیق وتنقیح کے ایمان لے آئے۔"

[روحانی خزائن ۱۱/ ۴۵]

دوسرے مقام پر مرزا لکھتا ہے:

مولانا محمد حسین بٹالوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب جرأت کے ساتھ زبان کھول کر میرا نام دجال رکھا۔اور میرے کفر کا فتوی لکھوا کر صدہا پنجاب وہندوستان کے مولویوں سے مجھے گالیاں دلوائیں۔اور مجھے یہود ونصاری سے بدتر قرار دیا۔

[حقیقۃ الوحی ص ۴۵۳]

مرزا کے دعوؤں کے تناظر میں غور کیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ علماء اہلحدیث نے مرزا کو آڑے ہاتھوں لیا۔جس سے اس نے محسوس کیا۔کہ یہی لوگ میرے عزائم کی تکمیل میں سد سکندری کا درجہ رکھتے ہیں۔اس لیے مرزا نے جو بھی راستہ اور انداز اپنایا۔علماء اہلحدیث نے اسی انداز سے تعاقب کیا۔اگر مرزا نے مباہلہ کو چیلنج دیا تو آنکھ جھپکتے اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔اگر اس نے تحریر کا میدان منتخب کیا۔تو اشاعۃ السنہ نے اس کا ترکی بہ ترکی جواب دیا۔الغرض علماء اہلحدیث نے اسے ہر میدان میں زچ کیا۔اور اسے ناکوں چنے چبوائے۔جس سے مرزا بلبلا اٹھے۔اور علماء اہلحدیث کے بارے میں جو بھی اس سے بیہودگی کا مظاہرہ ہو سکا۔اس نے کیا،کبھی اس نے یہودیوں سے تشبیہ دی۔کبھی ان کو فرعون کہا اور کبھی ہامان۔

[روحانی خزائن ج ۱۷ص ۶۷]

الغرض اس نے علماء اہلحدیث کو شنیع الفاظ سے یاد کرنے میں کوئی کمی نہیں کی۔ جو اسی کا ثبوت ہے کہ مرزا سمجھتا تھا کہ میرے اصل مخالف علماء اہلحدیث ہیں میرے خیال میں جتنی آگ بھڑکی ہوئی ہے وہ علماء اہلحدیث کی بھڑکائی ہوئی ہے۔ چنانچہ خود لکھتا ہے:

دوسرا فتنہ حقیقت میں محمد حسین بٹالوی کی طرف سے ہوا جس نے مسلمانوں کے خیالات کو اس عاجز کی نسبت بھڑکتی ہوئی آگ کے حکم میں کر دیا۔''

[تحریک ختم نبوت ص ۱۴۴ بحوالہ سراج منیر ص ۵۷]

یہی فتوی تکفیر کی حقیقت ہے جس کا مرزا نے بارہا دفعہ خود اقرار کیا ہے اور یہی فتوی دراصل تحریک ختم نبوت کی بنیاد بنا۔ اور اسی فتوی کی صدہا علمائے ہند نے تصدیق کی۔ اس فتوی سے قبل کوئی تکفیری فتوی نہ کسی نے جاری کیا۔ اور نہ ہی اس کی اشاعت ہوئی۔ اشاعت تو تب ہوتی۔ جب اس فتوی کے علاوہ کسی دوسرے فتوی کا وجود ہوتا۔

مرزا قادیانی کے آنجہانی ہونے کے بعد کچھ لوگوں کو رد قادیانیت کے میدان کا ہیرو بننے کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ انھوں نے پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ کہ میاں صاحب کے فتوی سے قبل علمائے لدھیانہ نے مرزا کے کافر ہونے کا فتوی دیا تھا۔ پھر اس پروپیگنڈہ کو اتنا تیز کر دیا کہ چند محققین نے اس پر رسائل تالیف کر دیے۔ ان رسائل کی حیات چند سال سے زیادہ نہیں۔ خصوصاً یہ رسائل اس دور میں تحریر کیے گئے جب اولین فتوی تکفیر کو وجود میں آئے ہوئے پون صدی سے بھی زیادہ عرصہ گزر گیا تھا۔

مؤلف تحریک ختم نبوت نے اس مصنوعی فتوی کی تحقیق میں بڑی محنت سے کام لیا ہے۔ اور بالآخر اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اس فتوی میں سب سے زیادہ تحریری کام علماء اہلحدیث نے کیا متحدہ ہندوستان تک اہل حدیث ہی کو اس میدان کا شہسوار گردانا جاتا تھا۔ تقسیم ملک کے بعد عصبیت جنون کی حد تک بڑھ گئی جس سے حقائق کو مسخ کر دیا گیا۔ اور ایسی کتب شائع کی گئیں جن میں اہلحدیث کے کردار کو ایسے فراموش کیا گیا کہ گویا کہ اس جماعت کے علماء نے مرزائیت کے رد میں کچھ کیا ہی نہیں ہے۔

تحریک ختم نبوت ان حضرات کی سعی کو اجاگر کرتی ہے جو اس میدان میں شاہسوار تھے مگر عصبیت کے اندھیرے نے ان کے مسلمہ کردار پر پردہ ڈالنا چاہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ڈاکٹر محمد بہاؤالدین صاحب کو جزائے خیر سے نوازے کہ انھوں نے تحریک ختم نبوت کے اصل مراجع تک رسائی حاصل کر کے اس تحریک کے اصل کرداروں کو آشکارا کیا۔ جو اصل حقائق تھے ان کو طشت از بام کیا۔

تحریک ختم نبوت

ایک تاریخی دستاویز کا نام ہے جس میں مؤلف موصوف نے ہر قسم کی عصبیت سے بالاتر ہو کر اس تحریک کے ہمہ جہت پہلوؤں کو اجاگر کرتی ہے اور جس کا بھی اس تحریک میں کوئی کردار ہے اسے واضح کرتی ہے اس میں مسلکی تعصب نہیں کہ یک طرفہ قلم کو حرکت دی گئی ہو بلکہ جس نے بھی اس تحریک کے احیاء میں جو کردار ادا کیا ہے بلا افتراق مسلک اس کو واضح کیا ہے اور اس میں قطعا اہل حدیث اور اہل تقلید کا امتیاز باقی نہیں رکھا۔

اس کتاب کا امتیازی وصف یہ ہے کہ مؤلف گرامی نے اپنے قلم کو کسی جگہ بھی بے مہار ہونے نہیں دیا۔ بلکہ وہی کچھ ذکر کیا ہے جو صحیح مراجع سے مؤلف کو ملا ہے۔

موصوف ڈاکٹر صاحب کا قلم نہایت شستہ، انداز سہل اور جاذب نظر ہے قلم میں اتنا تسلسل اور روانگی ہے کہ قاری اس سے محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

ایک وصف یہ بھی ہے کہ موصوف گرامی غیر ثابت شدہ باتوں کی احسن پیرایہ میں تردید کرتے ہیں دل آزاری کی بجائے اسے حقائق کے تناظر میں پیش کرتے ہیں جس سے اصل واقعہ بالکل عیاں ہو جاتا ہے۔ گویا کہ مؤرخ ہونے کے ناطہ سے موصوف نے اپنے قلم کو غیر ثابت شدہ باتوں سے آلودہ نہیں ہونے دیا اور بے جا طوالت سے بھی مکمل اعراض کیا ہے۔

الغرض تحریک ختم نبوت اپنے موضوع میں حقائق کا ایک منبع اور مجمع ہے جو اس تحریک کی صحیح سمت کی نشاندہی کرتی ہے اور جو غیر ذمہ دار حضرات نے مصنوعی واقعات کو تاریخ کا حصہ بنانے کی کوشش کی ہے ان کے ابطال پر یہ دوٹوک فیصلہ دیتی ہے جس سے ہر قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا گویا یہ کتاب اپنے موضوع کے متعلقہ مواد پر بے لاگ تبصرہ کرتی ہے جو اصل حقیقت ہے صرف اسی پر اکتفا کرتی ہے اپنی طرف سے تاریخ سازی کے بجائے اصل حقائق کو سامنے لاتی ہے۔

بلاشبہ تحریک ختم نبوت کے موضوع پر لکھی گئی تمام کتب سے مستند بھی ہے جس کا ایک ایک پیرہ دلائل اور حقائق سے مرصع ہے۔

اللہ تعالیٰ مولف گرامی کی اس محنت شاقہ کو شرف قبولیت سے نوازے اور تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر اور اللہ تعالیٰ انھیں اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین یا الہ العالمین.

کتبہ ابوانس محمد یحییٰ گوندلوی

باب(٦)

کشکول

یہ باب مولانا گوندلوی کے مختلف مضامین اور تحریروں پر مشتمل ہے۔ پہلا مضمون ''ایک کامیاب صدر مناظرہ'' راقم کا تحریر کردہ ہے۔ دوسرا مضمون مولانا گوندلوی کے ایک درس حدیث سے مستعار لیا ہے۔ یہ درس آپ نے امام بخاری یونیورسٹی سیالکوٹ میں ارشاد فرمایا تھا۔ اس کے بعد کے مضامین ''الجز المفقود یا الجز المصنوع'' قادری صاحب کا سند حدیث کے بارے میں مبلغ علم، طاہر القادری کا نظریہ باطنی اور قادری صاحب کے دورہ صحیح مسلم پر ایک نظر (یہ مضامین ہفت روزہ تنظیم اہلحدیث میں شائع ہوئے ہیں) دفاع حدیث پر مقالات اور دیگر مقالات کے عنوان کے تحت مقالات کی فہرست بھی ہفت روزہ تنظیم اہلحدیث لاہور ۱۹۹۹ء تا ۲۰۰۸ء سے مرتب کی گئی ہے اور مولانا گوندلوی کی غیر مطبوعہ تحریر مولانا ابوعمر عبدالعزیز سیال نے مہیا کی ہے مقالات میں کچھ فہرست مولانا عبدالحفیظ مظہر صاحب نے مہیا کی ہے تحریک ختم نبوت مصنفہ ڈاکٹر محمد بہاؤالدین صاحب (جس کی ۸ جلدیں شائع ہو چکی ہیں) پر تقریظ بھی مولانا عبدالحفیظ مظہر صاحب نے مہیا کی ہے آخری مضمون مولانا گوندلوی کی شخصیت پر راقم کا تحریر کردہ ہے۔

(عبدالرشید عراقی)

ایک کامیاب صدر مناظرہ

برصغیر (پاک وہند) کی تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ انگریزوں نے مجاہدین اسلام حضرت سید احمد شہید (رائے بریلوی) ❶ اور مولانا شاہ اسماعیل شہید دہلوی ❷ کی تحریک جہاد وحریت کو کچلنے اور ناکام بنانے کے لیے ایک فارمولا بنایا۔

"پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو۔"

چنانچہ انگریز اس میں کامیاب ہوئے۔ اور اس نے باہمی منافرت پھیلانے کے لیے حنفی وہابی میں تفریق پیدا کی۔ چنانچہ برصغیر (پاک وہند) میں مناظروں کا دور شروع ہوا۔

عیسائیوں اور مسلمانوں کے مناظرے ہو رہے ہیں آریہ سماج سے مسلمانوں کے مناظروں کا سلسلہ جاری ہے قادیانیوں، شیعوں سے مناظرے ہو رہے ہیں۔ اہلحدیثوں کے لیے قادیانیوں، آریوں، شیعوں، منکرین حدیث، نیچریوں، دیوبندیوں اور بریلویوں سے مناظروں کا سلسلہ جاری ہے۔

❶ حضرت سید احمد شہید صفر ۱۲۰۱ھ/نومبر ۱۷۸۰ء رائے بریلی (اودھ) میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق اودھ کے ایک مشہور دینی ومذہبی خاندان سے تھا۔ جو حسنی سادات کے نام سے مشہور تھا یہ پورا خاندان عبادت، اخلاق پاکیزگی عمل، صبر وتوکل، ریاضت وعبادت، زہد وتورع، تقوی وطہارت، جہاد وغزا ودیگر فضائل ومحاسن میں خاص شہرت رکھتا تھا۔ حضرت سید احمد کا شجرہ نسب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تک منتہی ہوتا ہے۔

سید صاحب کو بچپن ہی سے کبڈی، شہ زوری، سپہ سالاری، تیراکی اور غزاو جہاد میں فطری طور پر دلچسپی لیتے تھے۔ آپ ۱۴ برس کے عمر میں اپنے والد محترم کی وفات کے بعد دہلی کے سفر کے لیے گھر سے روانہ ہوئے، پہلے لکھنو پہنچے۔ وہاں کچھ دن قیام کے بعد دہلی وارد ہوئے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے ملاقات ہوئی اور انھوں نے انہیں اپنے چھوٹے بھائی شاہ عبدالقادر کے سپرد کر دیا۔ سید صاحب حضرت شاہ عبدالعزیز کی بیعت بھی ہوئے اس کے بعد آپ نے برصغیر میں اسلامی حکومت کے نفاذ کے سلسلہ میں جدوجہد شروع کی۔ تحریک جہاد میں بھرپور حصہ لیا تا آنکہ صوبہ سرحد کے افغانوں کی وجہ سے تحریک جہاد ناکام ہوئی اور آپ نے ۱۴/ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ/۵ مئی ۱۸۳۱ء کو بالاکوٹ میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔

❷ حضرت مولانا شاہ اسماعیل بن مولانا شاہ عبدالغنی بن حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلوی ایک جید عالم، دینی مفکر، قاطع بدعت، بلند پایہ مبلغ، عظیم مجتہد، عربی فارسی اور اردو کے نامور مصنف، ذہن وفطین، زہد وورع اور تقوی وطہارت کے پیکر اور مجاہد اسلام تھے آپ حضرت سید احمد شہید بریلوی کے ساتھ بالاکوٹ میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیوں
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

بہر حال ہر طرف مناظروں کا بازار گرم ہے۔

برصغیر میں علمائے اہلحدیث نے مناظرہ کے میدان میں اپنا ایک مقام پیدا کیا مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی، شیخ الاسلام مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری، مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی، امام العصر محمد ابراہیم سیالکوٹی، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، حضرت العلام حافظ عبداللہ روپڑی، شیخ العرب والعجم حافظ محمد گوندلوی، مولانا احمد الدین گکھڑوی، مولانا نور حسین گھرجاکھی، مولانا محمد عبداللہ معمار امرتسری اور مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی رحمہم اللہ اجمعین اورکئی دوسرے علماء کرام نے میدان مناظرہ میں جو خدمات انجام دیں وہ ہماری تاریخ اہلحدیث کا درخشندہ باب ہے۔

شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری کے بارے میں علامہ سید سلیمان ندوی نے لکھا تھا: کہ ''وہ مناظرہ کے امام تھے۔اور مولانا امرتسری مرحوم ومغفور نے لکھا تھا کہ مناظرہ میں میرا جانشین حافظ عبدالقادر روپڑی ہیں۔ اور حافظ عبدالقادر روپڑی نے اپنا جانشین مولانا ابوانس محمد یحییٰ گوندلوی کو بنایا تھا۔ ہفت روزہ تنظیم اہلحدیث لاہور کے مدیر اعلیٰ لکھتے ہیں:

> مرحوم کامیاب مدرس، بہترین مناظر اچھے مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب وفرق پر گہری نظر رکھنے والی شخصیت تھے موصوف کی علمی حیثیت کے پیش نظر سلطان المناظرین حافظ عبدالقادر روپڑی نے اپنی بیماری کے ایام میں جامعہ اہلحدیث کے شعبہ تقابل ادیان کا سربراہ منتخب کیا۔ موصوف نے اپنی اس ذمہ داری کو بڑی خوش اسلوبی اور احسن طریقے کے ساتھ نبھایا۔
>
> [تنظیم اہلحدیث ۳۰ جنوری ۲۰۰۹ء]

۲۰ رفروری ۲۰۰۹ء کے تنظیم اہلحدیث میں لکھتے ہیں:

> مجلس علمی (مناظرہ کلاس) کا اجلاس حافظ عبدالغفار روپڑی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جس میں مجلس علمی کے سربراہ مولانا محمد یحییٰ گوندلوی کی وفات پر اظہار افسوس کیا گیا۔ اوران کی وفات کو جماعت اہلحدیث کے بالعموم اور مجلس علمی (مناظرہ کلاس) کے لیے بالخصوص عظیم نقصان قرار دیا گیا ہے۔

مولانا محمد داود ارشد صاحب اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

> مناظر وصدر کے لیے اپنے موقف پر شرح صدر، خود اعتمادی اور حریف کے دلائل وعقائد اورنظریات پر عبور ہونا ضروری ہے۔تحمل، حوصلہ، وسعت ظرفی، ذہانت

وفطانت، حاضر جوابی، برجستہ گوئی اور جرأت ترکیبی ہیں۔ الحمدللہ یہ تمام اوصاف حضرت شیخ میں بدرجہ اتم پائے جاتے تھے۔ اسی وجہ سے وہ جس مناظرہ میں ہوتے۔ فتح بفضلہٖ تعالیٰ یقینی ہوتی ان کی آمد ہی حریف کو لرزاں وترساں کر دیتی۔ گومرحوم اکثر مناظروں میں صدر ہی ہوتے لیکن معاونت بھی خوب کرتے محل لقمہ پر لقمہ دیتے۔ حریف کی تقریر کو توجہ سے سنتے اور اسی سے ہی کمال نکتہ اخذ کر لیتے تھے گوجرانوالہ شہر کے اندر الشیخ حافظ محمد امین ﷾ (شیخ الحدیث نصر العلوم) کا مسئلہ فاتحہ پر یونس نعمانی سے مناظرہ تھا۔ حریف نے امام بیہقی کی کتاب القراءۃ سے ایک روایت بطور دلیل پڑھ کر سنائی اور زور دے کر کہا کہ سند کو اچھی طرح سن لیں۔ مناظر صاحب نے چالاکی یہ کی کہ سند کوئی اور متن کوئی پڑھ دیا۔ مرحوم نے بتوفیق الٰہی اپنے وسعت مطالعہ اور یاد سے اس کی بددیانتی کو پکڑ لیا۔ اور یہی سبب اہلحدیث کی فتح کا بنا۔

[الاعتصام ۲۰ فروری ۲۰۰۹ء ص ۲۹]

مولانا گوندلوی ایک کامیاب مناظر تھے آپ نے مقلدین احناف (دیوبندی وبریلوی) اور شیعوں سے کئی ایک مناظرے کیے۔ مناظرہ میں آپ ہمیشہ اصول مناظرہ کو پیش نظر رکھتے تھے۔ اور دیگر علوم وفنون کی طرح مناظرہ بھی علم مناظرہ کے اصول پر رکھا کرتے تھے۔ مناظرہ میں آپ فریق ثانی کی کبھی تحقیر یا تذلیل نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اس کا احترام کرتے تھے۔ اور مناظرہ میں کبھی گھبراہٹ محسوس نہ کرتے بلکہ جوبات کرتے عالمانہ انداز میں کرتے تھے اور باحوالہ کرتے تھے کسی کتاب کا حوالہ دیتے تو پوری ذمہ داری سے دیتے کتاب کا صفحہ نمبر، سن اشاعت اور ایڈیشن نمبر تک بتاتے۔ تاکہ فریق ثانی کو اعتراض کرنے کی گنجائش نہ رہے۔ شرائط مناظرہ میں بھی ہمیشہ فراخ دلی سے کام لیا کرتے تھے۔ فریق ثانی کی بعض دفعہ ناجائز شرائط بھی تسلیم کر لیتے تھے اس لیے کہیں وہ اس بہانہ سے راہ فرار نہ اختیار کرے۔

مقلدین احناف سے آپ نے جو مناظرے کیے ہیں ان میں کئی مناظروں میں صدر مناظرہ ہوتے اور معاون مولانا محمد حیات محمدی ہوتے تھے اور کئی مناظروں میں آپ معاون مناظرہ ہوتے صدر مناظر مولانا قاضی عبدالرشید آف جہلم یا مولانا حافظ محمد امین محمدی یا مولانا عمر صدیق وغیرہم ہوتے۔

یہاں آپ کے چند مناظروں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جن میں آپ کو معاون مناظرہ تھے۔

۱۔ عنوان، مناظرہ، فاتحہ خلف الامام

مابین مولانا قاضی عبدالرشید آف جہلم (اہلحدیث) مولانا مجیب الرحمٰن یزدانی (بریلوی) بتاریخ ۲۵رمئی ۱۹۹۵ء

۲۔ عنوان مناظرہ رفع یدین

مابین مولانا قاضی عبدالرشید (اہلحدیث) مولوی عبدالکریم نقشبندی

۳۔ عنوان مناظرہ طلاق ثلاثہ فی مجلس واحد

مابین مولانا محمد امین محمدی (اہلحدیث) مولانا محمد جمیل صدیقی (مقلد)

۴۔ عنوان مناظرہ طلاق ثلاثہ فی مجلس واحد

مابین مولانا عمر صدیق (اہلحدیث) مولانا عبداللہ عابد (دیوبندی)

بتاریخ ۱۸رستمبر ۲۰۰۶ء بمقام گوجرانوالہ

۵۔ عنوان مناظرہ فاتحہ خلف الامام۔

مابین مولانا قاضی عبدالرشید آف جہلم (اہلحدیث) مولوی عباس رضوی (بریلوی)

۱۹۹۵ء بمقام حافظ آباد

۶۔ عنوان مناظرہ رفع الیدین

مابین مولانا عمر صدیق (اہلحدیث) مولوی الیاس گھمن (دیوبندی)

۲۰۰۷ء بمقام دنیاپور ضلع ملتان

۷۔ عنوان مناظرہ رفع الیدین

مابین مولانا قاضی عبدالرشید (اہلحدیث) ماسٹر محمد امین اوکاڑوی (دیوبندی)

۱۹۹۷ء بمقام گوجرانوالہ

اللہ تعالیٰ نے مولانا گوندلوی کو طبعًا اور فطرتًا ایسا دماغ دیا تھا کہ آپ مناظرہ ہو یا کسی علمی و مذہبی و دینی مسئلہ ہو اس کا فورا جواب کتاب وسنت میں دیتے۔ اور جب کوئی حدیث بنا ین کرتے تو اس کے ساتھ ہی یہ نشاندہی کرتے کہ مرتبہ و مقام کیا ہے ضعیف حدیث تو بالکل بیان نہیں کرتے تھے۔ اور نہ ہی ضعیف حدیث پر عمل کو جائز قرار دیتے تھے۔

آپ نے جتنے بھی مناظرے کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان میں کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کیا۔

امام ترمذی کی سیرت وفقاہت

۷ر دسمبر ۲۰۰۴ء/ مطابق شوال ۱۴۲۵ھ کو امام بخاری یونیورسٹی سیالکوٹ میں تقریب صحاح ستہ منعقد ہوئی۔ جس میں شیخ الحدیث مولانا ابوانس محمد یحیٰ گوندلوی نے امام ترمذی کی سیرت وفقاہت پر ایک جامع وعلمی تقریر ارشاد فرمائی۔ اس تقریر کے بعض اہم نکات درج ذیل ہیں یہ تحریر مولانا ابوعمر عبدالعزیز سیال صاحب نے مہیا کی ہے۔ (عبدالرشید عراقی)

۱۔ امام ترمذی کے سن ولادت میں اختلاف ہے۔

۲۔ امام شافعی قرآن حکیم میں لفظ ملت سے مراد سنت لیتے ہیں۔

۳۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو خارجیوں سے مناظرہ کے لئے بھیجتے وقت نصیحت کی کہ ان سے گفتگو قرآن مجید کے حوالہ سے نہ کرنا۔ بلکہ سنت کے ذریعے کرنا۔ وہ جواب نہ دے سکیں گے۔

۴۔ خراسان کا محدث جو حدیث بیان کرتا ہے۔ وہی حدیث اندلس کا محدث بیان کرتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حدیث کی حفاظت بھی قرآن کی حفاظت ہے۔

۵۔ امام ترمذی کے ابتدائی حالات کتب اسماء الرجال میں نہیں ملتے۔

۶۔ امام ترمذی کے اساتذہ کی تعداد دوسو سے زائد ہے۔

۷۔ امام ترمذی نے جامع ترمذی میں (۹۳) ابواب میں فقہی مسائل کا سمندر بنا دیا ہے۔ مثلاً انسان جب صدقہ کرتا ہے تو اس کے ہاتھ کو اللہ تعالیٰ پکڑ لیتا ہے۔ اس روایت میں اللہ کے ہاتھ کو ماننا تمثیل نہیں ہے۔

۸۔ امام ترمذی کبھی رائے کی تردید کرتے ہیں اور کہیں خاموشی اختیار کرتے ہیں۔

۹۔ ایک عیسائی مؤرخ نے حدیث کی تحقیق کرتے ہوئے اعتراف کیا ہے کہ صحیح بخاری جیسی عمدہ اور بے نظیر کتاب نہ پہلے لکھی گئی ہے اور نہ بعد میں ممکن ہے۔

آخر میں مولانا گوندلوی نے فرمایا:

حدیث کے مقابلہ میں ائمہ کی آراء پر عمل کرنا ایسے ہی ہے جس طرح شریعت کے مقابلہ میں ایک نئی شریعت بنانا ہے۔ اس لیے بلا دلیل تقلید ایک شریعت سازی ہے۔

الجزء المفقود یا الجزء المصنوع

بریلوی مکتب فکر سے ''الجزء المفقود من الجزء الاول من المصنف'' عربی میں اور ''مصنف عبدالرزاق کی پہلی جلد کے دس گم شدہ ابواب'' اردو میں چھپے ہیں جو الجزء المفقود کی تصویر پیش کر رہا ہے۔

علمائے اہلحدیث نے اس کا بروقت نوٹس لیا۔ اور اس کتاب کی تردید میں مضامین لکھے کہ یہ کتاب جعلی ہے چنانچہ

مولانا حافظ زبیر علی زئی ﷾ کا مضمون ''حدیث نور اور مصنف عبدالرزاق ایک نئی دریافت کا جائزہ'' کے عنوان سے ماہنامہ الحدیث حضرو شمارہ نمبر ۲۳ میں شائع ہوا۔

دوسرا مضمون فضیلۃ الشیخ مولانا محمد یحییٰ گوندلوی کا ''الجزء المفقود یا الجزء المصنوع'' کے عنوان سے ماہنامہ نداء الاسلام پشاور (مئی ۲۰۰۶ء) میں شائع ہوا۔

تیسرا مضمون مولانا ابوصہیب محمد داود ارشد صاحب ﷾ کا مضمون ماہنامہ محدث لاہور اور ہفت روزہ الاعتصام لاہور میں شائع ہوا۔

مضمون کا عنوان تھا: ''مصنف عبدالرزاق کا جزء مفقود''

تحریر: مولانا محمد داود ارشد نارنگ منڈی

مراجعت: مولانا ارشاد الحق اثری

یہ تینوں مضامین (اردو) اور عربی مضمون، ایک ساتھ مکتبہ اسلامیہ لاہور نے شائع کر دیے ہیں صفحات کی مجموعی تعداد ۱۲۰ ہے۔

مولانا گوندلوی کا مضمون (ص ۳۳ تا ۴۷) شائع ہوا ہے۔ جو پیش خدمت ہے۔

الجزء المفقود یا الجزء المصنوع

الجزء المفقود (مصنف عبدالرزاق) کے نام سے طبع ہونے والی من گھڑت کتاب کی کہانی

اسلام کی خالص اور فطری تعلیم میں جب سے تصوف کے نام سے عقائد باطلہ کو شامل کیا جانے لگا ہے اسی وقت ہی بدعتی حضرات کی کوشش رہی ہے کہ قرآن وحدیثِ صحیح پر مبنی عقائد میں تخلیط پیدا کر کے انھیں مشکوک بنا دیا جائے تاکہ اسلامی عقائد اپنی اصلیت پر قائم نہ رہیں ان عقائد باطلہ میں سے ایک عقیدہ یہ ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ کی تخلیق اللہ تعالیٰ کے نور سے ہوئی اور آپ ﷺ مبدأ اور منبع مخلوقات ہیں'' یہ عقیدہ چونکہ صریحًا قرآن کریم کی متعدد نصوص اور احادیث متواترہ جن میں انبیاء کے عمومًا اور رسول اللہ ﷺ کے خصوصًا بشر ہونے کی تصریح کی گئی ہے، کے خلاف ہونے کی بنا پر اختراعی اور افترائی ہے صحابہ کرام اور تابعین عظام کے دور میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کا یہ عقیدہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ مبدأ خلق اور نور سے پیدا ہوئے ہیں ان زریں ادوار کے بعد واقدی، کلبی اور عبدالرحمٰن بن زید جیسے مشہور کذابوں نے اس عقیدہ کو رواج دینے کی کوشش کی کہ اللہ کے نبی نور ہیں۔

دراصل یہ عقیدہ تو عیسائیوں کا تھا جو جناب مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں پھر ان سے یہ عقیدہ شیعہ حضرات نے چرا کر اپنے ائمہ پر چسپاں کر دیا کہ ائمہ اہل بیت کی پیدائش نور سے ہوئی ہے۔

[الاصول فی الکافی ص ۳۸۹ ج ۱]

تصوف کی بنیاد شیعیت پر ہے اور انھی حضرات نے تصوف کے ذریعے اس عقیدہ کو اہل سنت میں داخل کیا ہے جس کی وجہ سے یہ باطل عقیدہ صوفیہ حضرات کے ذریعے عام مسلمانوں میں پھیل گیا ہے لیکن ائمہ اہل سنت نے اس عقیدہ کو ہر دور میں باطل قرار دیا ہے چونکہ اہل بدعت کے اس عقیدہ پر دلیل نہ تھی اور یہ قرآن وحدیث کے متصادم بھی ہے اس لیے اس پر اہل بدعت کو دلیل پیش کرنے کی فکر دامن گیر ہوئی تو پھر کیا تھا ایک دوڑ شروع ہوگئی لیکن دلیل لاتے کہاں سے؟ آخر انھوں نے ''اول ما خلق اللہ نوری'' جیسی روایت وضع کر کے بزعمہم دلیل کی کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی چند متاخرین سیرت نگار حضرات نے اس من گھڑت روایت کا انتساب امام عبدالرزاق صنعانی کی طرف کر دیا اس لیے کہ ان کی کتاب ''المصنف'' اہل علم کے ایک مخصوص حلقہ میں معروف اور متداول تھی لیکن ضخیم ہونے کی وجہ سے

عوام کی دسترس سے باہر تھی کہ وہ ان کی مذکورہ من گھڑت روایت کی تحقیق کر لیتے کمال یہ ہے کہ اصحاب سیر میں سے جس نے بھی اس روایت کو اپنی کتاب میں درج کیا بغیر سند کے ذکر کیا جو اس بات کی دلیل تھی کہ ان اصحاب سیر نے یہ روایت خود المصنف میں نہیں دیکھی بلکہ نقل در نقل کرتے چلے گئے۔

۱۹۷۰ء میں ایک دیوبندی محقق اعظمی کی تحقیق سے المصنف پہلی مرتبہ زیور طبع سے آراستہ ہو کر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی تو اس سے (بریلوی) اہل بدعت کی کارستانی کھل گئی کہ المصنف میں تو مذکورہ روایت موجود ہی نہیں اب تو ہماری بات نہیں چلتی کہ ہم کہتے ہیں المصنف میں یہ حدیث ہے تو مخالف حوالہ کا مطالبہ کرتا ہے جس سے ظاہر ہے کہ ان کا تردد اور پریشانی بڑھ جاتی ہے غالبا ۱۹۸۶ء یا ۱۹۸۷ء کی بات ہے راقم الحروف ان دنوں جامعہ رحمانیہ قلعہ (دیدار سنگھ) میں مدرس تھا تو وہاں نور و بشر کی بحث چل نکلی بریلوی مکتب فکر کے ایک عالم (جواب میں بقید حیات ہیں) نے اس روایت کو مصنف کے حوالے سے پیش کیا تو راقم الحروف نے ان سے حوالہ کا تقاضا کیا تو وہ فرمانے لگے میرے پاس کتاب موجود نہیں ہے۔ راقم نے المصنف کا پورا سیٹ موصوف کے گھر پہنچا دیا چند دنوں بعد انھوں نے یہ کہہ کر المصنف واپس کر دی کہ اس سے وہابیوں نے روایت نکال دی ہے کیا ہی خوب جواب تھا کہ وہابیوں نے تو اسے طبع ہی نہیں کیا تو انھوں نے کس طرح اس سے یہ روایت نکال دی؟

الجزء المفقود کی دستیابی کی کہانی

تاہم اہل بدعت اس من گھڑت روایت کے وجود کو ثابت کرنے کی تگ و دو میں رہے بالآخر ۲۰۰۵ء میں ''الجزء المفقود من المصنف'' کے نام سے ایک کتاب شائع کر دی جس میں اس روایت کو امام عبد الرزاق کی سند سے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے ثابت کر دکھایا!

راقم الحروف کے سامنے الجزء المفقود طبعہ ثانیہ کا نسخہ ہے جو مؤسسۃ الاشرف لاہور کے زیر اہتمام طبع ہوا ہے اس کے مقدمہ میں اس جزء کی دستیابی کی کہانی کچھ یوں مرقوم ہے جسے ہم خلاصتاً بیان کرتے ہیں اس جزء کے مقدمہ نگار لکھتے ہیں:

> ''مصنف کا جو نسخہ طبع ہوا ہے وہ ناقص ہے اس میں دس باب ساقط ہو گئے ہیں بلاد اسلام کے مختلف علاقوں میں جہاں اس کے وجود کا احتمال تھا اس کی دستیابی کی کوشش کی مگر یہ کوشش ناکام رہی کہ اس کامل نسخہ کا وجود نہ مل سکا۔ بالآخر ہندوستان کے ایک عالم سید

محمد امین الحمیری ہیں جو خالص صوفی معلوم ہوتے ہیں وہ اس مقدمہ میں لکھتے ہیں

''حدیث جابر (اور ماخلق اللہ نوری) کی صحت کے بارہ میں بڑا اختلاف پیدا ہوا ہے جسے اہل سیر نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے اس کا انتساب سند ذکر کیے بغیر مصنف عبدالرزاق کی طرف کیا ہے ہمارے شیخ غماری اور عمر حمدان نے اس کی دستیابی کی کوشش کی اور اس کے لیے یمن جانے کا قصد کیا تاکہ جو مصنف کا مخطوطہ ہے اس کا سماع کیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہ ہوا لیکن تلاش کرنے والوں نے شمالی یمن کی جانب سفر میں کوشش جاری رکھی کہ اس کا کامل اور نادر نسخہ تلاش کیا جاسکے لیکن وہ بھی کامیاب نہ ہوئے پھر استنبول (ترکی) کے مختلف مکاتب میں اس نسخہ کی تحقیق کی انھوں نے بہت سے نسخے دیکھے مگر (پھر بھی ناکامی مقدر رہی) بالآخر اس نتیجہ پر پہنچے کہ ان نسخوں میں اول اور اوسط حصوں میں نقص ہے جیسا کہ مطبوعہ نسخہ میں نقص ہے میں اس نسخہ کی تلاش میں رہا حتی کہ ہمیں اس نادر نسخہ کا جزء اول اور جزء ثانی ہندوستان کے ایک نیک عالم سید امین برکاتی کے ہاتھ سے دستیاب ہوگیا۔''

[ص ۷]

یہ ہے اس نسخہ کی دستیابی کی کہانی، اس نادر اور کامل نسخہ کا وجود عالم سلام کے تمام معروف مکاتب اور کتب خانوں میں سے نہیں مل سکا جو اسلامی وراثت کے مخزن اور امین ہیں آخر ملا ہے تو وہ بھی ہندوستان کے ایک صوفی صاحب سے جن کے مقام سکونت کو مجہول رکھا گیا ہے تاکہ کوئی تحقیق کرنے والا اس صوفی کے دولت کدہ میں پہنچ کر تحقیق نہ کر سکے۔ اس محقق کی نظر میں ہندوستان تو چھوٹا سا گاؤں معلوم ہوتا ہے کہ بس ہندوستان کا نام لے لیا تو موصوف صوفی صاحب کا ایڈریس معلوم ہوگیا آخر صوفی برکاتی صاحب کے ایڈریس کو پردہ اخفاء میں رکھنے میں کوئی راز تو ہوگا؟

مخطوطہ کا وصف

علم حدیث کی رو سے جب تک کسی مخطوطہ کے بارے میں تسلی بخش معلومات حاصل نہ ہوں قابل قبول نہیں ہوتا یہ بات محقق صاحب کے دل میں کھٹکتی ہوگی اس لیے انھوں نے اپنے مقدمہ میں اس مخطوطہ کا وصف بیان کیا ہے موصوف لکھتے ہیں:

اس مخطوطہ کو اسحاق بن عبدالرحمٰن سلیمانی نے تحریر کیا ہے جیسا کہ آخر میں ہے.

قد انتهى من نسخه يوم الاثنين وثلاثين وتسعمائة من هجرة سيدة المرسلين ﷺ ببغداد.

[ص:۱۰]

اس نسخہ کی کتاب کی تکمیل سوموار کے روز نو رمضان ۹۳۳ھ کو بغداد میں ہوئی۔

اعتراضات

محقق کی عبارت پر چند اعتراضات ہیں:

اوّلاً: ضروری ہے کہ ناسخ کا تعارف معلوم ہو اس کی علمی حیثیت کیا ہے وہ ثقہ تھا یا غیر ثقہ۔

ثانیاً: ناسخ نے اپنے مخطوطہ کو کس مخطوطہ سے لکھا ہے۔

ثالثاً: ناسخ سے لے کر امام عبدالرزاق تک سند موجود ہو۔

رابعاً: جس جگہ سے مخطوطہ دستیاب ہوا ہے وہاں تک مخطوطہ کیسے پہنچا اس کے بارے میں پوری تفصیل موجود ہو ورنہ یہ مخطوطہ من گھڑت اور جعلی قرار پاتا ہے۔

تبصرہ

اس جزء پر ان تمام اعتراضات کے جوابات دینا ناممکن ہی نہیں بلکہ محال ہے۔

اوّلاً: تو جناب سلیمانی کا کوئی تعارف نہیں دیا گیا جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مجہول ہے لہٰذا ساقط العدالت اور قابل قبول نہیں اس لیے کہ مجہول کی روایت قابل قبول نہیں ہوتی۔

[مقدمہ ابن الصلاح]

ثانیاً: یہ بھی کوئی تفصیل نہیں کہ دسویں صدی ہجری میں لکھا جانے والا نسخہ کس نسخہ کی نقل ہے اور جس نسخہ کی نقل ہے اس کا ناقل کون ہے؟ یہ سب باتیں مجہول و مشکوک ہیں۔

ثالثاً: سلیمانی سے لے کر امام عبدالرزاق تک کوئی سند موجود نہیں ہے نسخے کا آغاز ہی عبدالرزاق سے ہوا۔

حالانکہ امام عبدالرزاق اور سلیمانی تک سات صدیوں سے زیادہ فاصلہ حائل ہے جس کے طے کرنے میں مسافروں کی گردنیں ٹوٹ جاتی ہیں لیکن وہ طے نہیں ہوسکتا ہے محدثین کے نزدیک جس سند

میں صرف ایک راوی ساقط ہو وہ قابل قبول نہیں ہوتی۔ سلیمانی سے لے کر امام عبدالرزاق تک ہو سکتا ہے بیس سے بھی زائد واسطے منقطع ہوئے ہوں لہٰذا اس مفقود جزء کے باطل ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں رہتا یہ تو اس نام نہاد جزء مفقود کے باطل ہونے کی چند ظاہری علامتیں تھیں۔

جزء کے من گھڑت ہونے پر جزء کی شہادت

معلوم ہوتا ہے کہ اس جزء کے محقق کو بھی اس نسخہ کے اصل ہونے کا یقین نہیں ہے اس لیے خود لکھتے ہیں:

> مخطوطہ کی تحقیق کے بعد جو نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ نسخہ ہمارے پاس ہے اس پر کسی قسم کے سماع نہیں ہیں جو نسخہ کاملہ میرے اختیار میں ہے اس میں صرف اول اور ثانی جلد ہے میں حکم کو اس کے قاری اور خواص حضرات پر چھوڑتا ہوں اور اس جزء کی قراء کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔
>
> [ص ۱۵ ملخصًا]

اگر محقق کو اس نسخہ کے اصل ہونے کا یقین ہوتا تو فیصلہ قراء اور خواص پر نہ چھوڑتے بلکہ پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ کہتے کہ یہ مخطوطہ اصل ہے اس کی صحت میں کوئی شک نہیں۔ محقق نے فیصلہ چونکہ اس کے قراء پر چھوڑا ہے لہٰذا راقم الحروف بحیثیت اس مخطوطہ کے جو طبع ہو کر میرے ہاتھ پہنچا ہے ایک قاری ہونے کے ناطے اس مخطوطہ کی اندرونی کہانی یعنی عبدالرزاق سے لے کر صحابیِ رسول تک سند اور پھر اس کے بعض متون پر بحث کا جو محقق نے حق سونپا ہے اس کے مطابق اس مخطوطہ کے ماله وماعليه پر ناقدانہ تبصرہ کرتا ہے وبالله التوفيق.

اصل بحث سے قبل یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ علم حدیث کا تمام تر مدار سند پر ہے اگر کسی حدیث کی سند درست نہیں تو پھر یقین کر لینا چاہیے کہ وہ حدیث ثابت نہیں یہ اسلامی علمی ورثہ کا امتیاز ہے جو دنیا کے کسی دوسرے مذہب میں نہیں ہے۔ (تفصیل راقم الحروف کی کتاب خصائل محمدی شرح شمائل ترمذی حدیث نمبر ۲۱۷ کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔)

آغاز ہی غلط ہے

مخطوطہ کے پہلے صفحہ کی مطبوع نسخہ میں تصویر دی گئی ہے اس کی ابتداء ایسی ہے عبدالرزاق عن

معمر عن الزهري عن السائب بن زيد (ص ۱۸) اس سند کے مطابق یہ نسخہ ہی مجہول قرار پاتا ہے۔ کیونکہ سائب بن زید نام کا کوئی صحابی نہیں ہے بلکہ یہ نام اختراعی ہے اس کے محقق کے لیے یہ نام پریشانی کا باعث بنا تھا لہٰذا جب اصل کتاب کا آغاز کیا تو یہ نام ہی بدل دیا سائب بن زید کے بجائے یزید کر دیا اور اس پر حاشیہ لکھا کہ مخطوطہ میں زید ہے اور درست یزید ہے۔ (ص ۵۲) گویا کہ انھوں نے آغاز ہی تحریف سے کیا اب زید غلط اور یزید کے درست ہونے کے لیے کسی مستند دلیل کی ضرورت تھی جو محقق نے ذکر نہیں کی بلکہ بلا دلیل زید کو یزید بنا دیا اب اگر زید غلط تھا تو اس کی تصحیح کے لیے جو اصول ہے اس کے مطابق تصحیح کرنی چاہیے تھی وہ یہ تھا کہ ہمارے پاس جو مخطوطہ ہے اس میں کاتب کی تصحیف ہے اس کے فلاں مخطوطہ میں سائب بن یزید ہے لیکن کس مخطوطہ سے تصحیح کرتے جبکہ دنیا میں اس کا تو ایک ہی مخطوطہ ہے جو صرف ان کے پاس ہے اگر وہ کسی دوسرے مخطوطہ کا حوالہ دیتے تو ان کی چوری پکڑی جاتی اور ان کا مشن ہی ادھورا رہ جاتا۔

ثانیاً: اگر کوئی دوسرا مخطوطہ پاس نہ ہو تو ایسی صورت میں روایت جو اس مخطوطہ میں ہے اس کی تخریج کسی دوسری حدیث کی معتبر کتاب سے کر دی جاتی اور واضح کیا جاتا کہ فلاں کتاب میں یہ روایت اس سند سے ہے اس میں زید کے بجائے یزید ہے لیکن چونکہ یہ روایت خود گھڑی ہوئی ہے جس کا حدیث کی کسی کتاب میں پایا جانا محال ہے تو وہ تخریج کس کتاب سے کرتے؟ بہر حال اس مخطوطہ کی پہلی حدیث کی سند ہی اس کے باطل ہونے کی شاہد عدل ہے۔ ثالثاً: اگر کہا جائے کہ یہ ناسخ کی تصحیف ہے تو تب بھی یہ روایت غیر معتبر ٹھہرتی جس سے پہلی سند ہی میں تصحیف ہوئی ہے (اس نے) متن میں کیا گھل کھلائے ہوں گے۔ فتدبر

مخطوطہ کے نسخ کے لیے حدیث میں چند شرائط اور قیود ہیں جو حافظ ابن الصلاح نے اپنے مقدمہ فی علوم الحدیث میں ذکر کی ہیں ان میں تیسری شرط ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ولا بد من شرط الثالث وهو أن يكون ناقل النسخة من الأصل غير سقيم النقل بل صحيح النقل قليل السقط.

اور ایک تیسری شرط بھی ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اصل (کتاب) سے نسخہ نقل کرنے والا غلط نقل کرنے والا نہ ہو بلکہ صحیح نقل کرنے والا اور (بہت) کم غلطیاں کرنے والا ہو۔

[مقدمہ ۹۳ دوسرا نسخہ ۲۱۱]

اگر تصحیف مانی جائے تو تب بھی یہ مخطوطہ اس اصول کے تحت غیر صحیح قرار پاتا ہے اس لیے کہ

اس نسخے کا آغاز ہی ایک عظیم خطا سے ہوا ہے جو واضح کرتا ہے کہ ناسخ صحیح العقل نہیں ہے۔

مخطوطہ کے من گھڑت ہونے کی دوسری دلیل

کسی مخطوطہ یا روایت کے من گھڑت ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ کوئی راوی اس شیخ سے سماع اور تحدیث کی صراحت کے ساتھ روایت کرے جو اس کی ولادت سے پہلے یا سن تحمل سے پہلے فوت ہو گیا ہو۔

حسان بن زید فرماتے ہیں:

(لم یستعن علی الکذابین بمثل التاریخ یقال للشیخ سنة کم ولدت فاذا اقر بمولده مع معرفتنا الوفاة الذی انتمی الیه عرفنا صدقه من کذبه).

[الاعلان بالتوبیخ ص ۹، تاریخ بغداد ۷/ ۳۵۶، ۳۵۷ وسندہ حسن الی حسان بن زید، الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع ۱/ ۱۳۱ ح ۱۴۲]

"کذاب لوگوں کی حقیقت جاننے کے لیے تاریخ سے بہتر کوئی معاون نہیں ہے شیخ سے پوچھا جائے کہ تو کب پیدا ہوا ہے جب وہ اقرار کرے تو جس سے وہ روایت کر رہا ہے اس کی وفات کو دیکھا جائے تو اس کا صدق کذب سے ظاہر ہو جائے گا۔"

اسی بنا پر محدثین نے راویوں کی پیدائش اور وفات کی تاریخوں کا اہتمام کیا ہے تا کہ جھوٹ اور سچ میں تمیز ہو سکے امام سفیان ثوری فرماتے ہیں:

(لما استعمل الرواة الکذب استعملنا لهم التاریخ).

"جب راویوں نے جھوٹ سے کام لینا شروع کیا تو ہم نے (ان کی پیدائش اور وفات کی) تاریخ کو استعمال کیا۔"

[الکفایہ ص ۱۱۹ والکامل لابن عدی ۱/ ۹۷]

امام حفص بن غیاث نے تو کیا خوب بات کہی ہے:

اذا اتهمتم الشیخ فحاسبوه بالسنین یعنی احسبوا سنه وسن من کتب عنه.

"جب تم کسی راوی کو متہم خیال کرو تو اس کے سالوں کا حساب کرو یعنی اس کی عمر اور جس سے اس نے روایت لکھی ہے اس کی عمر شمار کرو۔"

[الکفایہ ص ۱۱۹]

جب ہم محدثین کے اصول کی روشنی میں اس مخطوطہ کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم پر نصف النہار کی طرح واضح ہوتا ہے کہ یہ مخطوطہ من گھڑت ہے جس کے دلائل یہ ہیں کہ اس مخطوطہ کی حدیث نمبر۲ کی سند اس طرح ہے عن ابن جريج قال اخبرني البراء (ص۵۵) یہ سند ڈنکے کی چوٹ اعلان کرتی ہے کہ یہ مخطوطہ مصنوعی ہے اس لیے کہ سیدنا براء رضی اللہ عنہ کی وفات ۷۲ھ میں ہوئی۔[التقریب ۶/۴۰۵] اس سے واضح ہے کہ سیدنا براء رضی اللہ عنہ جناب ابن جریج کی پیدائش سے آٹھ سال قبل فوت ہو چکے تھے تو کیا انھوں نے دوبارہ زندہ ہو کر ابن جریج کو اس حدیث کی خبر دی تھی؟ محدثین کے اصول کے مطابق تو یہ سند من گھڑت ہے لیکن صوفیوں کے نزدیک سب کچھ ممکن ہے اس لیے کہ نظام تصوف میں فوت شدگان سے دنیاوی زندگی کی طرح استفادہ ممکن ہے جیسا کہ ان کی خرقہ کی کہانی ہے کہ مرید اپنے شیخ سے اس کی وفات سے سو برس بعد بھی خرقہ پہن لیتا ہے۔

[ملاحظہ ہو دین تصوف بحث خرقہ صوفیا طبع ساہو والہ]

پھر یہ کتابت کی غلطی بھی نہیں ہے اس لیے کہ محقق صاحب نے اس پر یوں تعلیق لکھی ہے کہ

ابن جريج حافظ ثقة و كان يدلس فقد صرح هنا بالاخبار .

[ص۵۵]

ابن جریج حافظ ثقہ تھے جو تدلیس کرتے تھے لیکن اس جگہ انھوں نے (سماع) کی تصریح کی ہے۔ بلاشبہ کتاب کی غلطی نہیں بلکہ اس جزء کے من گھڑت ہونے کی کہانی ہے۔

من گھڑت ہونے کی تیسری دلیل

اس مخطوطہ کی حدیث نمبر۲۴ کی سند اس طرح ہے ”عن ابن جريج عن الزهرى انه سمع عقبة بن عامر [ص ٨٤]

”امام زہری نے عقبہ بن عامر سے سنا۔ حالانکہ زہری کا عقبہ بن عامر سے سماع ثابت نہیں اس کا اعتراف محقق صاحب کو بھی ہے فرماتے ہیں کہ ”ہمارے پاس جو کتب جرح وتعدیل موجود ہیں کسی ایک میں بھی زہری کا عقبہ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔ زہری ۵۰ھ کو پیدا ہوئے اور عقبہ خلافت معاویہ کے آخر ۶۰ھ میں فوت ہوئے عقبہ کی وفات کے وقت زہری کی عمر دس سال بنتی تھی تو اس سے احتمال پیدا ہوتا ہے کہ زہری نے عقبہ سے سنا ہوگا اس لیے کہ علمائے حدیث نے پانچ سال کی عمر کو سن تحمل قرار دیا ہے جیسا کہ ابن الصلاح نے اپنے مقدمہ میں نقل کیا ہے۔ زہری کے عقبہ سے اثبات سماع کا احتمال ہے

تو اس حساب سے سند صحیح ہوگی ورنہ منقطع ہے۔

[ص ۸۵]

موصوف کا محض احتمال کے ساتھ سماع ثابت کرنا علمی دیانت اور امانت کے تقاضے پورے نہیں کرتا پھر جب خود اقرار کرتے ہیں کہ کتب جرح وتعدیل میں زہری کا عقبہ سے سماع کا کوئی ثبوت نہیں تو یہ سماع احتمال سے کیسے ثابت ہوسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ موصوف کا احتمال بھی باطل ہے اس لیے کہ سن ولادت میں چار اقوال ہیں۔ ۵۰ھ، ۵۱ھ، ۵۶ھ اور ۵۸ھ [التہذیب ۹/۴۵۰] اور عقبہ رضی اللہ عنہ کی وفات ۵۸ھ کو ہوئی ہے۔

[سیر اعلام النبلاء ۲/ ۱۶۹ وتہذیب التہذیب ۷/ ۲۴۳]

زہری کی ولادت اگر ۵۰ھ کو تسلیم کر لی جائے پھر بھی ان کی سیدنا عقبہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ممکن نہیں اس لیے کہ عقبہ کو امیر المؤمنین معاویہ نے اپنے دور میں ۴۴ھ میں مصر کا عامل مقرر کیا تھا اور یہ تین سال وہاں عامل رہے پھر ۴۷ھ میں ان کو معزول کر کے غزوہ رودس میں بھیج دیا گیا (پھر یہ تا حیات اسی علاقے میں رہے) اور ۵۸ھ کو مصر میں فوت ہو کر جبل مقطم میں مدفون ہوئے۔ [التہذیب ۷/ ۲۶۲ دوسرا نسخہ ص ۲۱۶] اور یہ ثابت نہیں کہ موصوف ولایت مصر کے بعد اور غزوہ رودس کے بعد پھر کبھی مدینہ منورہ آئے ہوں یا پھر امام زہری ۵۸ھ تک کے عرصہ میں کبھی مصر گئے ہوں کہ ان کی ملاقات سیدنا عقبہ رضی اللہ عنہ سے ہوگئی ہو پھر کسی بھی حدیث کی معتبر کتاب میں ایسی سند موجود نہیں کہ جس میں زہری نے سمعت عقبة فرمایا ہو اس لیے جب ملاقات ہی نہیں ہوئی تھی تو وہ بھلا کیسے سمعت فرما سکتے تھے یہی وہ حقیقت ہے جس کا محقق صاحب نے دبے الفاظ میں فھو منقطع کا اعتراف کیا ہے کہ یہ منقطع ہے بات منقطع ہونے کی نہیں بلکہ دعوی سماع کی ہے جو اس جزء کے باطل ہونے کی ایک واضح دلیل ہے۔

من گھڑت ہونے کی چوتھی دلیل

حدیث نمبر ۲۸ کی سند اس طرح ہے ''عبدالرزاق قال اخبرنی الزھری عن سفیان بن شبرمه'' [ص ۸۸] کہ امام عبدالرزاق فرماتے ہیں مجھے زہری نے خبر دی۔''

اس کے باطل ہونے کے لیے کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہیں خود محقق صاحب کی تحقیق ہی اسے باطل قرار دیتی ہے چنانچہ امام زہری کے بارے میں لکھتے ہیں ۱۲۵ھ کو فوت ہوئے [ص ۵۱] اور امام عبدالرزاق کے بارے میں لکھتے ہیں ۱۲۶ھ کو صنعاء میں پیدا ہوئے [ص ۲۳] گویا محقق صاحب

کی تحقیق کے مطابق امام زہری امام عبدالرزاق کی پیدائش سے ایک سال پہلے وفات پا چکے تھے تو کیا امام عبدالرزاق نے زہری سے سماع ان کی ملاقات کے بعد کیا تھا۔ کلا انه باطل

پانچویں دلیل

حدیث نمبر ۳۰ کی سند اس طرح ہے ''عن الزهری عن ابن عیینة عن یزید الرقاشی'' [ص ۸۹] زہری جو امام ابن عیینہ کے استاد ہیں وہ ابن عیینہ سے اور وہ یزید الرقاشی سے بیان کرتے ہیں۔

ناسخ نے سند کو الٹ دیا استاد کو شاگرد اور شاگرد کو استاد بنا دیا۔ یہ سب حدیث میں کذب بیانی کے کرشمے ہیں حدیث رسول میں کاذب کا کذب چھپا نہیں رہتا بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت کی خاطر اسے ظاہر کر دیتا ہے ہم نے تو صرف چند اسناد پر بحث کی ہے جس سے اس مخطوطہ کا من گھڑت ہونا لازم آتا ہے تفصیلی جائزہ لیا جائے تو مزید عجائبات کا انکشاف ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ

متن پر بحث

اگر اس کے متن پر غور کیا جائے تو اسناد سے بھی زیادہ شگوفے نظر آئیں گے دراصل اس جزء کو چند بدعتی مولویوں نے صرف ایک مسئلہ کے لیے وضع کیا ہے تاکہ ثابت کیا جا سکے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی مجسم نور ہے جو اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئی ہے جیسا کہ برصغیر کے اہل بدعت کا عقیدہ ہے ضمناً چند وضو کے مسائل بھی ذکر کیے ہیں جیسا کہ اس جزء کے محقق نے خود اعتراف کیا ہے کہ اصل کوشش تو حدیث جابر کی دستیابی تھی۔

[مقدمہ ص ۶۔ ۷]

قارئین کرام! اس جزء میں نور کے موضوع پر ایک مرفوع روایت ہے جو سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے نام کی طرف منسوب ہے اور ایک موقوف روایت ہے جو سیدنا سائب رضی اللہ عنہ کے نام کی طرف منسوب ہے باقی چند آثار ہیں ان میں سے اکثر کا تعلق رسول اکرم ﷺ کے حسن اور جمال سے ہے البتہ بعض میں نورانیت کا بھی شائبہ ہے لیکن وہ آثار فی الحال ہماری بحث سے خارج ہیں ان پر تفصیلی بحث ہم ایک مستقل کتاب میں کریں گے ان شاء اللہ جس میں اس مصنوعی مخطوطہ پر تفصیل سے بحث ہو گی۔

نورانیت سے متعلقہ روایتوں میں تعارض ہے سائب کی روایت اس طرح شروع ہوتی ہے۔

''ان الله خلق شجرة ولها اربعة اغصان فسماها شجرة اليقين ثم خلق نور محمد.'' اللہ تعالیٰ

نے ایک درخت کو پیدا کیا جس کی چار شاخیں تھیں اس کا نام یقین کا درخت رکھا پھر نور محمد کو پیدا کیا۔

[حدیث نمبر ۱ص ۵۲]

اور دوسری روایت اس طرح ہے:

سألت رسول الله ﷺ عن أول شيء خلقه الله تعالى فقال: هو نور نبيك ياجابر خلقه ثم خلق فيه كل خير.

میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کونسی چیز پیدا کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے جابر وہ تیرے نبی کا نور ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس نور میں ہر خیر کو پیدا کیا۔''

[حدیث نمبر ۱۸ص ۶۴]

پہلی روایت بتاتی ہے کہ سب سے پہلے ایک درخت پیدا ہوا تھا اور اس کے بعد نور محمد کی تخلیق ہوئی ہے جبکہ دوسری روایت بتاتی ہے نور محمد کی تخلیق تمام اشیاء سے پہلے ہوئی ہے ان دونوں روایتوں میں تعارض واضح ہے یہ دونوں روایتیں عجائبات صوفیہ میں سے ہیں جنھیں پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ دشمن اسلام نے گہری سازش کے تحت انھیں گھڑا ہے اور مضمون کے لحاظ سے دیو مالا کہانیوں سے کسی طرح کم نہیں ہیں جن کا وجود کتاب وسنت سے تو ممکن نہیں البتہ افسانوں میں ہو تو کچھ کہا نہیں جا سکتا پھر روایت جابر کا متن پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ تمام مخلوقات رسول اللہ ﷺ کے نور سے پیدا ہوئیں۔

روایت نمبر ابتاتی ہے کہ یہود ونصاری اور دیگر تمام کافر بھی رسول اللہ ﷺ کے نور سے ہی پیدا ہوئے ہیں اس جزء کی اشاعت کرنے والوں کو اب حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی بشریت سے انکار کر کے نور ہونے کا اعلان کر دیں کیونکہ وہ بھی تو آخر ان روایات کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں اور ظاہر ہے نور سے بشر تو پیدا نہیں ہوتا۔

قرآن اور احادیث متواترہ سے تعارض

بلاشبہ ان دونوں روایات کا متن جو تقریباً آٹھ صفحات پر پھیلا ہوا ہے صریحاً قرآن واحادیث متواترہ کے معارض ہے ائمہ کرام نے موضوع روایت کی ایک علامت یہ بھی ذکر کی ہے کہ وہ روایت قرآن کریم اور سنت متواترہ یا اجماع قطعی کے خلاف ہو۔

[تدریب ص ۱۵۰ ج ۱]

قرآن کریم کی متعدد نصوص واحادیث متواترہ اورخیر القرون کے تمام مسلمانوں کا اجماع اسی پر تھا کہ رسول اللہ ﷺ بشر ہیں اور آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں جس سے بداہۃً واضح ہے کہ یہ دونوں روایتیں من گھڑت ہیں۔

رکاکۃ الألفاظ

ان دونوں روایتوں کے من گھڑت ہونے کی ایک یہ بھی واضح دلیل ہے کہ یہ روایتیں رکیک الالفاظ ہیں۔رکیک الفاظ ہونے کا معنی یہ ہے کہ الفاظ فصاحت وبلاغت کے خلاف ہوں یا ایسے غیر مانوس ہوں کہ ان کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف غیر مناسب ہو ان دونوں روایات میں رکاکت الفاظ کی بھر مار ہے ان کا طویل متن ایک داستان کا عندیہ پیش کرتا ہے اور وہ گواہی دیتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس قسم کا کلام صادر نہیں ہوسکتا یہی وجہ ہے کہ اس جزء کے محقق صاحب کو بھی ان روایات میں الفاظ رکیک ہونے کا اعتراف ہے اسی لیے تو انھوں نے اپنے مقدمہ میں اس کے دفاع کی کوشش کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

> ''ہمارے دور کے بعض محدثین نے حدیث جابر میں رکاکت الفاظ کی کثرت کے ساتھ ذکر کیا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ متقدمین اور متاخرین نے اپنی کتابوں میں وضاحت کی ہے کہ حدیث کو صرف رکاکت الفاظ کی وجہ سے رد نہیں کیا جا سکتا۔''

پھر حافظ ابن حجر کے حوالے سے لکھا ہے:

> ''صرف رکیک الفاظ روایت کے موضوع ہونے پر دلالت نہیں کرتے ہاں جب لفظ اور معنی میں رکاکت ہو تو وہ روایت موضوع ہوگی۔''
>
> [ص ۲۶، ۲۸]

موصوف نے ان روایات میں الفاظ کی رکیک ہونے کا انکار نہیں کیا آخر انکار کرتے کیسے جبکہ یہ روایات رکاکت الفاظ کا ہی تو مجموعہ ہیں۔

ہاں! دفاع یہ کیا ہے کہ روایت کے موضوع ہونے کے لیے صرف الفاظ کی رکاکت کافی نہیں جب تک اس کے ساتھ معنی کی رکاکت شامل نہ ہو راقم الحروف کہتا ہے ان روایات میں جیسے الفاظ کی رکاکت کی کثرت ہے معنی میں وہ رکاکت اس سے بھی کئی گناہ زیادہ موجود ہے رہا موصوف کا یہ کہنا کہ متقدمین ائمہ کی رکاکت کی وجہ سے حدیث کو موضوع نہیں کہتے تھے حقائق کے منافی ہے حافظ ابن

الصلاح فرماتے ہیں:

فقد وضعت احادیث طویلة یشهد بوضعها رکاکة الفاظها ومعانیها.

’’لمبی لمبی روایتیں وضع کی گئیں جن کے الفاظ اور معانی کی رکاکت ان کے من گھڑت ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔‘‘

[مقدمہ ابن الصلاح ص ۴۷]

اور یہی بات بعینہ امام نووی نے التقریب مع التهذیب ص ۱۴۹ ج ۱ میں اور حافظ عراقی نے الفیہ مع فتح الباقی ص ۲۲۵ میں اور اس کے قریب قریب علامہ ابن الجوزی نے کتاب الموضوعات ج ۱ میں فرمائی ہے جس سے واضح ہے کہ محدثین کے نزدیک یہ دونوں روایتیں رکاکت الفاظ اور معانی کی وجہ سے من گھڑت ہیں الغرض یہ ہے حقیقت اس نام نہاد جزءِ مفقود کی کہ جس کے من گھڑت ہونے کے لیے کسی خارجی دلیل کی ضرورت نہیں بلکہ اس کی دستیابی کی کہانی اسناد میں کذب بیانی اور متن میں افسانوی انداز اس کے من گھڑت ہونے پر شاہد عدل ہیں جو اس بات کو جلی حروف میں اعلان ہے کہ امام عبدالرزاق کا اس جزء کے ساتھ کوئی تعلق نہیں وہ اس کی تالیف سے بالکل بری ہیں۔ یہ تو اہل بدعت صوفیوں کا کارستانی ہے کہ انھوں نے اپنے ایک باطل نظریہ جو قرآن کریم اور احادیث متواترہ کی نصوص کے صریحا خلاف ہے کو ثابت کرنے کے لیے حدیث متواتر من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار کو پس پشت ڈال کر مذکورہ روایات کے وضع کرنے کا دھندا کیا ہے۔

❁ ❁ ❁

قادری صاحب کا سند حدیث کے بارے میں مبلغ علم

جناب طاہر القادری صاحب پاکستان کی معروف شخصیت ہیں اور بہت سے علوم وفنون میں مہارت رکھنے کے داعی ہیں۔ان کے اکثر دعاوی کی حقیقت تو آشکار ہو چکی ہے۔اب موصوف پر حدیث نبوی پر دسترس کے دعوی کا خبط غالب ہے۔اس لیے کہ اب ان کے نام کے ساتھ شیخ الاسلام کے منصب پر فائز ہونے کا لاحقہ بھی شامل ہو چکا ہے اور اس منصب جلیل کے لیے قرآن کی تفسیر اور حدیث کی تفہیم میں مہارت ضروری ہے ورنہ یہ لاحقہ بھی مذاق بن جاتا ہے۔ چنانچہ آج کل موصوف اسی تگ ودو میں لگے ہوئے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے اپنے ایک برطانیہ کے دورہ کے درمیان برمنگھم میں صحیح بخاری کا دورہ کرایا ہے ان کے دورے کا دوسرا معنی یہ ہے کہ انھوں نے اپنے ستم آزمانے کے لیے صحیح بخاری کا انتخاب کیا ہے اور اس کے ضمن میں صرف صحیح بخاری پر ہی ظلم نہیں کیا بلکہ اسلام کے اساسی رکن توحید کو بھی تختہ مشق بنایا ہے۔راقم الحروف کو تو کبھی بھی ان کی ذات شریف کے کردار پر نظر رکھنے کی دلچسپی نہیں رہی تاہم بعض حضرات نے ان کی حدیث نبوی پر دست درازیوں پر کچھ لکھنے کا اصرار کیا۔راقم الحروف نے حدیث کے بارے میں ان کے جب فرمودات دیکھے تو معلوم ہوا کہ احباب کا اصرار بجا اور درست ہے۔

میرے سامنے ماہنامہ منہاج القرآن نومبر ۲۰۰۶ء ہے جس میں موصوف کے دورہ صحیح بخاری کی پہلی قسط طبع ہوئی ہے ہم اس کا ہی سلسلہ وار جائزہ پیش کرنا چاہتے ہیں۔ وباللہ التوفیق

اہمیت سند

موصوف نے اپنے دورہ کا آغاز سند کی اہمیت بیان کرنے سے کیا ہے اور اس بارے میں ایسے عجیب وغریب استدلال یا انکشاف کیے ہیں جن سے پہلی صدی ہجری سے لے کر دورہ حاضر تک کے مسلمان محروم چلے آرہے ہیں۔ انھوں نے بغیر کسی تمہید کے سند کی اہمیت کا تذکرہ چھیڑا ہے۔ فرماتے ہیں: حدیث اور قرآن کے علم کو حاصل کرنا اور آگے پہنچانا اور نہ صرف پہنچانا بلکہ متصل، معتمد، معتبر اسناد کے ساتھ پہنچانا نبی کریم ﷺ کی امت کی خصوصیات میں ایک خصوصیت ہے اور پھر اپنے اس موقف پر (بحوالہ مجمع الزوائد ص ۱۳۷ ج ۱) یہ دلیل پیش کی ہے:

عن ثابت بن قیس تسمعون ویسمع منکم ویسمع من الذین یسمعون منکم ویسمع من الذین یسمعون من الذین یسمعون منکم.

اور پھر اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ حضرت ثابت بن قیسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم مجھ سے سنو گے اور پھر آگے تم سے سنا جائے گا اور جنھوں نے تم سے سنی ہوں گی پھر آگے ان سے سنا جائے گا اور پھر ان سے میری حدیث سنی جائے گی جن لوگوں نے پہلے سنانے والوں سے سنا ہوگا۔ [ص۲۰ بلفظہ]

اولاً: ہم کہتے ہیں موصوف نے اس روایت کے الفاظ بیان کرنے میں بڑا تصرف کیا ہے یا پھر علم حدیث کے بارے میں اپنی جہالت کا ثبوت فراہم کیا ہے وہ یہ کہ اس روایت میں اپنی طرف سے بہت سا اضافہ کیا ہے جو اصل میں نہیں ہے۔ مجمع الزوائد میں یہ روایت ان الفاظ سے ہے: تسمعون ویسمع منکم ویسمع ممن یسمع منکم مختصری روایت کو اضافہ کے ساتھ دوگنا طویل کر دیا اور پھر یہ نہیں کہ یہ اضافہ کتابت کی غلطی ہے اس لیے کہ جو ترجمہ کیا ہے وہ بھی تقریباً اضافہ شدہ عبارت کے مطابق جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اضافہ سہواً نہیں بلکہ عمداً کیا گیا ہے جو حدیث میں اپنی طرف سے اضافہ کرتا ہے وہ رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھتا ہے ایسے شخص پر صحیح بخاری کی ہی متواتر حدیث صادق آتی ہے "من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار" "جس شخص نے مجھ پر عمداً جھوٹ باندھا اور اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

رسول اللہ ﷺ پر کسی طریقہ سے جھوٹ بولنا اور اپنے ماسبق کذاب راویوں کے جھوٹ کو اپنی تائید میں پیش کرنا (جیسا کہ المنہاج النبوی میں بعض من گھڑت روایات ہیں) موصوف کا دلپسند مشغلہ معلوم ہوتا ہے۔ آخر انھوں نے اپنے منہاج کو تمام مسلمانوں سے انوکھے انداز میں چلانا ہے تو وہ اس کے بغیر کیسے ممکن ہوسکتا ہے۔

ثانیاً: موصوف نے اس روایت میں صرف تحریف ہی نہیں بلکہ جس کے حوالہ سے روایت نقل کی ہے اس نقل میں بھی بددیانتی کی ہے۔ مجمع الزوائد کے مؤلف نے امام ہیثمی کی مجمع میں عادت ہے کہ وہ اس میں حدیث نقل کرنے کے بعد اس حدیث کی سند کے بارے میں اپنا محدثانہ فیصلہ بھی رقم فرماتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے اس روایت کے بارے میں لکھا ہے: عبدالرحمن بن ابی لیلی لم یسمع من ثابت بن قیس .

[مجمع الزوائد ۱/ ۱۳۷]

قادری صاحب نے یہ روایت نقل کر دی مگر امام ہیثمی نے اس روایت پر جو انقطاع کا حکم لگایا ہے اسے حذف کر گئے۔

قانون شکنی

موصوف نے خود ہی امت محمدیہ کا یہ امتیاز تحریر کیا ہے کہ متصل سند کے ساتھ حدیث پہنچانا امت محمدیہ کی خاصیت ہے اور خود ہی اس اصول کی خلاف ورزی کی ہے کہ اپنے موقف میں منقطع السند روایت پیش کر دی جو متصل السند کی ضد ہے۔

اصل حقیقت

بلاشبہ حدیث کی صحت کے لیے دیگر اوصاف کے ساتھ اس کا متصل السند ہونا بھی ضروری ہے۔ مگر چونکہ قادری صاحب کی معرض احتجاج میں پیش کردہ روایت منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اس لیے محدثین نے سند کی افادیت میں یہ روایت پیش نہیں کی کیونکہ اس سے تو متصل السند ہونے کی شرط ختم ہو جاتی ہے۔ چونکہ حدیث قادری صاحب کا فن نہیں اس لیے انھوں نے مذکورہ بالا ضعیف روایت اپنے استدلال میں پیش کی ہے۔ سند دین ہے موصوف نے صحیح مسلم کے حوالہ سے امام محمد بن سیرین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں: ان ھذا العلم دین (دین علم الاسناد) تاخذوا دینکم

[ص۲۰ بلفظہ]

یہ مختصر سی عبارت ہے اس کے نقل کرنے میں بھی موصوف ہاتھ کی صفائی دکھا گئے ہیں۔ مسلم شریف میں یہ عبارت اس طرح ہے: ان ھذا العلم دین فانظروا عمن تأخذون دینکم۔ قادری صاحب نے عمن کو من اور تأخذون کو تأخذوا بنا دیا۔ جس سے واضح ہے کہ موصوف نقل میں غیر موثق اور نا قابل اعتماد اور عربیت سے ناواقف ہیں۔ قابل غور بات یہ ہے کہ جو شخص آدھ سطر درست نہ لکھ سکے وہ صحیح بخاری کا دورہ کیسے کرا سکتا ہے۔ فاعتبروا پھر اس قول سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اسناد میں دین کی کوئی تعلیم نہیں ہوتی۔ دین کا کوئی مضمون نہیں ہوتا۔ احکام شریعت میں سے کوئی شیء اسناد میں بیان نہیں ہوتی اور تعلیمات اسلام میں کوئی تعلیم اسناد کا حصہ نہیں ہوتی۔ اسناد شخصیتوں کے ناموں کا ایک سلسلہ ہے۔

[ص۲۱]

عجب معمہ ہے موصوف یوں تو اسناد کی اہمیت بیان کرر ہے ہیں اوراس کو دین بھی سمجھتے ہیں اوراس کے ساتھ اسے دین سے خارج بھی کرر ہے ہیں۔ اگر سند اسلام کی تعلیم کا حصہ نہیں تو پھر یہ دین کیسے ہوگی اوراس سے عجب تر یہ بات ہے کہ موصوف قرآن میں لفظ قـل کو متن نہیں بلکہ سند مانتے ہیں۔ جیسا کہ فرماتے ہیں: قل کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کو کہا جارہا ہے کہ آپ فرمادیں پس قل یہ سند ہے اوراگلا حصہ ھـو الـلـہ احد متن ہے۔ [ص۲۲] اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کا کچھ ایسا حصہ ہے بقلم خود شیخ الاسلام کے نزدیک نہ اس میں دین کی تعلیم ہے اور نہ کوئی دین کا مضمون ہے اور نہ ہی احکام شریعت کا اس میں کوئی حکم ہے۔ ویسے امریکہ اور برطانیہ وغیرہ کو ایسے شیخ الاسلام کی ضرورت ہے جو ان کے مشن کو ان کی جہد ونقصان کے بغیر چلائے۔

موصوف کے علم میں ہونا چاہیے کہ سند متن تک پہنچنے کا ذریعہ ہے جو ایک خبر کی حیثیت رکھتی ہے اور خبر کی تحقیق کرنے کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں:

﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَآءَ كُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا﴾.

[الحجرات:٦]

''اے ایمان والو! اگر تمھارے پاس کوئی فسق خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کیا کرو۔''

ہوسکتا ہے کہ یہ آیت موصوف کے ذہن میں نہ ہو اس لیے سند کے بارے میں بے مقصد باتیں ذکر کردی ہیں ورنہ بات تو بالکل سیدھی سی ہے کہ جس کے ذریعے خبر پھیلی ہے۔ اس کے بارے میں تحقیق کی جائے کہ آیا کہ وہ اس لائق بھی ہے کہ اس کی بیان کردہ خبر قبول کی جاسکے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خبر کی تحقیق کے لیے فاسق کا ذکر ہے جو اپنا ایک وجود رکھتا ہے تو گویا کہ اس آیت کریمہ نے موصوف کے تمام مفروضات کو باطل قرار دیا ہے اوران کے متجددانہ دعوی کے غبارہ سے ہوا نکال دی ہے۔

دین متن ہے یا سند

موصوف فرماتے ہیں بے شک متن میں تعلیم ہے دین تعلیم کے متن میں بلکہ تعلیم کی سند کا کام ہے [ص:۲۱] معلوم نہیں موصوف جب بخاری کا دورہ کرارہے تھے تو ان پر شیخ الاسلام بننے کے لیے دورے پڑرہے تھے سند کو تو دین مانتے ہیں مگر متن جس کی خاطر سند وجود ہے کے بارے میں فرماتے ہیں بے شک متن میں تعلیم ہے مگر دین تعلیم کے متن کا نہیں بلکہ تعلیم کی سند کا نام ہے۔ جس کا واضح مطلب

ہے کہ وہ متن کو دین ماننے سے انکاری ہیں۔ واضح رہے کہ اصل دین تو متن ہے جو رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل اور تقریر کا نام ہے سند تو اس تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہے اور وہ سند متن کی وجہ سے دین میں شامل ہے۔ ورنہ خالی سند کو جو بغیر متن کی وجہ سے دین میں شامل ہے۔ ورنہ خالی سند کو جو بغیر متن کے ہوا سے کون دین کہتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص کہتا ہے کہ شافعی، مالک، نافع تو کیا محض ان خالی ناموں کو دین کہا جائے گا۔ ہرگز نہیں۔ ہاں جب حدثنا الشافعي عن مالك عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ.

تو یہ دین میں ہوگی اور اسی کو امام ابن سیرین نے دین میں سے کہا ہے اس لیے کہ اس سند کے ذریعے اصل دین (حدیث رسول ﷺ) تک رسائی ہوتی ہے۔ موصوف مزید لکھتے ہیں۔ ان اللہ کے بندوں کے ناموں کی فہرست کو جاننا اور ان کو یاد کرنا اور ان ناموں کے سلسلے سے منسلک ہونا دین ہے۔ [ص:۲۱] موصوف کا یہ فرمان لغو اور باطل ہے جس کا سلف صالحین میں سے کوئی بھی قائل نہیں تھا اللہ کے بندوں کے ناموں کو جاننا اور انہیں یاد رکھنا اور ان ناموں کے سلسلے میں منسلک کس دلیل سے دین ہے کیا رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں سند کا جب وجود نہ تھا اور نہ اس کی ضرورت تھی اس لیے کہ لوگ حدیث براہ راست رسول ﷺ سے سنتے تھے اس وقت چونکہ ناموں کا سلسلہ موجود نہ تھا تو کیا معاذ اللہ دین ناقص تھا ہاں جب اکابر صحابہ کے دور کے بعد سند کی ضرورت پیش آئی تو کیا دین اس وقت پورا ہوا تھا سند خبر تک رسائی اور اس کے کذب وصدق کے جانچنے کا ذریعہ ہے صحابی اپنے شاگرد تابعی کو اور تابعی اپنے شاگرد تبع تابعی کو اور وہ اپنے شاگرد کو حدیث کی خبر دیتا ہے۔ محض ناموں کا کوئی اعتبار نہیں اس لیے یہ دیکھا جاتا ہے کہ صحابی کے پیچھے جو سلسلہ سند ہے اس کے راوی کیسے ہیں کیا وہ قابل اعتماد بھی ہیں یا کہ نہیں؟ اگر راوی قابل اعتماد نہ ہو تو اس کی بیان کردہ روایت بھی قابل اعتماد نہیں ٹھہراتی اگر صرف ناموں کا سلسلہ ہوتا تو ناقابل اعتماد راویوں کی روایت کیوں رد کر دی جاتی ہے۔

سند کی تحقیق متن کی حفاظت کی خاطر ہے

بلاشبہ سند تو رسول اللہ ﷺ کی وفات کے معا بعد ہی معرض وجود میں آچکی تھی لیکن اس میں تحقیق کی تب ضرورت پیش آئی جب اہل بدعت نے اپنے عقائد کی خاطر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے من گھڑت باتیں منسوب کرنا شروع کیں اور خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں حدیث رسول غیر محفوظ نہ ہو جائے جیسا کہ امام ابن سیرین فرماتے ہیں:

لم یکونوا یسألون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة قالوا سموا لنا رجالکم فینظر الی اهل السنة فیؤخذ حدیثهم وینظر الی اهل البدع فلایؤخذ حدیثهم.

[مسلم ۱/۱۹]

عہد صحابہ میں لوگ سند کا سوال نہیں کرتے تھے اور جب فتنہ واقع ہو گیا (جنگ صفین ہوئی تو پھر کہنے لگے ہمارے سامنے ان کا نام ذکر کرو (جن سے حدیث روایت کی گئی ہے) تو دیکھا جاتا اگر حدیث کے راوی اہل سنت میں سے ہیں تو ان کی روایت کردہ حدیث لے لی جاتی اور اہل بدعت کو دیکھا جاتا تو ان کی حدیث رد کر دی جاتی ہے۔

امام ابن سیرین کے قول کا یہ مطلب نہیں کہ واقعہ صفین سے پہلے سند موجود نہ تھی بلکہ واضح مطلب یہ ہے کہ لوگ سند کا سوال نہیں کرتے تھے اور اس کی وضاحت امام ابن سیرین نے خود ہی کر دی ہے:

فان القوم کانوا اصحاب حفظ واتقان.

[جامع الاصول ۱/۱۳۱]

اس وقت کے لوگ حفظ واتقان والے تھے۔

امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کنت اذا سمعت من رسول اللہ ﷺ حدیثا نفعنی اللہ بما شاء منه واذا حدثنی عنه غیری استحلفته فاذا حلف لی صدقة.

[مسند احمد ۱/۲].

میں جب رسول اللہ ﷺ سے براہ راست کوئی حدیث سنتا تو اللہ تعالیٰ جس قدر چاہتا مجھے اس سے فائدہ پہنچاتا۔ اور جب مجھے دوسرا شخص رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتا تو میں اس سے قسم اٹھواتا اور جب وہ قسم اٹھالیتا تو میں اس کی تصدیق کرتا۔ اسی طرح خلیفہ رسول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ [ابوداود، ترمذی] اور امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ بھی حدیث سننے کے بعد چھان بین کرتے اور تصدیق کے بعد قبول کرتے۔ [بخاری، کتاب الاستئذان ومسلم وغیرہ] گویا کہ سند متن کی خادم ہے متن کے بغیر اس کا وجود محال ہے۔

ناموں میں برکت

موصوف سند کو ناموں کی برکت سے بھی تعبیر کرتے ہیں اس پر انھوں نے ابن ماجہ کی ایک روایت کو بطور دلیل پیش کیا ہے وہ روایت اس طرح ہے:

عن عبدالسلام ابن ابی صالح بن علی بن موسی رضا عن ابیه ای موسی الکاظم عن جعفر بن الصادق عن ابیه ی الام محمد الباقر عن ابیه علی بن حسین الامام زین العابدین عن ابیه ای الامام حسین عن ابیه ای علی بن ابی طالب قال قال رسول الله ﷺ الایمان معرفة بالقلب وقول بلسان وعمل بالارکان.

[ص ۲۱ بلفظہ]

موصوف نے اس روایت کی سند میں اپنی متجددانہ تخیل کو سمودیا ہے اور سند میں بھی اپنی طرف سے بہت سا اضافہ کیا ہے ابن ماجہ یہ سند اس طرح ہے:

حدثنا سهل بن ابی سهل ومحمد بن اسماعیل قالا حدثنا عبدالسلام بن صالح ابو الصلت الهروی حدثنا علی ابن موسی الرضا عن ابیه عن جعفر بن محمد عن ابیه عن علی بن الحسین عن ابیه علی بن ابی طالب.

آپ اصل سند کا قادری صاحب کی تحریر کردہ سند سے موازنہ کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ اصل سند القاب سے خالی ہے جبکہ قادری صاحب کی بیان کردہ سند میں کتنے ناموں کے ساتھ القاب ملحق ہیں اور پھر ان القاب کو اصل سند کے ساتھ اس طرح گڈمڈ کر دیا ہے کہ امتیازی علامت (بریکٹ) بھی نہیں ڈالا جس سے قاری یہ سمجھتا ہے کہ قادری صاحب کی بیان کردہ سند بعینہ وہی ہے جو ابن ماجہ میں ہے اگر قادری صاحب یہ عذر پیش کریں کہ یہ القاب محض توضیح کے لیے ہیں تو پھر یہ اصول حدیث کے علوم سے ناواقفی کا نتیجہ ہے اصول کی رو سے اگر توصیفی یا توضیحی کلمہ بڑھانا تھا تو اس کے لیے قوسین (بریکٹ) لگاتے تا کہ اصل اور اضافہ میں امتیاز ہو جاتا ورنہ یہ مدرج فی الاسناد ہے جو اصول حدیث کی رو سے ممنوع ہے۔

روایت من گھڑت ہے

موصوف کی پیش کردہ مذکورہ روایت من گھڑت ہے محقق اور ناقد محدثین نے اسے من گھڑت قرار دیا ہے۔ تفصیل کے لیے راقم الحروف کی کتاب ضعیف اور موضوع روایات ملاحظہ کریں۔ موصوف لکھتے ہیں:

قال ابو السلط الهروی لو قرء هذا الاسناد علی مجنون لبرء.

یہ کیا ہے اس حدیث کی صرف سند پڑھ کر کسی دماغی مریض پر دم کر دیا جائے تو شفایاب ہو جائے گا۔

پھر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں اس حدیث مبارکہ کی سند میں موجود ناموں کی برکت سے ظاہر ہوتا ہے کہ متن سے پہلے ناموں کا یہ سلسلہ بھی اسلام کے اندر اہمیت وعظمت کا حامل ہے۔[ص۲۱]

ہم کہتے ہیں کہ اولاً تو موصوف نے اس متن میں تحریف کی ہے اس قول کا قائل ابوالسلط نہیں ابو الصلت ہے یہ تحریف کیوں کی تو اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ابو الصلت چونکہ متعصب شیعہ اور معروف کذاب ہے موصوف اس کے نام کو بدل کر چھپانا چاہتے ہیں کہ کہیں حقیقت معلوم نہ ہو جائے کہ میں جس کے قول کو معرض وجود حجت پیش کر رہا ہوں وہ تو کذاب ہے بھلا کذاب راوی کی بات کیسے معتبر ہو سکتی ہے۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ قائل کا نام ہی بدل دو تا کہ اس کے کذاب پر اعتراض ہی نہ ہو پھر یہ کتابت کی غلطی بھی نہیں اس لیے کہ موصوف نے ترجمہ ابوالسلط ہی لکھا ہے۔

شفا کا نظریہ

اس سند کے رجال پر غور کیا جائے تو ابو الصلت کے استاذ سے لے کر آخر تک تمام راوی اہل بیت میں سے ہیں اور شیعہ حضرات ان تمام کو اپنے معصوم امام مانتے ہیں ابو الصلت بھی چونکہ شیعہ تھا جیسا کہ امام ذہبی فرماتے ہیں: متعصب شیعہ تھا۔

[میزان۲/ ۶۱۶]

اس لیے اس نے سند کے بارے میں یہ عقیدہ کہا ہے کہ اگر اسے مجنون پر پڑھا جائے تو وہ تندرست ہو جائے موصوف کی چونکہ علم حدیث فن خصوصا رجال حدیث کے بارے میں ان کی معلومات صفر کے برابر ہیں اور پھر تحقیق کا بھی کوئی ذوق نہیں صرف نمود مقصد ہے اس لیے کہ اگر تحقیق کریں تو اس قسم

کے شرکیہ عقائد کو چھوڑ نا لازم آجائے گا جو موصوف کے لیے ناممکن ہے۔

نام میں برکت

اسلام کا اس بارے میں شفاف نظریہ ہے کہ و تبارك اسمك ،اللہ تعالیٰ کا نام بابرکت ہے اس کے علاوہ اسلام نے کسی نام کو باعث برکت قرار نہیں دیا اور نہ صحابہ کرام ہی اللہ تعالیٰ کے نام کے علاوہ محض کسی دوسرے کے نام سے برکت حاصل کرتے تھے یہ اعتقادی بدعت ہے جو شیعہ کے واسطے سے مسلمانوں میں پھیلی ہے اب اس بدعت کے پھیلانے کی ذمہ داری قادری صاحب نے اپنے ذمہ لے لی ہے۔

ابو الصلت کا تعاف

عقیلی فرماتے ہیں:

رافضی خبیث.

[الضعفاء الکبیر]

ابن عدی فرماتے ہیں:

متہم ہے۔

[اسوہ کامل]

دار قطنی فرماتے ہیں:

رافضی خبیث حدیث وضع کرنے میں متہم ہے۔اس نے یہ حدیث الایمان باقرار القلب (جسے قادری صاحب نے پیش کیا ہے)وضع کی ہے۔

[میزان ۲/۶۱۶]

امام ابن حبان فرماتے ہیں یہ حماد بن زید اور اہل عراق سے فضائل علی اور اہل بیت سے عجیب قسم کی احادیث روایت کرتا ہے جب یہ کسی حدیث کے روایت کرنے میں منفرد ہو تو قابل حجت نہیں۔

[کتاب المجروحین ۲/۱۵۱]

راقم الحروف کہتا ہے یہ مذکورہ روایت اسی کذاب راوی کی روایت کردہ ہے جو اس لائق نہیں کی اس سے احتجاج پکڑا جائے چہ جائیکہ اس سے اسلام شکن جیسا نظریہ قائم کیا جائے۔

احناف اور مذکورہ روایت

امام ابوحنیفہ اور دیگر ائمہ احناف کا ایمان کے بارے میں یہ قول ہے کہ ایمان صرف اقرار اور تصدیق کا نام ہے اعمال ایمان میں داخل نہیں اسی بنا پر احناف ایمان میں کمی بیشی کے قائل نہیں مگر مذکورہ روایت احناف کے عقیدہ کی نفی کرتی ہے کہ اس روایت میں عمل بالارکان کو ایمان کا جزء بلکہ شرط قرار دیا گیا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ جس کی سند میں اتنی قوت ہے کہ پاگل مریض سنتے ہی وہ شفایاب ہو جاتا ہے تو اس کے متن کا کتنا بڑا درجہ ہوگا اس لیے کہ متن تو رسول اللہ ﷺ کے فرمان یا عمل کو کہا جاتا ہے یہ روایت گویا کہ قادری صاحب کے لیے ایک امتحان ہے اولاً تو صاف الفاظ میں عملاً بھی اس روایت کو قبول کریں اور اس بارے میں ائمہ احناف کے معروف عقیدہ کی نفی کریں۔ کیا یہ ممکن ہے؟

امام مسلم پر الزام

فرماتے ہیں امام مسلم شخصیت پرست نہ تھے مگر شخصیت پرست نہ ہو کر فرماتے ہیں دین صرف اللہ والوں کے نام کے ناموں کا نام ہے یعنی وہ اہل اللہ جن کے ذریعے دین پہنچا ہے ان کے اسناد کو دین کہتے ہیں۔ [ص۲۱]

امام مسلم نے امام ابن سیرین کا قول نقل کر کے یہ واضح کیا ہے کہ سند دین میں سے ہے یہ تو نہیں کہا کہ اہل اللہ کے نام دین ہیں سند اور عام ناموں میں بعد مابین المشرقین ہے عام ناموں کو قطعاً کسی نے دین قرار نہیں دیا بلکہ جب یہ نام اس سلسلہ کے ساتھ بالترتیب واقع ہوں۔ کہ جو کسی متن کی خبر دیں تو تب یہ سند ہوگی چونکہ سند متن یعنی دین تک پہنچنے کا نام ہے اس لیے اس واسطہ کو امام ابن سیرین نے دین کہا ہے جبکہ موصوف اہل اللہ کے مطلق ناموں کو دین قرار دے رہے ہیں جس سے امام ابن سیرین اور امام مسلم دونوں ہی بری ہیں۔

سند اور قرآن

فرماتے ہیں:

ان هذا العلم اى علم الاسناد دين.

یہ قول قرآن کی اس آیت کی تشریح ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم﴾ اللہ رب العزت نے الصراط المستقيم نہ قرآن کو کہا اور نہ ہی

حدیث وسنت کو کہا بلکہ الصراط المستقیم (موصوف نے صراط کو بلا معرف اللام لکھا ہے) نیک شخصیتوں اور اللہ والوں کے راستے کو کہا۔[ص۲۲]

ان ھذا العلم دین کے قائل امام ابن سیرین ہیں انھوں نے قطعاً یہ نہیں کہا کہ میرے اس قول کی دلیل آیت ﴿اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم﴾ ہے، یہ قادری صاحب کا اپنا استدلال ہے جو بے محل اس لیے اس آیت کریمہ میں الصراط المستقیم سند قرار نہیں دیا اور نہ اس سلسلہ میں سند کا ذکر ہے موصوف کی یہ تشریح بالرائے ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

من قال فی القرآن برأیہ فلیتبوا مقعدہ من النار.

موصوف جس طرح علم حدیث سے ناواقف ہے اس طرح قرآن سے بھی ناواقف ہیں۔ ورنہ یہ قطعاً نہ کہتے کہ الصراط المستقیم قرآن وحدیث نہیں بلکہ اللہ والوں کا راستہ ہے اس لیے قرآن کریم نے الصراط المستقیم کی خود تفسیر کی ہے۔ ان ھذا صراطی مستقیما. [الانعام: ۱۵۳] ومن یعتصم باللہ فقد ھدی الی صراط مستیم [آل عمران:۱۰۱] انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم[یس:٤] واتبعون ھذا صراط مستقیم. [الزخرف:٦١].

یہ آیات اور اس مضمون کی دیگر متعدد آیات واضح کرتی ہیں کہ الصراط المستقیم قرآن وحدیث کا نام ہے ابن مسعود فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لئے ایک لکیر کھینچی اور پھر فرمایا: یہ اللہ کا راستہ ہے اور پھر اس لکیر کے دائیں اور بائیں لکیریں کھینچیں اور پھر فرمایا یہ راستے ہیں جن میں سے ہر راستہ پر شیطان ہے اس راستہ کی طرف دعوت دیتا ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ. اس حدیث کو امام احمد نسائی دارمی اور حاکم نے روایت کیا ہے حاکم فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح الاسناد ہے[المستدرک:۲/۳۱۸]

میرا خیال ہے کہ اس بارے میں دو اہل علم کے مابین اختلاف نہیں ہوا کہ صراط مستقیم سے مراد قرآن وحدیث ہے یہ انوکھی منطق بقلم خود شیخ الاسلام کی ہے کیونکہ اس کے بغیر مفروضہ سلام کا شیخ الاسلام بننا ممکن نہیں۔

قرآن میں متن اور سند

ھذا العلم دین پر اللہ کا ایک اور قول بھی سند ہے جب اللہ نے اپنی توحید کو بیان کرنا چاہیے

تو سورت اخلاص میں اپنی توحید کا اعلان فرمایا اور سورت اخلاص میں توحید کا مضمون هو الله احد سے شروع ہوتا ہے مگر سورت کا آغاز قل سے ہوتا ہے۔ قل میں وحدانیت کا معنی ہے اور نہ توحید کا اور نہ ہی اس میں کوئی اثبات توحید اور نفی شرک ہے۔ قل کا مطلب ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے کہا جا رہا ہے کہ آپ فرمادیں پس یہ قل سند ہے اور اگلا حصہ هو الله احد متن ہے قل بہتر اسناد ہے۔[ص:۲۲]

قادری صاحب کی منطق سے یہ واضح ہوتا ہے کہ معاذ اللہ' اللہ تعالیٰ کو بھی سند کی ضرورت ہے ممکن ہے ان کا یہی نظریہ ہو یا گمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور راوی حدیث کے درمیان جو فرق ہے موصوف اس سے بے خبر ہیں آج کل تو ان کے مفسر قرآن بننے کا بھی ڈھنڈورا ہے پتا نہیں اس تفسیر میں کیا عجائبات ہوں گے کہ جس مفسر کو یہ پتہ نہیں کہ سورۃ اخلاص کے نازل ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ متعدد بار اپنی وحدہ لاشریک ہونے کا اعلان کر چکے ہیں۔ اصل میں موصوف صاحب اپنے تخیلات باطلہ کو کتاب وسنت کے نام سے ڈھارس دینا چاہتے ہیں چونکہ قرآن وحدیث سے ان کے باطل عقائد کی دلیل مہیا نہیں ہوتی اس لیے اس قسم کی بے معنی باتیں کرتے ہیں ورنہ آج تک کسی مفسر نے لفظ قل سے سند کا استدلال نہیں پکڑا۔

سند اور شخصیت پرستی

موصوف سند کو شخصیت پرستی قرار دیتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں کہ شخصیت پرستی میں ہم نے پرستی کا لفظ خود سے لگا دیا پرستش تو صرف اللہ کی ہے اگر پرستی کا لفظ نکال دیں تو دین سارا شخصیتوں کا نام ہے خواہ وہ پیغمبر ہوں، صحابہ ہوں یا ائمہ ہوں ارشاد فرمایا:

علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدین.

یہ سب شخصیتیں ہیں۔

انی ترکت فیکم امرین کتاب الله وعطرتی.

(یہ الفاظ قادری صاحب نے اسی طرح لکھا ہے حالانکہ یہ لفظ عترتی ت کے ساتھ ہے ط کے ساتھ نہیں) پس اہل بیت شخصیتیں ہیں صحابہ خلفاء راشدین شخصیتیں ہیں گویا کہ ۷۵ فیصد سے زائد حصہ دین کا شخصیتوں پر ہے۔[ص۲۲]

قادری صاحب اپنے شرکیہ منہج کا جو مہرہ پھنکنا چاہتے تھے بالآخر پھینک دیا کہ سند اصل میں شخصیت پرستی ہے اس نام نہاد علامہ مفسر اور محدث کو اتنا علم نہیں کہ قرآن سارے کا سارا ہی شخصیت پرستی

کے خلاف ہے دنیا میں سب سے پہلے شرک شخصیت پرستی سے ہی شروع ہوا تھا سیدنا نوح علیہ السلام کی قوم جن پانچوں بتوں ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کی پوجا کرتے تھے وہ سب شخصیتیں تھیں۔[بخاری]

سیدنا نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ان شخصیات سے ہی روکا تھا جب وہ باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پانی کا عذاب آیا اور وہ غرق ہوگئے آج پھر موصوف اسی شخصیت پرستی کا واویلا کر رہے ہیں اور دین اسلام پر جس کا لفظ آغاز ہی یہی ہے کہ ﴿فادعوه مخلصين﴾ تم صرف اللہ کو پکارو اس دین توحید میں موصوف ۷۵ فیصد شخصیت پرستی (شرک اکبر) کے دعوے دار ہیں۔ گویا موصوف کے نزدیک دین اسلام میں صرف ۲۵ فیصد اللہ پرستی کا عنصر ہے جب کہ ۷۵ فیصد اس میں شرک کی آمیزش ہے پاکستان کے آزاد ماحول میں قادری صاحب کا حق بنتا ہے کہ وہ بھی مرزا قادیانی کی طرح کتاب وسنت سے ملعب کر کے اپنے وجود کو منوائیں۔ موصوف کو یہ علم ہونا چاہیے کہ جن کی شخصیت پرستی کا یہ رونا رور ہے ہیں وہ تو خود اللہ کی پرستش کرنے والے تھے ان کے نقش قدم پر چلنے کا یہ مطلب ہے کہ ان کی پرستش کی جائے بلکہ سنة الخلفاء الراشدين کا لفظ یہ بتاتا ہے تم اس طریقہ پر کاربندر ہو جس طریقہ پر خلفاء راشدین تھے اس کا یہ مطلب تو قطعاً نہیں کہ تم ان شخصیات کی پرستش کرو اور یہی دوسری حدیث کا طلب ہے کہ جس طرح تم نے کتاب اللہ پر عمل کرنا ہے اسی طرح میری عترت کے طریقہ پر عمل کرو۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ موصوف کو دین کے سب سے بڑے ستون کو مسخ کرنے کی کیوں سوجھی اس کی شاید وجہ یہ ہو کہ قادری صاحب دراصل تصوف گزیدہ صوفی المشرب ہیں اور ہر اصطلاحی صوفی وحدت ادیان کا قائل ہوتا ہے۔ جن کی نظر میں مسجد، مندر اور گرجا سب برابر ہوتے ہیں چونکہ موجودہ تصوف کی ساری عمارت شرک پر قائم ہے اسلام کے علاوہ باقی جتنے ادیان ہیں سب کی بنیاد شخصیت پرستی پر ہے اسلام واحد دین ہے جس کی بنیاد اللہ پرستی پر ہے موصوف شخصیت پرستی کا شوشہ چھوڑ کر درحقیقت تصوف کے بنیادی نظریہ کو اجاگر کر رہے ہیں یا یہ بھی ممکن ہے کہ یہود ونصاریٰ کو خوش کرنے کے لیے انھوں نے ایسے مفروضے چھوڑے ہوں چونکہ ان کا یہ خطاب برطانیہ میں ہوا ہے اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ وہاں کے عیسائی تثلیث کے قائل ہیں جس کی بنا پر اسلام انھیں کافر قرار دیتا ہے تو قادری صاحب باور کرانا چاہتے ہیں کہ ہم تم میں دوری نہیں تم تثلیث کے قائل ہو تو ہم تم سے بڑھ کر تربیع کے قائل ہیں تم میں ۶۶ فیصد شخصیت پرستی ہے تو ہم میں ۷۵ فیصد شخصیت پرستی ہے شاید یہی وجہ ہے کہ موصوف نے ایک بار کیتھولک جالوس میں بھی شرکت کی تھی اور ان منہاجیوں کی طرف سے کرسمس ڈے پر مبارک باد کے بینرز بھی آویزاں

ہوئے تھے۔

سند اور اہل بدعت

کے عنوان سے موصوف نے بڑے گُل کھلائے ہیں اسی ضمن میں بالکل بے مقصد بحث کی ہے جس کا نہ سند کے ساتھ کوئی تعلق ہے اور نہ ہی محدثین کرام کے ساتھ، فرماتے ہیں:

پس وہ بات پر دھیان نہ بلکہ شخصیتوں پر دھیان دیتے کہ کس سے لی گئی ہے۔

[ص ۲۳]

یہاں تو آ کر یہ حقیقت منکشف ہوگئی ہے کہ موصوف محدثین کے نقطہ نظر کو کیا سمجھتا ہے وہ خود اپنی تحریر کے اسلوب سے بھی غافل ہے ان کا ایک سطر کا یہ جملہ خود ان کے مؤقف کی تردید کررہا ہے کہ محدثین کرام اگر سند کی شخصیت پرستی پر حملہ کرتے ہوتے تو ان کی تحقیق نہ کرتے کیونکہ کسی کی پرستش عقیدت کا آخری درجہ ہوتا ہے اور جب عقیدت پرستش تک پہنچ جائے تو پھر وہاں تحقیق نہیں ہوتی۔ ثانیاً: محدثین سند کی پرکھ متن کی خاطر کرتے تھے نہ کہ کسی شخصیت کی خاطر، یہی وجہ ہے کہ امام ابن سیرین فرماتے ہیں کہ فینظر الی اھل البدعة فلایؤخذ حدیثھم. [مسلم ۱/ ۱۹] کہ اہل بدعت کی طرف دیکھا جاتا تو ان کی بیان کردہ حدیث قبول نہ کی جاتی تو معلوم ہوا کہ سند کی تحقیق متن کی خاطر کی جاتی ہے۔

نا اہل کا منصب پر فائز ہونا

موصوف فرماتے ہیں کہ آج یہ دور ہے کہ جس کو سند کے معنی کی بھی خبر نہیں وہ بھی دین منتقل کرتا ہے دین بیان کرتے ہوئے اپنے آپ کو دین کی اتھارٹی سمجھتا ہے ہر شخص مجتہد بنا بیٹھا ہے۔ [ص: ۲۳]

موصوف نے بالکل درست فرمایا اور غالباً ان کو یہ تجربہ ان کی اپنی ذات شریف سے ہوا ہے کہ وہ علم حدیث (دین کے ستون) کے ابجد سے ناواقف ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو اتھارٹی سمجھتے ہیں سند کا جو مفہوم محدثین کرام کے ہاں ہے اس سے جاہل ہونے کے باوجود صحیح بخاری پر لاف زنی کررہے ہیں اور دین کے بنیادی رکن توحید کو گرا کر اس کی جگہ شخصیت پرستی اور شرک کو متمکن کررہے ہیں ان کو درانحالیکہ علم نہیں ہوتا کہ میں اپنی تائید میں جو قول پیش کررہا ہوں اس کا قائل کون ہے جیسا کہ لکھتے ہیں امام مسلم فرماتے ہیں: جب کوئی شخص بات کرتا تفسیر کرتا شرح کرتا تو ہم اس سے پوچھتے: سموالنا

رجالکم. [ص:۲۳]

حالانکہ یہ قول امام مسلم کا نہیں بلکہ ابن سیرین کا ہے جسے امام مسلم نے اپنی سند سے نقل کیا ہے موصوف نے صرف اس قول کے انتساب میں ہی غلطی نہیں کی بلکہ محرفانہ عادات کے تحت اس میں اپنی طرف سے اضافہ بھی کیا ہے جب کوئی شخص بات کرتا تفسیر کرتا شرح کرتا یہ سب اضافی الفاظ ہیں جو امام ابن سیرین کے فرمان میں نہیں ہیں۔

بدعت اور سند

وہ بات پر نہ دھیان دیتے بلکہ شخصیتوں پر دھیان دیتے کہ کس سے لی ہے اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ میلاد شریف، عرس شریف، حلقات ذکر کا انعقاد بزرگوں کے طور طریقے کی پیروی اور وظائف کرنا پر بدعت فتوی لگانے والوں نے بدعت کا مفہوم نہیں سمجھا کیونکہ امام مسلم کے قول سے معلوم ہو رہا ہے کہ بدعت تو کوئی ایسی شے تھی جو امام مسلم سے بھی پہلے تھی اور بہت پرانی ہے۔

[ص ۳۴ بلفظہ]

ہمیں قادری صاحب کی اس تحریر سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ موصوف سنت سے ناواقف ہی ہیں البتہ بدعت کے متجدد ہیں یہ تو اعتراف کیا ہے کہ مذکورہ بالا بدعات کا وجود امام مسلم کے دور تک نہیں تھا۔ یہ میلاد، عرس اور پیری مریدی کی بدعات امام مسلم کے بعد پیدا ہوئی ہیں۔ البتہ انھوں نے بدعت کے بارے میں یہ تجدد فرمایا ہے کہ جو بدعت امام مسلم کے دور کے بعد پیدا ہوتی ہے اسے بدعت نہیں کہنا چاہیے کیونکہ بدعت کے لیے پرانی ہونا شرط ہے اور موصوف کی بدعات تو قریبی ادوار کی نئی ہیں کیا کوئی صاحب بصیرت اہل علم بدعت کے اس مفہوم کو قبول کرنے کے لیے تیار ہے جو مفہوم قادری صاحب نے اختراع کیا ہے۔

یہ تھی موصوف کی سند حدیث کے بارے میں نئی کاوش جس سے تمام سلف صالحین ناواقف تھے قادری صاحب سند کے مفہوم کو نیا رخ دے کر غالباً لوگوں کو شخصیت پرستی پر لگانا چاہتے ہیں اور دوسری طرف اس قسم کے اشارے موجود ہیں کہ اپنے دور کی موصوف خود کو عالم اسلام کی سب سے بڑی شخصیت سمجھتے ہیں غالباً یہی وجہ ہے کہ منہاجیوں نے ان کی بڑی بڑی تصویریں اپنے دفتروں اور گھروں میں سجائی ہوتی ہیں آگے دیکھیے کیا ہوتا ہے..؟

قادری صاحب اور علم حدیث

ہم نے اپنے اس مقالہ کے شروع میں کہا ہے کہ قادری صاحب علم حدیث سے ناواقف ہیں تو ہمارا یہ دعوی قطعاً بے دلیل یا جذباتی نہیں بلکہ اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں جن سے ہمارے دعوی کی تصدیق ہوتی ہے۔جس کی اجمالاً تفصیل یہ ہے۔

۱۔ موصوف موضوع روایت اور صحیح حدیث کے مابین امتیاز نہیں کر سکتے جیسا کہ المنہاج النبوی جو ان کے ہاں بڑی محقق بلکہ قابل فخر کتاب ہے۔ان میں متعدد من گھڑت روایات موجود ہیں اسی طرح خود ان کی اس زیر نقد مضمون میں من گھڑت روایات موجود ہیں۔

۲۔ کتب حدیث سے بھی کما حقہ تعارف نہیں ہے المعجم الصغیر کو امام شعبی کی کتاب قرار دیا ہے۔[منہاج القرآن ص ۱۵] حالانکہ یہ کتاب امام طبرانی کی تالیف ہے۔

۳۔ مصطلحات سے بھی ناواقف ہیں جیسا کہ لکھتے ہیں: انس بن مالک

سیدنا عمر نے موقوفاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قیامت کی نشانیوں میں سے یہ بھی بتایا اسی طرح عبداللہ بن عمروالعاص (موصوف نے اسی طرح لکھا ہے شاید شیعہ کو خوش کرنا مقصد ہے) نے حضور سے موقوفاً روایت کیا حالانکہ جب یہ حدیث کی نسبت رسول اللہ ﷺ ہو وہ موقوف نہیں بلکہ مرفوع ہوتی ہے۔[ص: ۱۷]

۴۔ علم نحو سے بھی ناواقف ہیں مضاف کو معرف باللام تحریر کیا ہے الصحیح بخاری [منہاج ، ص ۱۲، ۱۳، ۱۵، ۱۵، ۱۸] الصحیح المسلم [ص ۱۴، ۳۵]

۵۔ امام مسلم کے اسم گرامی کو اکثر جگہ معرف باللام لکھا ہے حالانکہ یہ بغیر لام تعریف کے لکھا جاتا ہے۔[ص ۱۴، ۳۵]

۶۔ حوالہ نقل کرنے میں غیر موثق ہیں جیسا کہ لکھتے ہیں امام مسلم فرماتے ہیں جب کوئی شخص بات کرتا تفسیر کرتا شرح کرتا روایت کرتا تو ہم اس سے پوچھتے سموالنا رجالکم الخ [ص ۲۳] یہ قول امام مسلم کا نہیں انھوں نے اپنی سند سے روایت کیا ہے اصل قول تو امام ابن سیرین کا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

۷۔ معروف اصطلاحات سے بھی ناواقف ہیں فرماتے ہیں حدیث کے ثقہ ہونے کے لیے یہ پیمانہ نہیں کہ وہ کتاب میں ہے اور کسی میں نہیں بلکہ حدیث کے معتبر اور ثقہ ہونے کا دارومدار سند پر

ہے۔[ص۳۴]

بیچارے کو اتنا بھی علم نہیں کہ حدیث ثقہ ہے یہ کوئی اصطلاح نہیں۔حدیث صحیح ہوتی ہے ثقہ راوی ہوتا ہے اوراس قسم کے بہت سے عجوبات ہیں جو بغیر کسی خارجی شہادت کے موصوف کی اندرونی کہانی اوران کا علم حدیث سے ناواقف ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

❁ ❁ ❁

طاہر القادری کا نظریہ باطنی

آفتاب اسلام پوری آب وتاب کے ساتھ جگمگا رہا تھا اس کی نورانی شعاعیں اپنی ضوفشانیوں سے پورے بقعہ عالم کو منور کر رہیں تھیں۔ جس سے مذاہب باطلہ کے تاریک سائے سمٹے جا رہے تھے شرک کی جگہ توحید کے نقارے بج رہے تھے، ایسے معلوم ہو رہا تھا کہ اب کفر دنیا سے مٹ جائے گا، اسلام بغیر کسی رکاوٹ کے تیزی کے ساتھ پھیل رہا تھا کفر کے بڑے بڑے مراکز اسلام کے قبضہ میں چلے آ رہے تھے۔ جس پر کفر کے سرغنوں کو بڑی تشویش لاحق تھی کہ وہ کس طرح اپنے مذاہب اور ممالک کو اسلام کی یلغار سے بچا سکیں۔ وہ جتنی تدابیر کرتے موحدین ان کی تدابیر کو ناکام بنا دیتے تا آنکہ انھوں نے محسوس کیا کہ اگر اسلام کے پھیلاؤ کو روکنا ہے تو اس کے لیے ایک ہی تدبیر کارگر ہو سکتی ہے کہ مسلمانوں کو ان کے صحیح عقیدہ سے پھیر کر کسی باطل عقیدہ کا خوگر بنا دیا جائے جب تک ان کے دلوں میں عقیدہ توحید راسخ ہے ہم ان کے قدم نہیں روک سکتے۔ چنانچہ دشمنان اسلام نے ایک گہری سازش کے تحت عبداللہ بن سبأ یہودی کو اس کے لیے استعمال کیا۔ اس نے ظاہر اسلام کا اعلان کر کے مسلمانوں میں شرک کا بیج بونا شروع کر دیا۔ اس نے ایران وعجم کے مفتوحہ علاقوں کو اپنے مقاصد کے لیے بہتر خیال کیا کیونکہ ان علاقوں کے لوگ بت پرستی کے ساتھ شخصیت پرستی کے بھی بڑے دلدادہ تھے چنانچہ اس نے اہل بیت کی شخصیت پرستی کا ڈھنڈورہ پیٹنا شروع کیا جس پر بہت سے لوگ اس شرکیہ عقیدہ کے قائل ہو گئے اور یوں اس کی یہ پہلی بڑی کامیابی تھی گو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھرپور کوشش کی کہ یہ باطل عقیدہ جڑوں سے کٹ جائے بلکہ جناب علی رضی اللہ عنہ نے خود اس عقیدہ کے حاملین میں سے بعض کو زندہ جلا دیا تھا مگر اس کے باوجود یہ عقیدہ جڑوں سے ختم نہ ہو سکا۔

چونکہ یہ عقیدہ صریحًا اسلام کے عقیدہ توحید کے متصادم تھا، جس وجہ سے اس تحریک کے حاملین نے اپنی تحریک کو خفیہ انداز میں چلانے کا ارادہ کیا اور اس کے لیے جھوٹ پر مبنی تقیہ کی اصطلاح متعارف کرائی کہ جو بھی اس عقیدہ کا حامل ہے وہ اپنے عقیدہ پر قائم رہے مگر اس کا اظہار نہ کرے۔ تابعین کے بعد گو اسلامی خلافت ایسے معیار پر قائم نہ رہ سکی جیسا کہ خلفاء راشدین کا معیار تھا تاہم پھر بھی سلام کے

بنیادی اصولوں پرضرور قائم تھی جس میں اس قسم کے عقیدہ کے برملا حامل کوسزائیں دی جاتی تھیں جیسا کہ حلاج اور سعید کوسولی پر چڑھایا گیا۔لہٰذا سبائی تحریک کے ممبروں نے اس عقیدہ کو کئی نئے ناموں سے موسوم کر کے بچانے کی کوشش کی۔

مصر میں جب عبیدیوں کی حکومت قائم ہوئی تو انھوں نے اس عقیدہ کو اپنا اصول قرار دیا اوراسے باطنیت کا نام دے کرلوگوں کو زبردستی اس کا قائل کرنے کی کوشش کی۔ جسے اس وقت کے علماء نے کفر سے تعبیر کیا اوران کے خلاف جہاد کوایسے فرض قرار دیا جیسا کہ عام کفار کے خلاف فرض ہے۔یہ سبائی تحریک خالص باطنیت کا رنگ اختیار کرگئی اسے عالم اسلام میں ایک ناسور کی طرح پھیلا دیا گیا اوریہی سبائی تحریک بعدازاں طریقت کے نام سے موسوم ہوئی جس نے اپنی لپیٹ میں بہت سے عجمی بادشاہوں اور درویشوں کو لے لیا۔

باطنیت کیا ہے؟

باطنیت دراصل نام ہے اسلام میں کفر کوخفیہ انداز میں ضم کرنے کا۔ان کا خیال ہے کہ قرآن کریم کی ہرایک آیت کاایک ظاہری حکم ہےاورایک باطنی (پوشیدہ)۔ظاہری حکم توشریعت ہےاور باطنی حکم طریقت ہے، جسے صرف صوفی جانتا ہےکوئی دوسرانہیں ، پھراس طریقت کے نام سے ہر شرکیہ فعل بلکہ دیگر کبائر بھی جائز قرار پاتے ہیں۔جس میں ہر مرشد الوہیت کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔وحدت الوجود اورحلول بھی اس باطنیت کی دومختلف شاخیں ہیں۔جس میں ہر بڑا صوفی خود ہی عابد اور خود ہی معبود،خود ہی ساجد اورخود ہی مسجود ہوتا ہے گویا کہ اسے الوہیت کے تمام اختیار حاصل ہوتے ہیں بلکہ وہ خود ہی الہ بن جاتا ہے۔

[فصوص الحکم از مختلف مقامات ابن عربی]

قادری صاحب باطنی ہیں

قادری صاحب خودکواہل سنت کہتے ہیں مگران کے عقائد باطنیہ کے ہیں بلکہ باطنیت کے داعی ہیں۔ہم نے پہلے عرض کی ہے کہ باطنیت اصل میں سبائی تحریک کا نام ہےاور جوعقائداس تحریک کے

تھے وہی عقائد طاہر القادری کے ہیں۔ آپ یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ الفاظ کا ہیر پھیر ہے مگر مفہوم اور مدعی بلکہ دعوت وہی ہے اس میں کوئی بڑا فرق نظر نہیں آتا۔

سبائیت میں اول مبحث جناب امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے ذات اقدس تھی اور انھوں نے ان کے اسم گرامی کے نام پر ہی اپنی تحریک چلائی تھی، اسی تحریک کو قادری صاحب آگے بڑھانے کی تگ ودو میں ہیں جس کے دلائل یہ ہیں۔

قرآن کی تفسیر

موصوف لکھتے ہیں:

''جس طرح خدا کی ذات کی کوئی حد اور جہت نہیں، اس لیے قرآن کی ہر ہر آیت کی تفسیر کی بھی کوئی حد نہیں۔ اس لیے اگر آپ یہ سمجھیں کہ میں آج جو کچھ بیان کروں گا وہ اس آیت کی تفسیر ہے وہ غلط ہے یہ اس آیت کی کروڑوں تفسیروں میں سے ایک چھوٹی سی تفسیر ہے۔''

[حب علی ص ۸]

یہ وہی باطنیت کا اصل ہے مگر موصوف ہوشیار اور زمانہ چال ہیں اس لیے انھوں نے باطنیت کا لفظ بولے بغیر جو اس بات کا تقاضا ہے اسے پورا کر دیا ہے۔

ذبح عظیم کی تفسیر

اسی باطنیت کا نتیجہ ہے کہ موصوف نے آیت کریمہ ﴿وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ﴾ [الصافات: ۱۰۷] کی تفسیر شہادت حسین سے کی ہے اور اس شہادت کو جناب اسماعیل علیہ السلام کی قربانی سے عظیم قرار دیا ہے۔

[ذبح عظیم ص ۳۰، ۳۱]

باطنیوں کے نزدیک باطنیت کا منبع علی رضی اللہ عنہ ہیں

تمام باطنی اپنے علم کی نسبت جناب علی رضی اللہ عنہ کی طرف کرتے ہیں اس میں ان کو کسی سند کی بھی ضرورت نہیں ہوتی ہر شخص جناب علی سے براہ راست فیض اٹھا سکتا ہے خواہ وہ ان کی شہادت کے سینکڑوں سال بعد ہی پیدا ہوا اور یہی عقیدہ قادری صاحب کا ہے کہ جناب علی رضی اللہ عنہ منبع باطنیت ہیں جیسا کہ لکھتے ہیں:

''ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اے صحابہ رسول! بتادوں حضور کے صحابہ میں ایک ہستی ایسی بھی ہے اور وہ علی شیر خدا ہیں کہ جس کے دامن میں قدرت نے ظاہر قرآن بھی جمع کر دیا اور باطن قرآن بھی جمع کر دیا اور جو قرآن کے ظاہر اور باطن دونوں کو سمیٹے ہوئے ہو، اس کی نسبت کیوں نہ کہا جائے قرآن والے سے پوچھو جو قرآن کے ظاہر سے باخبر ہے جو قرآن کے باطن سے بھی باخبر ہے۔ یہ صرف صحابہ کا کہنا نہ تھا حضرت علی شیر خدا کو خود بھی اس مقام ومنصب کا شعور تھا۔''

[حب علی ص ۲۷]

موصوف نے اپنے ایک باطل اور توحید شکن نظریہ کو ثابت کرنے کے لیے صرف تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ہی جھوٹ نہیں باندھا بلکہ جناب علی رضی اللہ عنہ کو بھی معاف نہیں کیا کہ تمام صحابہ نے ان کی طرف علم باطن کا دعوی کیا تھا اور خود بھی ان کو اس باطن علمی کا شعور وادراک تھا، جناب علی سمیت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس الزام سے بری ہیں۔ کوئی ایک بھی باطنیت کا قائل نہیں تھا اور نہ ہی جناب علی نے کبھی دعوی کیا ہے کہ میں باطنیت کا منبع ہوں یہ علم صرف میرے ذریعے سے ہی حاصل ہوسکتا ہے اس بارے میں جو کچھ بیان کیا جاتا ہے وہ سارا جھوٹ ہے۔ اس موضوع پر مزید خامہ فرسائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اولیاء عرفاء اور صوفیا کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ قیامت تک کسی مرد مومن کو ولایت نہیں مل سکتی جب تک شہنشاہ ولایت سیدنا علی شیر خدا کی مہر تصدیق ثبت نہ ہو کسی کو کوئی ولایت نصیب نہیں ہوتی حضرت علی کے صدقے کے بغیر۔''

[حب علی ص ۲۲]

جو نکتہ موصوف نے بیان کیا ہے اس کا قرآن وحدیث میں کہیں اشارہ بھی نہیں ہے بلکہ یہ قرآن کریم کی صریح نص کے خلاف ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾. [یونس: ٦٢-٦٣]

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ہر ایماندار متقی کو اپنا ولی قرار دیا ہے اور قطعاً علی رضی اللہ عنہ کی مہر کی قید نہیں لگائی۔ اس نکتہ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ موصوف تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ولایت کے منکر ہیں اس

لیے کہ کوئی ایک صحابی بھی اس عقیدہ کا حامل نہیں ہوتا تھا جو انھوں نے بیان کیا ہے اور نہ ہی کبھی کسی نے دعویٰ کیا تھا کہ میں نے ولایت علی رضی اللہ عنہ سے حاصل کی ہے۔

علی رضی اللہ عنہ سب صحابہ سے بہتر ہیں

موصوف یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم علی سے افضل ہیں وہ اسے ایک اختلافی مسئلہ قرار دیتے ہیں جیسا کہ فرماتے ہیں:

اہل سنت بالعموم فضیلت خلافت راشدہ سے کرتے ہیں تو اس پر تو اختلاف ہے اس کے بعد ادھر ادھر کی باتیں کر کے اپنا مدعی ظاہر کرتے ہیں کہ اس نسبت کی انفرادیت پر کوئی اختلاف نہیں کہ وہ نسبت کسی اور کو حاصل نہیں ہے جو مدعی کو وجود مصطفوی سے ہے وہ نسبت کسی اور کو حاصل نہیں۔"

[حب علی ص ۱۵]

حالانکہ موصوف نے جو نسبت کی بات کی ہے وہ سراسر حقائق کے منافی ہے اور یہی بات بعض نامعلوم افراد نے جناب علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں مشہور کر دی تھی چونکہ یہ بات حقائق کے منافی تھی۔ حب علی کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے اس کے لیے ایک خطبہ دیا جس میں انھوں نے ارشاد فرمایا:

و اللہ ما عندنا من کتاب یقرأ الا کتاب اللہ و ما فی ھذہ الصحیفۃ .

[بخاری کتاب الاعتصام ومواضع کثیرہ]

اور ایک روایت کے الفاظ ہیں:

ما خصنا رسول اللہ ﷺ بشیء لم یعم بہ الناس کافۃ.

[مسلم، کتاب الاضاحی، ح:۱۵۲۶ مسند احمد ۱/۱۸]

"رسول اللہ ﷺ نے ہمیں کسی چیز کے ساتھ خاص نہیں کیا کہ اس میں تمام لوگوں کو عام کیا ہو۔"

اس کے برعکس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ موقف تھا کہ نسبت علی کے لحاظ سے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کو جانتے تھے چنانچہ جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کان ابو بکر اعلمنا بہ.

[بخاری ح ۳۶۵۴، مسلم ح ۲۳۸۲]

''رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ہم سب سے بڑے عالم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔''
جبکہ قادری صاحب کے نظریے کا کوئی صحابی قائل نہیں تھا اور قادری صاحب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس نسبت تعلق مصطفوی کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں، اس لیے کہ یہ نظریہ باطنیت کے منافی ہے۔

مرکز ولایت

باطنیوں کی اختراعی ولایت چونکہ قرآن وحدیث کے نصوص کے صریحاً منافی ہے اس لیے ان کی ولایت حرمین نہیں بلکہ ارض عراق ہے۔ قادری صاحب رسول اللہ ﷺ پر صریحا بہتان باندھتے ہوئے کہتے ہیں:

''(رسول اللہ ﷺ) نے حضرت علی کو اجازت دی کہ علی تو مرکز ولایت جا کر عراق میں نجف اشرف میں قائم کر۔''

پھر اس مرکز کے منتقلی کا سبب بیان کرتے ہیں: مثلاً استاذ کے پہلو میں بیٹھا ہوا شاگرد اپنے فیض کو چھپاتا ہے اپنا فیض جاری نہیں کرتا۔

[حب علی ص۲۳]

موصوف نے کتنے جلی الفاظ میں حضرات خلفائے ثلاثہؓ کی توہین کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنے پہلو میں اس لیے دفن ہونے دیا کہ ان کا فیض جاری نہ ہو اور جناب علی کو عراق منتقل ہونے کی اس لیے اجازت دی کہ ان کی ولایت کا چاند خوب چمکے۔

یہ ہے قادری صاحب کے عقیدہ کی حقیقت وہی رافضیوں والا نظریہ اور ان کی یہی ترجمانی صرف لیبل اہل سنت کا ہے باقی سب کچھ اہل سنت کے خلاف ہے حقیقت یہی ہے کہ موصوف اہلسنت میں سے نہیں بلکہ رافضی اور باطنی ہے جس وجہ سے ان کی ہر کتاب سے کتاب وسنت کی مخالفت بالکل واضح اور عیاں ہے۔

قادری صاحب کی مستدل روایات

راقم الحروف نے قادری صاحب کی بعض کتب کا سرسری مطالعہ کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ موصوف توحید قرآنی کو مشکوک بنانے کے لیے ادھار کھائے بیٹھے ہیں ان کی مستدل وہی ضعیف اور من گھڑت روایات ہیں جو ان کے متقدمین اہل بدعت کی تھیں، امام شاطبی ان کی مستدل روایات پر تبصرہ

کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اعتمادھم علی الاحادیث الواھیة الضعیفة والکذب فیھا علی رسول الله ﷺ والتی لایقبلھا اھل صناعة فی البناء علیھا.

[الاعتصام ۱/۱۵۲]

''اہل بدعت کا اعتماد ضعیف، سخت کمزور اور ان روایات پر ہے جنھیں اصول میں ماہر محدثین قبول نہیں کرتے۔''

امام شاطبی کا یہ تجزیہ حرف بحرف درست اور صحیح ہے جب ہم قادری کی کتابوں پر نظر دوڑاتے ہیں تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح سامنے نظر آتی ہے کہ ان کتابوں میں کثرت کے ساتھ ضعیف منکر واہی روایات موجود ہیں اور بسا اوقات تو موضوع اور من گھڑت بھی درج کرنے سے نہیں گھبراتے جیسا کہ المنہاج السوی کی روایت نمبر ۱۰ ہے جو من گھڑت ہے اس کا راوی ابوصلت عبدالسلام بن صالح رافضی خبیث وضع حدیث میں متہم ہے، اس کا دوسرا راوی علی بن موسیٰ ارضا اپنے باپ سے عجائبات روایت کرتا تھا۔

[ضعیف اور موضوع روایات ح ۳]

جملہ محدثین کے نزدیک موضوع روایات کی وضع کی تصریح کے بغیر روایت حرام ہے اور رسول اللہ ﷺ پر کذب بیانی کے زمرہ میں ہے مگر موصوف نے اسے اپنے موقف میں درج کیا ہے ان کی ایک کتاب مرج البحرین میرے سامنے ہے اس میں انھوں نے کل ۱۳۵ روایات درج کی ہیں جن میں اکثر ضعیف اور چند ایک من گھڑت بھی ہیں۔ مگر موصوف نے ان روایات کے ضعیف ہونے پر محدثین نے جو حکم لگایا ہے اسے ذکر نہیں کیا۔

ہم چند مثالیں قارئین کرام کے سامنے رکھتے ہیں تا کہ ہمارے دعوی کے درست ہونے میں کوئی شک باقی نہ رہے۔

موصوف نے روایت نمبر ۷۸ کی تخریج میں بعض دیگر کتب کے ساتھ مجمع الزوائد کا بھی حوالہ دیا ہے اور مجمع میں ہی اس حدیث پر ضعیف کا حکم موجود ہے کہ اس کی سند میں یحییٰ بن عبدالحمید الحمانی ہے جو ضعیف ہے۔ اسی طرح روایت ۸۴ میں بھی مجمع الزوائد کا حوالہ دیا ہے اور مجمع میں اس روایت پر یوں حکم موجود ہے کہ اس میں احمد بن راشد الہلالی ہے جو ضعیف ہے۔ اسی طرح آپ روایت ۸۷ ملاحظہ فرمائی وہ بھی مجمع الزوائد کے حوالہ سے ہے اور مجمع میں ہی ہے کہ اس کی سند منقطع ہے۔ روایت نمبر ۱۲ کی تخریج

دیگر کتب کے ساتھ العلل المتناہیہ سے بھی کی ہے اور العلل میں موجود ہے کہ یہ حدیث رسول ﷺ سے صحیح نہیں ہے۔

[العلل المتناہیہ بتحقیق شیخنا الاثری ۱/۲۸۲]

اسی طرح روایت ۱۹۸ اس کی بھی تخریج میں مجمع الزوائد ہے حالانکہ وہی موجود ہے کہ اس میں احمد بن محمد الیمانی ہے جو متروک ہے۔ اسی طرح روایت ۱۰۲ ہے جس میں دیگر کتب کے ساتھ مجمع کا حوالہ بھی دیا ہے اور مجمع میں وہیں موجود ہے کہ اس میں مسروح ابوشہاب ضعیف ہے۔ مزید امام ابن حبان نے اس کے بارہ میں فرمایا ہے کہ اس سے حجت پکڑنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔ امام ابوحاتم فرماتے ہیں یہ توبہ کے لائق ہے اس نے (مذکورہ روایت) باطل روایت کی ہے۔

[کمافی العلل المتناہیہ ۱/۲۵۵]

یہ چند مثالیں ہم نے نمونہ از خروارے کے طور پر پیش کی ہیں ورنہ ان کی جمع کردہ اکثر روایات ایسی ہی ہیں کہ محدثین نے ان پر ضعیف کا حکم لگایا ہے لیکن قادری صاحب نے اپنی کتابوں میں وہ روایات تو درج کر دیں مگر حکم چھپا گئے تا کہ قارئین کرام کو ان رویات کی اصلیت معلوم نہ ہو جائے اور موصوف کی دیانت اور امانت کا بھانڈا کہیں چوراہے میں نہ ٹوٹ جائے۔

امام مسلم کا موقف

ایسے لوگ جو ضعیف راویوں کو واضح نہیں کرتے بلکہ ان کے معاملہ کو لوگوں سے چھپاتے ہیں کے بارے میں امام مسلم فرماتے ہیں:

''محدثین نے خود پر راویوں کے عیوب ظاہر کرنے کو لازم کر رکھا ہے اس لیے کہ اس میں بہت بڑا خطرہ ہے اس لیے کہ دین کے بارے میں جو احادیث مروی ہیں وہ حلال، حرام، امر، نہی اور ترغیب وترہیب کو بیان کرتی ہیں، ایسا راوی جو صدق وامانت کا خوگر نہیں لوگوں پر اس کا عیب ظاہر نہ کرنے والا شخص مسلمان کو دھوکہ دیتا ہے۔''

[مسلم ۱/۲۰ وضعیف اور موضوع روایات ص ۶۴ طبع ثانی]

''علمی خیانتیں'' توحید کے دفاع میں ایک پر اثر کاوش ہے جس کے مؤلف گرامی مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے لوگوں کو ایک بہت بڑے فتنے سے متنبہ کیا۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اس کو شرف قبولیت سے نوازے اور یہ جس مقصد کے لیے لکھی گئی ہے اس میں کارگر ثابت ہو۔ آمین

مولانا گوندلوی کی آخری تحریر

قادری صاحب کے دورہ صحیح مسلم پر ایک نظر

ڈاکٹر طاہر القادری نے برمنگھم یو کے میں صحیح بخاری کے دورہ کی طرح صحیح مسلم کا بھی دورہ کرایا ہے، جس میں انھوں نے اپنے اس دورہ کا مقصد یوں بیان فرمایا ہے: ''اس دورہ کے دوران اصول حدیث کی وہ ضروری بحثیں جن کی آج کے دور میں سخت ضرورت ہے نیز عقائد اور احکام فقہ زیر بحث آئیں گے۔'' پھر اپنے اس دورے کا آغاز فقہ حنفی کا تفوق ثابت کرنے سے کیا ہے اور اس ضمن میں بڑی پر لطف، حیرت انگیز اور تاریخ ساز باتیں ذکر کی ہیں ہم ان کی ایسی باتوں کا اپنے اس مقالہ میں جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ وباللہ التوفیق

لوگ فقہ کے محتاج ہیں

موصوف نے اپنے دورے کا آغاز اس جملہ سے کیا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ (کل ائمہ ان کے عیال) ہوئے ان کے دستر خوان علم الفقہ سے ہر کوئی فیض لیتا رہا۔

[منہاج مئی ۲۰۰۸ ص ۲۷]

دراصل موصوف نے اس میں اس قول کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی نسبت احناف عام طور پر امام شافعی کی طرف کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

الناس كلهم عيال عليه في الفقه.

[تاریخ بغداد ۱۳/ ۳۴۶]

''تمام لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کے محتاج ہیں۔''

اس قول کی صحت

امام شافعی کا یہ قول امام خطیب بغدادی نے اپنی سند سے تاریخ میں ذکر کیا ہے اس کی سند میں احمد بن صلت الحمانی ہے جو وضاع ہے بڑا بے حیاء، کذاب حدیث وضع کرتا تھا۔

[لسان ص ۱/ ۱۸۸، ۲۷۰]

امام شافعی کا موقف

امام شافعی سے قطعاً فقہ حنفی کی تحسین مروی نہیں بلکہ انھوں نے تو کھل کھلا کر اس فقہ کی مخالفت کی ہے جیسا کہ کتاب الام کے عمومی مطالعہ اور کتاب ردالاستحسان اور کتاب الرد علی محمد بن الحسن کے خصوصی مطالعہ سے واضح ہوتا ہے اور اس مخالفت پر شوافع اور احناف دونوں گروہوں کی کتب شاہد عدل ہیں۔
بلکہ امام شافعی تو امام صاحب کے قیاس کو درست تسلیم نہیں کرتے تھے جیسا کہ صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ ان کا امام محمد بن حسن سے اس بارہ میں مناظرہ ہوا تھا۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعی نے امام محمد سے پوچھا: انصاف سے بتاؤ امام مالک قرآن وحدیث اور آثار صحابہ کے زیادہ عالم ہیں یا امام ابوحنیفہ؟ تو امام محمد نے فرمایا: امام مالک۔ امام شافعی نے فرمایا: اب صرف قیاس باقی ہے صحیح قیاس بھی تو قرآن وحدیث اور آثار صحابہ کے اصولوں پر ہوتا ہے۔ جس پر امام محمد خاموش ہو گئے۔

[کتاب الجرح والتعدیل ۱/۴ تفصیل داستان حنفیہ ص ۱۶۴ میں ملاحظہ ہو]

اس مناظرہ سے بالکل واضح ہے کہ امام شافعی امام صاحب کے قیاس کو درست تسلیم نہیں کرتے تھے یہ کیسے ممکن ہے کہ جسے وہ درست تسلیم نہ کریں تو پھر بھی اس کے بارے میں فرمائیں کہ تمام لوگ اس فقہ کے محتاج ہیں۔

ثانیاً: امام شافعی کا شمار ان ائمہ عظام میں سے ہے جنھوں نے امام ابوحنیفہ پر جرح کی ہے (مسئلہ الاحتجاج بالشافعی) جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ فقہ حنفی کی تحسین میں یہ قول اسی حمانی کذاب کا ہے امام شافعی اس سے بری الذمہ ہیں۔

فقہ حنفی کے ماخذ

موصوف فرماتے ہیں کہ فقہ حنفی پر بہت بڑا الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ فقہ حنفی کی بنیاد جن احادیث پر قائم کی گئی ہے صحیح بخاری ومسلم اور صحاح ستہ میں ان کا وجود ہی نہیں، یہ احادیث کی نچلی درجہ کی کتب اور نچلے درجے کے طبقات سے ثابت ہے۔ [ایضاً]

حقیقت سے اغماض ممکن نہیں اور یہ بات بالکل درست ہے کہ اہل الرائے کے وہ مسائل جن میں انھوں نے محدثین سے اختلاف کیا ہے ان مسائل کے دلائل صحیحین اور دیگر معتبر کتب حدیث میں نہ

ہونے کے برابر ہیں اگر چہ سنن اربعہ میں کچھ روایات اہل الرائے کی فقہ کی مؤید ہیں مگر ان کی اسنادی حیثیت کمزور ہے اس امر کا احساس ائمہ احناف کو بھی ہے اسی لیے تو ان کو اپنے مسائل ثابت کرنے کے لیے مراسیل اور منقطع بلکہ موضوع روایات کا سہارا لینا پڑا ہے اور صحیح احادیث کی تاویلیں کرنا پڑی ہیں شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ میں فرماتے ہیں:

لم یکن عندھم من الاحادیث والآثار ما یقدرون علی استنباط الفقه علی الاصول التی اختارھا اھل الحدیث.

''اہل الرائے کے پاس احادیث اور آثار کا ذخیرہ نہیں تھا کہ جس پر وہ فقہ کا استنباط ان اصولوں پر کرتے جن کو اہل حدیث نے پسند کیا ہے۔''

شاہ صاحب کی تحقیق بالکل درست ہے ان کے پاس حدیثی نصوص نہ ہونے کی وجہ سے امام صاحب کو اقرار کرنا پڑا ہے:

علمنا ھذا رأی وھو احسن ما قدرناعلیه.

[تاریخ بغداد ۱۲/۳۵۲]

''ہمارا یہ علم رائے ہے اور یہ بہت خوب ہے جس پر ہم نے قدرت پائی ہے۔''

اس قلت کی ایک اہم وجہ یہ تھی کہ امام صاحب نے اخذ کی خاطر ائمہ محدثین کی طرح دور دراز کے سفر نہیں کیے تھے جس کی بنا پر اس فقہ کی بنیاد احادیث پر قائم نہ ہو سکی۔ شاہ صاحب مزید فرماتے ہیں:

کان اکثرھم امرھم حمل النظیر علی النظیر والرأی اصل من الاصول دون تتبع الاحادیث والآثار.

[الانصاف ص ۲۵]

''ان کا اکثر امر یہی تھا کہ یہ ایک نظیر کو دوسری نظیر پر محمول کرتے ہیں اور رائے ہی ان کا اصول ہے احادیث اور آثار کا تتبع اور جستجو نہیں۔''

پھر شاہ صاحب نے اس فقہ کا حدود اربعہ بتاتے ہوئے فرمایا ہے:

کان ابو حنیفة الزمھم بمذھب ابراھیم و اقرانه لا یجاوزه الا ما شاء الله.

[حجۃ اللہ ۱/۱۴۶]

''ابو حنیفہ ابراہیم نخعی اوران کے ہم عصر علماء کے مذہب کو لازم پکڑتے تھے اوراس سے تجاوز نہیں کرتے تھے مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے۔''

نخعی کے آثار پر اکتفاء کا یہ نتیجہ نکلا کہ یہ فقہ نصوص حدیثیہ کی کثرت سے محروم رہ گئی اوراس کمی کو پورا کرنے کے لیے قیاس کو کثرت کے ساتھ استعمال کرنا پڑا۔

احناف کی کتب حدیث

احناف نے روایت حدیث کے نام پر جو کام کیا ہے ائمہ حدیث میں اس کی مقبولیت نہیں ہو سکی۔اس لیے کہ ان کتب کے جامعین محدثین میں سے نہ تھے صحیح اور سقیم میں تمیز نہ کر پاتے تھے اس لیے ان کتابوں کو وہ مقبولیت حاصل نہ ہو سکی جو کتب صحاح اور مؤطا یا مسند احمد کو حاصل ہوئی شاہ ولی اللہ کتاب الاثار امام محمد اور الامالی امام ابو یوسف کے بارے میں فرماتے ہیں:

فهل سمعت احدا من المحدثين والفقهاء تعرض لهما واعتنى بهما.

[حجۃ اللہ ۱/۱۳۴]

''کیا تو نے سنا ہے کہ محدثین اور فقہاء میں سے کسی ایک نے ان دونوں کتابوں سے تعرض اور اعتنا کیا ہو۔''

شاہ صاحب نے واضح کر دیا کہ یہ دونوں کتابیں نہ محدثین میں مقبولیت حاصل کر سکیں اور نہ عام فقہاء کرام میں۔تیسری معروف کتاب جسے احناف اپنا ماخذ قرار دیتے ہیں۔وہ طحاوی کی کتاب شرح معانی الاثار ہے،شاہ صاحب نے طبقات کتب حدیث میں کتب طحاوی کو تیسرے درجہ میں شمار کیا ہے اور اس طبقہ کے بارے میں فرمایا ہے اس طبقہ کی کتب میں صحیح ،حسن ،ضعیف ،معروف ،غریب ،شاذ ،منکر، خطا صواب ،ثابت اور مقلوب ہر قسم کی روایات موجود ہیں اور پھر کتابوں کے نام گن کر فرماتے ہیں:

كان قصدهم جمع ما وجدوه ولا تلخيصه وتهذيبه وتقريبه من العمل.

[حجۃ اللہ ۱/۱۳۵]

''ان مؤلفین کا مقصد ہر طرح کی روایات جمع کرنا تھا تلخیص ،تہذیب اور تقریب بالعمل نہ تھا۔''

مسند ابی حنیفہ

مسند خوارزمی جسے مسند امام اعظم کہا جاتا ہے اور اسے امام صاحب کی تالیف مشتہر کیا جاتا ہے اس کو شاہ صاحب طبقہ اربعہ میں ذکر کرتے ہیں اور پھر اس طبقہ کی کتب کی فنی حیثیت کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

واصلح هذه الطبقة ما كان ضعيفا متحملا واسوؤها ما كان موضوعا او مقلوبا شديدا النكارة.

[حجۃ اللہ ۱/ ۱۳۵]

''اس طبقہ کی بہتر کتاب وہ ہے جس میں ضعیف روایات جو قابل احتمال ہیں اور سب سے بدتر وہ ہے جس میں موضوع، مقلوب، سخت منکر روایات ہیں۔''

شاہ صاحب کی اس تحقیق سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جن لوگوں کا خیال ہے کہ فقہ حنفی کی متدل روایات ضعیف روایات ہیں جو نچلے طبقے کی کتب میں پائی جاتی ہیں محض الزام نہیں بلکہ حقیقت ہے اگر قادری صاحب ازراہ انصاف اور اعتدال اس امر کی حقیقت کو جاننا چاہتے ہیں تو صرف نصب الرایہ کا مطالعہ کریں ان کو معلوم ہو جائے گا کہ احناف کی متدل روایات صحیح نہیں بلکہ اکثر ضعیف ہیں۔

اصول حدیث کی تدوین

موصوف نے اپنے اس دورہ میں اصول حدیث کی تاریخ پر روشنی ڈالی ہے، فرماتے ہیں:

اصول حدیث میں پہلے مصنف امام شافعی بنے ورنہ علم اصول حدیث کے پہلے مرتب امام ابوحنیفہ ہیں انھوں نے کثرت کے ساتھ اصول حدیث وضع کیے ہیں اور اس کے ضابطے مقرر ہیں اور انہی کی بنیاد پر احکامات فقہ کو ترتیب دیا۔

[ص ۱۷ ملخصا]

موصوف کی یہ تمام باتیں محل نظر ہیں اور اپنے ثبوت کے لیے حقائق کی محتاج ہیں۔

۱۔ امام اعظم اصول حدیث کے پہلے مرتب ہیں یہ ایک ایسا انکشاف ہے شاید قادری صاحب سے پہلے اس سے کوئی بھی آشنا نہ ہوا ہو۔ اصول حدیث کا آغاز کن علماء کے ہاتھوں ہوا، اس کی ایک پوری تاریخ مرتب ہے جسے قادری صاحب نے ذکر کیا ہے۔

[منہاج جون ۲۰۰۸ ص ۳۲ تا ۳۴]

مگر اس میں امام بلکہ ان کے تلامذہ میں سے بھی کسی کا ذکر نہیں اور یہ اسلامی تاریخ کا ایک سنہرا

باب ہے جس کا ذکر تمام مورخین اسلام بلکہ غیر مسلم مورخین نے بھی کیا ہے اور تمام متفق ہیں کہ حدیث کے امتیاز اور اس کی پرکھ عہد صحابہ میں شروع ہو چکی تھی جبکہ ابوحنیفہ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، ملاحظہ ہو مقدمہ ''ضعیف اور موضوع روایات''۔ ہمارے علم میں نہیں کہ کسی ایک مورخ نے امام صاحب کو اصول حدیث کا اول مرتب قرار دیا ہے اس امر کا سب سے پہلے انکشاف قادری صاحب نے ہی کیا ہے جو تاریخی حقائق کے بالکل منافی ہے موصوف خود معترف ہیں کہ امام اعظم کی اصول حدیث پر کوئی کتاب نہیں۔

[منہاج مئی ص ۹۷]

۲۔ موصوف کا فرمانا کہ فقہ کی تدوین امام صاحب کے مرتب کردہ اصولوں پر ہوئی ہے سراسر حقائق کے الٹ ہے بلکہ اگر کہا جائے کہ موصوف کو اصول حدیث کا علم نہیں تو یہ بجا ہے ویسے بھی فقہ حنفی کا اصول حدیث سے کوئی زیادہ تعلق نہیں ہے اس فقہ کے مرتبین نے اصول فقہ کے نام پر کچھ اپنے اصول وضع کیے ہیں۔ وہ اصول حدیث سے عموماً مختلف ہیں فقہ حنفی میں اصول حدیث پر باستثنائے چند باتوں کے زیادہ بحث نہیں ہوتی کیونکہ اگر وہ اصول حدیث کی بنیاد بناتے تو یہ فقہ اپنے تدوین وتکمیل کے مراحل طے نہ کر پاتی بلکہ ناقص اور ادھوری رہ جاتی۔

لفظ علم کا استعمال

موصوف نے اپنے مذکورہ بالا دعوی کو ثابت کرنے کے لیے یہ دلیل پیش کی ہے کہ ''قرن اولی میں جب محدثین لفظ ''العلم'' استعمال کرتے تھے تو اس سے مراد حدیث، اصول حدیث دونوں ہوتے تھے سیوطی نے تبییض الصحیفہ میں امام صاحب کے حوالہ سے لکھا ہے:

هو من دون العلم.

''پس تدوین علم میں پہلا درجہ امام اعظم کو حاصل ہے۔''

[ص ۲۷]

موصوف کا مذکورہ بالا قول ان کی علم حدیث کی تدوین سے عدم اطلاع پر دلالت کرتا ہے اول تو قرون اولی خصوصاً امام صاحب کے دور تک یہ فنی اصطلاحات رائج نہیں ہوئی تھیں۔ علم کا اطلاق صرف کتاب وسنت پر ہوتا تھا عمر بن عبدالعزیز پہلے خلیفہ ہیں جنھوں نے سرکاری طور پر کتابت حدیث کا اہتمام کیا تو انھوں نے صرف سنن جمع کرنے کا حکم فرمایا۔

[جامع بیان العلم ص ۱۰۷ والحدیث والمحدثون ص ۱۷۹]

صحیح بخاری مع فتح البخاری ۱/۱۹۴ میں ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن حزم کی طرف خط لکھا:

انظر ما كان من حديث رسول الله ﷺ فاكتبه فاني خفت دروس العلم وذهاب العلماء ولاتقبل الا حديث النبي ﷺ.

”تمھارے پاس جتنی احادیث رسول ﷺ ہیں انھیں لکھو مجھے علم کے مٹ جانے اور علماء کے فوت ہوجانے کا خدشہ ہے اور (یادرکھو) صرف حدیث رسول ﷺ قبول کرو۔“

اس شاہی فرمان سے واضح ہے کہ عہد صحابہ اور تابعین کے دور میں علم کا لفظ صرف کتاب وسنت پر بولا جاتا تھا اور کوئی ایک بھی مذکورہ فنی اصطلاحات سے واقف نہیں تھا کہ ان پر علم کا اطلاق کیا جاتا۔ سب سے پہلے امام شافعی نے ان اصطلاحات میں بعض پر قلم اٹھایا اور ان کے بعد یہ اصطلاحات ایک فن کی حیثیت اختیار کر گئیں حتی کہ ان اصطلاحات پر سب سے پہلی مستقل کتاب امام رامہرمزی متوفی ۳۶۰ھ نے لکھی، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

ان اول من صنف في ذلك القاضي ابو محمد الرامهرمزي في كتابه المحدث الفاصل بين الراوي والواعي. لكنه لم يستوعب.

[شرح نخبۃ الفکر ص۳]

”اس فن میں سب سے پہلے کتاب امام ابومحمد رامہرمزی نے لکھی مگر انھوں نے بھی اس اصطلاحات مکمل تحریر نہیں کیں۔“

یہی حقیقت ہے جو ابن حجر نے بیان کی ہے رہی یہ بات کہ اصول حدیث کی تدوین امام ابوحنیفہ نے کی ہے، بے بنیاد ہے قطعاً ثابت نہیں۔ متقدمین میں سے کسی ایک نے اس کا اشارہ تک نہیں کیا یہ کوثری گروپ کے پروپیگنڈہ کا ایک حصہ ہے جو تاریخ سازی میں بڑا ماہر ہے، آخر قادری صاحب بھی ماشاء اللہ تاریخ ساز ہیں وہ بھلا تاریخ سازی میں ہم جیسوں سے کیسے پیچھے رہ سکتے ہیں۔

سیوطی کے قول کی توضیح

حافظ سیوطی کے حوالہ سے موصوف نے ذکر کیا ہے کہ علم کی تدوین سب سے پہلے ابوحنیفہ نے کی۔ اس قول کی موصوف نے دورہ بخاری کے ضمن میں بیان کیا تھا۔ جس پر ہم نے اپنے مقالہ ”امام

بخاری قادری صاحب کی نظر میں'' میں تفصیل سے اس کی حقیقت واضح کی تھی جو ہفت روزہ اہلحدیث ۶ اپریل ۲۰۰۷ء اور ہفت روزہ تنظیم اہلحدیث میں طبع ہوا تھا۔ اس میں ثابت کیا تھا کہ یہ علامہ سیوطی کا قول نہیں بلکہ موفق معتزلی رافضی کا ہے جو ایک ناقابل اعتماد مجروح شخص ہے اس سے حافظ سیوطی نے بلا تحقیق نقل کر دیا ہے۔ اور یہ تو مشہور ہی ہے کہ سیوطی حاطب اللیل ہیں مواد جمع کرتے وقت کسی قسم کی تمیز نہیں کرتے تھے۔ پھر موصوف قادری نے موفق معتزلی رافضی کے قول کو مکمل بیان بھی نہیں کیا اس میں سے صرف اپنے مطلب کا ایک ٹکڑا لیا ہے حالانکہ سیوطی نے یہ قول پوری تفصیل سے بیان کیا ہے اصل الفاظ یہ ہیں:

اول من دون علم الشريعة ورتبه ابوابا.

''ابوحنیفہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے علم شریعت مرتب کیا اور اسے ابواب پر ترتیب دی۔''

مگر موصوف الشریعہ کا لفظ حذف کر گئے ہیں تا کہ اصول حدیث کی اولیت کا خاکہ جو انھوں نے اپنے ذہن میں مرتب کیا تھا اس کی حقیقت ظاہر نہ ہو جائے اور ان کا ایک اہم نکتہ جھوٹ کی زد میں نہ آجائے پھر بقول موفق کے انھوں نے علم شریعت کو مدون اور مرتب کیا ہے نہ کہ اصول حدیث کو، علم شریعت سے کیا مراد ہے اس کی تفصیل موفق کے اسی قول میں موجود ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

وبدء بالطهارة ثم بالصلوة ثم سائر العبادات ثم المعاملات ثم ختم لكتاب بالمواريث.

[تبییض الصحیفہ ص ۱۳۰ طبع کراچی موفق ص ۳۹۳ وعقود الجمان ص ۱۸۴ ومسند امام اعظم ۱/۳۴ بالفاظ متقاربة]

''امام صاحب نے تدوین کرتے وقت ابتدا کتاب الطہارت سے کی پھر کتاب الصلوۃ سے پھر عام عبادات سے پھر معاملات سے اور آخر میں کتاب مواریث پر ختم کی۔''

گو موفق کی یہ ساری بات غلط ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں تاہم قادری صاحب پر حیرت ہے کہ موفق علم شریعت سے مراد احکام کی فقہی ترتیب لے رہا ہے جبکہ قادری صاحب اس عبارت کو اصول حدیث کی تدوین کی دلیل بنا رہے ہیں غالبًا انھوں نے موفق کی پوری عبارت موفق کے حوالہ سے بیان نہیں کی بلکہ اس کی نسبت سیوطی کی طرف کی ہے کیونکہ سیوطی اہل سنت میں معروف ہیں جبکہ موفق معتزلی بھی ہے اور رافضی بھی۔ اس لیے یہاں تدلیس سے کام لیا ہے۔

کیا امام صاحب تابعی ہیں

موصوف لکھتے ہیں:

''ائمہ حدیث اور ائمہ فقہ میں واحد وہ امام ہیں جو تابعین میں سے ہیں اوران کی اکثر روایات براہ راست تابعین سے ہیں۔''

[ص ۲۸]

اولاً: امام صاحب کا کسی معتمد اور معتبر روایت سے تابعی ہونا ثابت نہیں، اس بارے میں جتنی روایات پیش کی جاتی ہیں ان میں اکثر تو موضوع اور من گھڑت ہیں باقی ضعیف اور ناقابل اعتبار ہیں جن کی تحقیق ہم نے داستان حنفیہ میں بیان کی ہے پھر امام صاحب کے اس بیان کی بھی منافی ہیں جو انھوں نے فرمایا:

ما رأیت فیمن رأیت افضل من عطاء.

[میزان ۱/۳۸۰]

''میں نے عطاء سے بہتر کسی شخص کو نہیں دیکھا۔''

اوراس بیان کے خلاف ہیں جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے اکابر میں سے کن کن حضرات کو پایا ہے تو انھوں نے فرمایا: قاسم بن ابی بکر، سالم، طاوس، عکرمہ، مکحول، عبداللہ بن دینار، حسن بصری، عمرو بن دینار، ابوالزبیر، عطاء، قتادہ، ابراہیم نخعی، شعبی، ابوعمرو اور نافع رحمہم اللہ وغیرہم کو پایا ہے۔

[شرح جامع المسانید ص ۹۶]

آپ اس اسماء پر غور کریں ان میں کسی ایک صحابی کا نام نہیں جس سے یہ بداہتہ سامنے آتا ہے کہ امام صاحب نے کسی صحابی سے ملاقات کا اقرار نہیں کیا ان کی ملاقات اگر صحابی سے ہوتی تو سب سے پہلے اس صحابی کا ذکر کرتے اور یہ تو ممکن نہیں کہ امام صاحب عطاء کو صحابہ کرام سے افضل جانتے تھے۔

امام صاحب کی صحابہ کرام سے روایات

موصوف لکھتے ہیں امام صاحب نے ۱۶ روایات صحابہ کرام سے روایت کی ہیں جو آپ کی احادیث (ایک واسطے والی) ہیں۔

[ص ۲۸]

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں احناف اس کا بڑے زور وشور سے پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ امام صاحب نے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے براہ راست احادیث اخذ کی ہیں مگر یہ محض پروپیگنڈہ ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں، اس لیے کہ جب ان کی کسی صحابی سے ملاقات ہی نہیں تو پھر ان سے براہ راست روایت کیسے؟ بعض حضرات کا خیال ہے کہ امام صاحب کو جناب انس رضی اللہ عنہ کی رؤیت تو حاصل ہے مگر روایت نہیں۔ اگر چہ علی التحقیق رؤیت بھی ثابت نہیں تاہم تمام محققین جن میں بعض احناف بھی ہیں کا اتفاق ہے کہ امام صاحب نے کسی صحابی سے براہ راست کوئی حدیث روایت نہیں کی ہے ان کی روایات تابعین سے ہیں ان میں سے بعض میں امام صاحب اور صحابی کے درمیان ایک تابعی کا واسطہ ہے اور بعض میں دو تابعین کا واسطہ ہے اور بعض میں تین راویوں کا واسطہ ہے۔

[مسند امام اعظم ص ۲۴۳ وص ۲۴۶ ج۱]

ان ائمہ نقاد میں سے چند ایک کے ہم یہاں اقوال نقل کرتے ہیں جنھوں نے امام صاحب کی کسی ایک صحابی سے براہ راست روایت کا انکار کیا ہے۔

امام دارقطنی فرماتے ہیں:

''ابوحنیفہ کی کسی ایک صحابی سے ملاقات نہیں مگر انھوں نے انس کو دیکھا ہے اور ان سے کوئی حدیث نہیں سنی۔''

حافظ خطیب بغدادی فرماتے ہیں:

''ابوحنیفہ کا انس سے سماع نہیں ہے۔''

[تبییض الصحیفہ ص ۱۳۱]

ابوحنیفہ کی کسی ایک صحابی سے روایت نہیں ہے۔

[فتح المغیث]

معروف مؤرخ قاضی ابن خلکان فرماتے ہیں:

''اہل نقل کے ہاں یہ ثابت نہیں کہ ابوحنیفہ نے کسی صحابی سے روایت لی ہے''

[وفیات الاعیان ص ۱۶۳]

امام نووی فرماتے ہیں:

''ابوحنیفہ نے کسی صحابی سے روایت نہیں لی۔''

[تہذیب الاسماء ۲/ ۲۱۶]

اور یہی بات حنفی محدث ابن طاہر فرماتے ہیں کہ ان کی کسی ایک صحابی سے روایت ثابت نہیں۔

[تذکرۃ الموضوعات ص ۱۱۱ مجمع البحار ۵/۲۰۱]

امام ابواسحاق شیرازی بھی فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہ نے کسی صحابی سے روایت نہیں لی۔

[طبقات]

اور یہی بات معروف حنفی مورخ شبلی نعمانی نے کہی ہے کہ ابوحنیفہ نے کسی صحابی سے کوئی حدیث نہیں سنی۔

[سیرۃ النعمان ص ۳۲]

ان تمام ائمہ محدثین کے اقوال سے واضح ہے کہ امام صاحب نے براہ راست کسی صحابی سے روایت نہیں کی۔ اس بارے میں جتنی روایات پیش کی جاتی ہیں وہ سب من گھڑت اور کذاب راویوں کی کرشمہ سازہیں۔

تخریج روایات

موصوف نے اپنے اس دعوی کہ امام صاحب کی براہ راست صحابہ کرام سے روایات ہیں کو ثابت کرنے کے لیے بڑی محنت کی ہے جیسا کہ فرماتے ہیں میں نے دو سال تحقیق کی اور احادیث کے تمام دفاتر کو کھنگالا اور ۱۶ ایسی احادیث کی تلاش کی جو احادیث ہیں جن کو امام اعظم نے براہ راست صحابہ کرام سے روایت کیا اور ان احادیث کو میں نے مکمل تحقیق وتخریج کے ساتھ شائع کیا ہے۔

[ص ۲۹]

اپنے دورہ مسلم میں تو انھوں نے ان روایات کی نشاندہی نہیں کی البتہ منہاج السوی میں ان سولہ روایات کو انھوں نے شائع کیا ہے ہم ان روایات پر منہاج السوی کے حوالہ سے ہی اجمالی نقد کرتے ہیں تفصیلی تبصرے کا تو یہ مقالہ متحمل نہیں۔ اس کے لیے ہم ان شاء اللہ الگ کتاب شائع کریں گے۔

موصوف نے یہ سولہ روایات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیان کی ہیں۔ انس رضی اللہ عنہ، سے پانچ، عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ، سے دو، عبداللہ بن جزء رضی اللہ عنہ سے ایک، عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے ایک، عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ، سے دو، عائشہ بنت عجرد رضی اللہ عنہا سے ایک، واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے تین اور عبداللہ بن ابی حبیبہ رضی اللہ عنہ، سے ایک۔

[المنہاج السوی ح ۱۰۴۱ تا ۱۰۶۵]

تبصرہ

جناب انس رضی اللہ عنہ سے پہلی روایت طلب العلم فریضة علی کل مسلم ،موصوف نے اس کی تخریج میں خوارزمی کا حوالہ دیا ہے۔

دوسری روایت الدال علی الخیر کفاعله ہے اس کا حوالہ بھی مسند خوارزمی کا دیا ہے۔

تیسری روایت ان اللہ یحب اغاثة اللھفان ہے جو مسند خوارزمی وغیرہ میں ہے۔

ان تینوں روایتوں کا راوی احمد بن الصلت الحمانی ہے جو کذاب اور وضاع تھا جیسا کہ لسان کے حوالہ سے ہم ذکر کر آئے ہیں جس سے واضح ہے کہ یہ تینوں روایتیں اسی کذاب اور وضاع کی وضع کردہ ہیں۔

چوتھی روایت من تفقه فی دین اللہ موصوف نے اس کا تخریج میں اخبار قزوین کا حوالہ دیا ہے ۔راقم الحروف کے پاس یہ کتاب موجود نہیں جس سے اس کی اسناد کا علم نہیں ہو سکا البتہ یہی روایت ابونعیم نے بطریق عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے جیسا کہ خود موصوف نے اس کی مسند ابی حنیفہ لابی نعیم کے حوالہ سے تخریج کی ہے،علاوہ ازیں یہی روایت مسند خوارزمی ۱/ ۱۸۰، اور تاریخ بغداد ۳/ ۳۲، العلل المتناہیہ ۱/ ۱۲۸ میں ہے، ان تمام میں اس کا راوی وہی حمانی کذاب اور وضاع ہے، امام ابن جوزی العلل میں اس روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں یہ روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح نہیں اور حمانی حدیث وضع کرتا تھا۔

[العلل المتناہیہ ۱/ ۱۲۸]

نوٹ: مسند خوارزمی میں سند اس طرح ہے عن محمد بن احمد بن سماعہ جو تصحیف ہے یا تحریف ہے صحیح احمد بن محمد الحمانی حدثنا محمد بن سماعة القاضی ہے جیسا کہ تاریخ بغداد اور العلل میں ہے غرض یہ بھی روایت اس طریق سے من گھڑت ہے۔

پانچویں روایت من قال لاالہ الا اللہ خالصا مخلصا کے الفاظ سے ہے،اس روایت کو ابوحنیفہ کے حوالہ سے صرف موفق معتزلی رافضی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند کے من گھڑت ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ اسے انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے صرف موفق نے روایت کیا ہے۔

چھٹی روایت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔حبك للشیء یعمی ویصم

موصوف نے اس کا تخریج میں مسند خوارزمی کا حوالہ دیا ہے۔

ساتویں روایت رأیت فی عارضی مکتوبا ثلاثة اسطر اور تخریج میں موفق کا حوالہ دیا ہے ان دونوں روایتوں کے من گھڑت ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ جناب انیس رضی اللہ عنہ، خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ میں ۵۴ھ کو شام میں فوت ہوئے۔[تقریب]

علامہ ابن عابدین حنفی چھٹی روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں اس کی سند میں کئی مجہول راوی ہیں اور عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ ۵۴ھ کو فوت ہوئے تھے۔

[ردالمختار ۱/ ۴۵، معیار الحق بتحقیق ۳۹]

امام صاحب ۸۰ھ کو پیدا ہوئے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ امام صاحب نے اپنے پیدا ہونے سے چھبیس سال پہلے جناب عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے علم حاصل کیا تھا، قادری صاحب کے سلسلہ میں تو ایسا ہونا ممکن ہے اس لیے کہ وہ تصوف کے سلسلہ کے ساتھ منسلک ہیں اور اس سلسلہ میں ہر ناممکن بھی ممکن ہوتا ہے خواہ اہل بصیرت کے ہاں اس کا کچھ وزن بھی نہ ہو۔

آٹھویں اور نویں روایت عبداللہ بن جزء کی طرف منسوب ہے کہ من تفقه فی الدین.

آٹھویں کی تخریج خوارزمی سے کی ہے اور نویں کی تخریج میں موفق کا حوالہ دیا ہے، آٹھویں روایت چوتھی روایت کا حصہ ہے، جس کا من گھڑت ہونا.... اس کے ضمن میں ذکر کر آئے ہیں۔ کہ اس کا راوی حمانی کذاب ہے مسند ابی نعیم میں یہ روایت محمد بن عمر بن سلم (الجعابی) کے طریق سے ہے جو مختلط تارک صلوۃ بے دین، شراب نوش تھا اس نے صرف امام خلیل کی طرف خود ساختہ اسانید سے ایسی بیس احادیث منسوب کی تھیں جن کا کوئی اصل نہیں۔

[لسان ۵/ ۳۲۳ تفصیل از لمحات ۱/ ۸۷ میں ملاحظہ کریں]

پھر اس روایت کے من گھڑت ہونے کی واضح دلیل یہ ہے کہ اس روایت میں ہے کہ امام صاحب فرماتے ہیں میں نے ۹۶ھ میں حج کیا تو ان سے یہ حدیث سنی جبکہ جناب عبداللہ بن حارث الزبیدی ۸۶ھ کو فوت ہو گئے تھے تو کیا امام صاحب نے ان سے یہ حدیث ان کی وفات کے دس سال بعد سنی تھی کیا خوب ہے۔

دسویں گیارہویں روایت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہیں۔

دسویں روایت من بنی الله مسجدا ولو کمفحص قطاة ہے اور اس کی تخریج مسند خوارزمی سے کی ہے، امام صاحب کا ابن ابی اوفی سے سماع ثابت نہیں، امام ذہبی فرماتے ہیں ابن ابی

اوفی ۸۶ھ کوفوت ہوئے۔

[الکاشف ۲/ ۶۵]

اس وقت امام صاحب کی عمر بمشکل ۶ سال تھی، امام خطیب تبریزی فرماتے ہیں ابوحنیفہ کے ایام میں ابن ابی اوفی موجود تھے لیکن امام صاحب کی ان سے ملاقات نہیں ہے۔

[الاکمال ملحقہ مشکوۃ ص ۶۲۸]

یہی وجہ ہے کہ احناف کو بھی اقرار ہے:

ان کل سند فیه انه سمع من صحابی لایخلو من کذاب.

[ردالمختار ۱/ ۴۴]

''ہر سند جس میں یہ ہے کہ ابوحنیفہ نے کسی صحابی سے سنا ہے وہ کذاب راویوں سے خالی نہیں ہے۔''

بارہویں روایت عائشہ بنت عجرد کی طرف منسوب کی ہے جو صحابیہ نہیں بلکہ تابعیہ ہیں اور باعتبار روایت مجہول ہیں۔

[معیارالحق ص ۴۰]

اس روایت کو امام صاحب کی احادیث میں شامل کرنا موصوف کی رجال کے فن سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہے۔

روایت نمبر ۱۳ ہے لاتظهرن شماتة لاخیك ہے موصوف نے اس کی تخریج مسند خوارزمی سے کی ہے اور روایت نمبر ۱۴ ادع ما یریبك الی مالا یریبك ہے اور تخریج میں تبییض الصحیفہ کا حوالہ دیا ہے اور روایت نمبر ۱۵ لایظن احد کم ہے تخریج میں موفق کا حوالہ دیا ہے اور تینوں روایات جناب واثلہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہیں اور تینوں ہی میں ہے کہ امام صاحب فرماتے ہیں سمعت واثلة، میں نے واثلہ سے سنا۔ حالانکہ امام صاحب کا جناب واثلہ سے سماع ممکن نہیں، اس لیے کہ جناب واثلہ ۸۵ھ کو شام میں فوت ہوئے تھے۔

[الکاشف والتقریب]

اس وقت امام صاحب کی عمر صرف ۵ سال تھی اور یہ ثابت نہیں کہ جناب واثلہ اس دوران عراق تشریف لائے ہوں یا امام صاحب پانچ سال کی عمر میں شام گئے ہوں اور وہاں جناب واثلہ سے ملاقات کی ہو، یہی وجہ ہے کہ کسی ناقد محدث یا اخباری نے یہ ذکر نہیں کیا کہ امام صاحب کی واثلہ سے

ملاقات ہوئی ہے۔

سولہویں روایت امام صاحب کی بواسطہ عبداللہ بن ابی حبیبہ جناب ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے تخریج میں موصوف نے کتاب الآثار کا حوالہ دیا ہے۔

اولاً: تو عبداللہ بن ابی حبیبہ کو بعض نے صحابہ میں شامل کیا ہے مگر وہ درست معلوم نہیں ہوتا اس لیے کہ جس روایت کی بنا پر انھیں صحابی تسلیم کیا جاتا ہے وہ روایت سنداً ضعیف ہے۔ ان کی براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف وہی ایک روایت ہے جو مسند احمد میں تین مقام پر آئی ہے ایک سند میں ایک مبہم راوی ہے، دوسری سند میں انقطاع ہے اور تیسری میں مجہول راوی ہے۔

ثانیاً: حافظ ابن حجر نے لکھا:

روى عنه بكير بن عبدالله بن الأشج و مالك.

[تعجیل ۱/۷۳۱]

''ان سے بکیر بن عبداللہ اور امام مالک نے روایت کی ہے۔''

یہ تو معروف ہے کہ امام مالک کی کسی صحابی سے براہ راست کوئی روایت نہیں اور یہی قادری صاحب کی تحقیق ہے۔

[منہاج ص ۲۸]

اسی طرح بکیر بن عبداللہ بن اشج کا بھی کسی صحابی سے سماع نہیں۔

امام حاکم فرماتے ہیں:

لم يصح سماعه من الصحابة وقال ان رواياته من التابعين.

[علوم الحدیث]

''ان کا کسی صحابی سے سماع نہیں ان کی روایات تابعین سے ہیں۔''

ابن حبان نے بھی ان کو اتباع تابعین میں شامل کیا ہے جس سے واضح ہے کہ عبداللہ بن ابی حبیبہ صحابی نہیں، بلکہ تابعی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام صاحب کی اس روایت کو احناف نے بھی براہ راست صحابہ کی روایت میں شامل نہیں کیا۔ اگر عبداللہ بن ابی حبیبہ کو صحابی تسلیم کر بھی لیا جائے تو ان سے مروی یہ روایت ثابت نہیں، اس لیے کہ یہ روایت صرف کتاب الآثار میں ہے۔ بقول عقود الجمان کے مؤلف کے یہ کتاب امام ابو یوسف کی نہیں۔

چنانچہ علامہ رئیس ندوی لکھتے ہیں کہ بتصریح عقود الجمان یہ مسند امام ابو یوسف کی تصنیف ہونے

کے بجائے تخریج بعض المحدثین ہے یعنی کسی محدث نے امام صاحب کی طرف منسوب شدہ امام ابو یوسف کی روایت کردہ احادیث وآثار کو کتابی شکل دے دی ہے، ورنہ یہ امام ابو یوسف کی تصنیف نہیں ہے عقود الجمان کو عام احناف بہت معتبر کتاب مانتے ہیں۔

[لمحات ۴/ ۳۰۷]

گویا کہ یہ کتاب بعض مجہول حضرات کی جمع کردہ ہے جو قابل احتجاج نہیں۔

یہ ہے احادیث ابی حنیفہ کی حقیقت جن کے جمع کرنے پر قادری صاحب کو دو سال محنت شاقہ سے گزرنا پڑا۔ مگر وہ امام صاحب کے طریق کوئی ایک صحیح حدیث ثابت نہیں کر سکے۔ جو محنت شاقہ سے جمع کی ہیں وہ سب کی سب مکذوبہ اور من گھڑت ہیں اگرچہ ان میں بعض دیگر راویوں کی اسناد سے پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہیں مگر ان میں امام صاحب کی کسی ایک روایت کا دخل نہیں، الغرض جن ائمہ کی یہ تحقیق ہے کہ امام صاحب کی براہ راست کسی صحابی سے کوئی حدیث مروی نہیں ان کی تحقیق بالکل درست اور قابل داد ہے۔ اس بارے میں جتنی روایات بطریق ابی حنیفہ پیش کی جاتی ہیں وہ سب مکذوبہ ہیں جیسا کہ ہم ردالمختار کے حوالہ سے ذکر کر آئے ہیں کہ ہر وہ سند جس میں بھی یہ ہے کہ ابوحنیفہ نے کسی ایک صحابی سے سنا ہے وہ کذاب راوی سے خالی نہیں ہے۔

امام مالک کی تابعین سے روایات

قادری صاحب امام ابوحنیفہ کی سلسلہ روایت میں امام مالک پر برتری یوں ثابت کرتے ہیں ''امام ابوحنیفہ کی براہ راست صحابہ اور تابعین سے بکثرت روایات موجود ہیں، امام مالک کے پاس تابعی سے روایت کردہ احادیث صرف دو یا تین ہیں۔

[منہاج ص ۲۸، ۳۰]

موصوف یوں تو صحیح مسلم کا دورہ کرا رہے ہیں جو حدیث میں اعلی طبقہ کی کتاب ہے مگر علم حدیث کے بارے میں ان کے انکشاف انوکھے اور حیرت انگیز ہیں جو ایک مبتدی کی علمی سطح سے بالا نہیں ہیں۔ صحیح مسلم کے دورہ کا مطلب ہے کہ صحیح مسلم کے بارے میں معلومات فراہم کی جائیں مگر موصوف کا دورہ اس لحاظ سے بڑا انوکھا ہے کہ ساری گفتگو فقہ حنفی کے بارے میں فرما رہے ہیں صحیح مسلم سے جس کا کوئی تعلق نہیں بلکہ مقصد یوں سامنے آرہا ہے کہ فقہاء احناف کی اکابر محدثین پر برتری ثابت کرنا ہے۔ موصوف کا یہ کہنا کہ امام مالک سے ثنائی روایات صرف دو یا تین ہیں یا تو اعلی درجہ کا جھوٹ اور کتمان حق

ہے یا پھر امام مالک کے بارے میں معلومات نہ ہونے کی بنا پر انھوں نے ایسا فرمایا ہے مگر حقیقت اس کے بالکل مختلف ہے۔ اس لیے کہ امام مالک کے شیوخ کی تعداد دوصد کے برابر ہے جن میں امام زہری ہیں جن سے امام مالک نے موطا میں ۱۳۲ احادیث روایت کی ہیں۔

[مقدمہ موطا امام قعنبی ص ۷]

ابن عبدالبر فرماتے ہیں ان میں ۹۲ متصل مسند ہیں اور باقی منقطع مرسل ہیں انس رضی اللہ عنہ سے پانچ مسند ہیں۔

[التمہید ۱/۱۱۴]

یہ تو صرف انس رضی اللہ عنہ کے طریق سے ہیں جن میں امام مالک اور انس رضی اللہ عنہ کے درمیان صرف امام زہری کا واسطہ ہے جن دیگر صحابہ سے امام زہری نے براہ راست احادیث کی روایت کی ہے وہ ان کے علاوہ ہیں۔ امام مالک کے دوسرے شیخ نافع ہیں، ابن عبدالبر فرماتے ہیں: امام مالک نے ان سے موطا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ۱۸۰ احادیث روایت کی ہیں۔

[التمہید ۱۳/۲۳۹]

جن میں بہت سی احادیث ہیں جو نافع نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے براہ راست روایت کی ہے جن میں امام مالک اور ابن عمر کے درمیان صرف نافع کا واسطہ ہے تیسرے عبداللہ بن دینار ہیں امام مالک نے ان سے براہ راست ۲۶ مرفوع احادیث لی ہیں۔

[التمہید ۱۶/۳۳۱]

اگر اسی طرح امام مالک کے وہ تمام شیوخ جنھوں نے براہ راست صحابہ کرام سے احادیث روایت کی ہیں اور ان میں کوئی دوسرا واسطہ نہیں وہ سو سے زائد ہی ہوگی صرف موَطا قعنبی جو مختصر سی کتاب ہے میں ایسی احادیث کی تعداد ۳۲ ہے موطا یحییٰ بن یحییٰ اور موطا محمد میں ایسی احادیث کی تعداد اس سے کئی گناہ زیادہ بڑھ سکتی ہے۔ رہی کتب ستہ اور دیگر کتب جیسا کہ مسند احمد اور مسند شافعی ہے اگر ان تمام میں امام مالک کی ثنائی روایات کو جمع کیا جائے تو تعداد اس سے بھی کئی گناہ بڑھ جائے گی جس کا انکار ایک صریح حقیقت کا انکار ہے۔ اگر موصوف صحیح مسلم سے ہی امام مالک کی روایات کی تتبع کر لیتے تو شاید ایسی بات تحریر نہ کرتے۔

امام صاحب کی سند کا حکم

موصوف لکھتے ہیں ائمہ حدیث کی پوری تاریخ میں صرف امام ابوحنیفہ واحد شخص ہیں ان کی سند کو پرکھنے کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ جس دور میں وضع حدیث کا فتنہ پیدا ہوا تو یہ تابعین کے دور کے بعد کی بات ہے۔ [ص ۳۰ ملخصاً]

مزید فرماتے ہیں: اگر کوئی حدیث تابعی تک ثابت ہوگئی اور نیچے سند میں کوئی خرابی نہ تھی تو اس حدیث کو بھی صحیح حدیث کے درجہ میں شمار کیا جاتا، سند میں نچلی سطح پر خرابی اوروں کے لیے تو امکان ہوسکتا ہے مگر امام اعظم کے باب میں نیچے کی سند ہے ہی نہیں۔

[ص ۲۹]

موصوف کی یہ تمام باتیں هباء منثورا سے زیادہ وزن نہیں رکھتیں۔ جو حقیت کے بالکل منافی ہیں بلکہ شاہد عدل ہیں کہ موصوف علم حدیث کے ابجد سے بھی واقف نہیں ہیں یا پھر موصوف کا یہ دعوی محض فریب ہے جس کا قائل ان سے پہلے کوئی نہیں ہوا گویا کہ یہ ان کی علم حدیث میں نئی ایجاد ہے جو حیرت انگیز ہونے کے ساتھ مضحکہ خیز بھی ہے۔

اولاً: تو معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کو یہ بھی علم نہیں کہ وضع حدیث کا آغاز کب ہوا۔

ثانیاً: حدیث کی عدم قبولیت کے لیے راوی کا صرف کذاب ہونا ہی کافی نہیں بلکہ اس کے دیگر وجوہ اوراسباب بھی ہیں یوں تو موصوف صحیح مسلم کے دورہ کے نام پر اس قسم کی حیرت انگیزیاں بکھیر رہے جن سے موصوف کا اس مبارک علم میں قد وکاٹھ نمایاں ہو رہا ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے صحیح کے مقدمہ پر عمل نہیں کیا، امام مسلم نے بعض ان رواۃ کا نام لے کر ذکر کیا ہے جن کی روایت قابل قبول نہیں، جن میں یحییٰ بن ابی انیسہ، جراح بن منہال، عباد بن کثیر، حارث الاعور، مغیرہ بن سعید، ابوعبدالرحیم، جابر جعفی، ابوداود الاعمی، عمرو بن عبید اور دیگر بہت سے راوی ہیں جو تابعی تھے جن میں بعض کذاب اور اور بعض متروک ہیں اور ان میں بعض امام صاحب کے استاد بھی ہیں جیسا کہ جراح بن منہال، جابر جعفی اور عمرو بن عبید ہیں یہ تینوں ہی کذاب تھے مگر امام صاحب نے ان سے روایات لی ہیں۔ اگر موصوف صرف میزان الاعتدال اور المغنی کا مطالعہ فرمالیں تو ان پر واضح ہو جائے گا کہ تابعین خصوصاً امام صاحب کے اساتذہ میں بھی ایسے متعدد راوی ہیں جو بلاشبہ متروک، کذاب بلکہ وضاع ہیں لہٰذا موصوف کا کہنا یہ کہ امام صاحب کی سند کی پرکھ کرنے کی ضرورت نہیں بالکل غلط اور حقائق کے منافی ہے اس لیے کہ جن حضرات نے امام صاحب کی روایات کی پرکھ کی ہے انھوں نے معاملہ کو موصوف کے موقف کے برعکس پایا ہے۔

تفصیل کے لیے کتاب المجروحین ج ۳ ملاحظہ فرمائیں۔

امام صاحب کے تلامذہ

موصوف کا یہ فرمایا کہ امام صاحب کے باب میں یہ نیچے سند ہے ہی نہیں صریحاً تاریخ حدیث سے نادانی کا ثبوت ہے یہ تو تب ممکن تھا جب امام صاحب کی کوئی ذاتی تصنیف ہوتی حالانکہ یہ تو معلوم ہی ہے کہ امام صاحب کی خصوصاً حدیث میں کوئی ذاتی تصنیف نہیں ہے اگر ان کی ذاتی تصنیف ہوتی تو مسند خوارزمی لکھنے کی ضرورت پیش نہ آتی کتاب الآثار ابی یوسف کے محقق علامہ ابوالوفاء حنفی لکھتے ہیں:

لم یصنف الامام الاعظم کتابا فی الاخبار و الآثار.

[کتاب الآثار مقدمہ ص ۳]

''امام اعظم ابوحنیفہ نے حدیث اور آثار میں کوئی کتاب نہیں لکھی۔''

امام صاحب سے جو روایات مروی ہیں ظاہر ہے وہ ان سے ان کے تلامذہ نے روایت کی ہیں اولاً تو امام صاحب کو اپنی روایات پر خود اعتماد نہیں تھا جیسا کہ قاضی ابو یوسف سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:

لاترو عنی شیئا فانی و اللہ لا ادری ا مخطیء انا ام مصیب.

[کتاب السنہ لعبداللہ بن احمد بن حنبل ۱/ ۲۲۶ تاریخ بغداد ۱۳/ ۲۴۴]

''مجھ سے کچھ روایت نہ کیا کرو مجھے علم نہیں کہ میں خطا پر ہوں یا صواب (درستی) پر ہوں ۔''

اور فرماتے ہیں:

عامة ما احدثکم به خطا. [تاریخ بغداد ۱۳/ ۴۲۵]

''میں تم سے جو بیان کرتا ہوں وہ عموماً خطا ہوتا ہے۔''

پھر آپ کے تلامذہ میں سب سے مقدم قاضی ابو یوسف کو سمجھا جاتا ہے ان کے بارہ میں امام صاحب فرماتے ہیں:

الا تعجبون من یعقوب یقول علی ما لا اقول.

[تاریخ صغیر ۲۲۰، الکامل ابن عدی]

''تم یعقوب (ابو یوسف) سے تعجب نہیں کرتے ہو یہ مجھ پر وہ کہتا ہے جو میں نہیں کہتا''

دوسرے اہم شاگرد محمد بن حسن ہیں، نقاد محدثین بلکہ خود قاضی ابو یوسف نے بھی ان کو کذاب کہا ہے۔

[تاریخ بغداد کتاب المجروحین والکامل وغیرہ]

تیسرے حسن بن زیاد لولوی ہیں وہ بھی محدثین کے نزدیک کذاب ہیں۔

[لسان ۲/۲۰۸]

چوتھے ابو مطیع ہیں جو حدیث وضع کرتا تھا۔

[میزان ولسان]

اسی طرح خالد بلخی، حبان بن علی، حماد بن ابی حنیفہ اور مندل بن علی وغیرہ ہیں جو تمام روایت حدیث میں ضعیف تھے تفصیل کے لیے داستان حنفیہ ملاحظہ کریں۔ الغرض موصوف کا یہ کہنا کہ امام صاحب کے نیچے سند نہیں، قطعاً غلط ہے نیچے سند موجود ہے لیکن یہ اتفاق ہی سمجھیے کہ ان سے ثقہ راوی روایت کرنے والے کم ہیں اور ضعیف وکذاب راوی زیادہ ہیں۔

وضع حدیث کی ابتدا

موصوف نے یہ بھی انکشاف فرمایا ہے کہ وضع حدیث کا فتنہ تابعین کے دور کے بعد کا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ جس دور میں یہ غلط کاری فتنہ وضع حدیث کا آغاز ہوا، یہ تابعین کے دور کے بعد کی بات ہے نیز فرماتے ہیں امام اعظم جس زمانے میں ہوئے اس زمانے میں فتنہ وضع حدیث پیدا نہ ہوا تھا ۔تیسرے مقام پر فرماتے ہیں امام اعظم اس دور میں پیدا ہوئے جب یہ فتنہ نہیں پھیلا تھا۔

[ص ۳۰-۳۱]

معلوم ہوتا ہے کہ موصوف فتنہ وضع حدیث کی تاریخ سے ناواقف ہیں یا پھر عمداً ایک تاریخی حقیقت کا انکار کر رہے ہیں یہ حدیث کے کسی طالبعلم سے مخفی نہیں کہ وضع کا آغاز شہادت علی رضی اللہ عنہ کے بعد ہو چکا تھا۔ سبائی ٹولہ وضع کا مرتکب ہے، وہ سیاسی مقاصد کے تحت فضائل علی کے باب میں حدیثیں وضع کرتے تھے۔ بلاشبہ یہ فتنہ تابعین کے دور میں عروج پکڑ چکا تھا جیسا کہ موصوف کی خود تحریر سے بھی معلوم ہوتا ہے، چنانچہ امام ابن سیرین کا قول نقل کرتے ہیں کہ جب وضع حدیث کا فتنہ پیدا ہوا تو ہم ان سے کہتے کہ اپنے رجال (سند) بیان کرو پھر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں سند کے متعلق تحقیق کرنے کا آغاز فتنہ وضع حدیث کے بعد ہوا۔ [ص ۳۱]

اس سے ظاہر ہے کہ ابن سیرین کے دور میں ایسے لوگ موجود تھے جو وضع حدیث کا ارتکاب کرتے تھے امام ابن سیرین ۱۱۰ھ کو فوت ہوئے تھے۔ [تقریب]

امام ابن سیرین کا دور امام ابوحنیفہ کے دور سے کچھ پہلے کا ہے جب ابن سیرین فوت ہوئے تھے امام صاحب ابھی زیر تعلیم تھے کیونکہ امام صاحب بقول احناف ۱۲۱ھ کو مسند افتاء پر فیض یاب ہوئے تھے۔

[تاریخ الفقہ از صارم]

امام حمد بن سلمہ فرماتے ہیں: مجھے رافضیوں کے ایک شیخ نے بتایا:

كانوا يجتمعون على وضع الحديث.

[ضعیف اور موضوع روایات طبع ثانی ص ۳۶]

ان کے اس قول سے واضح ہوتا ہے کہ امام صاحب کے دور میں وضع حدیث کا دھندہ اپنے عروج پر تھا۔ اسماء الرجال کی کتب کے مطالعہ سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ امام صاحب کے شیوخ، معاصر اور اقران میں بہت سے ایسے لوگ موجود تھے جن کو محدثین نے کذاب کہا ہے اور وہ فی الحقیقت وضع حدیث کے مرتکب تھے جن میں چند ایک یہ ہیں:

ابوعبدالرحیم، مغیرہ بن سعید، ابوداود نخعی، محمد بن سعید المصلوب، وہب بن وہب، محمد بن السائب کلبی، اسحاق الملطی، غیاث بن ابراہیم النخعی، ابوصالح باذام، ابان بن عیاش، جابر بن یزید الجعفی، ابوالمعطوف الجراح بن منہال، نصر بن طریف، عطاء بن عجلان بصری، عمرو بن عبید، محمد بن زبیر وغیرہم ہیں۔ ان میں اکثر امام صاحب کے شیوخ ہیں یہ تمام حضرات محدثین کی تحقیق میں کذاب تھے ان میں بعض تو وہ ہیں جنھوں نے وضع کا خود اقرار کیا ہے اور جابر جعفی کے بارہ میں امام صاحب نے خود فرمایا ہے:

ما رأيت اكذب من جابر الجعفي ما أتيته بشيء الا جاء ني فيه بحديث. [میزان ۱/ ۳۸۰]

''میں نے جابر جعفی سے کوئی بڑا کذاب نہیں دیکھا اس کے پاس کوئی شیء نہیں لے کر آیا مگر اس نے مجھے اس بارہ میں حدیث بیان کردی۔''

امام صاحب کے اس بیان کے بعد تو قادری صاحب پر واضح ہو جانا چاہیے کہ میرا یہ مفروضہ کہ

وضع حدیث کا فتنہ امام صاحب کے بعد پیدا ہوا ہے نصوص اور دلائل کے لحاظ سے غلط ہے۔

رجماً بالغیب

موصوف لکھتے ہیں:

''امام اعظم نے جو جو احادیث روایت کیں اور احکام فقہ مرتب فرمائے اس میں تحقیق کر لی اور کہیں کہیں حسب ضرورت ان احکامات کی بنیاد ان اصولوں پر رکھ دی مثلاً رفع یدین اور ترک رفع یدین کی احادیث ہمیں کتب حدیث میں ملتی ہیں کہ ابتداء افتتاح نماز کے علاوہ رفع یدین حضور سے ثابت ہے اور نہ کرنا بھی ثبوت ہے۔ امام اعظم نے ترک رفع یدین کی احادیث لیں اور رفع یدین کی احادیث چھوڑ دیں تو یہ اصول حدیث کی بنیاد پر کیا اس لیے کہ انھوں نے اصول وضع کیے تھے کہ کون سی احادیث ناسخ ہیں اور کون سی احادیث منسوخ۔''

[منہاج ص ۳۱]

ویسے تو موصوف کا دورہ ہی عجوبات کی قسم سے ہے مگر یہاں تو موصوف نے تاریخ سازی میں کمال ہی کر دیا ہے امام صاحب نے ترک رفع یدین کی احادیث لیں اور رفع یدین کی احادیث چھوڑ دیں تو یہ انھوں نے ایسے کیوں کیا تو اس کا جواب یہ مرحمت فرمایا کہ انھوں نے یہ اصول حدیث کی بنیاد پر کیا اس لیے کہ انھوں نے اصول وضع کیے تھے کہ کونسی حدیث ناسخ ہے اور کون سے احادیث منسوخ۔

[ص ۳۲]

اولاً: تو محدثین کرام کے ہاں رفع یدین کرنے یا نہ کرنے کا مسئلہ، ناسخ منسوخ سے نہیں ہے سب سے پہلے رفع یدین کے نسخ کا دعوی طحاوی نے کیا ہے حالانکہ ان کا یہ دعوی بالکل اصول کے خلاف تھا اس لیے کہ رفع یدین کرنے کی احادیث مرفوع متواتر ہیں اور جس روایت کی وجہ سے ان متواتر احادیث کے نسخ کا دعوی کیا ہے وہ ابن عمر کا عمل ہے جو سنداً ضعیف ہونے کی وجہ سے ان سے ثابت ہی نہیں، اس لیے کہ اس کی سند میں ایک مختلط راوی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابن معین نے اس روایت کو وہم قرار دیا ہے جس کا کوئی اصل نہیں۔ اولاً: تو موقف مرفوع کی ناسخ نہیں ہوسکتی۔ ثانیاً: ضعیف السند متواتر کی ناسخ نہیں ہوسکتی۔ ثالثاً: امام صاحب نے ناسخ منسوخ کے کوئی اصول وضع نہیں کیے۔ یہ موصوف کی اس باب میں لاعلمی کا نتیجہ ہے حالانکہ کسی ایک فقیہ یا محدث نے ایسا دعوی نہیں کیا کہ امام

صاحب نے اثبات رفع یدین کو منسوخ ہونے کی وجہ سے ترک کیا ہے، موصوف اس دعوی میں اپنا کوئی سلف نہیں رکھتے۔ لہٰذا موصوف کا یہ فرمانا کہ امام صاحب نے اثبات رفع یدین کی احادیث کو منسوخ ہونے کی وجہ سے ترک کیا ہے محض غلط ہے ترک کی موصوف کو کوئی اور وجہ تلاش کرنی چاہیے۔

موصوف لکھتے ہیں:

''امام شافعی گھوڑے پر سوار ہو کر سفر کرتے اور امام احمد بن حنبل رکاب پکڑ کر ان کے گھوڑے کے ساتھ پیدل چلتے اور امام شافعی جب بغداد آتے تو اپنے شاگرد امام احمد کے گھر رہتے تو اس موقع پر امام احمد شیخ (شافعی) کی تعظیم وتکریم کے لیے دن رات حاضر خدمت رہتے اس دور کے امام یحییٰ بن معین اور دیگر اصحاب امام احمد بن حنبل کو طعنے دیتے کہ ہمارا حلقہ چھوڑ کر ایک دیہاتی کے ساتھ وابستہ ہو گئے ہو امام احمد فرماتے نہیں کیا خبر کہ میں نے امام محمد بن ادریس شافعی میں کیا پایا ہے۔''

[جولائی ۲۰۰۸ص ۳۱]

اس میں کوئی شک نہیں کہ امام احمد امام شافعی کا نتہائی احترام کرتے تھے ایک بار ایسے بھی ہوا کہ امام شافعی خچر پر سوار تھے اور امام احمد پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔

[سیر اعلام النبلاء]

اور امام احمد فرماتے ہیں: صاحب حديث لا يشبع من كتب الشافعي [ایضاص ۵۷] کوئی اہلحدیث شافعی کی کتابوں سے مستغنی نہیں ہوسکتا مگر جو موصوف نے ذکر کیا ہے کہ ائمہ حدیث نے امام شافعی کو دیہاتی کہا تھا اس کا راقم کو کوئی ماخذ نہیں ملا اور نہ ہی موصوف قادری صاحب نے اس کا کوئی حوالہ دیا ہے کہ اس کی تحقیق کی جاسکے دیہاتی ہونا علم وورع کے منافی نہیں۔ لاتعداد صحابہ کرام دیہات سے منسلک تھے مگر کسی کو دیہاتی کہنا دراصل احناف کے نزدیک تنقیص ہے جیسا کہ رفع یدین کے باب میں صحابی رسول وائل کو دیہاتی کا طعنہ دے کر ان سے مروی صحیح احادیث کا انکار کرتے ہیں:

هو اعرابی لا يعرف شرائع الاسلام.

[جامع المسانید ا/ ۳۵۸]

وہ اعرابی تھا (دیہاتی تھا) جو اسلام کے شرائع نہیں جانتا تھا۔

یوں تو احناف کا امام شافعی کے بارے میں ظاہراً رویہ ادب واحترام والا ہی ہے مگر جب موقعہ ہاتھ آئے تو تنقیص میں کوئی کمی نہیں کرتے ان کی وضع کردہ روایت:

یکون فی امتی رجل ینالہ محمد بن ادریس الشافعی اضر علی التی ابلیس.

[اللآلی المصنوعۃ ص ۲۸۰]

بھی تنقیص شافعی کی کڑی ہے اور امام شافعی کو بدعتی قرار دینا بھی ان کا تعصب کا ہی حصہ ہے اگر قادری صاحب نے بلاحوالہ امام شافعی کو دیہاتی کہہ کر تنقیص کے موقعہ کو ضائع نہیں کیا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں مگر امام شافعی دیہاتی نہیں تھے بلکہ حضری اور شہری تھے آپ غزہ میں پیدا ہوئے اور غزہ فلسطین کا معروف شہر ہے کوئی دیہات نہیں۔

امام ذہبی فرماتے ہیں:

''غزہ میں پیدا ہوئے جب یہ دو سال کے ہوئے تو یتیم ہو گئے اور ان کی والدہ محترمہ ان کو مکہ مکرمہ لے آئیں وہیں ان کی پرورش ہوئی پھر ان کی تعلیم وتربیت مکہ میں ہوئی ابھی عمر بیس سال سے کچھ زیادہ ہوئی تو امام مالک سے موطا پڑھا اور انھیں زبانی یاد کر کے سنا دیا۔''

[سیر اعلام النبلاء ۱۰/ص ۶، ۷، ۱۰]

جس سے واضح ہے کہ امام شافعی کی اصل تربیت حرمین میں ہوئی امام شافعی کسی طرح بھی دیہاتی نہ تھے دیہاتی کی پھبتی دراصل تنقیص کے طور پر ہے۔

ائمہ کا اپنے مذاہب متعارف کرانا

موصوف لکھتے ہیں:

''امام شافعی امام مالک کے لاڈلے شاگرد ہیں امام مالک سے بے پناہ محبت وعقیدت رکھتے تھے مگر اپنی فقہ شافعی الگ بنالی فقہ مالک کو اختیار نہ کیا۔''

امام احمد بن حنبل کے بارے میں لکھتے ہیں پس ادب تعظیم وتکریم کا یہ عالم تھا کہ گھوڑے کی رکاب پکڑ کر ساتھ دوڑتے ہیں مگر شافعی نہیں ہوئے اپنا الگ مذہب متعارف کروایا اور فقہ حنبلی وجود میں لائے۔ [ص ۳۱]

موصوف کے صحیحین کے دوروں سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آتی ہے کہ فقہاء کو متشارع سمجھتے ہیں اور پورا زور صرف کر رہے ہیں کہ ائمہ اربعہ جن کی طرف یہ مذاہب منسوب ہیں ان ہی ائمہ کے ایجاد کیے

ہوئے ہیں اور یہی ان کے بانی ہیں مگر یہ بات حقیقت کے سراسر خلاف ہے ان ائمہ کرام میں سے کسی ایک نے بھی اپنے مذہب کی بنیاد نہیں رکھی بلکہ یہ چاروں ائمہ ہی لوگوں کو اپنی تقلید سے منع کرتے رہے جس کی تفصیل ہم نے ''مقلدین ائمہ کی عدالت میں'' دی ہے اپنی تقلید سے منع کرنے کا یہی مطلب ہے کہ ہمارے اقوال کو مذہب نہ بناؤ اگر انھوں نے الگ اپنے مذہب بناتے ہوتے تو اپنے اقوال کو دوسروں پر حجت باور کرانا ہوتا تو لوگوں کو تقلید سے منع نہ کرتے امام شافع فرماتے ہیں:

اذا وجدتم فی کتابی خلاف سنة رسول الله ﷺ فقولوا بسنة رسول الله ﷺ ودعوا ما قلت.

[مناقب الشافعی للبیہقی ۱/۴۷۲ وسیر ۲/ ۷۸]

''جب تم میری کسی کتاب میں سنت رسول کے خلاف بات پاؤ تو سنت پر عمل کرو اور میری بات کو چھوڑ دو۔''

امام احمد فرماتے ہیں:

لاتقلدونی ولا تقلدن مالکا ولا الاوزاعی ولا النخعی وخذ الاحکام من حیث اخذوا من الکتاب والسنة.

[مقلدین ائمہ کی عدالت میں ص ۱۱۷]

''تم نہ میری تقلید کرو اور نہ مالک کی اور نہ اوزاعی کی اور نہ نخعی کی تم بھی احکام وہاں سے پکڑو، حاصل کرو جہاں سے انھوں نے یعنی کتاب وسنت سے حاصل کیے۔''

کیا ان فرامین کے ہوتے ہوئے یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ امام شافعی یا امام احمد نے اپنے الگ الگ مذاہب قائم کیے ہوں پس یہی حقیقت ہے کہ یہ اپنے الگ مذاہب قائم کرنے کے بجائے صرف کتاب وسنت کی اتباع کا حکم دیتے تھے یہ مذاہب تو ان کے بعد والوں نے وضع کر کے منسوب ان کی طرف کر دیے ہیں۔

قادری صاحب کا تعارف

قادری صاحب نے اپنے مذہب کا نسبتی تعارف کیوں کرایا ہے کہ میں طریقت میں قادری ہوں مزاج میں تمام طرق میرے اندر ہیں قادریت تو ہے ہی مگر چشتیت بھی ہے نقشبندیت بھی ہے رفاعیت بھی ہے اور شاذلیت بھی ہے مگر اپنے سلسلہ میں قادری ہوں

حضور غوث الاعظم کا سگ (کتا) ہوں سب ان کا فیض ہے ان کی اتنی خیرات عطا ہے
کہ آپ کو بتا نہیں سکتا انھی کی خیرات پر پلتا ہوں اور چلتا پھرتا ہوں۔''

[جولائی ص ۳۱]

یہ ہے موصوف کا مذہبی تعارف کہ ان کا سلاسل صوفیاء میں سے ہر ایک میں کچھ نہ کچھ حصہ موجود ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ موصوف **لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم** کے بجائے سگ قادری ہیں۔ ہمیں برصغیر کے ان عاشقین پر تعجب آتا ہے کہ یہ ان کو انسان بننے کے بجائے سگ بننا کیوں زیادہ محبوب ہے؟ اس لیے جب انسان ان مصنوعی سلاسل سے اپنا ناطہ جوڑتا ہے تو توحید سے محروم ہو جاتا ہے پھر واقعتاً یہ **اولئك كالانعام بل هم اضل** کے درجہ پر گر جاتا ہے کیا ائمہ سلف صحابہ کرام یا تابعین عظام یا پھر ائمہ اربعہ نے بھی کبھی فرط عقیدت میں آکر خود کو سگ دربار محمد کہا تھا قطعاً نہیں اس لیے کہ ان میں اسلامی تعلیم کا شعور اجاگر تھا وہ ایسی لغویات کے قریب نہیں جاتے تھے کہ خود کو درجہ انسان سے تنزل کر کے سگ کہلائیں خیر القرون کے لوگ ایسی نسبتوں سے بالکل پاک تھے۔

رہی صوفیا عظام کی خیرات پر پلنے کا تصور یہ کلمہ اپنے ضمن میں دو مفہوم لیتا ہے کہ خیرات بمعنی رزق ہے جیسا کہ پلنے کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے تو اگر مفہوم درست تسلیم کر لیا جائے تو اس کا معنی ہے کہ قادری صاحب فوت شدہ بزرگوں کو اپنا رزاق مانتے ہیں تو یہ صریحاً شرک ہے اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ ان بزرگوں کے نام پر چندہ جمع کرتے ہوں تو اس لحاظ سے فوت شدگان کا نام بیچنے کے مترادف ہے تو یہ اخلاقاً گری ہوئی بات اور جھوٹ ہے اس لیے کہ ان فوت شدہ بزرگوں نے قادری صاحب کو اپنے نام پر خیرات جمع کرنے کا حکم نہیں دیا بہر حال ہر دو معنوں میں قادری صاحب کا کلمہ غیر مناسب ہے جس کا شریعت مطہرہ میں کوئی ثبوت نہیں شریعت میں کسی زندہ بزرگ سے حصول رزق اور اس میں برکت کے لیے دعا کرائی جا سکتی ہے مگر خیرات (رزق) کی نسبت ان کی طرف نہیں کی جاتی اس لیے کہ **ان الله هو الرزاق ذوا لقوة المتين** ''رزق دینا صرف اللہ تعالیٰ کا وصف ہے۔''

سچی بات

موصوف لکھتے ہیں:

''جہاں جا کر دو چیزیں یکجا ہو جاتی ہیں رائے بھی سر جھکا دیتی ہے اور ادب بھی سجدہ ریز ہو جاتا ہے وہ صرف بارگاہ رسالت مآب و بارگاہ نبوت ہے وہاں اختلاف کی گنجائش

نہیں ہے اختلاف کیا تو ایمان سے خارج ہو گئے وہاں کوئی اپنی تحقیق پیش نہیں کر سکتا جو کرے گا وہ بے ایمان ہو جائے گا اگر بارہ گاہ مصطفیٰ ﷺ تک بات چلی جائے، حضور کا قول، فرمان، حدیث اور سنت ثابت ہو جائے تو سب کا ذاتی اختیار، ترجیح، تحقیق، فہم سلب ہو جاتا ہے، سب چراغ بجھ جاتے ہیں جب چراغ علم مصطفیٰ ﷺ چمکتا ہے وہاں جو اپنی رائے اور تحقیق کی بات کرے گا وہ مرتد اور بے ایمان ہو جائے گا۔''

موصوف کی یہ بات بالکل درست ہے اور یہی اہل حدیث کا موقف ہے کہ فرمان رسول، تقریر رسول اور فعل رسول ﷺ کے ہوتے ہوئے کسی کا چراغ روشن نہیں۔ ادھر فرمان محمد ہوا دھر گردن جھکائی ہو۔ کاش کہ موصوف کا عمل بھی اپنے فرمان کے مطابق ہو جائے اور سنت کی اہمیت میں ان کے قول اور فعل میں کہیں تضاد نہ آ جائے۔ کیونکہ تقلید اس کی اجازت نہیں دیتی۔

مذاہب اربعہ پر اجماع

موصوف لکھتے ہیں:

''چار مذاہب پر امت عملاً مجتمع ہو گئی ہے اور صدیوں سے اس پر عملی اجماع بھی چلا آ رہا ہے اور اس تعامل میں تواتر بھی چلا آ رہا ہے۔ پس یہ قطعی اجماع امت ہو گیا ہے۔''

[ص ۳۴ بلفظہ]

موصوف کی بلند و بالا دعوے کرنے کی عادت ہے خواہ وہ دعوی از روئے دلائل قطعیت کے متعارض اور متضاد ہو مثلاً یہی ان کا دعوی کہ پوری امت کا مذاہب اربعہ پر اجماع ہو گیا ہے یہ اجماع کب ہوا کس نے اس کی خبر دی اور اس پر اجماع کے انعقاد کے کیا وسائل تھے اور سب سے پہلے مذاہب اربعہ پر اجماع کا کس نے دعوی کیا ہے یہ تمام باتیں پردہ راز میں ہیں اور کبھی ان سے پردہ نہیں اٹھے گا ۔ مقلدین مذاہب پر اجماع کا دعوی تو کرتے ہیں مگر اس کی تفصیل بیان کرنے سے قاصر ہیں پھر موصوف کے نزدیک سابقہ ادوار میں اجماع سے مراد پوری امت کا اجماع نہیں بلکہ علاقی اجماع مراد تھا جیسا کہ لکھتے ہیں:

''کسی مسئلہ پر اجماع امت ہوئے تو اس کی حجیت ہے اس موقع پر اجماع کی حقیقت سمجھنا ضروری ہے پہلے زمانے میں جب ذرائع ابلاغ وسیع نہ تھے۔ Comunication مکمل نہ تھی۔ اس وقت جب کسی ایک شہر کے علماء کسی ایک مسئلہ پر

متفق ہو جاتے تو اس کو اجماع قرار دے دیتے۔ آپ کتب فقہ کی ہر دوسری سطر میں علیہ الاجماع (اس پر اجماع ہے) کے الفاظ دیکھیں گے اور دوسرا طبقہ جو اس مسئلہ پر اختلاف کر رہا ہے وہ بھی ''علیہ الاجماع'' کے الفاظ لکھ رہا ہے گویا جس کا اس قول سے اتفاق ہے وہ اپنی زبان بیان کر کے لکھتا ہے کہ ''اس پر اجماع ہے'' اور جو اس بات سے اختلاف رکھتا ہے وہ بھی اپنی بات لکھ کر کہتا ہے کہ ''اس پر اجماع ہے'' یہ تمام اپنے طور سچے تھے جو بھی شہر سے تعلق رکھتا وہ اپنے علماء کے اجماع کے مطابق ہی موقف لکھتا اور اپناتا۔ جہاں تک معلومات تھیں اس کی کثرت کو دیکھتے ہوئے لکھتے کہ اس پر ہمارے اہل بلد (شہر والوں) کا اجماع ہے وہ اجماع بلدی (علاقائی) ہوتا تھا یہاں سے ہمارے بہت سے احباب کو مغالطہ لگاتا ہے کہ انھوں نے اس قسم کے علاقائی اجماع کو اجماع امت سمجھ لیا اجماع امت اور شے ہے جبکہ پرانے فقہاء کی کتابوں میں موجود لفظ ''اجماع'' اصل میں بلدی (علاقائی) اجماع ہے۔''

جس سے واضح ہے کہ سابقہ ادوار میں جو اجماع کا دعوی کیا جاتا تھا اس سے مراد پوری امت کا اجماع نہیں بلکہ ایک شہر یا ایک علاقہ کے علماء کا اجماع تھا اور ظاہر ہے کہ اصول فقہ کے علاقائی اجماع کی قابل حجت نہیں۔

[تفصیل از کتب اصول]

پھر خود موصوف کے کلام میں تعارض ہے جیسا کہ فرماتے ہیں: ''ان مذاہب پر امت کے اہل علم ۹۹ فیصد سے بھی زیادہ کا اجماع ہے ایک یا دو افراد بمشکل آپ کو امت میں ملیں گے جو شاید اس تعامل تقلید کے عمل میں شامل نہ ہوتے ہوں۔''

[ص ۳۴]

موصوف ریاضی (Mathematic) میں بڑے مضبوط معلوم ہوتے ہیں پہلے فرمایا ننانوے فیصد سے بھی زیادہ کا اجماع ہے اور نصف سطر کے بعد فرمایا ایک یا دو فیصد اس اجماع میں شریک نہ ہوتے ہوں گے یعنی ننانوے فیصد سے زیادہ میں اتنی گنجائش ہوتی ہے کہ اس میں دو کا عدد سما سکتا ہے۔ واہ سبحان اللہ

اگر بالفرض موصوف کی مذکورہ تحقیق کو درست تسلیم کیا جائے تو پھر بھی مذاہب اربعہ پر اجماع ثابت نہیں ہوتا اگر ایک تقلید بھی اختلاف کرنے والوں کی تعداد یقیناً ہزاروں سے متجاوز ہوگی اور جس

مسئلہ میں ہزاروں اختلاف کرنے والے موجود ہوں تو ایسا اجماع قطعاً قابل حجت نہیں ہوگا اس لیے کہ اصول فقہ کے لحاظ سے وہ اجماع ہے ہی نہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ مذاہب اربعہ پر امت کا کبھی اجماع نہیں ہوا اور یہی حق اور صواب ہے۔

مذاہب اربعہ سے خروج

موصوف لکھتے ہیں:

''اب اگر کوئی چاہے کہ اپنا مذہب بنا لے تو اس سے وہ ایک فتنہ اور دجالت پیدا کرے گا اور وہ نئے لوگوں کو گمراہ کرے گا۔''

[ص ۳۴]

موصوف کے کلام کا جو بظاہر مفہوم سامنے آتا ہے کہ مذاہب اربعہ کے بعد کسی نئے مذہب کی تشکیل فتنہ اور دجالت ہے جو گمراہی کا باعث ہے تھوڑی سے ترمیم کے ساتھ موصوف کا موقف درست ہے ہم پہلے واضح کر آئے ہیں کہ ائمہ اربعہ نے اپنے مذاہب وضع نہیں کئے تھے یہ تو بہت بعد کے لوگوں کی کارستانی ہے جس میں اسلام میں انتشار ہی پھیلا ہے امت واحدہ کئی فرقوں میں تقسیم ہوگئی ہے اور اسلام میں نئے مذاہب کی تشکیل کی راہ ہموار ہوئی ہے اگر موصوف یہ فرماتے کہ اسلام میں کوئی بھی نیا مذہب پیدا کرنا فتنے اور گمراہی کا باعث ہے تو یقیناً ان کا یہ موقف سو فیصد درست ہوتا ہے مگر اس موقف کو اپنانے کے لیے صرف کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے اور اہلحدیث کا یقیناً یہی موقف ہے کہ اسلام میں کسی بھی نئے مذہب کی تشکیل ضلالت اور گمراہی ہے۔

مذاہب اربعہ کی پیروی

موصوف لکھتے ہیں:

''مذاہب قائم ہو چکے اب دین کی عافیت اس میں ہے کہ کسی ایک فقہی مذہب کی پیروی کی جائے تاکہ فتنہ سے بچا جائے۔''

[ص ۳۴]

ہم یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ مذہب اربعہ کس دلیل سے قائم ہوتے ہیں کیا اسلام تمذہب فی الاسلام کی اجازت دیتا ہے یا ان مذاہب کے قیام پر کوئی نص قطعی موجود ہے کہ اس بنا پر ان مذاہب کی پیروی کیا جائے یقیناً ان مذاہب کے تمسک کوئی نص قطعی موجود نہیں اور علی التحقیق نہ ہی ائمہ

اربعہ نے ان مذاہب پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے البتہ ان مذاہب کے ائمہ محققین کا یہی موقف ہے کہ جب ان میں سے کسی ایک مذہب کے کسی مسئلے کا کتاب وسنت سے تعارض ہو تو کتاب وسنت پر عمل کرنا چاہیے اور اپنے امام کے موقف کو ترک کر دینا چاہیے تفصیل کے لیے ''مقلدین ائمہ کی عدالت میں'' ملاحظہ فرمائیں۔

ان مذاہب کی بنیاد تقلید پر ہے اور تقلید بذات خود ایک بہت بڑا فتنہ ہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ فتنوں سے بچنے کے لیے کسی فتنہ پر عمل کیا جائے تقلید سے جتنے فتنے پیدا ہوئے ہیں وہ تاریخ اسلام کا ایک بھیانک باب ہے قادری صاحب کو اسلامی تاریخ کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے تا کہ ان کو تقلید کے فتنے کے بھیانک نتائج کا علم ہو سکے۔

مذاہب اربعہ کی پیروی سنت کی پیروی

موصوف لکھتے ہیں: مذہب حنفی کی پیروی یہ بھی سنت ہے مذہب مالکی، شافعی وحنبلی کی پیروی کرنے والے مالکیہ بھی حضور کی سنت اور شریعت پر عمل کر رہے ہیں اس طرح فقہ جعفریہ کو ماننے والے بھی اپنی فقہ پر یکسوئی قائم رکھے ہوتے ہیں۔

[ص ۳۴]

ہم پیچھے ذکر کر آئے ہیں کہ ائمہ اربعہ نے تقلید سے منع کیا اور اسی طرح امام ابوحنیفہ سے صحیح سند کے ساتھ منقول ہے کہ انھوں نے قاضی ابو یوسف سے فرمایا تھا تم مجھ سے کچھ بھی روایت نہ کرو مجھے معلوم نہیں تا کہ میں خطا پر ہوں یا درستی پر اور فرمایا:

عامة ما احدثکم به خطأ.

[تاریخ بغداد ۱۳/ ۴۲۵]

''میں تم سے جو بیان کرتا ہوں اس میں عام خطا ہوتا ہے۔''

اسی طرح قاضی ابو یوسف ہیں جو فقہ کی ترویج کا اہم سبب ہیں انھوں نے اپنے مرض الموت میں اپنے فتوؤں سے رجوع کا اعلان کیا تھا چنانچہ فرماتے ہیں:

قد رجعنا عنه الا ما وافق کتاب الله وسنة نبيه.

[کتاب الضعفاء للنسائی ص ۳۱۰]

اسی طرح امام مالک نے اپنے مرض الموت میں فرمایا:

واللہ لوددت انی ضربت بکل مسئلة افتیت فیھا بالرأی سوطا وقد کانت لی السعة فیما قدسبقت الیه ولیتنی لم افت بالرأی.

[اعلام الموقعین ۱/۶۳]

''واللہ میں پسند کرتا ہوں کہ ہر اس فتوی کے بدلہ میں جو میں نے اپنی رائے سے دیا ہے مجھے ایک ایک کوڑا مارا جاتا...کاش کہ میں رائے سے فتوی نہ دیتا۔''

امام شافعی فرماتے ہیں:

کل مسئلة تکلمت خلافه فانا راجع فی حیاتی وبعد مماتی.

[المختصر المومل ص ۳۵]

''میرا جو فتوی حدیث کے خلاف ہو اگر مجھے میری زندگی میں علم ہو جائے تو میں اس سے رجوع کرنے والا ہوں۔ اگر (کسی کو) میری موت کے بعد پتہ چل جائے تب بھی اس سے رجوع کرنے والا ہوں۔''

من تبع سنة رسول اللہ ﷺ وافقته ومن خالف فترکھا خالفته.

[المختصر المومل ص ۳۵]

''جو سنت کی پیروی کرتا ہے میں اس کے ساتھ ہوں اور جو اس کے خلاف ہو میں اس کا مخالف ہوں۔''

واشھدوا علی انی راجع عن قولی الی حدیث رسول اللہ ﷺ وان کنت قد بلیت فی قبری.

[حلیۃ الاولیاء ۹/ ۱۰۷]

''لوگو تم اس بات پر گواہ رہو کہ میں اپنے قول کو چھوڑ کر حدیث کی طرف رجوع کرنے والا ہوں اگر چہ میں قبر میں بوسیدہ بھی کیوں نہ ہو جاؤں۔''

ائمہ عظام کے مذکورہ اقوال سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان ائمہ کو اپنے قیاسی فتووں کی صحت پر تردد تھا جس کی بنا پر وہ اپنے اصحاب وتلامذہ کو اپنے اپنے دور میں ان فتووں کے روایت کرنے اور ان پر عمل کرنے سے منع فرماتے تھے تو بھلا آج ان کے فتاوے سنت نبوی کی حیثیت کیسے اختیار کر سکتے ہیں پھر ان فتووں کو سنت نبوی کا درجہ دینا بہت بڑی جرأت ہے ائمہ اربعہ نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ ہمارے اقوال سنت

ہیں ایسی جرأت صرف ائمہ اربعہ پر ہی افتراء نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ پر بھی جھوٹ ہے کب رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے بعد آنے والے ائمہ اربعہ کے اقوال میری سنت ہیں۔ کبرت کلمة تخرج من افواههم.

اگران تمام مذاہب اربعہ پر عمل کرنا سنت ہے تو پھر رافضیوں سے اختلاف کیسا جس اصول وقاعدہ پران مذاہب اربعہ کی بنیاد ہے اسی اصول اور قاعدہ بلکہ اس سے قدرے بہتر اصول جوانھوں نے وضع کیا ہے پرے کہ وہ اپنے ائمہ کو معصوم عن الخطا نہیں مانتے اوران کے اقوال کووحی کا درجہ دیتے ہیں جبکہ ائمہ مقلدین اپنے ائمہ کو معصوم عن الخطا نہیں مانتے۔

[سیرت نعمان از شبلی نعمانی]

تو اس اعتبار سے شیعہ کی فقہ کو سنت قرار دینا زیادہ مناسب ہوگا مگر یہ بات ہی غلط ہے کسی بھی امتی کا قیاسی فتوی سنت رسول نہیں ہوسکتا گر واقعۃً مذاہب اربعہ پر عمل کرنا سنت رسول ہے تو پھر موصوف جرأت کریں کہ سال میں تین ماہ فقہ حنفی پر، تین ماہ فقہ مالکی پر، تین ماہ فقہ شافعی پر اور تین ماہ فقہ حنبلی پر عمل کریں تاکہ سنت کا کوئی گوشہ عملاً متروک نہ ہوجائے اور تمام سنن پر عمل ہوسکے ہمارے خیال میں سنت پر تمسک کا جذبہ رکھنے والوں سے ایسی مخبوط الحواسی سرزد نہیں ہوسکتی کہ وہ کسی امتی کے قول کو سنت رسول کا درجہ دیتے ہوں، لہٰذا موصوف کا یہ قول سنت رسول سے صریحاً استہزاء ہے جو شخص مذاہب اربعہ کے اختلاف سے واقف ہے وہ ایسی لغوبات نہیں کہہ سکتا اس لیے کہ یہ اختلاف معمولی نہیں بلکہ بہت وسیع ہے حتی کہ فرائض خمسہ اور حلال وحرام کے بہت سے مسائل بھی اس اختلاف سے خالی نہیں ہیں تو بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ سنت شراب کو مطلقاً حرام قرار دے اور ایک فقہ اس کی جزئیات میں جاکر اس کی کئی اقسام کو حلال قرار دے اور پھر وہ سنت ہی قرار پائے۔

قادری صاحب سے گزارش ہے کہ وہ مذاہب اربعہ کے آپس میں اختلافات کو جمع کریں اور پھران کا موازنہ سنت رسول سے کریں تو پھر جو ان اختلافات کی بھیانک تصویر سامنے آئے تو دماغ کو تقلیدی تعصب سے آزاد کرکے فیصلہ فرمائیں کہ میرا مذکورہ فرمان کہیں میری کسی اندرونی کہانی کی کوئی چغلی تو نہیں کررہا۔

اہل سنت کا اجماع

موصوف فرماتے ہیں:

''اہل سنت کا اجماع چار مذاہب پر قائم ہے۔''

[ص ۴۴]

ہم قبل ازیں ذکر کر آئے ہیں کہ تقلید پر کسی بھی دور میں کبھی بھی اجماع نہیں ہوا موصوف کوشش کے باوجود اس پر دلیل قائم نہیں کر سکتے۔ ثانیاً اہل سنت کا شعار اور اصول کیا ہیں موصوف کو تو اس کی تحقیق کرنی چاہیے اور پھر از راہ انصاف دیکھنا چاہیے کہ عقائد کے لحاظ سے موصوف کا شمار اہل سنت میں ہے یا اہل بدعت میں۔ اور پھر دیکھنا چاہئے کہ کسی معتمد عالم نے تقلید کو اہل سنت کے شعار اور اصول میں شامل کیا ہے؟

ہر محدث صوفی ہوتا ہے

موصوف لکھتے ہیں:

''ہر محدث و امام ولی بھی تھا اور صوفی بھی تھا تصوف طریقت معرفت اور ولائت کے بغیر نہ کوئی امام بنا ہے اور نہ بن سکتا ہے۔''

موصوف کے کلام میں نظر ہے اس لیے کہ اس کا دعوی ائمہ متقدمین میں سے کسی ایک سے منقول نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام، تابعین بلکہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے دور تک تصوف کا اسلام میں عام شیوح نہیں ہوا تھا اور نہ ہی یہ حضرات تصوف اور اس کے زیر تحت مصنوعی ولائت سے واقف تھے ہاں البتہ امام شافعی اور امام احمد کے دور تک تصوف اپنی بنیادی اکائیوں کے ساتھ ظاہر ہو چکا تھا گو ابھی اس کے مشرکانہ عقائد اشارات کی حد تک تھے تو امام شافعی نے ان کی اسی ابتدائی حالت کو دیکھ کر فرمایا تھا۔

لو ان رجلا تصوف اول النهار لا ياتي الظهر حتى يصير احمق وعنه ايضا انه قال: ما لزم احد الصوفية اربعين يوما فعاد عقله اليه ابدا.

[تلبیس ابلیس ص ۴۱۶]

''اگر کوئی صبح کے وقت صوفی بنتا ہے تو ظہر تک وہ احمق ہو جاتا ہے اور صوفیا کے ساتھ جو چالیس دن گزارتا ہے تو اس کی عقل ایسی گم ہو جاتی ہے جو دوبارہ کبھی نہیں لوٹتی۔''

امام شافعی بغداد سے جب مصر گئے تو فرمایا:

تركت بغداد وقد احدث الزنادقة شيئا يسمونه السماع.

[الفکر الصوفی ص ۶۸۴]

''میں نے بغداد کو اس حالت میں چھوڑا کہ وہاں زندیقوں نے سماع (قوالی) ایجاد کر لی ہے۔''

بلاشبہ امام شافعی نے صوفیا کو زندیق قرار دیا ہے امام احمد بن حنبل کے دور میں حارث محاسبی صوفیا کا سرغنہ تھا جو وساوس اور خطرات (جو صوفیا کا مقبول فن ہے) کے بارے میں کلام کرتا تھا تو اس کے بارے میں امام احمد سے پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

ما تکلم فیھا الصحابة ولا التابعون.

''اس بارے میں صحابہ اور تابعین نے کلام نہیں کیا۔''

جب امام احمد نے محاسبی کا کلام سنا تو فرمایا:

''ان کی مجلس میں نہ بیٹھا کرو۔''

[تلبیس ص ۱۹۱]

امام ابوزرعہ معروف محدث ہیں اور امام بخاری کے ہم عصر تھے ان سے محاسبی کی کتب کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا:

''بدعت اور ضلالت کی کتابیں ہیں کیا تم کو یہ خبر پہنچی ہے کہ امام مالک، سفیان ثوری، اوزاعی اور دیگر ائمہ متقدمین نے ایسی کتابیں لکھی ہیں انھوں نے وساوس اور خطرات میں کتابیں لکھ کر اہل علم کی مخالفت کی ہے تبھی یہ لوگ (صوفیا) ہمارے سامنے حارث محاسبی اور کبھی عبدالرحیم دبیلی کو اور کبھی حاتم الاصم کو اور کبھی شفیق کو پیش کرتے ہیں آہ! لوگ بدعات کو اپنانے میں کتنی جلد بازی سے کام لیتے ہیں۔

[تلبیس ابلیس ص ۱۹۱]

امام المحدثین عبدالرحمٰن بن مہدی سے صوفیا کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

لاتقرب ھؤلاء. [تلبیس ابلیس ص ۲٤٤]

''تم ان کے قریب نہ جاؤ''

ائمہ کرام کے مذکورہ اقوال بیانگ دہل قادری صاحب کے بیان کی تکذیب کرتے ہیں کہ متقدمین محسنین خصوصا ائمہ عظام اور ائمہ اربعہ میں سے کوئی ایک بھی صوفی المشرب نہ تھا بلکہ ان کے دور میں تصوف ایجاد ہو چکا تھا تو انھوں نے اس فن کے مبادیات پر اطلاع پا کر اس کی تردید کی تھی امام شافعی

نے ان پر زندیقی کا فتوی صادر فرمایا تھا جبکہ امام احمد نے ان کی مجلس سے باز رہنے کا اور ابوزرعہ نے ان کے علم کلام کو سلف کے خلاف قرار دے کر ضلالت اور بدعت سے تعبیر کیا تھا تو کیا محدثین صوفی ہو سکتے تھے؟

طریقت کیا ہے؟

موصوف کی محدثین پر نہایت دیدہ دلیری ہے کہ ان کو طریقت کا قائل بنایا ہے طریقت صوفیا کی ایک معروف اصطلاح ہے جس کا دوسرا نام باطنیت بھی ہے صوفیا کے ہاں اس کا مفہوم یہ ہے کہ شریعت کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ہے ظاہر شریعت کا علم (کتاب وسنت) ہے جس پر اہل شریعت عمل کرتے ہیں جو صرف صوفیا کے لیے مخصوص ہے۔

[احیاء العلوم ۱/۸۹]

باطن سے مراد صوفیا کے وہ تخیلات ہیں جس کے تحت وہ حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرتے ہیں جس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ شریعت مطہرہ کے خلاف ان کے جو کفریہ اور شرکیہ نظریات ہیں ان کی دلیل یہی ان کی طریقت ہے۔

طریقت کا نظریہ فاطمیوں کے دور میں پھیلا اس لیے کہ ان کے افعال شریعت اسلامیہ کے صریحا خلاف تھے جس کی بنا پر اس دور کے علماء محدثین اور فقہاء نے ان کو کافر قرار دیا تو انھوں نے اپنے غیر شرعی افعال کے جواز کے لیے طریقت کا نظریہ ایجاد کیا جس کی تفصیل تاریخ کی عام کتب میں موجود ہے کیا یہ محدثین کا نظریہ ہوسکتا ہے جسے محدثین کفر قرار دے چکے ہوں؟ قطعا نہیں موصوف کا یہ افتراء ہے کہ کوئی محدث بھی طریقت کے بغیر نہیں۔ محدث الہند علامہ طاہر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

النصوص علی ظواهرها والعدول الی معان باطن الحاد.

[مجمع البحار ۵/۲۳۲ عقائد نسفی ص ۱۸۱]

”نصوص (کتاب وسنت کے دلائل) کے ظاہری مفہوم سے انحراف کرنا کفر ہے۔“

طریقت تو اسلام کے لئے زہر قاتل ہے۔ جس کا ادراک بعض صوفیاء کو بھی ہوا تھا ان میں سے بھی بعض نے اس نظریہ کو کفریہ نظریہ قرار دیا۔ جیسا کہ سیوطی جو ہر ممکن تصوف کے نظریات کا دفاع کرتے تھے انہوں نے بھی طریقت کو الحاد اور کفر سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

منهم من فرق بين الحقيقة و الشريعة وعارضه عن ظواهر الشرع وهذا

غلط الشريعة كلها حقائق.

[الامر بالاتباع: ص ۱۶۸]

''بعض حضرات نے حقیقت اور شریعت میں فرق کیا ہے اور شریعت کے ظاہر سے اعراض کیا ہے اس لئے کے شریعت تمام کی تمام حقائق پر مبنی ہے۔''

سیوطی سے بہت پہلے ابوسعید خزاز بھی اس کو کفر سے تعبیر کرتے تھے:

(كل باطن يخالف ظاهرا فهو باطل)

[الامر بالاتباع: ص ۱۶۹]

''ہر باطن جو ظاہر کے خلاف ہو وہ باطل ہے۔''

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ موصوف نے اس الحادی نظریہ کی نسبت محدثین کی طرف کیوں کی ہے تو اس کا مختصر سا جواب یہ ہے کہ موصوف خود باطنیت کے قائل ہیں جیسا کہ ان کی کتاب ''حب علی'' اس کی شاہد عدل ہے جس پر ہم نے ایک تفصیلی مقالہ بنام ''قادری صاحب کا نظریہ باطنیت'' سپرد کیا ہے۔ جو ہفت روزہ تنظیم اہلحدیث لاہور شمارہ نمبر ۳۲ میں طبع ہو چکا ہے۔ اس میں موصوف کے نظریہ باطنیت کی بادلائل تفصیل موجود ہے۔

سیوطی کی رسول اللہ ﷺ سے ملاقات

موصوف لکھتے ہیں: امام جلال الدین سیوطی کو جس حدیث کی سند پر تسلی نہیں ہوتی اور کتب تحقیق سے بھی مطمئن نہیں ہوتے تو عالم بیداری میں حضور ﷺ کی کچہری میں ۲۷ مرتبہ حاضر ہو کر پوچھ لیا۔

[ص ۳۵]

علامہ سیوطی دسویں صدی ہجری کے صوفی عالم تھے سیوطی کے پہلے بھی بعض صوفی اس قسم کا دعوی رکھتے تھے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ سے حالت بیداری میں ملاقات ہوتی ہے بلکہ بعض تو مراقبہ کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کے بھی مدعی رہے ہیں یہ نظریہ صرف صوفیاء کا ہی ہے۔ نہ تو کوئی محدث اور نہ کوئی صحیح العقیدہ فقیہ اس نظریے کا قائل اور مدعی تھا غالبا چوتھی صدی ہجری کے آغاز میں حکیم ترمذی نے اس قسم کے اشارے دیئے تھے۔ اور علامہ غزالی نے کھل کر اس کا پرچار کیا تھا۔ یہ نظریہ ہر اعتبار سے کتاب وسنت کے متصادم ہے۔ کسی صحابی یا تابعی نے نے کبھی دعوی نہیں کیا تھا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد بھی ہمیں حالت بیداری میں آپ کا دیدار ہوا تھا۔

اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں آپ کے قریب صحابہ کرام ہی تھے۔ جن میں کتنے ہی صحابہ تھے جو سفر و حضر کے ساتھی تھے۔ جب انہوں نے اس قسم کا کبھی دعوی نہیں کیا تھا تو پھر یہ واضح ہے کہ اگر کوئی کئی صدیوں بعد یہ دعوی کرتا ہے تو وہ دعوی صدق کے معیار پر پورا نہیں اتر سکتا۔ اس لئے اگر علامہ سیوطی یا کسی دوسرے نے بھی بیداری میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کا دعوی کیا ہے تو وہ قطعا درست نہیں اگر سیوطی کے بارہ میں یہ دعوی درست ہے تو پھر ان کی کتب خصوصا در منثور، جامع الصغیر اور خصائص کبری میں بیسوں موضوع اور من گھڑت روایات درج نہ ہوتیں اگر سیوطی کے اس دعوی کو صحیح تسلیم کیا جائے تو پھر ماننا پڑے گا کہ علم حدیث بیکار اور عبث ہے اس علم کے تحت محدثین جن روایات کو موضوع قرار دیتے ہیں بقول قادری رسول اللہ ﷺ بذریعہ سیوطی انہیں صحیح اور اپنا فرمان تسلیم کرتے ہیں۔ اب قادری صاحب خود ہی فیصلہ فرمادیں کہ اس صورت میں علم حدیث اور فن رجال کی کوئی ضرورت واہمیت باقی رہ جاتی ہے۔ ویسے تو جس قسم کا موصوف نے سیوطی کے بارہ میں دیدار نبوی کا دعوی کیا ہے اس قسم کا دعوی خود موصوف کو بھی ہے اور یقیناً آج بھی وہ اس دعوی کا انکار نہیں کریں گے۔ تاویل اور بات ہے۔

افسوس کہ اس قسط کو مکمل کرنے کے بعد شیخ ابوانس محمد یحییٰ گوندلوی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اللہ ان کو جنت الفردوس جگہ عطا فرمائے۔ (عراقی)

❁ ❁ ❁

دفاع حدیث میں مقالات

جب بھی اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ اور حدیث کے خلاف میں جس نے بھی زبان کھولی اور قلم اٹھایا، اس کے حملے کو روکنے کے لیے ان کے قلم شمشیر بے نیام ہوتا تھا اسی مجاہدانہ خدمت میں انھوں نے عمر بسر کردی۔

دفاع حدیث کے سلسلہ میں مولانا گوندلوی نے جو مقالات جماعتی رسائل وجرائد (ہفت روزہ تنظیم اہلحدیث، الاعتصام، اہلحدیث، ترجمان الحدیث، ضیائے حدیث، نداءالاسلام) میں لکھے ان کی ایک فہرست (جو مجھے دستیاب ہوسکی ہے) پیش خدمت ہے۔

۱۔ اہلحدیث پر تحریف حدیث کا الزام
۲۔ قرآن وحدیث کے درمیان تعارض کی حقیقت
۳۔ روایت حدیث میں سند کی اہمیت
۴۔ انکار حدیث تاریخ کی روشنی میں
۵۔ حدیث میں من کنت مولی ہو کا مفہوم
۶۔ قادری صاحب کا سند حدیث کے بارے میں مبلغ علم
۷۔ امام بخاری قادری صاحب کی نظر میں
۸۔ الجزء المفقود یا الجزء المصنوع جعلی ہے
۹۔ محدثین قادری صاحب کی نظر میں.
۱۰۔ رخصتی کے وقت عمر عائشہ رضی اللہ عنہا کی تحقیق
۱۱۔ ضعیف روایات (تاریخ واسباب)
۱۲۔ فقہ البخاری قادری صاحب کی نظر میں
۱۳۔ منہاج السوی پر ایک نظر
۱۴۔ صحیح حدیث پر عمل کرنا واجب ہے

۱۵۔ حفاظت حدیث

۱۶۔ حفاظت حدیث عہد نبوی میں

۱۷۔ حدیث اور تاریخ میں فرق

۱۸۔ قرآن وحدیث میں تضاد نہیں

۱۹۔ حدیث عقیدہ اور احکام میں حجت ہے

۲۰۔ محدثین کرام پر اتہامات کا جائزہ

۲۱۔ قادری صاحب کے دورہ صحیح مسلم پر ایک نظر (آخری مضمون)

دیگر مقالات

درج ذیل مقالات ہفت روزہ تنظیم اہلحدیث لاہور میں ۱۹۹۹ء تا ۲۰۰۸ء میں شائع ہوئے۔

دفاع حدیث میں مولانا گوندلوی کے مقالات کی فہرست آپ پڑھ آئے ہیں ان میں نمبر (۱۴، ۱۷، ۱۹) ہفت روزہ اہلحدیث لاہور میں شائع ہوئے ہیں اور مضمون نمبر ۲۰ ہفت روزہ الاعتصام، اہلحدیث اور تنظیم اہلحدیث تینوں میں شائع ہوا ہے۔

تنظیم اہلحدیث میں شائع ہونے والے مقالات کی فہرست

۲۲۔ معراج النبی ﷺ

۲۳۔ حیات سیدنا مسیح علیہ السلام

۲۴۔ جشن میلاد کی شرعی حیثیت

۲۵۔ نداء لغیر اللہ

۲۶۔ مسنون رکعات تراویح

۲۷۔ چہار شنبہ اور جشن مسرت

۲۸۔ طلاق اور شریعت محمدیہ

۲۹۔ تبصرہ ''خلفاء راشدین'' (عبدالرشید عراقی)

۳۰۔ جشن عید میلاد النبی ﷺ (دینی اور تاریخی تجزیہ)

۳۱۔ غلو کی تباہ کاریاں

۳۲۔ صوفیہ حضرات کا وجد (شریعت محمدیہ کے آئینہ میں)

۳۳۔ حلال جانور میں حرام اشیاء

۳۴۔ مرزا قادیانی کا نظریہ توحید

۳۵۔ ایک مجلس میں تین طلاق

۳۶۔ سورت فاتحہ خلف الامام

۳۷۔ مسائل رمضان

۳۸۔ طاہر القادری کا نظریہ باطنی

۳۹۔ شیخ الاسلام امرتسری اور قادیانیت

۴۰۔ ماہ صفر کی بدعات

۴۱۔ قعدہ اولی کی ایک روایت کی تحقیق

۴۲۔ جشن میلاد حقیقت کیا ہے

۴۳۔ ختم نبوت قرآن وسنت کی روشنی میں

۴۴۔ مرزا قادیانی اور علماء اہلحدیث

۴۵۔ اللہ کے بارہ میں قادیانی عقیدہ

۴۶۔ ولی اللہ کی تعریف

۴۷۔ اہل سنت کی نئی تعریف (بریلوی کتاب) ''اہل سنت کون ہے'' کے جواب میں

۴۸۔ حلالہ اور فقہ حنفی

۴۹۔ بدعت اور اس کی حدود

۵۰۔ حقوق الزوجین

۵۱۔ نداء یا رسول اللہ کی بحث

۵۲۔ نماز رغائب

۵۳۔ استعانت اور استغاثہ

۵۴۔ بدعتوں کی مذمت

۵۵۔ مبادیات عقیدہ

۵۶۔ اہمیت حدیث بجواب حقیقت حدیث

۵۷۔ احکام قربانی

۵۸۔ نماز با جماعت کی اہمیت

۵۹۔ تحریک اہلحدیث، تحریک حفاظت اسلام

۶۰۔ صوفیہ کا وجد بدعت ہے۔

❁ ❁ ❁

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ کی غیر مطبوعہ تحریر

یہ درج ذیل تحریر مجھے مولانا ابو عمر عبدالعزیز سیال سوہدروی نے بھجوائی ہے مولانا عبدالعزیز کو مولانا گوندلوی مرحوم سے ایک خاص تعلق تھا اور آپ گاہے بگاہے مولانا گوندلوی مرحوم کی خدمت میں استفادہ وتحقیق کے لیے حاضر ہوتے رہتے تھے۔ مولانا عبدالعزیز نے مولانا گوندلوی مرحوم سے دو عربی عبارتوں کی وضاحت چاہی جس میں پہلی عبارت نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض کی ہے اور دوسری عبارت امام ذہبی کی کتاب سیر اعلام النبلاء کی ہے۔ مولانا گوندلوی مرحوم نے ان دونوں عبارتوں کا ترجمہ اپنے ہاتھ سے کر کے مولانا عبدالعزیز صاحب کے حوالے کیا۔ مولانا گوندلوی کی یہ تحریر مولانا عبدالعزیز صاحب کے پاس محفوظ ہے اور اس کی نقل انھوں نے مجھے بھجوائی ہے جو قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ (عراقی)

۱۔ بریلوی مکتبہ فکر کے عالم دین علامہ غلام رسول سعیدی کی کتاب ''ذکر بالجہر'' میں ''الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ'' کا ثبوت دیکھا جس کا حوالہ تھا:

نسم الریاض شرح شفا قاضی عیاض ۳/۴۵۴

مذکورہ بالا حوالہ میں کتاب کا نام درست تھا لیکن جلد نمبر اور صفحہ نمبر غلط نکلا اور عبارت بھی مکمل نقل نہیں کی گئی تھی تاہم راقم نے مطلوبہ جلد اور صفحہ نمبر تلاش کیا تو صحیح حوالہ جلد نمبر ۵/ ۱۸ تھا۔

(عبدالعزیز سیال)

عربی عبارت کا صحیح ترجمہ مولانا گوندلوی نے کیا وہ پیش خدمت ہے۔

''منقول ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تشہد میں ''الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ'' یا نبی اللہ کہتے تھے۔ انھوں نے جو اس سے سیکھا وہ نماز میں تشہد سے زائد ہے تو یہ بیان کے مخرج پر نکلا ہے جو قرآن میں ہے اور آیت کے ظاہر کا بھی اس پر دلالت کرتا ہے اس پر اعتراض ہے کہ صحابہ کا قول کہ ہم آپ پر سلام کو پہچانتے ہیں آپ پر صلوۃ کیسے ہے اس میں بھی احتمال ہے کہ اس سلام سے مراد نماز سے فارغ ہونے کا وقت ہو، جیسا کہ ابن

عبدالبر نے کہا ہے۔دلیل میں جب احتمال آجائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے الغرض جو تم نے ذکر کیا ہے اس کی غایت یہی ہے کہ صلوۃ کو سلام کے ساتھ نماز میں ملانا واجب ہے اور صلوۃ کو سلام کے ساتھ ملانے کی دلالت ضعیف ہے یہ تو تب ہے جب یہ تسلیم کیا جائے کہ سلام واجب ہے حالانکہ یہ غیر مسلم ہے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اول فاسد ہے جس کی تردید حدیث کے الفاظ کرتے ہیں اور ان کا یہ قول ''هذا السلام عليك'' فقط سلام نہیں حتی کہ مراد نماز کا سلام ہو۔سائل نے ان دونوں کے ملانے کا سوال نہیں کیا اس نے آیت میں امر (صلوا) کے بارے میں کیا تھا اس کے مابعد کی جو بات ہے وہ ساقط ہو جاتی ہے۔

۱۔ مولانا عبدالعزیز سیال فرماتے ہیں:

دوسری عبارت شیخ عبدالقادر جیلانی کے بارے میں ہے جس کو سادہ لوح مسلمان ''غوث اعظم'' اور ''دستگیر'' کہہ کر ہر شکل میں پکارتے ہیں امام ذہبی نے اپنی بے نظیر کتاب ''سیر اعلام النبلاء'' میں شیخ جیلانی کے حالات بڑی تفصیل سے لکھے ہیں۔

[۲۰/۴۳۹۔۴۵۱]

ان کے چند اقتباسات کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔جو شیخ گوندلوی نے کیا ہے۔

۱۔ عبداللہ فرماتے ہیں: اگر میں اس جگہ ہوتا۔تو میں ان دونوں کی قبروں کی اس وصف کے مطابق کرتا۔جو وصف رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے۔

[ص ۴۴۱]

۲۔ ان پر حافظ عبدالغنی کتاب الهدایہ کی قرأت کر رہے تھے اس وقت ہمارے علاوہ ان سے کوئی نہیں پڑھتا تھا۔ہم ان کے پاس ایک ماہ نو دن رہے پھر وہ فوت ہوئے ان کی نماز جنازہ رات کے وقت ہم نے ان کے مدرسہ میں ادا کی۔ میں نے نہیں سنا کہ جس قدر ان کی کرامات کا ذکر کیا جاتا ہے کسی اور کی کرامات کا ذکر کیا جاتا ہو۔اور میں نے نہیں دیکھا کہ دین کی خاطر لوگ جس قدر ان کی قدر و تعظیم کرتے ہیں کسی اور کی کرتے ہوں۔ہم سے ان پر جو پڑھا گیا اس سے مختصر اجزاء سماعت کیے ہیں۔

[ص ۴۴۲]

۳۔ ہمارے شیخ حافظ ابوالحسن علی بن محمد فرماتے ہیں: میں نے شیخ عبدالعزیز بن عبدالسلام شافعی سے سنا، فرماتے تھے ہمارے پاس متواتر کے ساتھ صرف شیخ عبدالقادر کی کرامات منقول ہوتی ہیں ان سے کہا گیا یہ اعتقاد کی وجہ سے ہے تو یہ کیسے ہے؟ انھوں نے کہا جو کسی مذہب کو لازم کرتا ہے۔اس کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔

[ص ۴۴۳]

۴۔ مرأۃ الزمان کے مؤلف فرماتے ہیں شیخ عبدالقادر کا سکوت (خاموشی) ان کے کلام سے زیادہ ہونا، یہ خواطر (دل کے وسواس) کے بارے میں کلام کرتے۔ان کے لیے بڑی مشہوری ہوئی۔اور قبول عام حاصل ہوا۔ وہ اپنے مدرسہ سے جملہ کے دن نکلتے یا اپنے رباط (وجد) کے طرف جاتے اکثر اہل بغداد نے ان کے ہاتھ پر توبہ کی بیعت کی۔اور بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے اور وہ ان سب پر حق کی وضاحت کرتے اور ان کی کرامات واضح ہیں۔

[ص ۴۴۹]

۵۔ امام ذہبی فرماتے ہیں مشائخ میں کوئی ایسا شخص نہیں جس کے احوال اور کرامات شیخ عبدالقادر سے زیادہ ہوں لیکن ان میں اکثر درست نہیں اور بعض تو ناممکن اور محال چیزیں ہیں۔

[ص ۴۵۰]

۶۔ ''جبائی'' فرماتے ہیں کہ شیخ عبدالقادر فرمایا کرتے تھے مخلوق تیرا پردہ ہے تیرے نفس سے اور تیرا نفس تیرا پردہ ہے تیرے رب سے۔

[ص ۴۵۰]

۷۔ اور مختصر یہ کہ شیخ عبدالقادر بڑی شان والے تھے ان کے بعض اقوال اور دعوے قابل گرفت ہیں اس کا وقت اللہ کے پاس اور بعض دعوے ان پر جھوٹ اور الزام ہیں۔

[ص ۴۵۱]

❁ ❁ ❁

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی اپنے دم سے ایک عہد تھے وہ اپنی ذات میں خود ایک انجمن تھے وہ ایک نہایت اصولی، راست گو، راست باز، حق پسند اور مرنجان طبیعت کے انسان تھے۔ سلامت طبع کی نعمت انھیں وافر ملی تھی اسی سبب سے وہ مخالفت کے طوفان اور حالات کے ہیجان میں بھی کبھی تناسب ہو توازن سے محروم نہیں ہوئے مولانا سیاسی اعتبار سے مسلم لیگ (ن) سے وابستہ تھے لیکن ان کا حلقہ احباب عام تھا۔ جس میں دوسری جماعتوں کے لوگ شامل تھے اور سب سے ان کے تعلقات تھے اور وہ سب لوگ ان کا احترام کرتے تھے۔

مولانا گوندلوی کی ایک خاص صفت ان کی سادہ مزاجی، تواضع اور بے تکلفی تھی مولانا محمد یحییٰ گوندلوی کی وضعداری بھی قابل ذکر ہے جس سے ایک مرتبہ تعلقات ہو جاتے ان میں ذرا فرق نہ آتا۔

مولانا گوندلوی کم گو مگر فعال، سنجیدہ، مگر سرگرم اور نبض شناس تھے ان کی پیشانی کی شکنیں ہمہ وقت معنی خیز نتائج کی متلاشی ہوتی تھیں۔ وہ مرکزی جمیعت اہلحدیث پاکستان کی مجلس شوری کے معزز رکن رہے وہ ہر دم مرکزی جمیعۃ اہلحدیث پاکستان کے عظمت و وقار کے لیے سینہ سپر رہے۔ جمیعۃ کے اجلاسوں میں ان کے مشوروں کو خاص اہمیت دی جاتی تھی اور جمیعۃ کے عہدے داران کے مشوروں کی قدر کرتے تھے بلکہ اسے اختیار بھی کرتے تھے۔

مولانا گوندلوی انتہائی منکسر المزاج، ذہین، دور اندیش اور تعمیری فکر رکھنے والے انسان تھے ان کی علمی سرگرمیوں کے بے شمار نقوش جماعت اہلحدیث میں دیکھے جا سکتے ہیں ان کے علمی کارناموں کی تفصیل ہفت روزہ تنظیم اہلحدیث لاہور اور ہفت روزہ اہلحدیث لاہور میں دیکھی جا سکتی ہے ان اخبارات میں ان کے علمی و تحقیقی مضامین شائع ہوتے رہتے تھے۔

مولانا گوندلوی مصلحت آمیز گفتگو کرنے میں اپنی مثال آپ تھے۔ اختلافی مسائل میں اپنا نقطہ نظر کتاب و سنت کی روشنی میں بڑے مدلل اور موزوں انداز بیان میں واضح فرما دیتے تھے۔ اس کی شہادت آپ کو ان فتاوی میں مل سکتی ہے جو ماہنامہ شمس الہدی ڈسکہ اور بعد میں ماہنامہ تنویر الہدی ڈسکہ

میں احکام ومسائل کے عنوان سے شائع ہوئے ہیں۔

جن لوگوں نے کبھی مولانا گوندلوی کو نہیں دیکھا۔ وہ بہت کچھ سن کر اور پڑھ کر بھی شاید اس کا صحیح اندازہ نہ لگا سکیں کہ مرحوم اپنے کریمانہ اخلاق اور شفیقانہ لطف وکرم کے اعتبار سے کیا تھے۔ اور یہ کہ جو ایک بار ان سے مل لیتا تھا وہ ان کی عالمانہ گفتگو مصلحانہ طریق فکر کا کس قدر گرویدہ ہو جاتا تھا۔ مختلف افراد اپنے ذاتی، معاشرتی مسائل لے کر ان کے پاس آتے۔ اور ان سے مشورہ لیتے۔ مولانا گوندلوی اپنی مخلصانہ توجہ اور تعلق خاطر کے ساتھ ان کو جو مشورہ دیتے وہ اسے قبول کرتے اور حتی الوسع مشورہ پر عمل کرنے کی کوشش کرتے۔

مولانا گوندلوی دیکھنے میں تو سیدھے سادے مہذب، شریف النفس اور معقول انسان نظر آتے تھے لیکن درحقیقت ان کی شخصیت بڑی پروقار اور پر جہت تھی جس میں سادگی کا ایک حسین وعجیب امتزاج دیکھا جاسکتا تھا۔

مولانا گوندلوی ایک عمدہ واعظ تھے اور زندگی بھر لوگوں کو اپنے وعظ سے مستفید کرتے رہے۔ مولانا گوندلوی کی تحریر نہایت علمی اور تحقیقی ہوتی تھی اور اس کی شہادت آپ کی تصانیف سے مل سکتی ہے ان کی کوئی تحریر بغیر حوالہ کے نہیں ہوتی تھی۔ مولانا گوندلوی میں ایک وصف یہ بھی تھا کہ علمائے سلف کی طرح نام ونمود سے اجتناب کرتے تھے۔

مولانا گوندلوی کو ہر مرحلے پر کتاب وسنت کی اشاعت اور برتری کا خیال اور معترضین کو کتاب وسنت کا دندان شکن جواب اور پاکستان میں کتاب وسنت کی ترقی اور اسلامی قوانین کا نفاذ ان کی زندگی کا اولین مقصد تھا۔ ان کے سانحہ ارتحال سے جماعت اہلحدیث پاکستان کو ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے ان شاء اللہ العزیز ان کے علمی کارنامے انھیں زندہ وتابندہ رکھیں گے۔

مدت کے بعد ہوتے ہیں پیدا کہیں وہ لوگ
مٹتے نہیں ہیں دہر سے جن کے نشان کبھی

مولانا گوندلوی دینی علوم میں غیر معمولی بصیرت رکھتے تھے انھوں نے تمام عمر بدعات ومحدثات کو ختم کرنے اور عقائد ورسوم کی کتاب وسنت کی روشنی میں اصلاح کی کوشش کی اور لوگوں کو کتاب وسنت کی پیروی کی تلقین کرتے رہے۔

مولانا گوندلوی کے ساتھ میرا تعلق ۱۵۔۲۰ سال سے تھا۔ مرحوم ہمیشہ شفقت کا برتاؤ رکھتے تھے

مرحوم کی جن خوبیوں نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا ان میں ایک چیز ان کے دل کی صفائی تھی میں نے ان خوبی کا بار بار تجربہ کیا وہ اپنے اس وصف میں کندن تھے۔ بہت صاف وشفاف تھے اور اس میں کسی قسم کی ملاوٹ اور کھوٹ نہیں تھی۔

ان کی دوسری خوبی یہ تھی جس سے میں بہت زیادہ متاثر ہوا کہ وہ دلیل کے سامنے فوراً سرنگوں ہو جاتے تھے وہ مرکزی جمعیۃ اہلحدیث پاکستان کی مجلس شوری کے رکن تھے وہاں اپنی رائے کو دلیل کے ساتھ پیش کرتے تھے اور دوسرے بھی ان کا جواب دلیل سے دیتے تھے مولانا گوندلوی میں یہ خوبی تھی کہ اگر دوسرے شخص کی دلیل قوی ہوتی تھی تو ضد نہیں کرتے تھے فوراً اس کو قبول کر لیتے تھے۔

مولانا گوندلوی عزم وہمت کے تو گویا پہاڑ تھے وہ شوگر کے مریض تھے اور اس مرض نے ان کی صحت کو اس طرح چاٹ گیا تھا کہ وہ استعارہ کی زبان میں نہیں بلکہ حقیقت کی زبان میں صرف پوسٹ اور استخواں رہ گئے تھے لیکن جب ان کو افاقہ ہوتا تو فوراً لکھنے پڑھنے میں لگ جاتے یہ انھیں کی ہمت تھی۔ دوسرا کوئی ان شدید دردوں کے بعد اپنے اندر اٹھنے کی سکت نہ پاتا انھوں نے نہ صرف کتابیں لکھیں، تراجم کیے، مقالات ومضامین لکھے وعظ وتقریر کا سلسلہ جاری رکھا انھوں نے جو کارنامے انجام دیے کوئی دوسرا شخص نہیں کر سکتا تھا۔

مولانا گوندلوی میں ایک خاص وصف یہ تھا کہ علمائے اہلحدیث کی علمی خدمات کا برملا اعتراف کرتے تھے خدمت حدیث میں مولانا ابوالطیب نواب صدیق حسن خان، مولانا شمس الحق ڈیانوی، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری، مولانا سید احمد حسن دہلوی، مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی، مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری، حضرت العلام عبداللہ روپڑی، مولانا محمد عطاء اللہ حنیف، مولانا محمد علی جانباز، مولانا حافظ عبدالمنان نورپوری اور مولانا ارشادالحق اثری وغیرہم کی خدمات کے معترف تھے اور انھیں خراج تحسین پیش کرتے تھے۔

درس وتدریس میں علمائے اہلحدیث میں شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی، مولانا حافظ عبداللہ محدث غازی پوری، مولانا احمد اللہ امرتسری، مولانا عبدالجبار عمرپوری، مولانا حافظ محمد بن بارک اللہ لکھوی، مولانا سید عبدالجبار غزنوی، مولانا عبدالقادر لکھوی، مولانا عطاء اللہ لکھوی، مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی، حضرت العلام حافظ محمد گوندلوی، مولانا ابوالبرکات احمد مدراسی، شیخ الحدیث مولانا محمد اعظم اور مولانا عبدالعزیز علوی وغیرہم کی تدریسی خدمات کے بہت زیادہ معترف تھے۔

ادیان باطلہ (عیسائیت، آریہ سماج، قادیانیت اور منکرین حدیث) کی تردید اور مخالفین اسلام کا ہر محاذ پر مقابلہ کرنے میں جن علماء کرام نے اپنا کردار ادا کیا اور انھیں ہر محاذ پر شکست فاش دی۔ اور ان سے تحریری وتقریری مقابلہ کیا۔ اور ان سے مباحثے ومناظرے کیے ان علماء میں خصوصی طور پر مولانا گوندلوی درج ذیل علماء کا بڑے والہانہ انداز میں ذکر کرتے تھے مثلاً

مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی، مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری، مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری، مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی، مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی، مولانا احمد الدین گکھڑوی، مولانا نور حسین گھرجاکھی، مولانا محمد عبداللہ معمار امرتسری، مولانا عبداللہ ثانی امرتسری، مولانا محمد حنیف ندوی کے خدمات کے معترف تھے اور فرمایا کرتے تھے:

ان علماء کرام نے ادیان باطلہ کی تردید میں جو کارنامے انجام دیے ہیں ان شاء اللہ العزیز یہ ان کی نجات کا ذریعہ ہوں گے۔

مقلدین احناف (بریلوی اور دیوبندی) اور شیعہ حضرات کی تردید میں علمائے اہلحدیث نے جو تحریری وتقریری خدمات انجام دیں اور اس وقت دے رہے ہیں ان کا اعتراف بھی مولانا گوندلوی بڑے فراخدلی سے کرتے تھے اور کئی دفعہ راقم سے فرمایا:

عراقی صاحب! دین اسلام کو نقصان پہنچانے میں سب سے زیادہ نقصان مقلدین احناف (دیوبندی اور بریلوی) اور حاملین فقہ جعفریہ نے پہنچایا ہے اور کسی نے نہیں پہنچایا۔ تقلید شخصی نے دین اسلام کا حلیہ بگاڑ دیا ہے انھوں نے اپنی کتابوں میں جو گل کھلائے ہیں وہ آپ پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ زہریلے سانپ ہیں میری دو کتابیں ''مقلدین ائمہ کی عدالت میں'' اور ''داستان حنفیہ'' کا مطالعہ کریں آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ کس قسم کے آدمی ہیں۔ حاملین فقہ جعفریہ بھی کچھ ان مقلدین احناف سے کم نہیں دونوں ایک ہی چکی کے پاٹ ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے۔ طاہر القادری صاحب نے اب جو سلسلہ شروع کیا ہوا ہے اس کا اندازہ آپ کو میرے مضامین سے ہو گیا ہوگا جو تنظیم اہلحدیث اور اہلحدیث وغیرہ میں شائع ہوتے ہیں۔ اس شخص نے تو اسلام کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے اس کے ساتھ ایک اور صاحب بھی میدان میں آئے

ہیں ان کا نام جاوید احمد غامدی ہے۔ یہ شخص انکار حدیث میں پیش پیش ہے۔ اور اس
وقت منکرین حدیث کا علمبردار ہے۔ ماہنامہ محدث لاہور میں اس کی تحریروں کا جواب
دیا جا رہا ہے اللہ تعالیٰ حافظ عبدالرحمٰن مدنی صاحب اور ان کے رفقاء کو جزائے خیر دے
کہ وہ غامدی صاحب کی تحریروں کا نوٹس لے رہے ہیں۔

مولانا گوندلوی مرحوم میں ایک خاص وصف یہ بھی تھا کہ وہ اہل علم کی قدر کرتے تھے اور ہر اچھی کتاب جو شائع ہوتی اور ان کی نظر سے گزرتی۔ اس کی تعریف کرتے۔ میرے تصنیفی کارناموں کی تعریف کرتے تھے (میری دو کتابوں مقام حدیث اور برہان الحدیث پر علمی و تحقیقی مقدمات لکھے اور مقام حدیث تو انھوں نے خود اپنے ادارہ جامعہ تعلیم القرآن والحدیث ساہووالہ کے زیر اہتمام شائع کی تھی۔ برہان الحدیث اب شائع ہوئی ہے افسوس کہ یہ کتاب ان کی زندگی میں شائع نہیں ہو سکی)

مولانا گوندلوی سیاسی اعتبار سے مسلم لیگ (ن) سے وابستہ تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ مرکزی جمعیۃ اہلحدیث پاکستان نے اس سے الحاق کیا ہوا ہے تو ہمیں بھی جمعیۃ کے فیصلے کی پاسداری کرنی چاہیے اور پروفیسر ساجد میر صاحب نے اس معاملہ میں جو فیصلہ کیا ہے اس سے ہمیں اتفاق کرنا چاہیے۔

(پروفیسر ساجد میر صاحب بھی مولانا گوندلوی کے علم و فضل اور ان کے علمی کارناموں کے معترف تھے جب مولانا گوندلوی کی کتاب ''خصائل محمدی ترجمہ شمائل ترمذی'' شائع ہوئی اور مولانا گوندلوی نے اس کی تقریب کا اہتمام کیا تو حضرت الامیر مہمان خصوصی تھے اور آپ نے مبلغ پچاس ہزار روپے انعام کا اعلان کیا اور اپنی تقریر میں فرمایا:

''مولانا محمد یحییٰ گوندلوی نے شمائل ترمذی کا ترجمہ اور شرح کر کے ایک عظیم علمی خدمات
انجام دی ہے اور میں انھیں ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔''

غرضیکہ حضرت مولانا محمد یحییٰ گوندلوی رحمہ اللہ بڑے جلیل القدر عالم دین، علمائے سلف کی یادگار، عربی و اردو کے مایہ ناز مصنف، اچھے دانشمند، مخلص صلاح کار، بہت زیادہ محبت کرنے والے اور گہری سوجھ بوجھ کے انسان تھے۔ جتنا انھیں قریب سے دیکھا خوبیاں ہی خوبیاں ملیں۔ عجب انسان تھا ۔خدا مغفرت فرمائے۔

❁ ❁ ❁

مصنف کی دوسری تصانیف

مطبوعہ

۱۔ تذکرۃ ابوالوفاءؒ
۲۔ برصغیر (پاک وہند) میں علمائے اہلحدیث کی تفسیری خدمات
۳۔ برصغیر (پاک وہند) میں علمائے اہلحدیث کی تفسیری وحدیثی خدمات
۴۔ سیرت ائمہ اربعہؒ
۵۔ تذکرہ بزرگان علوی سوہدرہ
۶۔ مؤلفین صحاح ستہ اوران کے علمی کارنامے
۷۔ ادیان باطلہ کی تردید میں علمائے اہلحدیث کی علمی خدمات
۸۔ امام ابن تیمیہؒ
۹۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ
۱۰۔ تذکرہ محدث روپڑی (حافظ عبداللہ روپڑیؒ)
۱۱۔ دوروشن ستارے (مجدد الف ثانیؒ، شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ)
۱۲۔ کاروان حدیث
۱۳۔ خدمات حدیث
۱۴۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ (حیات وخدمات)
۱۵۔ مولانا ثناءاللہ امرتسریؒ کی تصانیف (ایک مطالعہ)
۱۶۔ تذکرہ محدث وزیرآبادی (حافظ عبدالمنان وزیرآبادیؒ)
۱۷۔ حیات نذیر (شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلویؒ)
۱۸۔ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء
۱۹۔ عظمت حدیث
۲۰۔ خلفائے راشدین
۲۱۔ اہلحدیث کے چارمراکز

۲۲۔ سید سلیمان ندویؒ

۲۳۔ برصغیر میں علم حدیث

۲۴۔ غزنوی خاندان

۲۵۔ چالیس علمائے اہلحدیث

۲۶۔ عظمت ورفعت کے مینار

۲۷۔ برصغیر میں علمائے اہلحدیث کے علمی کارنامے

۲۸۔ خاندان ولی اللہ دہلویؒ کی تصنیفی خدمات

۲۹۔ امام ابن تیمیہ اوران کے تلامذہ

۳۰۔ سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ

۳۱۔ اہلحدیث کی دعوت

۳۲۔ اسلام میں سنت کا مقام

۳۳۔ سیرت امام احمد بن حنبلؒ

۳۴۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ (صحافی ومفسر)

۳۵۔ مقام حدیث

۳۶۔ تعارف انجاز الحاجہ شرح سنن ابن ماجہ

۳۷۔ تذکرہ اسلاف

۳۸۔ تعارف شمائل ترمذی مولانا محمد یحییٰ گوندلویؒ

۳۹۔ جامعین حدیث

۴۰۔ تذکرۃ الشعراء

۴۱۔ تذکار آزاد

۴۲۔ تذکار نواب صدیق حسن خانؒ

۴۳۔ سیرت اصحاب عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم

۴۴۔ برہان الحدیث

زیر طبع

۱۔ سیرت امام بخاریؒ
۲۔ دشمنان رسول کا عبرتناک انجام
۳۔ ساٹھ علمائے اہلحدیث
۴۔ صد مشاہیر اسلام
۵۔ مولانا ابوالکلامؒ کی تصنیفی خدمات
۶۔ قادیانیت کی تردید میں علمائے اہلحدیث کی خدمات
۷۔ سیرت امام شافعیؒ
۸۔ سیرت امام مالکؒ
۹۔ شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانبازؒ کی تصانیف (ایک مطالعہ)
۱۰۔ تعارف القرآن
۱۱۔ تعارف کتب احادیث
۱۲۔ میاں محمد جمیل کی تصانیف (ایک مطالعہ)

مسودات

۱۔ فتاوٰی مولانا عبدالمجید سوہدرویؒ
۲۔ اطاعت رسول ﷺ
۳۔ مذہبی معیار
۴۔ مقالات
۵۔ سیرت محدثین صحاح ستہ

ناشرین کی غفلت سے مسودات گم ہوگئے

۱۔ مردم دیدہ
۲۔ تذکرۃ الکرام فی ذکر علماء اسلام

کل تعداد مطبوعہ وغیر مطبوعہ۔ ۶۴

مطبوعہ تصانیف میں کوئی بھی کتاب مصنف سے نہیں مل سکے گی۔

شعبہ تعلیم

* ناظرۃ القرآن * ترجمہ وتفسیر القرآن * فہم اسلام کورس * حفظ قرآن مع مڈل * ختم نبوت کورسز

شعبہ طبع و تالیف

اس شعبہ کے زیر اہتمام درج ذیل کتب ورسائل شائع ہو چکے ہیں۔

* تسکین القلوب * انعام رمضان * تحفہ قربانی * امام الانبیاء ﷺ کی نماز
* احکام ومسائل زکوٰۃ * موت سے قبر تک * تحقیق جشن میلاد * قادیانیت میں توحید کا تصور
* قادیانیت کیا ہے؟ * مسیح موعود * مثیل مسیح * قادیانیت اور عقیدہ رسالت
* قادیانیت اور جہاد * آخری فیصلہ * قادیانی کافر کیوں؟ * مرزا قادیانی کی کذب بیانی
* حیات عیسیٰ علیہ السلام * عقیدہ ختم نبوت * نزول مسیح * مرزا قادیانی کی متضاد بیانی
* قادیانیوں کا اہل اسلام سے اظہار نفرت * قادیانیت کے عقائد ونظریات
* مرزا قادیانی کی پیش گوئیاں وغیرہم۔

شعبہ تبلیغ

* ہفتہ وار تربیتی اجتماع، ماہانہ تبلیغی پروگرام * سالانہ سیرۃ النبی ﷺ کانفرنس
* سالانہ عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم کانفرنس * سالانہ حسن قراءت کانفرنس
* سالانہ اہلحدیث کانفرنس کا انعقاد۔

شعبہ خدمت خلق

* مستحق اور نادار افراد تک خفیہ انداز میں تعاون * فری ڈسپنسری

آئیے! اس مقدس مشن کی تکمیل کے لئے ہمارا ساتھ دیں اور اس کی کامیابی کے لئے اپنی پرخلوص دعاؤں میں یاد رکھیں۔